البراہینُ القاطِعۃ

علیٰ ظلام

انوارُ السّاطِعۃ

بامر حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف رأس الفقہاء والمحدثین تاج العلماء الکاملین

جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

دارُ الکتاب دیوبند

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تحقیق آئی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے

الحمد للہ العلی الاعلیٰ کہ کتاب لاجواب ماحی رسوم و بدعات
دافع اوہام و ظلمات محلّی بحجج لامعہ موشی بدلائل نافعہ یعنی

البَرَاهِينُ القَاطِعَة

علیٰ ظلام

انوارِ السَّاطِعَة

الملقَّبُ بالدَّلائِلِ الواضِحَة

علیٰ

كَرَاهَةِ المروَّج مِنَ المولُودِ والفاتحة

باسم حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف رأس الفقہاء والمحدثین تاج العلماء الکاملین

جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

ناشر

دارُ الکتاب دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

فہرست مضامین براہین قاطعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہزار ہزار شکر تیرا اے منعمِ حقیقی کہ تو نے ایسا حبیب مقبول عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا جس کا وجود باوجود مؤمنین کے لئے موجبِ نور و ایمان اور باعثِ آرام جان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب وجۂ تالیف وضرورتِ تالیف

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ انفسِنا ومِن سیّئاتِ اعمالِنا مَن یھدِہِ اللّٰہُ فلا مُضلّ لہٗ ومَن یُضلِلْہُ فلا ھادیَ لہٗ ونشھد اَن لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد اَنّ سیّدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین الیٰ یوم الدّین۔ اَمّا بعد بندہ احقر الناس **خلیل احمد** انبہٹوی عفاء اللہ تعالیٰ عنہ بخدمت متدینانِ[1] بادانش عرض کرتا ہے کہ ہر چند جناب حق تعالیٰ نے منشورِ عام واجب الاذعان[2] انزال فرمایا کہ الیومَ اکملتُ لکم دینکم واتممتُ علیکم نعمتی (آج میں نے

---

[1] دین دار [2] قابلِ یقین۔

لقد جآءکم رسولٌ من انفسکم عزیز علیہ ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤف الرّحیم پھر لاکھوں کروڑوں درود اس امام رسلؐ کی روح پر فتوح پر جس کے فیض تعلیم و ہدایت سے ہر زندہ دل اپنے مردگان غمناک کی ارواح کو فاتحہ و درود سے راحت رساں ہے ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلاً للّذین اٰمنوا ربّنا انّک رؤف الرّحیم۔

تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کیا)۔ اور فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشتہار علی الاعلان فرمادیا کہ علیکم بسنّتی وسنۃ الخلفاء الرّاشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فانّ کلّ بدعۃ ضلالۃ (الحدیث)۔ (تم پر میری سنّت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اسے مضبوطی سے پکڑلو اور نئے نئے امور سے بچو اس لیے کہ اسمیں نئی نئی باتوں کا پیدا کرنا گمراہی ہے) مگر تاہم عوام کالانعام[1] باغوائے[2] شیطانی اختراع فی الدین سے باز نہ رہے اور محدثات کو عمدہ عبادت تصور کر کے منہمک ان سیئات کے ہوئے اور پھر علماءِ ربّانیین نے اگرچہ قلع و قمع میں ان محدثات کی سعیِ بلیغ فرمائی مگر علماءِ دنیا نے بتسویلِ[3] نفسانی ان بدع کی تحسین میں رسائل تالیف کئے ہرچند یہ سب کچھ تھا لیکن کسی نے فقہاء مجتہدین و علماءِ راسخین کو سبّ[4] وشتم سے یاد نہ کیا تھا اور نہ علماء و اولیاء کے طعن سے اپنا دنیا و دین برباد کیا۔ اس سن تیرہ سوتین (۱۳۰۳ھ) ہجری کے ماہِ شعبان میں ایک کتاب مسمّٰی بہ انوارِ ساطعہ کہ فی الواقع وہ ظلماتِ باطلہ ہے اس احقر کی نظر سے گذری کہ اس کے مؤلف نے صراحۃً علماءِ راسخین و اولیائے مقبولین پر طعن وشتم کر کے مورد مَن عادیٰ ولیاًلی فقد اٰذنتہٗ بالحرب کا ہوا ہے اور طرفہ یہ کہ وہ خود علم و فہم سے بالکل عاری، جہلِ

---

[1] جانوروں کے مانند [2] شیطان کے بہکانے سے [3] نفس کے فریب میں آکر [4] گالی گلوچ۔

اما بعد : اہلِ اسلام کو اپنی اس حالتِ نازک پر رونا چاہیے کہ اسلام ایک گُلِ پژمردہ کی طرح سمومِ[1] اختلافات بیجا سے آناً فاناً کمہلایا جاتا ہے اور عناد و فساد ایک تند بادِ شدید ظلمانی کی طرح ہر طرف سے اٹھا چلا آتا ہے، نہ زبانیں سچی نہ سینے صاف سیکڑوں مفسد ہزاروں اختلاف۔

مرکب میں مبتلا ہے۔ نہ سائل کی مراد سے واقف ہوا نہ مجیب کے جواب کو سمجھا اور نہ اپنے دعوے و دلیل کو جانا کہ کیا لکھتا ہوں اور کیا مقصود تھا اور اس پر دعویٰ علم و تبحّر و تفقّہ کا وہ کچھ کہ گویا دنیا میں لاثانی ہے اور باوصف اس زعم تبحّر[2] د ناز اپنے علم کے کہ جہلِ مرکب ہے اپنے نام کو سترِ اخفاء میں مکنون[3] کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنی اس تحقیقِ باطل میں متردّد ہو رہا ہے تاکہ گنجائشِ انکار باقی رہے۔ مگر بقول ع نہاں کہ ماند آں رازے کزو سازند محفلہا : چونکہ مؤلف مجمعِ جہلاء میں فخراً اپنی اس تالیف کو بزعمِ خود بے مثل تصوّر کر کے داد چاہتا ہے اور بریں فہم و دانش و علم چند جہلاء کی تحسین پر اپنے جامہ میں نہیں چنانچہ خود تحریرِ رسالہ گواہ اس دعویٰ کی ہے لہٰذا خوب روشن ہو گیا اور مثل آفتابِ نیم روز کے واضح ہوا کہ مؤلف اس کا عبدالسمیع رام پوری ہے جو میرٹھ میں برمکان شیخ الٰہی بخش مرحوم رہتا ہے کہ اس نے ابتدائے طفلی سے رسائلِ مبتدعین[4] کو جمع کر کے یہ ملکہ واہیہ بہم پہنچایا۔ اور باوجودیکہ خدمت جناب مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری اور مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری اور مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم میں یہ بضاعۃ مزجاۃ علم بے فہم کی حاصل کی تھی ان کو بھی مع علماء متقدم و متأخر کے نشانِ سہام[5] طعن و شتم بنایا

---

[1] اختلاف کی آندھی [2] تکبر [3] پوشیدہ [4] اہلِ بدعت [5] گالی گلوچ کے تیروں کا نشانہ۔

کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزّ اسمہ جس کی شانِ عالی یہ ہے مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا (اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے) اس کو امکانِ کذب کا دھبہ لگاتا ہے۔

اس وجہ سے زیادہ تر موجب ملال و تعجب کا ہوا۔ چونکہ جہلاء ضلالؔ[1] اس کتاب ناز کرتے ہیں اور خود مؤلف بھی اس تارِ عنکبوتؔ[2] کو حصن حصینؔ[3] تصور کرتا ہے اس کی حقیقتِ جہل کے کشفؔ[4] کو ضروری جانا تاکہ مؤلف کو مبلغؔ[5] اپنے علم و فہم کا واضح ہو جاوے اور ہر ناظر پر کیفیت مؤلف کی اور استعداد و لیاقت اس کی ہویدا ہو جاوے، اور اس ردِّ "انوارِ ساطعہ" کا نام "البراهين القاطعة على ظلام انوار الساطعة" رکھا گیا۔ اور اس رد میں لفظِ مؤلف سے مراد مولوی عبدالسمیع رام پوری ہو دیگا اور مجیب سے وہ عالم کہ جس کے جواب پر مؤلف نے بحث شروع کی ہے اور اس جواب میں مقاصدِ مضامین اس رسالہ کا ابطال اور حاصل مرادِ مؤلف کا قمع کیا گیا ہے اور اس کے الفاظ و عبارت کی اغلاط اور ہفوات و خرافات کا جواب اور سب و طعن کا انتقام اور جملہ جملہ کا افسا د و ابطال بسبب خوفِ طوالت کے ترک کیا گیا ہے، اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ پس بغور ملاحظہ طلب ہے کہ مؤلف کے جملہ مطالب کو نیست و نابود اور جمیع قبائح و مفاسد کو باختصارِ تمام معائنؔ[6] و مشہور باذنہ تعالیٰ کر دیا گیا ہے کہ تھوڑی فہم والا بھی اس تالیف و مؤلف کی قدر پر مطلع ہو جاویگا

واللّٰہ ولیّ التوفیق وعلیہ الاعتماد وبیدہ ازمۃ الحق والتحقیق۔

قولہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جنابِ باری عزّ اسمہ، الخ

اقول مسئلہ خلفِ وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے۔ امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلفِ وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے هل يجوز الخلف فى الوعيد فظاهر

---

[1] گمراہ جاہل [2] مکڑی کا جال [3] مضبوط قلعہ [4] ظاہر [5] مقام [6] واضح

مافی المواقف والمقاصد انّ الاشاعرۃ قائلون بجوازہٖ لانہ لا یعد نقصاً بل جوداً وکرماً الخ (خلف وعید جائز ہے کہ نہیں ظاہر تو یہ ہے کہ اشاعرہ اس کے قائل ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ اس کو نقص نہیں شمار کرتے بلکہ بخشش اور کرم تصور کرتے ہیں) ایسا ہی دیگر کتب میں لکھا ہے پس اس پر طعن کرنا مؤلف کا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی ہے، ہاں حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہ ہونا آج تک کسی اہلِ علم نے نہ کہا تھا، جیساکہ اس سیزدہم[1] صدی کے مبتدعین نے کہا ہے اور عجزِ قادرِ مطلق کے مقر[2] ہوئے اور انّ اللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر کے خلاف عقیدہ ٹھہرایا، اس پر مؤلف کو افسوس اور عبرت نہ ہوئی پس یہ ماجرا لائقِ دید ہے کہ تمام امت کے خلاف حق تعالیٰ کے عجز پر عقیدہ ٹھیرانا تو مؤلف کے پیشوایان کا دین ہے اور مؤلّف اس پر افسوس نہیں کرتا، اور امکانِ کذب کہ خلفِ وعید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف فیہ ہوچکا ہے اس پر طعن کرتا ہے اس سے حالِ علم وفہم مؤلف کا ہر شخص امتحان کرکے دیکھے فقط۔

اور حضرت فخرِ موجودات سرورِ کائنات جس نے خود اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یعنی کون ہے تم میں سے میری مانند لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں۔ اور وہ تو وہی ہیں، ان کی بیبیوں کی یہ شان عالی ہے کہ خود اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا یا نساءَ النّبیّ لستنّ کاَحدٍ مِنَ النّسآءِ (ترجمہ) اے نبیؐ کی بیبیو! تم عام عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو

قولہٗ اور حضرت فخرِ موجودات صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ

اقول ایکم مثلی میں مماثلۃ تقرب الی اللّٰہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ چنانچہ

---

[1] تیرہویں صدی [2] اقرار کرنے والے۔

لفظ اما بعد کا یطعمنی ویسقینی (ترجمہ: وہ مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے) خود ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایسا ہی لستن کاحدٍ من النساء میں نفی مماثلت شرفِ زوجیت[1] ولوازم زوجیت کی مقصود ہے۔ پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرفِ کمالات میں کسی کو مماثل آپؐ کا نہیں جانتا۔ البتہ نفسِ بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ترجمہ: کہدیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں) اور بعد اس کے یُوْحٰی اِلَیَّ کی قید سے پھر وہی شرفِ تقرب کو بعد اثباتِ مماثلۃ بشریت کے ثابت فرمادیا۔ پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپؐ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نصّ کے کہدیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔ اور فخر عالمؐ نے بھی فرمایا وَدِدْتُ انی قد رأیتُ اخوانی (الحدیث) (ترجمہ: مجھے پسند ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں) پس اخوت بوجہ اولادِ آدم ہونے کے کہا اور یہی وجہ قائل کی ہے موافق قرآن وحدیث کے ہے اس پر طعن کرنا قرآن وحدیث پر طعن ہے اور اس کے خلاف کہنا نص کی مخالفت ہے۔ لھٰذا چونکہ جس نے آپؐ کو اَخ کہا ہے بوجہ اولادِ آدمؑ ہونے کے کہا ہے اور تقرب کی مماثلۃ کا وہ ہرگز قائل نہیں۔ تو اس پر طعن سوائے مخالفتِ نصوص کے اور کیا ہوویگا۔ اور آپؐ کی ذات کو بشریت سے نکال کر (جو اشرف المخلوقات ہے) کسی دوسری نوع میں داخل کرنا محض گستاخی اور ہتک شانِ رفیع آپ کا ہے۔ سو مؤلف کو ہنوز یہ بھی خبر نہیں کہ قائل کی کیا مراد ہے اور طعن مؤلف کا خود قرآن وحدیث پر ہوتا ہے مگر اپنی کم فہمی کی کہانی کہنی ضرور ہے۔ علیٰ ہذا حال آیۃ لستن کاحدٍ من النساء کا ہے۔

> پھر اس زمانہ میں ایک ادنیٰ سا آدمی کہ وہ کہہ رہا ہے رسول اللہؐ میرے بھائی ہیں۔ واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں سب اپنے باپ کے کل ترکہ

[1] یعنی زوجیت کا شرف اور اس کی وجہ سے جو لوازم مرتب ہوتے ہیں انکی مثال عام عورتوں میں نہیں ہے۔

ہیں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لفظ میں ایہامِ دعویٰ برابری حضرت فخرالانبیاءؐ کے ساتھ ہے معاذاللہ منہا، اب کس کس اختلاف کو بیان کیجئے۔

قولہ واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں الخ

اقول لاریب اخوۃ نفسِ بشریت میں اور اولادِ آدمؑ ہونے میں ہے اس میں مساوات بنصِ قرآن ثابت ہے اور کمالاتِ تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے سو یہ طعن بالکل سفسطہ[1] ہے خلاف فہم و عقل کے تأمل[2] درکار ہے جیسے کہ وترکی ایک رکعت احادیثِ صحاح میں موجود ہے۔

ایک کہتا ہے کہ وترکی ایک رکعت پڑھو تین رکعت ضرور نہیں۔

قولہ ایک کہتا ہے وترکی ایک رکعت الخ

اقول وترکی ایک رکعت احادیثِ صحاح میں موجود ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر۔ اور مالکؒ، شافعیؒ واحمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے۔ کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا۔ جب آنکھ بند کر کے ائمۂ مجتہدینؒ پر اور صحابہؓ اور احادیث پر تشنیع کی۔ پس یہ تحریر بجز جہل کے اور کیا وجہ رکھتی ہے، معاذاللہ منہا۔

اور تراویح بیس پڑھنی بدعت ہیں آٹھ سنت ہیں

---

[1] کم عقلی [2] غور طلب۔

[3] یعنی اگرچہ بہت سے صحابۂ کرامؓ اور امام اعظمؒ کے نزدیک وترکی تین رکعتیں ہیں مگر بعض صحابہؓ اور ائمۂ مجتہدین کے نزدیک وترکی ایک رکعت ہے سو اس قول پر طعن کرنا ان حضرات پر طعن کرنا ہے۔ ہاں اگر غیر مقلدین پر اتباعِ ہوائے نفسانی کا طعن کرتے تو ممکن تھا نہ کہ اس طرز سے جیسے کیا ہے ۱۲۔ [4] بیوقوفی

قولہ تراویح بیس پڑھنی الخ

اقول تراویح آٹھ سے زیادہ کو بدعت کہنا قول کسی عالم کا نہیں بلکہ قول سفہاء کا ہے۔ ایسے اقوالِ ساقطہ کا ذکر یہاں بے محل ہے۔ البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں۔

اسی طرح وہ محفلِ میلاد جس کو عالمِ عامل محدث کامل فقیہ فاضل حافظ ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمیع اطراف و جوانب ارض میں اہلِ اسلام پڑھتے ہیں۔ مولد نبی کریمؐ اور پاتے ہیں اس کے سبب برکات عظیم اب اس دور میں کوئی آدمی اس کو کفر و شرک کہتا ہے، کوئی بدعت کہتا ہے کوئی حرام۔ نعوذ باللہ منہا۔

محفلِ مدحِ پاک کو کہتے ہیں کفر و شرک جو ۞ ان سے کہو وا ہیو منھ کو ذرا لگام دو

قولہ اسی طرح وہ محفلِ میلاد الخ

اقول نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکرِ ولادت آپؐ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔ چنانچہ یہ امر فتویٰ مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری میں صراحۃً مذکور ہے اور مؤلف اس کو دیکھ چکا ہے کہ یہ کتاب اس کی اسی فتویٰ کے رد میں تالیف ہوئی ہے۔ البتہ امورِ غیر مشروعہ جو اس کے ساتھ ضم ہو گئے ہیں اس کی وجہ سے حکم مجموعہ پر بدعت و منکر ہونے کا یا شرک و حرمت کا لگایا جاتا ہے اور یہ حکم باعتبار ان قیودِ غیر مشروعہ کے ہے نہ بوجہ نفس ذکر کے چنانچہ یہ سب قریب معلوم ہو جائے گا۔ پس مؤلف کا یہ طعن بدون سوچے سمجھے ان فتاویٰ کے محض کم فہمی ہے۔ افسوس

لہ شامل۔

کہ اصلی سوال اور جواب کو غور بھی نہ کیا اور اعتراض کرنے کو کھڑا ہو گیا۔

وعلیٰ ہٰذا القیاس وہ اموات جو محزون ایک غارِ تنگ دردناک و تاریک میں پڑے ہوئے آس کر رہے ہیں کاش! میرا بیٹا یا بیٹی کچھ مجھ کو دیں یا بھائی بہن فاتحہ درود بھیجیں، اب اس وقت میں بعض وہ صاحب ہیں کہ بے دھڑک فتوے دے رہے ہیں کہ یہ سب امور بدعت ہیں۔ ان مفتی صاحبوں میں جو واعظین ہیں وہ اپنی گود بھرتے ہیں مردوں کا مال جس قدر دیدو گھٹری باندھ لیتے ہیں اور جو ان میں مدرسین ہیں وہ امور فاتحہ درود کو بدعت بتلا کر تمام اموال موتیٰ کا اپنے مدرسوں میں آنا آرزو کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہر کوئی اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ عوام جو تعیین تواریخ کی تقلید میں کچھ کر گذرتے تھے وہ بالکل شتر بے مہار ہو گئے۔ بدعت سن کر تمام مصارفِ خیر سے سبکدوش اور دست بردار ہو گئے۔ امداد اموات بند ہو گئی لیکن ان حضرات مانعین کو اس سے کیا غرض؟ موتیٰ اپنی قبروں میں تڑپا کریں اور مساکین بھوکے خاک میں لوٹا کریں اور تماشا یہ کہ جب ان سے کہئے کہ میاں کیوں امرِ خیر بند کراتے ہو، کہتے ہیں واہ ہم تو بہت اچھا کام کرتے ہیں۔ پس یہ کہنا ان کا اسی کے قریب جا کر ٹھہرا کہ قرآن شریف میں وارد ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ تیرہویں صدی میں لوگوں کا کیا عجب حال تھا، اب چودھویں شروع ہوئی دیکھئے کیا قیامت ہو، دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو۔ ان ایّام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماءِ دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی حسنِ توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھاپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے۔ حاصل نتیجہ اس کا یہ ہے کہ محفل مولد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے۔ اور اسی طرح اموات کا فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب و تباہ ہے۔

ؔ آزاد

کچھ دن اس پر نہ گذرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ پر مطبع ہاشمی میں چھپ کر در بدر پھرنے لگا۔ اس زمین پر زیادہ مذمت میلاد شریف کی ہے اور وہی چو ورقہ جو پہلے چھپا تھا پھر دوبارہ اس میں چھپایا۔

مجھ سے بعض اخوانِ طریقت نے بتاکید تمام یہ فرمائش کی کہ اس فتویٰ کے سبب لوگوں میں ایک نزع وجدال[1] ہو رہا ہے اور کچے دل کے آدمی تشکیکات[2] میں پڑے جاتے ہیں اور معاندین اس فتویٰ کو جابجا دکھاتے ہیں۔ اب تم کو چاہیئے کہ تم خبر لو ورنہ یہ عوامِ جگر خام گردابِ ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور پھر کبھی ساحلِ ہدایت کی طرف خروج نہ پائیں گے۔ ہرچند کہ مریض تقیہ کم طاقت حوائجِ علائق سے کم فرصت اس قدر گنجائش نہ رکھتا تھا لاکن ملہم الصدق[3] والصواب نے جس کے قبضۂ قدرت میں آدمی کا دل ہے میرے دل میں بھی ڈال دیا کہ بالضرور اس باب میں امرِ حق افراط و تفریط سے خالی لکھدینا چاہیئے ایسے موقعہ پر سکوت کرکے عوام کالانعام کو جو اغوائے مانعین سے بہکے جاتے ہیں، نہ ڈبونا چاہیئے۔ تب میں نے نظر ڈالی دونوں فتوؤں مطبوعۂ ہاشمی پر تب پایا فتویٰ پچھلے میں زیادہ تر اہتمام فقط مذمت مولد شریف کا۔ اور دیکھا پہلے فتویٰ میں انکار مولدِ شریف پر اور نیز طعن وتشنیع چند امورِ خیرات وحسنات پر۔ اس لئے جواب لکھا میں نے اسی فتوئ اولیٰ کا جس میں چند امور تھے اور نیز اس کے مکرر چھپنے سے اس کی تاکید بھی سمجھی گئی تھی، لیکن فتوئ ثانیہ کی بھی دلائل اور مسائل کو اسی کے ذیل میں کہیں اصالۃً کہیں ضمناً رد کیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ ناظرین بچشمِ تدبر ملاحظہ فرمادیں اور نام رکھا ہم نے اس فتویٰ کا فتوئ انکاری، جس مقام پر یہ نام آوے جان لیجیئے وہی فتوئ چو ورقہ مانع الخیرات مراد ہے اور نام رکھا ہم نے اپنے رسالہ کا **انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ**، مشتمل چار انوار پر۔

---

[1] جھگڑا [2] شبہات [3] صدقہ اور صواب کا الہام کرنے والا، مراد اللہ تعالیٰ۔

قولہ وعلیٰ ہٰذا القیاس وہ اموات جو محزون الخ

اقول ایصالِ[1] ثواب طعام وقرأۃ اموات کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح و ہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں کہ جس میں تشبّہ بکفّار لازم آجاوے یا تقیید مطلق کی آجاوے کہ یہ دونوں تمام امت کے نزدیک حرام وبدعت ہیں۔ اور یہ امر کہ منع کرنا بوجہ قیود و ہیئت کے نہ بوجہ ایصال کے۔ اس فتوی میں جس کا رد کرنے کو مؤلف نے یہ کتاب لکھی ہے مصرّح[2] ہے مگر دیدۂ حق بیں نہ ہو تو اس کا کیا چارہ۔ پس اگر کسی نے مسلمانوں کو خسرانِ دین و دنیا سے بچایا کہ مال بھی ضائع ہو اور مقصود بھی حاصل نہ ہوا کہ مقصود ثوابِ اموات تھا نہ کہ معصیت سے ملوّث ہونا تو یہ عین دین ہے اس کو قبیح کوئی اہلِ دین و دانش ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ البتہ واعظین و مدرسین پر جو کہ تمثیلِ امر بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً کے ہیں اور امروا بالمعروف ونہوا عن المنکر کے عامل طعن وتشنیع کرنا اور بدظنی کو کام فرمانا کہ منہی عنہ بنصوصِ قطعیہ[3] ہے بلاریب تسویلِ شیطان اور ارضاءِ لعین ہے۔ اور توہین نوّابِ فخرِ عالم کی کرکے اپنی عاقبت کا برباد کرنا اور خلق کا گمراہ کرنا ہے۔

پس مؤلف اپنے اس فعلِ شنیع سے اپنا انجام سوچے کہ کیا ہے اور یہ عذر کہ وہ بطمع دنیا یہ وعظ و درس کرتے ہیں سو اس کا حساب علی اللہ تعالیٰ ہے مؤلف کو حکم حسنِ ظن کرنے کا تھا نہ کہ بدظنی کا، لقولہ علیہ السلام اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ (الحدیث)۔

سو مؤلف عدول حکم ہو کر کون ہوتا ہے اور جو وہ اجرت لیتے ہیں تو

---

[1] غریبوں کو کھانا کھلانے اور قرأۃ قرآن کے ذریعہ مردوں کو ثواب پہونچانا۔ [2] واضح
[3] نقصان [4] جس کی نہی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔

آخر علماء متأخرین نے درس اور وعظ پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور خود مؤلف بھی ایک رسالہ اس باب میں طبع کرا چکا ہے۔ پس یہ طعن اپنے اوپر اور علماء متأخرین اور فقہاء پر ہوا کہ اپنی غرض فاسد کی اتباع میں اپنا قول بھی یاد نہ رہا سخت تعجب ہے۔ مع ہٰذا جو کچھ واعظ کو اور مدرس کو بہ نیّت ایصالِ ثواب دیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی تو اموات کو پہونچتا ہے۔ سو اموات کا حرمان نہ معلوم کہ مؤلف کسطرح سمجھ گیا۔ مگر شاید مؤلف کے نزدیک وعظ و درس کوئی گناہ ہے کہ اس کے صرف میں وصولِ ثواب بھی نہیں ہوتا معاذ اللہ۔ ورنہ وعظ و درس چونکہ فرض ہے ان کے صرف میں اجر بھی زیادہ ہوتا ہے تو مساکین کے دینے سے اس میں اموات کو زیادہ نفع ہے حسب شرع۔

پس مؤلف کا یہ کلام محض کینہ کا اظہار اور بے خبری علم دین سے ہے۔

پس جوابِ مسئلہ و طعنِ ناموزوں مؤلف کا حاصل ہو چکا اور جو کچھ کلامِ لایعنی اس کا سوائے اس کے ہے اس کا حوالہ یوم الجزاء پر کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کام علم کا ہے بلکہ دہلی کے پھکڑ باز اس سے زیادہ لکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد جو مؤلف نے وجہِ تالیف لکھی اور اپنے عالم متبحّر ہونے اور معتبر زمانہ کی داد دی ہے اس کا جواب دینا فضول ہے کیونکہ یہ کتاب مؤلف کی خود شاہد اس کے علم و فہم کی اور مکذّب[1] اس کے دعویٰ کی موجود ہے کہ ہر اہلِ علم مبلغِ فہم مؤلّف کا دریافت کر سکتا ہے۔

علیٰ ہٰذا تبویب و تقسیم رسالہ اور لمعۂ اولیٰ نورِ اوّل کا قابل جواب نہیں اس سے عبور کر کے آگے بڑھتا ہوں فقط۔

نورِ اوّل میں دو لمعے ہیں **لمعۂ اولیٰ** میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا جو مفتیانِ فتویٰ انکاری کے مقتدا ہیں۔ **لمعہ ثانیہ** میں اس سوال کی نقل ہے لفظاً لفظاً جو اس فتویٰ انکاری میں درج ہے۔ پھر جو کچھ خطائیں اس سوال میں ہیں

[1] جھٹلانے والی۔

ان کی تشریح پھر ثبوت دیا گیا ہے خوش آوازی اور فرش تکلفی بچھانے اور تقسیم شیرینی اور روشنی کرنے کا۔ اور حرمین شریفین کی عظمت اور خطاب حاضر مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کرنے کا۔ اور یہ کہ حکم شرعی موقوف فقط حدیث پر نہیں۔

نورِ دوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ میں جواب مانعین منقول ہے بلفظ اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ مدرس اوّل مدرسہ دیوبند کی چار شکایتیں۔ لمعہ ثانیہ میں رد جوابِ مانعین ثبوت بدعتِ حسنہ بدلائل ساطعہ۔ لمعہ ثالثہ میں نقل ہے مولوی عبدالخالق صاحب واعظ دیوبندی کی پھر رد کرنا اس کا لمعہ رابعہ میں ہے رد عبارت مولوی عبدالجبار اور اثبات ہر جگہ موجود ہونے ملک الموت اور ابلیس اور چاند اور سورج کا۔ اور نہ مشرک ہونا آدمی کا اس اعتقاد سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک محفلِ مولد شریف میں آتی ہے۔ لمعہ خامسہ نقل عبارت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پھر اس کی شرح۔ لمعہ سادسہ عبارت مولوی امیر باز خان صاحب واعظ جامع مسجد سہارنپوری کی۔ پھر جواب اس کا اور ذکر سماع اور حقہ کا۔

نورِ سوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ جواز فاتحہ اور جواب دلائلِ مانعین۔ لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ۔ لمعہ ثالثہ عیدین و شب برأت و عشرہ محرّم میں۔ لمعہ رابعہ جواز طریقۂ فاتحہ سوم۔ لمعہ خامسہ ذکر چہلم و بستم و دہم کا اور بھیجنا گھڑا مسجد میں۔ لمعہ سادسہ نصائح درباب اموات۔

نورِ چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفلِ مولد شریف لمعہ ثانیہ یہ اعتراض کہ محفلِ مولد شریف کو کنھیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے، پھر اس کا جواب۔ لمعہ ثالثہ یہ اعتراض کہ یہ محفل بدعتِ سیئہ ہے، پھر اس کا جواب اور اصول مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے

ثابت کرنا کہ یہ محفل سنّت ہے بدعت ہرگز نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر اور مثل بھی۔ **لمعہ رابعہ** یہ اعتراض کہ محفل خاص بارہویں ربیع الاول کو کیوں کرتے ہیں اور ہر سال التزام کیوں ہے، پھر اس کا جواب اور ثبوت تخصیصِ یوم و التزامِ دائمی چند دلائل سے۔ **لمعہ خامسہ** یہ اعتراض کہ قیام شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا شرک ہے، پھر ان سب کا جواب اور چلنا پھرنا روحوں کا دلائلِ قویّہ سے ثابت کرنا اور یہ بھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچتی ہے محفلِ مولد شریف کی، لیکن قیام اس واسطے نہیں کہ روحِ مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام چند وجوہ سے شرع میں پایا گیا ہے۔ **لمعہ سادسہ** یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں الفاظ حاضر مخاطب ان کے واسطے بولنے کفر ہیں پھر اس کا جواب دلائلِ قاطعہ سے اور ثبوت اس کا عہدِ صحابہ سے اب تک۔ **لمعہ سابعہ** اعتراضات متفرقہ واہی تباہی پھر ان کا جواب۔ **لمعہ ثامنہ** اسماءِ مبارک حضراتِ عالی درجاتِ فقہاء و محدّثین مجوّزینِ این عمل و برکاتِ تضمین یعنی مولد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین۔

مؤلفِ رسالہ جمیع اہلِ اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جب میں نے یہ بات دیکھی کہ بعض جاہلین فتویٔ انکاری پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے چڑاتے ہیں اور فتنہ کی آگ جو اس قسم کی تحریکاتِ نفسانی سے بھڑکتی ہے بھڑکاتے ہیں۔ تب اس نزاعِ باہمی پر کمالِ افسوس ہوا اور اگر یہ مفتیانِ دین سمجھتے کہ یہ آدمی فتویٰ لکھوا کر باہم سر پھوڑیں گے اور شیشۂ اتفاق و جمعیت سنگِ تفرقہ سے توڑیں گے نہایت درجہ کے یقینِ کامل سے کہتا ہوں کہ کبھی یہ علماء اس میں قلم نہ اٹھاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر کفار کو اپنی خانہ جنگی کا تماشہ نہ دکھاتے۔

خیر گذشتہ راصلوات۔ اب میں بصد التجا سب صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں ایک مرد مبتلائے افکار ہوں، تردّدات سے دم بھر خالی نہیں جنگ وجدال اور تضیعِ اوقات سے بچتا ہوں کیوں کہ میں کوئی وارستہ مزاج لاابالی نہیں۔ اپنے کاروبار کو اصلاحِ دین کے لئے چھوڑ کر یہ رسالہ لکھتا ہوں۔

اے اہلِ اسلام للّٰہ نظرِ انصاف سے اس کو دیکھو، نفسانیت کو ہرگز دخل مت دیجئیو۔ اگر حق سمجھ میں آجائے تو قبول کیجئیو اور قبولِ سابق سے رجوع کرنے کو کسرِ شان مت سمجھیو۔ اور اگر مدتوں کی جمی ہوئی دل سے نہ نکالو تو اتنا بالضرور کرو کہ طرفِ ثانی کی تشنیع سے زبان سنبھالو ؎

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

وہ لوگ جو باقتدائے سلف صالح ان امورِ حسنہ کے قائل ہیں دیکھو ان کے پاس اپنی تقویت میں کس قدر دلائل ہیں۔ اور ادلّۂ شرعیہ سے مدلّل ان کے مسائل ہیں۔

نورِ اوّل میں دو لمعے ہیں لمعہ اولیٰ میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا جو مفتیانِ فتویٰ انکاری کے اساتذہ اور مشایخ اور مقتداء اور پیشوا ہیں۔

واضح ہو کہ اس فتوے کے جس قدر مفتی ہیں وہ معتقد ہیں ان دو عالموں کے یعنی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحاق صاحب دہلوی کے پس بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ در واسطہ رابطہ شاگردی کا حاصل ہے بعضوں کو مریدی طالبی اور بعضوں کو محض تقلید اور اتباع۔ پس مولوی اسماعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ مرید ہیں سیّد احمد صاحب کے اور وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے۔ اور مولوی اسحاق صاحب علمِ حدیث میں شاگرد ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے، اور مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی یعقوب صاحب کا ایک سلسلہ تو صابر یہ ہے دوسرا

ل آزاد۔

نقشبندیہ مجددیہ وہ منتہی ہوتا ہے شاہ ولی اللہ پر اس طرح کہ یہ دونوں صاحب اور نیز تیسرے مولوی محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور یہ تینوں صاحب مرید ہیں جناب حاجی امداد اللہ صاحب سے اور وہ میاں جی نور محمد صاحب سے اور وہ سیّد احمد صاحب سے اور وہ شاہ عبد العزیز صاحب سے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب سے۔

حاصل یہ کہ ان صاحبوں کے استاد یا پیر امام معتقد بہ فیہ حضرت شاہ ولی اللہ ٹھیرے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کو اس طرح چلتا ہے خاندانِ مجددیہ میں کہ وہ مرید ہیں اپنے باپ شاہ عبد الرحیم صاحب سے اور وہ مرید ہیں سیّد عبد اللہ صاحب سے، وہ سیّد آدم بنوری سے اور وہ امام ربّانی مجدد الف ثانی سے الیٰ آخرہٖ۔

اور دوسرا سلسلہ اپنا شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب انتباہ میں یہ لکھا ہے کہ اس فقیر نے علمِ حدیث لیا اور خرقہ تصوّف پہنا اور خلافت پائی ابو طاہر سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم سے اور انہوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انہوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انہوں نے اپنے باپ علی بن قدوس سے اور انہوں نے شیخ عبد الوہاب شعراوی سے اور انہوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انہوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انہوں نے شیخ الاسلام ابو الخیر ابن الجزری شیخ القراء و المحدّثین سے الیٰ آخرہ۔

الحاصل یہ بزرگوان مندرجہ سلاسلِ مذکور مقتدا اور پیشوا ہیں مفتیانِ انکاری کے اور نقل کیا ہم نے ان اسماء کو ان کی کتب مشائخ مثل "الانتباہ" و "قولِ جمیل" و "ضیاء القلوب" سے اور یہ اس لئے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو وہ یا خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوں گی یا ان بزرگواروں کی مسلّم الثبوت کتابوں میں۔

لمعہ ثانیہ سوال فتویٔ انکاری کی نقل ہے: **سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی مدح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردانِ خوش الحان خوانندہ[1] ہوں، زیب و زینت وشیرینی و روشنی کثیرہ ہے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام وقتِ ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے یا نہیں؟ اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ کے آب وطعام سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور ثواب اس کا اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروزِ سوم میّت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی وکلمۂ طیّبہ چنوں بھنوں پر مع پنج آیت کے وشیرینی تقسیم کرنا بحدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

تمام ہوئی عبارت سوال کی حرفاً حرفاً۔ اب شرح اس سوال کی کرتا ہوں اس طرح پر کہ عبارتِ سوال پر لفظ **قولہ** ہوگا اور میری عبارت پر لفظ **اقول** ہوگا۔

قولہ جس مجلس میں امردانِ خوش الحان خوانندہ ہوں الخ

اقول دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفلِ خیر العباد سے رکھتا ہے خواہ اپنے مفتیوں کے مشورہ سے خواہ اوروں کی کمیٹی سے۔

قولہ لمعہ ثانیہ سوال فتوی انکاری کی نقل الخ

اقول سائل نے وہ ہیئتِ واقعہ محفلِ مولود جو مروّج ہے درج سوال کر کے اس کا حکم پوچھا تھا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ اصل ذکر مولود کو تو سب علماء جائز رکھتے ہیں مگر اس ہیئت کا کیا حال ہے مؤلف نے بنام نہاد شرح سوال کے اس کا جواب دیا ہے اور شرح میں اپنی رائے سے جو مناسب جانا لکھ دیا ہے

[1] اچھے راگ والے نابالغ لڑکے۔

چنانچہ ظاہر ہوا جاتا ہے۔

قولہٗ اقول دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفل الخ

اقول یہ مؤلف کا محض کینۂ قلبی ہے کہ سائل کو معاند[1] ذکر فخر عالم علیہ السلام لکھا ہے۔ البتہ اگر سائل تتبعِ سنت ہے تو اس ہیئت کا معاند بیشک ہوگا کیونکہ اس ہیئت کو بدعت جان کر اس سے مجتنب ہے، لقولہٖ علیہ السلام کلّ بدعۃٍ ضلالۃ اور اصل ذکر کو وہ مندوب ہی جانتا ہے۔ مگر مؤلف کے حسنِ فہم سے جو کچھ اس کے قلب میں ہے وہ ٹپکتا ہے۔

> وہ لفظ درج کرتا ہے جس میں مفتی صاحب نے گھٹکہ نہر مناہی[2] کی لگا دیں۔ بھلا کوئی اس سائل سے پوچھے کہ کیا مجلس میلاد کو خاص امردانِ خوش الحان ہی پڑھتے ہیں۔ اے مردِ خدا آنکھیں کھول کر دیکھ دہلی میں مولانا عبدالحکیم صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی وزیرالدین واعظ جامع مسجد دہلی اور چند علماء معمر میلاد شریف پڑھتے ہیں اور کئی برس سے مولوی عبدالرب صاحب دہلوی بھی مولد شریف پڑھنے لگے، خوب محفل سجاتے ہیں یہ بھی ساٹھ برس کے ہوں گے امردِ خوبرو نہیں ہیں البتہ بعض محافل میں کوئی لڑکا خوش آواز بھی آجاتا ہے۔ کوئی منقبت یا مدح یا حمد خوش آوازی سے پڑھ دیتا ہے۔ سو یہ کہیں قرآن وحدیث، فقہ واصول سے ثابت نہیں کہ امردوں کو قرآن پڑھنا یا اپنے رسولِ کریمؐ کی مدح اور نعت کا پڑھنا ممنوع ہے کچھ تعریفِ زلف ورخ وخال وخد محبوبانِ نازنین کا ذکر نہیں پڑھتے۔

قولہٗ وہ لفظ درج کرتا ہے الخ

اقول اس کلام سے اس قدر معلوم ہوا کہ امردان کا حاضر ہوکر غزل و قصیدہ پڑھنا مؤلف کے نزدیک بھی موجب بے تأمل فتویٰ کراہت کے دینے کا

---

[1] مخالف [2] ممنوع

ہے جس سبب سے سائل پر غصہ ہے کیونکہ ایسا سوال بنایا اور مؤلف اپنی مجالس میں امردوں کی مولودخوانی سے انکار کرتا ہے۔ مگر مؤلف کا یہ قول کس قدر کم فہمی ہے کہ کیا مجلس میلاد کو خاص امردانِ خوش الحان ہی پڑھتے ہیں" کیونکہ سائل نے کب کہا ہے کہ امرد ہی پڑھتے ہیں۔ یہ حصر تو مؤلف کے فہم ناقص سے پیدا ہوا ہے سائل یہ کہتا ہے کہ "امردانِ خوش الحان خوانندہ ہوں" اور خوانندہ ہونا عام ہے کہ بالکل وہی پڑھیں یا کچھ پڑھیں۔ اور مطلب سائل کا حسبِ واقعہ مروّجہ ہے قصائدمدح وغیرہ مجلس میں پڑھنے سے ہے نہ کہ خود کتاب مولود کی پڑھنا سو یہ توجیہ مؤلف کی خوابِ غفلت ہے۔ کیونکہ اس کی غرض حضورِ امارد اور خوش الحانی سے قصائد پڑھنا ہے اور یہ امر مجالس میں موجود ہے کیونکہ اس سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ خود مؤلف کی محافل میں بھی یہ امر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کے دفعہ کے واسطے یہ تدبیر کی کہ قول سائل سے کہ امرد خوانندہ ہوں۔ امرد کا کتاب مولود کی پڑھنا شرح سوال میں مراد لیا اور پھر استشہاد لائے کہ دہلی وغیرہ میں سب بوڑھے اور معمّر پڑھتے ہیں، سبحان اللہ! خوب شرح کی اور خوب اعتراض کیا عوام کو تو شاید دھوکہ لگ جائے مگر فہیم آدمی تو اس کاریگری کو خوب سمجھ لیوے گا پھر یہ کہ اگر بالفرض یہ امر نہ بھی ہوتا تاہم سائل ایک صورت فرضی کر کے اس کا حکم پوچھتا ہے اور ہر روز یہ ایسے سوالات امرِ شائع ہے ہیں یہاں تک کہ کتب فقہ میں بعض ایسے سوال مندرج ہیں کہ محال عادی ہیں۔ پس سائل پر یہ عتاب مؤلف کا کہ یہ صورت کہاں ہوتی ہے ایسا سوال کیوں کرتا ہے کون عقل کی بات ہے۔ مجیب اور عالم کو واقعہ سے کیا بحث ہے وہ سوال کی صورت کا جواب دیتا ہے یہ مؤلف کا نیا قاعدۂ مخترعہ[۲] ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ سائل نے خود عیب مؤلف کا بیان کیا اس کے رنج میں غصہ آگیا۔ اور دوسری شرح

---

[۱] دلیل [۲] ایجاد کردہ

خلاف مقصود کر کے جواب میں انکار کا واقعہ کر دیا گیا۔ مگر اس تغیر سے کیا حاصل ہوا؟ کیونکہ قصائد خوانی اور مولود خوانی دونوں کا ایک ہی حکم ہو دیگا۔ غرض حضورِ امارد[1] و خوش الحان سے ہے، مگر مؤلف ایسا فہیم کہاں سے ہوگیا جو اس کو سمجھتا۔ یہ سمجھا کہ جواب سے سبکدوش۔ حالانکہ یہ جواب قابلِ خندہ ہے کیوں کہ سائل پوچھتا ہے کہ "جس محفل میں امردانِ خوش الحان قصائد پڑھیں" اور حالانکہ امرد بعض حسین صبیح بھی ہوتے ہیں۔ اور مجالسِ مولود میں جوانانِ فساق و فجار بھی حاضر ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں اندیشہ فتنہ کا ہے۔ سو جو کہ سب سامانِ فتنہ وہاں موجود ہوتے ہیں تو مظنۂ[2] شہوتِ حرام کا ہے کہ امارد کوئی صبیح[3] کم کوئی زیادہ اور خوش لحنی اور لباس صاف اور خوشبو کا ہونا اور فسق و فجور و شباب کا ہونا دواعی۔ پس ایسی حالت میں گو ذکر فخرِ عالم علیہ السلام کا ہی ہو مگر مظنۂ شہوت بظنِ غالب ہے ایسی محفل کا کیا حکم ہے اگرچہ ذکر مندوب ہے مگر لحوق معصیت اور کراہت کا بھی ہے اور مجموعہ پر حکم باعتبار قیود[4] کے ہوتا ہے۔ تو مؤلف نے جواب اول تو دیا کہ دہلی وغیرہ میں کوئی امرد مولود نہیں پڑھتا اور اگر کوئی امرد آجاوے تو امردوں کو قرآن یا مدح پڑھنا کہیں منع نہیں آیا، واہ سبحان اللہ! کیا عمدہ جواب ہے وہ تو پوچھتا ہے کہ اس مجمع اور ہیئت میں حاضر ہونا اور مدح خوانی کیسی ہے؟ مؤلف جواب دیتا ہے کہ مکتب میں یا خلوت و گھر میں قرآن پڑھنا منع نہیں ہے وہ کیا مکتب و خانہ میں قرآن و مدح کو پوچھتا ہے یا مطلق قرآن و مدح کو پوچھتا ہے۔ وہ تو ایسے مجمع میں کہ مظنۂ فتنہ کا ہے، سوال کرتا ہے مطلق قرآن و مدح کو اس نے کہاں پوچھا ہے۔ اور جو مؤلف کی غرض ہے کہ اصل ذکر تو درست ہے گو عروض فتنہ عارض ہوگیا تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حرمتِ عارضی بھی مثلِ اصلیہ کے محکوم ہوتی ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ مطلق جب حلال ہوا تو پھر جس

---

[1] امرد کی جمع [2] گمان [3] خوبصورت [4] قید کی جمع

قید میں اس کا وجود ہو حلال ہی رہے چنانچہ یہ بھی سراسر غلط ہے کہ مطلق حلال قیدِ ممنوع سے ممنوع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ نماز ارضِ مغصوبہ[1] میں ممنوع و مکروہ ہے۔ اور یہ جو مراد ہے کہ امرد[2] اگر خدو خال کے اشعار پڑھے تو منع ہے مگر مدح فخرِ عالم علیہ السلام کا اندیشہ نہیں تو یہ بھی محض غلط ہے۔ کیونکہ شہوت پرستوں اور جوانانِ باشہوت کو مدح اور قرآن اور غزل میں اور صلوٰۃ وذکر میں کچھ تمیز نہیں ہوتی طبعاً اور یہ امر بدیہی ہے ہر شخص جانتا ہے، گو مؤلف دیدہ ودانستہ انکار کرے، یا بوجہ ضعفِ دماغ کے قوتِ شہوانیہ زائل ہوگئی ہو۔ دیکھو درمختار میں صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے۔ اور وجہ اس کی وہی مظنّۂ فتنہ ہے۔

جب نماز اور قرآن میں علماء مکروہ لکھتے ہیں تو ایسی مجلس میں مدح خوانی کب درست ہووے گی؟

اور "احیاء العلوم" میں امرد کی صورت کو درصورتِ مظنّۂ فتنہ[3] کے مکروہ لکھا ہے۔ مؤلف آنکھ کھول کر مطالعہ کرے۔

پس ہرگاہ کہ اُس زمانۂ صلاح میں اس کو مکروہ لکھا ہے تو اب اس زمانۂ فتن میں صلحاء کا بھی حال قابلِ طمانیت نہیں چہ جائیکہ اس محفل میں جہاں فُسّاق[4] موجود ہوں۔ پس حاصل یہ کہ مؤلف نے کمالِ فہم کو کام فرمایا کہ سائل تو ایسی محفل کے حضور کو پوچھتا ہے جس میں فتنہ کا ظن غالب اور امارد کا وہاں ہونا موجب فتنہ کا ہے۔ اور مؤلف جواب دیتا ہے کہ امرد کا قرآن و مدح پڑھنا درست ہے۔ یہ علم مؤلف کا قابلِ دید ہے۔

باقی رہی خوش الحانی سو اس فرقہ کے مسلّم الثبوت عالمِ ربّانی مجدّد الف ثانی، جلد ثالث مکتوبات میں فرماتے ہیں " دیگر درباب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفسِ قرآن خواندن بصوتِ حسن و در قصائد

[1] جو زمین زبردستی کسی سے چھینی گئی ہو [2] نابالغ لڑکا [3] جب فتنہ کا گمان ہو [4] فاسق کی جمع

ونعت ومنقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیرِ حرف و قرآن است والتزام رعایت مقامات نغمہ تردید صورت بآں طریق الحان بالتصفیق مناسب آنکہ در شعر غیر مباح است "۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے مولود پڑھنا جائز ہے۔ ہاں البتہ تالی بجانا اور رعایت راگنی کے قواعد کی نہ چاہیئے۔ یہ ان کا قول ہے۔

اور مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں "والحقّ انّ السماع اذا وقع بصوت حسن بشعر متضمّن للصفات العليا والنعوت النبوية المحمديّة عريا عن الآلات المعرفة و آثار كان من المجلة الشريفة العليا كان من الحسن فى غاية ولتمام تزكية النفس نهاية الى آخره "

اور نیز مولوی اسمٰعیل صاحب "صراطِ مستقیم" میں لکھتے ہیں "حبّ عشقی کے بیان میں۔ از جملہ مؤیداتِ آں استماع الحانِ خوش واصواتِ دلکش وقصصِ شوق آمیز واشعارِ عشق انگیز است "۔ انتہیٰ۔

اور ابن جزری جو سید احمد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مشایخ میں ہیں فرماتے ہیں "سن ۷۸۵ سات سو پچاسی میں بادشاہِ مصر نے محفلِ مولد شریف کی تھی میں اس میں حاضر ہوا محفل کا احتشام دیکھ کر مجھ کو حیرت ہوئی اور میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا، خیال کرتا ہوں کہ اس محفل میں دس ہزار مثقال سونا خرچ ہوا ہوگا۔ کھانے پینے کی چیزوں اور خوشبوئیں اور روشنی اور شمعوں میں پچیس ۲۵ حلقے تو چھوٹی عمر کے لڑکوں کے قرآن قرأۃ

سے پڑھنے والوں کے تھے"

نقل کیا اس حکایت کو ملّا علی قاری نے اپنی مورد الراوی میں۔ اور اس کے قریب قریب ذکر کیا نورالدین ابو سعید بورانی نے۔ اور یاد رکھو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے خوش آواز کو۔

روایت ہے کہ سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا ابی موسیٰ کا فرمایا " لقد اُوتِیَ ھٰذا مزمارًا من مزامیر آلِ داؤد " جب یہ خبر ابی موسیٰ کو پہنچی، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو میں جانتا کہ آپؐ سنتے ہیں تو خوب ہی بنا کر پڑھتا۔

غرض کہ حسنِ صوت اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلیدُ الطبع بارد مزاج ہیں وہ اس کی قدر نہیں جانتے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے " وھٰذا الجمل مع بلادۃ طبعہ یتأثر بالحداء تأثراً یمد عنقہ ویصغی سمعہ الی الحادی فمن لم یحرکہ فھو فاسد المزاج وبعیدُ العلاج " انتہیٰ۔ اسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اشتر بشعرِ عرب در حالت است و طرب ❋ گر ذوق نیست ترا کج طبع جانورے

قولہٗ باقی رہی الحان خوش الخ

اقول یہاں سے مؤلف اپنے دعویٰ پر دلیل لایا ہے کہ صوتِ حسن جائز ہے۔ حضرت مجدد کا قول اور مواہب لدنیہ کی عبارت اور صراطِ مستقیم کی تقریر۔ مگر کوئی مؤلف سے پوچھے کہ ان روایات سے حسنِ صوت کا جواز معلوم ہوا مگر امردوں، حسن الصوت کا مجمع فسّاق میں پڑھنا ثابت نہیں ہوتا سائل اس ہیئت کو پوچھتا ہے نہ مطلق صوتِ حسن کو، تو آپ کو ان روایات سے کیا سود حاصل ہوا۔ اور سوائے تطویل کے کون سا نفع ملا۔ علیٰ ہٰذا ابن جزری

کے قصے میں پچیس حلقے لڑکوں میں قرآن خوانی کے وہ بھی بچگان[1] کی قرآن خوانی کو مقید ہے نہ اس سائل کے مقصد کو مضر، علیٰ ہذا حدیث لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داؤد، اور قسطلانی کا قول اور سعدی کا شعر ان سب سے سوال کا جواب ہرگز حاصل نہیں ہوتا، مؤلف کی محض تطویل اور خواہ مخواہ جمع کرنا روایات بے محل کا ہے جس سے جہلاء[2] تو سمجھ گئے کہ مؤلف نے بہت سے دلائل سے مدعیٰ اپنا ثابت کیا اور اہل علم جان گئے کہ مؤلف کو سوائے جمع الفاظ کے معنی اور مطلب سے کوئی بھی مناسبت نہیں۔ سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور ہی جواب دے رہا ہے۔ جس امر کو سائل لکھتا ہے اس کو فقہاء خود منع کرتے ہیں نماز و قرآن میں بھی اور جس کا جواب مؤلف دیتا ہے وہ سب کے نزدیک درست ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت ہی نہیں ہے۔ پس ایسے فہیم مؤلف پر ہم کو بڑا اندیشہ ہوتا ہے کہ جب مؤلف کا یہ طریقہ ٹھہرا کہ اگر کوئی مقید کا حکم پوچھے گا مؤلف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کیا کریگا۔ مثلاً سائل کہیگا کہ بکری چوری کی کیسی ہے؟ مؤلف جواب دیگا کہ بکری حلال ہے، قرآن و حدیث میں بکری کو حلال لکھا ہے حرام کہیں نہیں لکھا۔ کوئی پوچھے گا کہ زوجہ سے نفاس[3] میں صحبت کیسی ہے؟ مؤلف کہیگا صحبت اپنی زوجہ سے حلال ہے حرام کہیں نہیں لکھا۔

علیٰ ہذا تمام ابواب فقہیہ کو قیاس کرلو کہ سائل قید کے حکم کا طالب ہو گا مؤلف مطلق کا حکم لگا کر گمراہ کریگا اور تمام دین کو برہم کر دیگا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

جیسا اس سوال میں علم و فہم کو مؤلف نے صرف کیا کہ سائل ایسے مجمع میں مظنہ[4] فتنہ کا ہے امردوں کی قصیدہ خوانی کو پوچھتا ہے۔ مؤلف صوت حسن کو جائز ہونے اور امرد کے قرآن و مدح پڑھنے کو جواز کی دلیل قرار دیکر جواز اس امر مکروہ کا ثابت کرتا ہے اور پھر اس علم پر فخر و ناز ہے اور جو کسی اور سے بزعم مؤلف کچھ ایسا بظاہر سرزد ہو جاوے تو اس پر سخت اعتراض کرتا ہے اور خود اپنی خبر نہیں۔

---

[1] بچے [2] جاہل کی جمع [3] نفاس وہ خون جو عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے [4] فتنہ کا گمان

قولہ زیب وزینت۔ **اقول** یہ لفظ اکثر مانعین ومنکرینِ میلاد سے سنا ہے کہ وہ منجملہ دلائلِ منع کے زیب وزینت کو بھی منہیات میں شمار کرتے ہیں۔ محفلِ میلاد میں زیب وزینت یہ ہوتی ہے کہ بانیٔ محفل دری چاندنی قالین خوبصورت جو اس کو بہم پہنچتے ہیں اپنے گھر میں بمقام محفل بچھاتا ہے، سو یہ باتیں سب جائز ہیں۔ فتاویٔ عالمگیری جو فریقین کی مسلّم الثبوت کتاب ہے مولوی اسحاق صاحب جابجا اپنی تصنیفات میں اس کی سند پکڑتے ہیں۔ اس کی جلد خامس باب ستم میں ہے کہ "جائز ہے انسان کو بچھانا اپنے گھر میں جو کچھ چاہے فروش وقالین سفید یا رنگین سادہ یا نقشین۔

زیب وزینت محفل کیوں وجہ ممانعت ہے؟

قولہ زیب وزینت ..... **اقول** یہ لفظ اکثر مانعین الخ۔

اقول اس کو بھی مؤلف خوب سمجھے اور خوب جواب دیا۔ اور مصداق اتامرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم کی ہوئے کیوں کہ اور مفتیان پر طعن کرتے ہیں کہ کس واسطے تفصیل مسئلہ کی نہیں لکھتے اجمالی جواب دیتے ہیں اور یہاں خود اس پر عمل کرتے ہیں۔ سنو! کہ غرض سائل کی صاف ظاہر ہے کہ یہ ہے کہ جب محفلِ میلاد میں حضور جوان وطفل و پیر وصالح اور فاسق دنیادار ہر قسم کے آدمی کا ہوتا ہے اور حسبِ عادت بوجہ رغبت کے عمدہ فاخرہ لباس میں آتے ہیں اور بیشتر لباس غیر مشروع بھی ہوتا ہے اور وضع میں بھی امرِ غیر مشروع ہوتا ہے اور موقع امر بالمعروف کا بھی نہیں کیونکہ اگر امر بالمعروف ہو تو یہ مجمع ہی نہ ہو۔ چنانچہ سب مشاہد ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس بساطِ فراش میں بھی اکثر خلافِ شرع ہو جاتا ہے اور دیوار گیری وغیرہ امور بھی ہوتے ہیں بس جہاں کہیں کہ زیب وزینت کسی قسم

میں حسب عادت خلافِ مشروع ہو اور امر بالمعروف نہ ہووے وہاں حاضر ہونا کیسا ہے اور ذکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا وہاں جاکر سننا کہ مندوب ہے ایسی محفل میں کہ یہ امورِ غیر مشروع وہاں ہوں جائز ہے یا نہیں تو مؤلف صاحب نے کس جزم[1] کے ساتھ جواب دیا ہے کہ اول تو شرح زیب و زینت کی آپ ہی کی کہ فقط فرش کو اس کا مصداق بنایا اور دیوارگیری وغیرہ زیب و زینت مکان کو اور زینتِ حاضرین کو یک یک قلم حذف کیا اور فرش کی زینت کو بھی اجمالاً ذکر کیا اور عموماً جواز کا حکم فرمادیا۔ گویا زیب و زینت چاندنی، دری ہی کا نام ہے لغتہً اور پھر فرش بساط بھی گویا کبھی غیر مشروع ہوتا ہی نہیں نہ کچھ تفصیل کی نہ شرح کی مطلقاً سب کو مباح لکھدیا۔ حالانکہ بخاری میں منقول ہے کہ ابو دردا صحابی رضؓ دیوارگیری ہونے کے سبب سے ابن عمر کے گھر سے لوٹ آئے، اور دعوت کو کہ سنت ہے رد کردیا اور عالمگیریہ اور ہدایہ وغیرہ میں موجود ہے کہ اگر محل دعوت میں معصیت ہو تو وہاں جانا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ " فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین "

پس جہاں لباس حریر اور داڑھی چڑھی ہوئے اور پائجامہ میں اسبال[2] اور مکان میں دیوارگیری اور فتیل سوز وغیرہ چاندی کے مثلاً اور دیگر امور ہوں وہاں جانا کس طرح درست ہوگا، مگر مؤلف نے چشم بند کرکے عوام کے دھوکہ دینے کو حکم جواز کا دیکر ایک روایت عالمگیری کی نقل کردی اور غرض و مرادِ سائل سے کچھ بھی خبر نہیں۔ یہ تماشا ہے کہ سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور شئی کا جواب دے رہا ہے۔ اوّلاً سوال عام کو ایک فرد میں مقید کردیا، ثانیاً اس فرد کو بھی بلا تفصیل مطلقاً حلال لکھدیا اور صریح خلاف نصوص کے فتویٰ جواز کا دیدیا اور پھر تمام دنیا پر اعتراض کیا کہ جواب و سوال میں مطابقت نہیں اور جواب میں اجمال ہے۔ اور اپنا یہ حال کہ سوال جواب کو مناسبت نہیں اِن

---

[1] یقین [2] پاجامہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔

هذا لشیٔ عجاب۔

قولہ وشیرینی الخ **اقول** یہ لفظ بھی اس لئے درج کیا ہے جب محبینِ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانعین کے منع پر کسی طرح شمولِ محفلِ میلاد شریف سے باز نہیں آتے تب یہ جال ڈالتے ہیں کہ ایک گفتگو طعن وتشنیع کے طور پر شروع کرتے ہیں کہ شاید ہمارے چڑانے سے اس محفل کو ترک کریں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیرینی کی طمع سے جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جواب ترکی بہ ترکی چڑانے کا جواب چڑانا اس طرح پر یہ اشعار پڑھ دیتے ہیں: **اشعار**

سب میں تقسیم اگر مٹھائی ہوئی	تم کہو اس میں کیا برائی ہوئی
مؤمنوں کا تو منھ ہوا میٹھا	ہاتھ ململ کے تم نے سر پیٹا
دونوں نعمت نصیب ہمکو ہوئیں	ذکرِ شیریں ولقمۂ شیریں
دونوں لذت سے تم رہے محروم	کیا کریں اپنا اپنا ہے مقسوم
تم کو دیتا کوئی جلیبی نہیں	تاکہ منکر کا دل جلے بھی کہیں

اور کبھی اور بھی اشعار پڑھ کر ان کی مذاق بازی کا جواب دیتے ہیں:

لاکھ مرجائیں سر پٹک کے حسود	ہم نہ چھوڑیں کے محفلِ مولود
اپنے حضرت کا ذکر کیوں چھوڑیں	جن کی امت ہیں ان سے منھ موڑیں

خیر یہ تو گفتگو فریقین کے مذاق میں ہوتی ہے اب ہم اصل بات سناتے ہیں: نہ شیرینی کے واسطے لوگوں کو آنا منع ہے اور نہ صاحبِ محفل کو تقسیم شیرینی منع ہے۔ آنا اس لئے منع نہیں کہ صاحبِ محفل نے جو شیرینی وغیرہ جو کچھ تیار کیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ سب صاحب میرے گھر آویں اور حسبِ حصہ تناول فرماویں۔ درحقیقت یہ ضیافت ہے تھوڑی بہت چیز پر مقرر نہیں حکمِ شریعت یہ ہے کہ ان دعیتم الی کراع فاجیبوا (یعنی اگر بکری کے ایک پایہ کھلانے کے واسطے بھی تم کو بلاویں تو قبول کرو)۔ اور ہدایہ میں ہے:

من لم یجب الدعوۃ فقد عصیٰ بالقاسم (یعنی جو مسلمان دعوت کیا ہوا بغیر عذر نہ آیا تو اس نے نافرمانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی)۔

افسوس وہ لوگ تو تعمیلِ سنّت کے لئے آویں قلیل کثیر پر نظر نہ کریں یہ کم بخت ان عاملانِ سنت پر طعن کریں۔ اب کہئے کس کے ایمان میں یہ تزلزل آیا؟ اور بیان اس کا اثباتِ محفل مولد شریف میں بھی کریں گے۔

اور صاحبِ محفل کو تقسیم کرنا اس لئے منع نہیں ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ "ما اہل بہ لغیر اللہ" مطبوعہ مطبع محمدی کی ص ۴۲ میں لکھتے ہیں۔

"و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماعِ علماء" انتہا بلفظہ فتاویٰ "خزانۃ الروایات" کی فصلِ ضیافت اور "روح البیان" کی دوسری جلد میں لکھا ہے:

"فی بطن المؤمن زاویۃ لا یملأ الا الحلواء" (یعنی مؤمن کے پیٹ میں ایک گوشہ ہے جس کو نہیں بھرتی کوئی چیز سوا مٹھائی کے) انتہیٰ۔

اب خیال کرنا چاہیئے کہ گوشۂ شکمِ مؤمن جو کہیں سے نہیں بھرتا مٹھائی سے اس کا خلو رفع کرنا کچھ اجر کی بات ہوگی۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون (یعنی نہیں پہونچو گے تم نیکی کی حد کو جب تک نہیں خرچ کرو گے وہ چیز جس کو دوست رکھتے ہو)۔ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے "جن چیزوں کو مؤمن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے" چنانچہ "خزانۃ الروایات" و نیز "تفسیر روح البیان" میں آیا ہے: قال علیہ السلام انّ المؤمن حلوٌ و یحبّ الحلاوۃ۔ پس معلوم ہوا کہ جو چیز خود قاسم و مومن اور نیز مؤمنین مقسوم علیہم کو محبوب ہے آدمی اس کے تقسیم کرنے میں نیکوکاری کی حد کو پہنچتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس طرح کی وجوہات سے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کو مستحسن اور خوب باجماع علماء لکھا ہے۔

بحث شیرینی و تحقیق مسئلہ التزام مباح

قولہ شیرینی .... **اقول** یہ لفظ بھی اس لئے الخ

اقول اس قید کی شرح میں تو مؤلف نے خوب داد اپنے علم کی دی۔ کیونکہ علم کی بحث میں ایسے مسخریات کا لکھنا مؤلف ہی کا کام ہے۔ اس کے جواب میں کاغذ سیاہ کرنا فضول ہے مگر جس کو مؤلف نہ سمجھا ہم کو اس کی شرح کرنا ضرور ہوا۔ اول مؤلف کے فہم کی خوبی قابل غور ہے کہ سوال مسئلہ کا تو علماء مانعین سے ہے اور قید شیرینی کی اس میں مجوزین[1] کے چڑانے کو لکھی۔ سبحان اللہ! اگر یہ سوال مجوزین کے پیش ہوتا تو یہ گمان کچھ بجا ہوتا مگر مؤلف صاحب کو مضمون فہمی سے تو کچھ کام ہی نہیں اپنے فہم سے آپ جو جی چاہا ترجمہ کر دیا، آپ ہی جواب دیا اور خوش ہو گئے اور عوام کے نزدیک اپنا تبحر علمی ظاہر کر دیا مگر اہل علم آپ کے علم کو خوب سمجھ گئے۔

سنو کہ شیرینی کا ہونا بھی مثل زیب و زینت لباس و بساط مکان کے ایک جزء ہیئت کذائیہ کا ہے۔ سائل یہ پوچھتا ہے کہ تقسیم شیرینی فی حد ذاتہ[2] مباح ہے مگر چونکہ کوئی مولود خالی اس سے نہیں ہوتا گویا کہ لوازم ضروریہ مجلس مولود کا ہو گیا ہے۔ تو ہرچند غرض صاحب محفل کی یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے مجمع خوب ہو جاوے کہ اطفال و شباب کے مزاج میں رغبت اس کی رکھی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جو نماز فرض اور جمعہ اور وعظ میں کبھی رخ بھی نہیں کرتے اگر ایک ڈلی لڈو کی بھی کہیں توقع ہوتی ہے تو معہ تمام فرزندان کے کپڑے بدل کر رات کو بھی سب سے پہلے حاضر ہو جاتے ہیں، یا کوئی دوسری غرض ہوتی ہوگی۔ مگر بہر حال اس التزام سے عوام کو ضروری ہونا شیرینی کا اس محفل میں عقیدہ ہو گیا ہے اور یہ مسئلہ محقق ہے کہ مباح کا ایسا التزام کہ عوام کو موجب تاکد کا ہو جاوے مکروہ ہوتا ہے۔ پس جب یہ محفل محتوی[3] امر مکروہ کو ہوئی تو ایسی مجلس میں جانا

---

[1] جائز ماننے والے [2] بذات خود [3] شامل

جائز ہے یا مکروہ ؟ یہ مراد سائل کی تھی، مگر مؤلف اپنے مذاق کی طرف اس کو کھینچ کر لے گیا اور اصل مطلب سے بالکل غافل خوش طبعی کرنے لگا اور خواہ مخواہ ورق سیاہ کئے۔ سچ ہے ع فکرِ ہر کس[1] بقدر ہمت اوست۔

اہلِ علم علم کو جانتے ہیں اور اہلِ بطن لذتِ اکل و شرب[2] کو۔ پس جناب مؤلف نے اس کو دعوت قرار دیکر چند روایت پیش کیں اور اس محفل کی حاضری کو سنت قرار دیکر اپنے موافقین کو تبع سنت اور مانعین کو رد کرنے والا دعوت کا ٹھہرایا اور اس علم پر بہت فخر فرمایا مگر یہ یاد نہ رہا کہ وہ عالمگیر یہ جوز زیرِ نظر مؤلف کے ہے وہ ایسی دعوت کو منع کرتا ہے جہاں کوئی معصیت اور بدعت ہو اور ابودرداؓ کا ابن عمرؓ کے گھر سے دعوت کو رد کر کے چلا آنا پہلے بخاری شریف سے نقل کر چکا ہوں اور فخرِ عالم علیہ السلام کا خانۂ فاطمہؓ سے لوٹ آنا بسبب پردۂ منقش[3] کے لٹکانے کے دیوار پر یہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے۔ پس ہرگاہ اس محفل میں خود سائل لکھ رہا ہے کہ وہاں حضور امارد و فساق بلباسِ غیر مشروع زیب و زینت مکروہ اور کراہت شیرینی کے بسبب التزام کے موجود ہے تو اس ضیافت کا قبول کرنا کون سی حدیث سے سنت ہوا اور کس نص سے اس کو جائز فرمایا، سوائے طبع زاد مؤلف کے کونسی روایتِ جواز حضور کے یہاں ہے حاضرین تبعِ سنت ہوئے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ مگر ہاں گوشۂ شکمِ حریص جب بدون شیرینی کی ڈلی کے نہ بھرے تو کیا کیا جاوے، گناہ ہو یا ثواب جانا ضرور پڑتا ہے، معاذ اللہ۔ اب دیکھو کہ یہ حال مؤلف کے فہم عالی کا ہے کہ سوال کو ہرگز نہ سمجھا اور لڈو کی ڈلی کو بایں ہیئت دعوت قرار دیکر مجلس معصیت میں جانا کہ حدیث سے منع تھا، سنت قرار دیا۔ اب کہو کہ گناہ کو سنت کہنے والا کون ہوتا ہے۔

اور پھر مؤلف نے اپنی عادت کے موافق کہ سوال سائل کا تو قید و مقید کے

---

[1] ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے [2] کھانا پینا [3] وہ پردہ جس پر نقش و نگار بنے ہوں۔

حکم پوچھنے کو تھا اور مؤلف مطلق اور اپنے فہم کا جواب دیکر راضی ہوا۔ شیرینی تقسیم کرنے کی اباحت دلیل کہیں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے قول سے لکھ رہے ہیں اور کہیں دعوت کے قبول کرنے کی سند دے رہے ہیں۔ غرض بے خبر از حقیقتِ حال اور دور از فہم غرض اپنی طبع زاد مراد کا جواب دیکر عوام کے زعم میں فاضل بن بیٹھے اور علماء کے نزدیک تو بجز خندہ اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ شیرینی کی عمدگی کی عبارت نقل کر کے وقت ضائع کیا کہ نہ غرض سائل کی اس سے تعلق رکھتی ہے نہ مؤلف کو اس سے کچھ فائدہ اور نہ سائل اس کا منکر تھا۔ وہ تو قیدِ التزام مالا مالایلزمہ الشارع کو پوچھتا ہے۔ اور بسبب عوام کے مؤکد جاننے کے اسکی کراہت کو کہتا تھا اور مؤلف صاحب شیرینی کی عمدگی کو ظاہر کرنے لگے اور مطلب سائل سے کچھ کام ہی نہیں رکھا۔ پس مبلغ علم و فہم مؤلف کا ہر کہ ومہ پر واضح ہو گیا کہ کس قدر نکتہ شناسی خداداد رکھتے ہیں اور کیا جواب مطابقِ سوال دیتے ہیں ماشاءاللہ تعالیٰ۔

قولہ، و روشنیہائے کثیرہ الخ **اقول** سائل کی بندش اور تقریر دیکھو سب جانتے ہیں محاورہ اہلِ زبان ہند کا کہ اگر کسی بزرگ کے مزار پر ایک چراغ جلتا ہے تو اس کو روشنی کوئی نہیں کہتا، بلکہ روشنی اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ چراغ جلیں، سائل نے فقط روشنی کا لفظ نہ لکھا بلکہ اس میں اور لفظ جمع کا یعنی لفظ ہائے اضافہ کیا اور کہا روشنی ہائے پھر اس جمع پر بھی صبر نہ کیا اس کی صفت میں لفظ کثیرہ اور زائد کیا، روشنی ہائے کثیرہ سے انتہا درجہ کا مبالغہ سائل نے کیا تاکہ مفتی غیض کھا کر خواہی نخواہی اس کو حرام بول اٹھے۔

اب ہم اس کی تحقیق لکھتے ہیں، اے بھائی سُن اگر تیری آنکھیں روشنیہائے کثیرہ سے چندھیاتی ہیں تو بہت محفلیں مولود شریف کی دن کو ہوتی ہیں ان میں ایک چراغ بھی نہیں جلتا ان میں شریک ہو جایا کر لیکن تم کب شامل ہو گے تمہاری

لے اس چیز کو لازم قرار دینا جو شارع کی طرف سے غیر لازم ہو۔ منتہا۔

تو بہانہ بازیاں ہیں ع خوئے بد را بہانہ بسیار است
اور رات کی محفلوں میں بھی بہتیری محفلیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں ایک ہی چراغ ہوتا ہے، پھر روشنی ہائے کثیرہ لکھ کر تمام محفلوں پر ایک حکم لگواتے ہو کیا غضب کرتے ہو۔

جو روشنی وجہ ممانعت ہے وہ کونسی ہے؟

قولہ، روشنی ہائے کثیرہ الخ
اقول، سائل کی بندش اور تقریر الخ

اقول یہاں تو مؤلف کچھ سمجھا کہ کثرتِ روشنی زیادہ از حدِ ضرورت اسراف[1] اور حرام ہے اور جس محفلِ میلاد میں ایسا ہوگا وہاں جانا اور یہ کرنا معصیت ہووے گا کیونکہ مؤلف کہتا ہے کہ (سائل کی بندش دیکھو کہ روشنی بکثرت کو ذکر کرتا ہے کہ جس سے مفتی خواہی نخواہی[2] اسے حرام بول اٹھے) جس سے صاف معلوم ہوا کہ کثرتِ روشنی بیشک مؤلف کے نزدیک موجبِ حرمت ہے، شکر ہے کچھ تو سمجھے۔ مگر مؤلف کا یہاں بھی فہم غور طلب ہے اس واسطے کہ سائل کی غرض لفظ روشنیہائے کثیرہ سے کثرت زائد از حدِ ضرورت ہے اور یہ امر مجالسِ مولود میں یقیناً ہوتا ہے لیکن مؤلف اس کو اپنی طبع زاد[3] تقریر سے ٹالا چاہتا ہے۔ کہتا ہے کہ روشنی محاورۂ اہلِ ہند میں زیادہ چراغوں کا نام ہے، سبحان اللہ۔ تمام ہند میں روشنی مطلق نور پر بولتے ہیں، مگر ہاں رام پور، گنگوہ، انبہٹہ وغیرہ کے جہلاء، جُہلا ہے، تیلی اور مبتدعین[4] ان قصبات کے روشنی کثرتِ چراغاں یومِ عروس کو بولتے ہیں۔ مگر مؤلف نے ان سے ہی دوستی محبت کر رکھی ہے، یہی اصطلاح ذہن میں سما رہی ہے سائل تو مبتدع نہیں اس کو اس اصطلاح سے کیا بحث تھی۔ روشنیہائے کثیرہ زائد از حاجت اور کثیرہ کا لفظ تاکید کے واسطے لکھا ہے۔ پس مؤلف کی غرض اس تقریرِ بے معنیٰ سے یہ ہے کہ سائل کی مراد چار سو یا پانسو چراغ ہیں کیوں کہ

---

[1] فضول خرچی۔ [2] بلا وجہ [3] طبیعت کی ایجاد کردہ [4] اہلِ بدعت

روشنی عرس بزرگاں میں دو چار سو سے عادۃً کم نہیں ہوتی پھر اس کو جمع کرو پس یہ مراد اپنے ذہن میں قرار دیکر اس کا انکار کر دیا کہ اس قدر چراغ مولود میں کہاں ہوتے ہیں۔ پس اس سوال سے بری ہوئے مگر بہرحال مراد سائل کی جو تھی وہ روشنی زائد از قدرِ حاجت تھی اگرچہ دوسو چراغ نہ ہوں اور وہ مؤلف کے مولود اور دیگر مجالس میں خود موجود ہوتے ہیں تو اس کے اثبات کی فکر میں ہوتے ہیں۔

اصل حال یہ ہے کہ بعض امراء ذی مقدور جو زینت کے عادی ہیں وہ لوگ فانوس اور لمپ وغیرہ روشن کرتے ہیں سو اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا۔ اوّل روشنی کے بانی حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضؓ ہیں۔

علّامہ نور الدین حلبیؒ نے لکھا ہے "مستحب ہے لٹکانا قندیل کا مساجد میں۔ یہ کام اوّل عمرؓ نے کیا جب صلوٰۃِ تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لٹکا دیئے گئے کتنے قندیل۔ جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس طرف گذر ہوا دیکھا کہ مسجد جگمگا رہی ہے روشنی سے، دعاء فرمائی کہ تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا، اللہ تعالیٰ تیری قبر کو روشن کرے اے عمر بن الخطاب رضؓ۔"

اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے بھی کتاب "تنبیہ" میں روایت کی کہ حضرت علی رضؓ نے دعاء دی حضرت عمرؓ کو۔ اور روایت ہے کہ اس طرح حضرت عثمان سے بھی دعاء کا دینا آیا ہے۔ انتہا۔

اور نیز حلبیؒ نے نقل کیا ہے کہ "جب تمیم داری نے مسجد نبوی کے ستونوں سے قندیل لٹکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعاء دی "اللہ تعالیٰ تجھ کو نور دے جیسا نورانی کیا تو نے ہماری مسجدوں کو۔"

اور نیز حلبیؒ نے لکھا ہے کہ "تمیم داریؓ نے جو قندیل آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لٹکائے تھے کم تھے۔ اور حضرت عمر رضؓ نے کثرت سے لٹکائے"۔

اور یہ بھی حلبیؒ نے نقل کیا ہے ایک عالم سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "مجھ کو بادشاہ مامون نے حکم دیا کہ لکھدو حکم ہماری مملکت میں کہ مسجدوں میں بہت چراغ روشن کیا کریں، لیکن میرے کچھ خیال میں نہ آیا کہ کس طرح لکھدوں، تب مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ لکھدے "روشنی کثیر کے واسطے کہ اس میں دل لگے گا تہجد گذاروں کا، اور مسجدیں خانۂ خدا ہیں، پس خانۂ خدا سے وحشت اندھیرے کی دفع ہوگی"۔ جب میں نے بشارت دیکھی تب میں ہوشیار ہوا اور لکھدیا یہ حکم۔ پس جس طرح زیادہ روشنی کرنے سے وحشت ظلمت کی دور ہوتی ہے مساجد سے اسی طرح دور ہوتی ہے مواقعِ ذکر اللہ سے، اور جس طرح زیادہ روشنی سے انس ہوتا ہے اور دل لگتا ہے اس طرح اس مجلس پاک میں دل لگتا ہے شائقینِ بیانِ صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا"۔

قولہٗ اصلی حال یہ ہے کہ بعض امراء ذی مقدور الخ۔

اقول سبحان اللہ، کیا عمدہ استدلال و تقریر ہے کہ سننے والا وجد میں آیا جاتا ہے۔ دیکھو سائل تو زائد از قدرِ حاجت کو اسراف، حرام (بقولہ تعالیٰ اِنَّ المُبَذِّرِینَ کَانُوا اِخوَانَ الشَّیٰطِینِ (الآیۃ)) کہتا ہے پھر وہ خود ایک ہی لمپ اور فانوس[1] کیوں نہ ہو اور خواہ امراء عادی اسراف[2] کی وجہ سے خواہ مؤلف کے انسِ طبع کے سبب سے ہو خواہ کسی کے گھر اور کوٹھے میں ہو خواہ محفلِ میلاد میں ہو سب اسراف ناجائز ہے۔ پس عادت امراء سے محبت لانا کس قدر دور از علم ہے

---

[1] چراغ دان [2] فضول خرچی۔

کہ بمقابلہ نصِ قطعی کے عادتِ امراء کو دلیل بنایا جاتا ہے، نعوذ باللہ منہا۔ اور یہ کہنا
کہ اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا دوسرے غفلت از دین ہے۔ خود قرآن مجید میں موجود
ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی روشنی کو سند لانا بھی وہی عادتِ کم فہمی مؤلف کی ہے۔ غرض
سائل کی روشنی سے زائد از حاجت ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے جو منقول ہے وہ
روشنی مطلق قدرِ حاجت تھی۔ اور ان سب روایاتِ منقولۂ حلبیؒ میں روشنی قدر
ضرورت ہی ہے۔ پس ان روایات کا نقل کرنا محض لغو غیر مفید مطلب مؤلف کو
ہے۔ کیوں کہ کسی روایت سے زائد از ضرورت ہرگز ہرگز نہیں معلوم ہوتا اور نفسِ
روشنی میں سائل کو انکار ہی نہیں۔ پس مؤلفِ بے خبر یہ نہیں جانتا کہ اسراف
جیسا ہزار چراغ میں حرام ہے دو چار چراغ کا بھی حرام ہے۔ وضو کے پانی میں بھی
اسراف منع ہے چہ جائے کہ تیل چراغ میں۔ اور یہ طریقہ مؤلف کا کہ رات کو اگر روشنی
کے سبب سے محفل میں نہیں آتا تو دن کو آیا جاکر یہ بھی کمالِ حزم مؤلف کا ہے کیونکہ
سائل نے نہ تو دعویٰ التزام و لزوم روشنی کا کیا اور نہ کراہت اس مجلس کو حصرِ
روشنی میں کیا۔ اگر دن کو روشنی نہیں تو دیگر مفاسد تو ہیں، دن کو جلوۂ امارد رات
سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور علیٰ ہٰذا دیگر امورِ التزام شیرینی و لباس و ذی
فسق تداعی وغیرہ کا حال ہے۔ البتہ اگر حق تعالیٰ مؤلف کو توفیق فرمادے اور
یہ کہدے کہ ہم سب امورِ غیر مشروعہ کو یک قلم موقوف کردیں گے تو البتہ مسائل خود
شریک اس ذکرِ مندوب کا ہوجاویگا، کاش مؤلف کو یہ توفیق ہوجاوے۔

القصہ مؤلف کی خوبیٔ فہم ہر ہر پہلو میں ایک جدید اعجوبہ ہے۔ اور
قول حلبیؒ کا کہ حضرت عمرؓ نے قنادیل کثرت سے لٹکائے، دلیل کثرت کی فہم عالی
مؤلف میں آگئی اور فی الواقع یہ کم فہمی ہے۔ سنو! کہ لفظ کثرت دو معنوں میں بولا
جاتا ہے: ایک کثرتِ اعداد مثلاً دس، بیس کو کثیر کہتے ہیں۔ دوسرے کثرت
از حد ضرورت۔ تو یہاں حضرت عمرؓ کی نقل میں کثرتِ اعداد مراد ہے کیوں کہ

مسجدِ نبویؐ ایک بڑا وسیع مکان ہے، اس میں پچاس، ساٹھ قندیل بھی کم از حاجت ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے قنادیلِ[1] کثیرہ فی الاعداد کہ حدِ حاجت سے ہرگز زائد نہ تھے لٹکائے تھے۔ اور اس کی مدح شیخینؓ[2] سے منقول ہے۔ پس مؤلف کثرت سے زائد از حاجت سمجھ گیا، ماشاء اللہ کیا فہم رسا ہے۔ صحابہ کو قرآن بھی یاد نہ تھا بزعم مؤلف کہ وہ خلافِ قرآن کے تبذیر[3] کرتے۔ وعلیٰ ہٰذا اس عالم کے قصہ میں جو مامون کے عہد سے نقل کرتے ہیں کثرۃِ عدد مراد ہے اور وہاں دوسرے معنیٰ ہوں تو کوئی حجت بھی نہیں خواب کا قصہ عہدِ مامون کا معاملہ یہ دونوں حجتِ شرعی نہیں۔ بہرحال قنادیلِ کثیرہ کا کیا عمدہ استدلال ہے کہ قابلِ دید ہے ہرگز مؤلف معنیٔ آثار کو نہیں سمجھا اور ہرگز یہ آثار اس کو مفید نہیں اور ہرگز سوالِ سائل کا جواب یہ نہیں ہو سکتا۔

البتہ بعض علماء نے کثرت سے روشنی کرنے کو مکروہ لکھا ہے سو نہیں پہنچیں ان کو یہ حدیثیں اور آثار۔ پس صحیح یہی ہے کہ روشنی کا کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور مجھ کو یہ تعجب آتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ نورانی کے گرداگرد جھاڑ اور فانوس اور قندیل کی کثرت سے اس درجہ کو کہ یہاں کسی کو میسّر نہیں آتے وہاں روشن دیکھتے ہونگے معلوم نہیں یہ لوگ آنکھیں روشنی کی طرف سے بند کر لیتے ہوں گے یا اس کے غیظ اور غصہ میں زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے؟ اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں وہاں محروم رہے تھے یہاں بھی محروم رہے۔ لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جاکر زیارت کی اور زیارت روضہ شریف کی مستحب ہے تو حضرت کے معجزات اور مدائح اور مناقب کا سننا بھی مستحب ہے یہ بھی روشنی میں آکر سُن لو، روشنی ظاہری سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کرو وہ روضۂ پُرانوار جس کی ذاتِ اقدس کا مدفن ہے یہ محفلِ نورانی بھی انہیں کی شرح

[1] قندیل کی جمع بمعنی چراغ [2] حضرت عثمان وعلیؓ [3] اسراف وفضول خرچی۔

صفات کا موطن ہے وہاں روشنی کثرت سے کرائی جاتی ہے تو یہاں روشنی کیوں منع ٹھہرائی جاتی ہے، ہم نے دلسوزیٔ اسلامی سے دلائل اور مثال کھول کر سمجھائی اب اگر یہ صاحب نہ سمجھیں تو بہت افسوس ہے۔ اس مقام میں ایک بات اور یاد آئی کہ بعضے صاحب مکہ اور مدینہ جاتے ہیں (زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً) وہاں خوب محفلیں مولد شریف کی اور قیام کرنا اور تقسیم شیرینی کا ہونا سب کچھ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ یہاں کے تمام علماء شافعیؒ، مالکیؒ، حنفیؒ، حنبلیؒ سب اس عمل مبارک کو جائز بلکہ مستحسن فرماتے ہیں لیکن جب ہندوستان میں آتے ہیں وہی انکار کرنے لگتے ہیں۔ اس باب میں ایک شاعر شیوا بیان نے سعدیؒ کا شعر تضمین کیا ہے واقعی حدیثِ صحیح میں آیا ہے انّ من الشعر لحکمۃ وانّ من البیان لسحرا یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعضے بیانِ سحر کی طرح دل میں کھپ جاتے ہیں۔ ان اشعار کا مضمون اور بیان اسی طرح کا ہے۔ وہ شعر یہ ہیں:

اشعار

ایسے منکر شدید ہیں بعضے — گرچہ مکہ میں بھی وہ ہو آئے
وہاں مجنوں کا ڈھنگ دیکھ آئے — بزمِ مولد کا رنگ دیکھ آئے
پھر وہی ضد ہے اور وہی تکرار — وہی مولد شریف کا انکار
مجھ کو سعدیؒ کا قول یاد آیا — ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا
خرِ عیسیٰؑ اگر بمکہ رود — باز آید ہنوز خر باشد

قولہٗ البتہ بعض علماء نے کثرت روشنی کو الخ

اقول اب اس قدر پریشانی اٹھا کر اور تقریر لایعنی کر کے مؤلف کو خیال آیا کہ فقہاء کثرتِ روشنی کو حرام اور اسراف لکھتے ہیں، تو یہ جواب دیا کہ وہ سمجھے نہیں، ان کو یہ روایات نہیں ملیں، نعوذ باللہ۔ مؤلف اپنے جہل کو علم سمجھ گیا ہے اور فقہاء، علماء کو جاہل قرار دیا، فقہاء کی تمام روایات اور آیت قرآن پیشِ نظر تھی اور ان کو حق تعالیٰ نے فہم و علم دیا تھا، وہ سمجھ گئے کہ کثرت سے فعلِ حضرت عمرؓ میں

مراد کثرتِ اعداد ہے، اور حضرت عمرؓ قرآن کے خلاف عمل کرنے والے نہیں تھے مگر مؤلف ہی اپنی جہل میں مبتلا ہے اور روایات کو نہ سمجھا اور قرآن کو بھولا، اپنے فہم رکیک[۱] سے اپنے مدعیٰ باطل کو کہ خلاف نصوص کے ہے حق سمجھ گیا۔ اور فقہاء پر طعن محض بے اصل و ناروا[۲] کر دیا اور کچھ خدا تعالیٰ سے نہ شرمایا۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔

پس اب آگے کلامِ لایعنی مؤلف کا کیا جواب لکھوں کہ کوئی علم کی بات نہیں ہے۔ لکھتا ہے کہ روشنی سے دل کشائی بھی ہے اور مانعین مدینہ کی روشنی سے آنکھ بند کر لیتے ہوں گے اور دیگر علماء حجاج کی نسبت شوخ چشمی سے اشعار لکھے کہ یہ سب کام علماء کا نہیں۔ اس جھگڑے کے جواب میں وقت و کاغذ ضائع کرنا ہے۔ مؤلف اپنے کردار کو آپ پاوے گا، مگر ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ کچھ روشنی زائد از حاجت ہے وہ داخلِ اسراف ہے اور بسبب ناراضی حق تعالیٰ کی موجب ظلمات اور نارِ جہنم کی روشنی دکھانے والی ہے، ہاں قدرِ حاجت محلِ عبادت میں کہ خالی از مناکیر[۳] ہوا البتہ موجب کشادگی قلب کی ہے مگر سائل اس سے بحث ہی نہیں کرتا، خود مؤلف یمین ویسار[۴] سوال کے جواب لکھ رہا ہے اور صحابۂ کرام اور خلفاءِ راشدین کے فعل و قول کو اپنے زعم کاسد[۵] سے خلافِ شرع پر حمل کر کے فقہاء کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو ہدایت و توبہ نصیب کرے کہ یہ سب فساد جہل کا ہے اگر کچھ بھی علم ہوتا تو اس روزِ سیاہ سے بچتا۔

لطیفہ ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی، ایک ان میں سے مولد شریف کے مثبت[۶] تھے اور ایک منکر۔ منکر نے کہا قصبۂ دیوبند میں فتویٰ بھیجو دیکھو مولد شریف کو کیا لکھتے ہیں۔ مثبت نے کہا دیوبند تو کچھ دارِ اسلام نہیں، یوں کہئے کہ آؤ حرمین شریفین (زادہما اللّٰہ شرفاً و تعظیماً) کو فتویٰ بھیجیں یعنی اس لئے

---

[۱] کمزور [۲] نامناسب، [۳] منکر کی جمع یعنی ممنوع [۴] دائیں بائیں [۵] ناقص [۶] قائل۔

کہ وہ دین وایمان کا گھر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دین مکہ مدینہ میں سمٹ آویگا جیسے سمٹ آتا ہے سانپ اپنے بل میں۔ یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر سب جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہے اور سانپ جب بل میں گھس جاتا ہے تو ایسی قوت سے چمٹ جاتا ہے کہ کوئی اس کو نکالنا چاہے تو مشکل ہوجاتا ہے۔ پس اسی طرح دین اوّل مکہ مدینہ سے نکلا، آخر زمانہ میں بھی اگر کہیں دین نہ ہوگا تو یہاں ضرور ہوگا۔ اور کوئی یہاں سے دین کو نکالنا چاہے گا تو نہ نکل سکیگا۔

غرضیکہ اگر فتویٰ لکھواؤ تو اس ملک کے علماء سے لکھواؤ جس کی تعریف احادیث میں ہے۔ دیوبند کی تعریف کونسی حدیث میں آئی ہے۔ منکر صاحب بولے کہ مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں، مثبت نے جواب دیا رہزنی، مال لوٹنا وہاں کے بدو لوگ اطراف کے رہنے والے کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے سو یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت سے ہے، قرآن شریف میں آیا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ یعنی سورۂ عنکبوت میں ہے "کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے کردیا مکہ پناہ اور امن کی جگہ اور لوگ اچک لئے جاتے ہیں اس کے آس پاس سے" انتہی۔

سو یہ مار پیٹ اور اچک لینے کی باتیں قدیم زمانہ سے وہاں کے بدو آدمی خارجی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے منزہ ہیں۔ وہاں کے بدوئے گنوار آدمی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کریں لیکن کفر و شرک اس ارض مقدس کے آس پاس تک نہیں ہوتا، اور دیوبند میں تو کفر و شرک بھرا ہوا ہے، جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے، مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں، سنکھ بج رہے ہیں۔ پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین؟۔

منکر صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے جاہل مسلمان عامی سے اور مشرکانِ قومِ ہنود سے سند نہیں پکڑتے ہم تو وہاں علماء اہلِ اسلام کی سند

پکڑتے ہیں، مثبت نے کہا بس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین کے علماء، دین ومفتیانِ شرعِ متین کی سند لیتے ہیں کہ وہ سب بالاتفاق محفلِ مولد شریف کو درست فرماتے ہیں۔ پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لٹیروں کا ذکر کیوں کرتے ہو؟ پہلے بھی حرمین کے خواص علماء کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اب بھی علماء خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن منکر کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفتاء بھیجا تو وہاں کے سب علماء حکم استحباب محفلِ میلاد لکھدیں گے اس لئے اس نے انکار کیا کہ ہم حرمین کو نہیں مانتے، معاذ اللہ منہا۔ ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں۔ تب مثبت نے جواب دیا کہ آپکو دیوبند مبارک ہو وے اس پر ایمان رکھئے ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ اسی پر گفتگو ختم ہوگئی۔

اب دیکھئے ان لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریفین کو حقیر جاننے لگے۔ ہائے وہ حرمِ پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منھ اس کی طرف کریں، قولہٖ فول وجهك شطر المسجد الحرام اور سوتے وقت بھی روبقبلہ سونا سنت اور مرجاویں تو بھی حکم دیا جاوے قبر میں دفنانے کے وقت کہ یوجہ الی القبلۃ۔

صاحبِ انوار کے لطیفہ کا جواب اور تحقیقِ حدیث ان الدین لیأرز الی الحجاز

قولہ لطیفہ الخ

اقول علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب روشن ہے اور کچھ دور نہیں، جس مسلمان منصف کا دل چاہے بچشمِ خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس و ہیئت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور نماز کو بجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں، امر بالمعروف میں بشرطِ قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ میں رعایت غنی و فقیر کی نہیں، حق جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی مشتبہ کسی خطا، پر کر دیوے تو بشرطِ صحت کے قبول سے دریغ نہیں

بسرو چشم معترف ہوتے ہیں۔ یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لیوے، امتحان کر لیوے اور یہی قبولیت عند اللہ تعالیٰ کا نشان ہے اور علماء مکہ معظمہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے، جو نہیں گیا وہ ثقات[1] کے بیان سے مثل مشاہدہ کے جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب۔ کیونکہ اکثر وہاں مفتی بھی ہیں، اس حالت میں ہیں کہ لباس انکا خلاف شرع، اسبالِ آستین اور دامن جبہ و قمیص میں کرتے ہیں، ریش اکثروں کی قبضہ[2] سے کم، نماز میں بے احتیاطی، امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی چھلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے ہیں، قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دیکر جو چاہے لکھوا لو۔ اگر ان کے عصیان سے کوئی مطلع کر دیوے تو مارنے کو موجود ہو جاویں۔ اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لیکر ابوطالب کو مؤمن لکھدیا خلافِ روایت صحاح حدیث کے، اور علیٰ ہٰذا۔ کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ ہجو علماء حرمین کی لکھوں مگر بناچاری لکھنا پڑا۔

پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دیدی تو کونسا غضب کیا۔ اہلِ فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابلِ اعتماد ہوگا یا علماء حرمین کا؟

مثلاً ایک عالمِ فاجر مسجد میں رہتا ہو کہ اشرف مواضع ہے اور دوسرا عالمِ متقی بازار کی دوکان میں ہو کہ شر البلاد[3] ہے تو بازاری عالم کا فتویٰ معتبر ہوگا یا مسجد میں رہنے والے کا؟ پھر ایسی صورت میں اگر کوئی کہے کہ مسجد خیر البقاع[4] والے سے مسئلہ پوچھو یا بازار شر البقاع والے سے مت پوچھو اور فضائل مسجد کے اور برائی بازار کی بیان کر کے حجت لادے تو اس مسجدی بھاٹ کو لوگ

[1] معتبر لوگ [2] مٹھی [3] برائی کی جگہ [4] اچھی جگہ۔

احمق کہیں گے یا نہیں، اور اس کلام سے بازار کی افضلیت مسجد پر کون بیوقوف استخراج[1] کریگا۔

پس لطیفہ کثیفہ[2] مؤلف کو دیکھنا چاہیئے کہ بحث تو علماء دیو بند کے معتبر اور دین دار ہونے میں اور بعض علماء مکہ کے غیر معتبر فی الفتویٰ والدین ہونے میں ہے اور اس سے افضلیت دیو بند کی مکہ پر سمجھ کر خرافات لکھنی شروع کردی اور نہ سمجھا کہ یہ مفاسد وہاں کے علماء کے زیادہ تر موجبِ بُعد وخسران کے ہیں کہ وہاں کی معصیت اشد ہے دیگر بلاد کی معصیت سے۔ مگر ہاں شاید مؤلف کے نزدیک وہاں کے لوگوں کے مناکیر بھی حلال ہوں، معاذ اللہ۔ پس دیکھو کہ گفتگو کیا تھی نتیجہ کیا نکلا، کیا فہم رسا ہے مؤلف خود بھی حج کر آیا ہے اور پھر بھی مکہ سے ویسا ہی لوٹا جیسا گیا تھا، سو یہی مصداق تضمین کا ہو رہا ہے۔

اے مسلمانوں اعتبار قرآن وحدیث وفقہ کا ہے نہ کہ مکہ کے باشندوں کے قول وفعل کا۔ ذرا غور کرو، کتب دین کو دیکھو، کوئی معصیت مکہ کے تعامل سے حلال نہیں ہوتی بلکہ زیادہ موجب عذاب وشناعت کی ہے اور مؤلف کی بلادت[3] کو غور کرکے سنو! **فصل** حجاز میں کہ حرمین شریفین بھی اس میں داخل ہے۔

حدیث کہ "انّ الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیّۃ الیٰ جُحرھا" سو اس کا ترجمہ مؤلف نے نقل کیا اور خود اس کی شرح کی ہے: **بقولہٖ** "یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر پھر سب جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہے الخ۔"

پس ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ سانپ جب اپنے بِل سے نکل کر جاتا ہے تو بل سانپ سے بالکل خالی ہوجاتا ہے اور پھر سانپ بل میں لوٹ آتا ہے تو اس وقت بل قرار گاہ[4] سانپ کا ہوجاتا ہے۔ تو اس تشبیہ مذکورہ مؤلف سے صاف ظاہر ہے کہ کسی وقت میں دین حرمین سے نکل کر دیگر بلاد میں چلا جاویگا اور حرمین دین سے خالی رہیگا اور پھر عود[5] کرکے حرمین میں آجاویگا۔ اور یہ امر تقریر

---

[1] استدلال [2] گندہ [3] بے وقوفی [4] ٹھکانہ [5] لوٹ کر

مؤلف سے ظاہر ہے کہ گو مؤلف کو ہوش نہیں۔ پس اگر کوئی مؤلف کو یہ کہے کہ اب اس وقت حرمین میں حسبِ تقریر آپ کے کمالِ دین و دیانت نہیں دیگر بلاد میں ہے مگر بوقت ظہور امام مہدیؑ صاحب کے عود کر کے آویگا جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے حسبِ شرح آپ کے، تو مؤلف صاحب کی ترکی تمام ہو جاوے گی اور خود حدیث سے حسبِ زعم[۱] مؤلف کے شرح کے ظاہر ہو جاویگا کہ ایسے وقت میں حرمین کے باشندوں کا قول قابلِ اعتماد نہ ہو اور یہ خلاف مقصودِ مؤلف کے ہے اور یہ نتیجہ خود شرح مؤلف کا ہے کہ سلیقۂ خداداد سے معنیٔ تشبیہ کے بیان کئے ہیں اور مطلب نہیں سمجھا، واہ سبحان اللہ! کیا خوب استدلال ہے۔

اب سنو کہ حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ دین وہاں سمٹ آویگا اور قرار پکڑیگا سو اس کا کسی کو انکار نہیں، یہ تو نہیں فرمایا کہ وہاں بدعات، امورِ غیر مشروعہ نہ ہوں گے اور وہاں کوئی خلاف نہ رہے گا اور عملِ بدعت نہ کریگا، تھوڑی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ اگر دین بھی وہاں ہو اور خلافِ شرع اعمال بھی وہاں ہوتے ہوں تو خلاف حدیث کے نہیں۔ یہ کہاں سے سمجھا گیا کہ حرمین میں جو کچھ ہو گا وہ سب مشروع ہی ہوویگا اور بدعت وہاں ہرگز نہ ہوئیگی یہ تو خلافِ مشاہدہ کے ہے، یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے۔ بیشک حرمین محلِ دین ہے اور وہاں کے باشندگان علماء و عوام دین دار ہیں خصوصاً مہاجرین کہ اپنا ملک چھوڑ کر حرمین میں متوطن ہوئے۔ اور تشبیہ سمٹنے سانپ کی بوجہ اتم ظاہر ہوگئی۔ مگر نہ سب علماء اور سب باشندے وہاں کے ایسے دین دارِ کامل ہونے ضرور ہیں۔ بلکہ اہلِ بدعت اور خلافِ شرع بھی وہاں رہتے ہیں، جیسے سانپ کے بل میں سوا سانپ کے اور آلائش[۲] وغیرہ بھی ہوتی ہے اور حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ اور اس بندۂ عاجز نے ایک عالمِ نابینا سے جو کہ مسجد مکہ میں بعد نماز عصر کے وعظ کہتے ہیں حال مجلسِ مولود کا پوچھا تو انہوں نے فرمایا بدعة حرام۔ پس وہاں کے علماء حقانی اس عمل کو مذموم جانتے ہیں

---

[۱] مؤلف کے گمان کے مطابق [۲] گندگی۔

اگرچہ وہاں کے ایسے بھی علماء ہیں جن کا حال اوپر گذرا۔

اب جو کچھ علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے تھوڑا سا لکھتا ہوں۔ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے: قال الداودی "کان ھٰذا فی حیٰوتہ علیہ السلام والقرن الذی کان فیھم والذین یلونھم خاصۃ" وقال القرطبی "وھٰذا اختص بعصر النبیّ علیہ السلام والخلفاء الراشدین اما بعد ظھور الفتن وانتشار الصحابۃ فی البلاد ولاسیّما فی اواخر المائۃ الثانیۃ وھلمّ جرّاً فھو بالمشاھد بخلاف ذٰلک" انتہیٰ

ترجمہ:- داودی فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین وغیرہ کی طرف دین کا سمٹ جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں ہے۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آپؐ کے اور آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں ظاہر ہوا لیکن بعد ظہور فتنوں کے اور اِدھر اُدھر ہو جانے صحابہ کرامؓ کے خصوصاً دوسری صدی کے آخر میں حال اہلِ حرمین شریفین وغیرہ کا مشاہدہ میں خلاف حدیث مذکور ہے۔ ۱۲

اور ملّا علی قاریؒ اور شیخ عبدالحقؒ نے بھی اس کے قریب قریب لکھا ہے۔

اس سب تقریر سے اس قدر سب کو معلوم ہو گیا کہ مؤلف کا فہم کس قدر کج ہے کہ کہیں مطلب کو نہیں سمجھا، اپنی رائے سے ایک مطلب قرار دیکر جو چاہتا ہے بے جو لکھدیتا ہے۔ اور پھر اپنے مطلب تراشیدہ کے موافق بھی دلائل نہیں لاتا، کچھ عجب قصہ ہے اہلِ علم وفہم غور سے ملاحظہ کریں۔ ایسی تالیف بھی کہیں دیکھی نہ سنی ہوگی۔

> اور اس خانۂ محترم کے متولیان کفیل کار کی خدا تعالیٰ ثناء فرماوے کہ اِنْ اَولِیَاءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی نہیں ولی کارپرواز بیت اللہ کے مگر پرہیزگار آدمی۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے اولیاء کو اس حقارت سے یاد کریں۔ یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے۔ "تحفۃ العرب والعجم"

ہیں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں: "عرب کے علماء پر
جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطاء پر ہیں کہ وہ
خیر البقاع کے رہنے والے ہیں" انتہیٰ
اور شاہ ولی اللہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں: "خبردار!
اہلِ مدینہ سے ہرگز کدورت دل میں نہ لائیو ورنہ فیضانِ انوارِ محمدیؐ
صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے"
ہٰذا کلامہ ملخصاً۔

معنی آیت ان اولیاءہ الا المتقون

قولہ اور اس خانۂ محترم کے متولیان الخ

اقول یہاں تک تو مؤلف صاحب نے خارجِ مبحث خواہ مخواہ دیوبند پر مکہ کی فضیلت ثابت کی تھی حالانکہ یہ سب کا متفق علیہ ہے۔ اب اہلِ مکہ وعلماء کی افضلیت وتقویٰ آیۃ ان اولیاءہ الخ علم سے ثابت کرتے ہیں، علم مؤلف کو دیکھنا چاہیئے۔

سنو! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ نے مکہ میں عمرہ کے واسطے نہ جانے دیا اور لوگوں نے ان کو ملامت کیا تو جواب دیتے تھے کہ ہم متولّی وخدمتگار بیت اللہ ومسجد حرام کے ہیں جس کو چاہیں آنے دیں اور جسکو چاہیں نہ آنے دیں ہم مختار ہیں، تو اس کو حق تعالیٰ نے رد فرمایا کہ وہ ہرگز مستحق ولایت بیت اللہ کے نہیں، کیوں کہ ظالم ہیں اور مشرک ہیں۔ اور مستحق ولایت بیت اللہ کے مؤمن موحّد ہوتے ہیں۔ اور نیز بیت اللہ کی خدمتگاری خدا تعالیٰ کا گھر ہونے کی وجہ سے وہی کرتا ہے جو حق تعالیٰ کا بندۂ مؤمن موحّد ہو۔ مشرک کہ دشمن خدا تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے بیت کا کب متولّی ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اپنی دنیا کی وجہ سے اور اپنی معیشت کی وجہ سے اس کی کارگذاری کرتا ہے۔ پس استحقاقِ ولایت بیتہ اللہ کا مشرکین کو ہونا محض غلط ہے اور علیٰ ہٰذا

خدّام بیت اللہ کا بوجہ حق تعالیٰ کے بیت ہونے کے دعویٰ کرنا ان کا بالکل لغو ہے۔ استحقاق اس کا مومنین ہی کو ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا بیت ہونے کی وجہ سے سوائے مؤمنین موحدین کے کوئی ولی بیت کا نہیں ہو سکتا ہے یہ مطلب آیت کا تھا۔

جناب مؤلف صاحب نے ایک طبع زاد معنی پیدا کئے کہ جو ولی بیت کا ہوتا ہے وہ مومن متقی ہی ہوتا ہے غیر متقی ولی خادم بیت کا ہوتا ہی نہیں، پس جن کو خادم بیت دیکھو جان لینا کہ حسب وعدہ حق تعالیٰ کے وہ متقی ہی ہے اگرچہ کافر یا فاسق ولی بیت کا ہو وہ بھی متقی ہی ہوگا، سبحان اللہ کیا ذہن رسا ہے۔

اول تو بداہۃً معلوم ہے کہ مشرکین خادم بیت رہے تکذیب قرآن کی حسبِ تفسیر مؤلف کے اس کو لازم آتی ہے، پھر یہ کہ خادم اگرچہ فسق و فجور میں مبتلا ہو پھر بھی وہ متقی رہے گا یہ تمام آیات واحادیث واجماع کے خلاف ہے، فساق خدام بیت کو اگر مؤلف فاسق نہیں جانتا تو اپنے ایمان کی فکر کرے کہ کفر کو ایمان اور فسق کو تقویٰ بتلاتا ہے تمام نصوص کا انکار لازم آتا ہے۔ اور فساق خدام کو متقی ٹھیرا کر ان کا مداح ہوکر موردِ عتاب حدیث " اذا مدح الفاسق اهتز عرش الرحمٰن وغضب الرّب " (الحدیث) کا بنتا ہے۔ اور اس سے درگذر اگر یہ آپ کی رائے خلاف نصوص کے کوئی جاہل تسلیم بھی کر لیوے تو آپ کو کسی راہ مفید نہیں کیونکہ خدام بیت اللہ کی سلطان و شریف اور شیبی اور خواجہ سرائے و خدمتگاران مسجد ہوویں گے نہ علماء د سکّان[1] وہاں کے کہ ان کو کچھ بھی اختیار مسجد و خدمتِ بیت کا نہیں مثل دیگر ناس[2] کے ہیں۔ پس ان میں بحث ہے یا علماء میں۔ پس آپ کے ترجمۂ ناصواب کے موافق بھی آپکا مدعیٰ برآمد نہ ہوا اور یہاں بھی وہی ہو گیا کہ اصل مدعیٰ کچھ اور اثبات کچھ۔ قرآن شریف کی تفسیر کو مسخ[3] بھی کیا، مفسّر بالرائے بھی بنا مگر مطلب کیا نکلا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

---

[1] باشندے [2] لوگ [3] بگاڑ دینا۔

اور حال لباس و معاملات ان خدام کا بھی محض خلافِ شرع ہے۔ پھر ان کو متقی جاننا مؤلف جیسے حق پوش ہی کا کام ہے، قرآن و حدیث سے تو وہ ہرگز متقی نہیں ہو سکتے معاذ اللہ۔ اور نواب قطب الدین صاحب نے بھی ناحق طعن کرنا وہاں کے علماء کا لکھا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ناحق کدورت لانے کو منع کیا ہے نہ کہ وہاں کے اہلِ فسق کو اچھا جانو اور ان کی مدح کرو۔ لبعض فی اللہ جزءِ ایمان کا ہے ان کے اس فسق کو برا جانو اور اس وجہ سے انکو برا سمجھکر ان کی برائی ظاہر کرنا واجب ہے تاکہ احمق جاہل ان کے افعال کو دین اور جائز نہ سمجھ جاویں۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "فساق کی غیبت سے مت اندیشہ کرو مگر ہاں وہ غیبت بوجہ دین اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ہو نہ بوجہ اپنے غیظ کینہ کے"

پس اب مؤلف کا فہم و استدلال خوب واضح ہو گیا۔ مؤلف ایسے کلمات سے توبہ کرے اور کہیں رہ کر کچھ پڑھ لیوے۔ فقط

قولہ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام وقتِ ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں؟

اقول اس وقت قیام میں اہلِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً سے جو سنا ہے تو یہ اشعار پڑھتے ہیں:

یا نبیؐ سلام علیکَ ÷ یا رسول سلام علیکَ ÷ یا حبیب سلام علیکَ ÷ صلوٰۃ اللہِ علیکَ

اور ہندوستان میں کچھ ذکر میلاد کر کے اس طرح پڑھتے ہیں: **اشعار**

السلام اے آفتابِ دادو دیں ‌‌ ‌ السلام اے انتخابِ اوّلیں

السلام اے رحمۃ للعالمین ‌ ‌ ‌ السلام اے مہبطِ روح الامین

غرضیکہ اسی قسم کے اشعارِ سلامیہ خطابیہ پڑھے جاتے ہیں ان کے جواز میں کون کلام کرسکتا ہے ؟ ۔ مولوی اسحٰق صاحب کی مأتہ مسائل میں خود یہ مسئلہ مذکور ہے ۔ جواب سوالِ بست وچہارم میں بیان فرماتے ہیں : درندا کردن غائب میانِ نبی وغیرِ نبی فرق است اگر نبی را ندا خواہد نمود برائے ایصالِ صلوٰۃ یا سلام ظاہراً جواز است بدو وجہت : یکے آنکہ درحدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرفِ حق تعالیٰ مقرر اند ہرکہ بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم می رسانند ، دوم آنکہ در التحیات خطاب برائے رسانیدنِ سلام وارد شدہ پس بنابراین اگر کسے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بگوید برائے رسانیدنِ درود یا سلام جائز است ۔ انتہیٰ

پھر اگر کوئی شبہ لاوے کہ مولوی اسحٰق صاحب نے سلام اور درود کے ساتھ حضرت کو یا رسول اللہ ، یا نبی اللہ کہنا درست لکھا ہے اس واسطے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں سلام اور درود کو ، لیکن وہ اشعار مخاطب حاضر بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن میں سلام درود نہ ہو تو وہ بالکل ناجائز ٹھہرے حالانکہ مولد شریف میں ویسے شعر بھی پڑھتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ بس یہی جواب ان شعروں میں بھی سمجھ لو ۔ یعنی اگر کوئی مدح اور نعت اور منقبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کریگا تو یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیگا ان سے چھپا نہیں رہے گا ۔ امت کے سب اعمال اور سب کہنا سننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے ۔

روی البزار بسند جید صحیح عن ابن مسعودؓ عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال حیوتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرضُ علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئۃ استغفر اللہ لکم ۔

اور شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ عزیزی سورۂ بقرۃ میں آیت ویکون الرسول علیکم شہیداً میں لکھتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مطلع است بہ نورِ نبوت بر رتبہ متدین بدین خود کہ درکدام درجہ از دینِ من رسیدہ الیٰ ان قال در روایات آمدہ ہر نبی را امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے چناں می کند و فلانے چناں، تا روزِ قیامت ادائے شہادت تواں کرد۔ انتہیٰ

اور نیز علّامہ اسمٰعیل آفندی اور قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں عن سعید بن المسیّب قال لیس مِن یومٍ الّا وتُعرض علی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہٖ غدوۃً وعشیّۃً فیعرفھم بسیماھم و اعمالھم فلذٰلک یشھد علیھم یومِ القیٰمۃ۔

پس اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدح خوانوں کی نظر سے غائب ہیں لیکن ان کے اشعار مخاطب حاضر پڑھے ہوئے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا پہنچا دیتا ہے ہر صبح و شام۔

جس علّت اور دلیل سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یا ایہا النبیّ وغیرہ بقول مولوی اسحٰق صاحب جائز ہوا تھا اسی دلیل سے مدح و منقبت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کے اشعار پڑھنے جائز ہیں اور ہم ذمہ لیتے ہیں کہ صحابۂ کرام سےلیکر آج تک اولیاء کرام اور علماءِ عظام سے اشعار مخاطب حاضر کا پڑھنا ثابت کردیں گے۔ بیان اس کا انجاثِ محفلِ مولد شریف میں آویگا۔

افسوس ہے کہ اپنے پیر مرشدوں کے کلام پر بھی نظر نہیں رکھتے، بول اٹھتے ہیں منھ سے جو چاہیں یہ نہیں جانتے کہ ہر لفظ کا مباحثہ قیامت کو ہوگا وما یلفظ من قولٍ الّا لدیہ رقیب عتید۔

اس مقام میں ایک شعر مولوی محمد حسین فقیر کا یاد آیا جو مذمت محفلِ مولد شریف میں بیان فرماتے ہیں:۔ ؎

بہت ندائے رسولِ خدا میں شاغل ہیں ⁂ یہ مشرکوں کی علامت ہے محفلِ میلاد

لو صاحبو! عرب میں جو ندائے رسول کرتے ہیں اور جو ہند میں کرتے ہیں ان کا حال تم کو سنایا گیا ہے۔ اب کہئے اگر یہی شرک ہے تو یہ مفتی صاحب اپنے اعتقاد کے موافق پانچوں وقت عین نماز میں مشرک بنتے ہوں گے اس لئے کہ التحیات میں پڑھتے ہیں السلام علیك ایها النبی یعنی سلام ہو تم پر اے نبیؐ۔ دیکھو اس ندائے رسولِ خدا موجود ہے۔ اب کوئی دن میں مولوی صاحب نمازیوں کے حق میں بھی یہ شعر پڑھیں گے ؎

بہت ندائے رسولِ خدا میں شاغل ہیں ٭ یہ مشرکوں کی علامت ہے پنجگانہ نماز

نعوذ باللہ من سوء الاعمال والاعتقاد۔ اور واسطے بیان خطاب حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئندہ زیادہ تر تحقیق نورِ چہارم میں آویگی۔

تحقیقِ ندا بلفظِ یا رسول اللہ

قولہ، حضرت فخر عالمؐ اشعار میں مخاطب حاضر ہوں الخ

اقول، سائل کی مراد اس سے یہ تھی کہ نداء اور خطاب تو سب لغات میں حاضر موجود کے واسطے موضوع ہے، سو اشعار و مدح میں جو نداء و خطاب پڑھا جاتا ہے اگر ذاتِ فخرِ عالم کو حاضر ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمنِ صلوٰۃ وسلام میں ہے تو ملائک آپؐ تک پہنچادیں گے اور جو بدون اس کے ہی وقت غرض اعمال کے پیش ہو جاویگا تو جائز ہے مگر چونکہ اس مجمع میں جہالؔ[1]، سفہاءؔ[2] اور اہل بدعت کہ تمام اولیاء تک کی نسبت ان کا عقیدہ عالم بالذات ہونے اور متصرف بالذات ہونے کا ہے موجود ہوتے ہیں تو بصورت نداء خطاب کے ان کے عقائد کا افساد اور ان کی بدعت و شرک کی تائید ہوتی ہے۔ تو درصورتیکہ یہ امر مظنون بلکہ بحکم یقین ہے تو درصورتِ ثانیہ خطاب شرک نہیں مگر تو ہم شرک اور بسبب فتنہ فساد کا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس امر کے ضم سے یہ مجلس کیا حکم رکھتی ہے؟ یہ تھی مراد

---

[1] جاہل کی جمع [2] بے وقوف

سائل کی۔

تو مؤلف صاحب نے پہلی شق جس میں شرک لازم آتا تھا مطلقاً ذکر نہ فرمائی اس کو بالکل حذف فرمایا گویا یہ معنی خطاب و نداء کے سمجھتے ہی نہیں، اور دوسری شق کو اپنی اصل پر رکھ کر فی حدِ ذاتہٖ اس کا جواب دیا کہ بالکل جائز ہے کون اس کو منع کرتا ہے اور پھر اس کے اثبات میں دلائل پیش کردیں۔ اب مؤلف صاحب سے کوئی پوچھے کہ جس شق کے اصل جواز کا آپ فتویٰ فرمارہے ہیں اور اس پر بڑی دھوم دھام سے مولانا محمد اسحٰق صاحب و شاہ عبدالعزیز صاحب اور بزاز وغیرہ سے روایت کشی ہورہی ہے اس کا سائل کب منکر ہوا؟ اور وہ اس کو کہاں پوچھتا ہے تم کیوں سر پھولا کر تقریرِ طویل لاحاصل کررہے ہو، یا تو شقِ اول کا جواب لکھنا تھا کہ آیا وہ شرک ہے یا نہیں؟ یا دوسری شق کی عارض پر بحث کرنی تھی کہ باوصف اس مفسدہ کے بھی مجامعِ عام میں ایسے اشعار پڑھنے درست ہیں یا نہیں وہ کب کہتا ہے کہ فی حدہٖ یہ صورت ناجائز ہے اور مفتیوں کے مرشدوں، دوستوں نے اگر ایسے اشعار کبھی پڑھے تو خود خلوت میں یا خواص میں، نہ بازار میں اور نہ عوام جہلاء میں اور طبع ہوکر ان کی تشہیر[۱] کا اگر قصور ہے تو دوسرے لوگوں کا ہے۔ پس کیا عجب مؤلف کے فہم پر ہے کہ جس کو سائل پوچھتا ہے اس کا تو قلیل کثیر کچھ بھی جواب نہیں اور ایک غیر مسئول[۲] امر پر زور و شور کا علم جتلایا جاتا ہے۔ پس آپ کی سب روایاتِ منقولہ مسلّم ہیں مگر آپ کے فہم پر اور حسنِ جواب پر صد آفرین[۳] ہے۔

الغـرض جواب آپ کی خوبیٔ علم و فہم کا اور اس تقریرِ طویل کا تو ہوچکا اب اگر تم لاکھ دلائل اولیاء و علماء و صحابہؓ کے اس باب میں نقل کروگے تو آپکو ہرگز ذرہ بھر بھی مفید نہیں کیونکہ سب کا یہی جواب ہے کہ ان کا عقیدہ ہرگز حضور و اثباتِ علمِ غیب کا فخرِ عالم علیہ السلام کا نسبت نہیں اور یہ کلمات فرطِ[۴] محبت میں کہے اور خلوت یا جلوتِ خواص میں پڑھے۔

---

[۱] مشہور کرنا [۲] جس کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا [۳] شاباشی [۴] زیادتی [۵] محفل۔

اب بولو کہ آپ کی اوراق نویسی اس ایک کلام سے رد ہو گئی یا نہیں، بعد اس کے جو آپ نے مولوی محمد حسین فقیر پر ایک طعن کیا ہے محض بے جا ہے، کیوں کر اہلِ بدعت کا یہ عقیدہ علمِ غیب بالذّات کا محققؔ و مشہور ہے۔ سو انہوں نے ان کی ہی نسبت یہ شعر لکھا ہے۔ اور واضح ہے کہ اس عقیدہ سے خواہ ضمنِ صلوٰۃ و سلام میں خطاب ہو یا غیرِ صلوٰۃ وسلام میں بہرحال شرک ہے۔ اور بدون اس عقیدہ کے خواہ صلوٰۃ و سلام ہو یا غیر اس کے جائز جب تک مجمع عوام وسفہاء میں نہ ہو سو ان پر طعن بے محل ہے۔ اگر التحیات میں عقیدہ علمِ غیب کا ہوگا تو ان کو اس کے شرک ہونے سے کب انکار ہے وہ بھی شرک ہو جاویگا، اور التحیات میں یہ صیغہ یا محض نقل و ہدایت ہے اس واسطے درست ہوا۔ یا بوجہ سلام کے کہ وہ وعدۂ ایصال ہو چکا ہے۔ اور خلاف اس کے عقیدہ کرنے میں بھی وہی حکم ہے پھر طعن کیسا بے موقع ہوا مگر مولوی محمد حسین صاحب تو آپ کے معاصرؔ ہیں ان پر طعن کرنے سے کوئی آپ کو بڑائی حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ بڑے بڑے علماء پر جیسے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی محمد اسحٰق صاحب ان پر اعتراض کرنے میں اور علماء وفقہاء متقدمین میں جو روشنی کثیر کو مکروہ فرماتے ہیں ان پر طعن علمی روایت کرنے سے جیسا روشنی کے مسئلہ میں گذرا اور خود حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ پر اسراف کی روشنی کرنے اور اس کی مدح کرنے پر کہ قرآن شریف کے حکم کے خلاف اسرافؔ کیا آپ صراحۃً و اشارۃً طعن کر چکے ہیں تو وہ البتہ آپ کے تبحرؔ علم عوام کالاَنعامؔ کے نزدیک ہوتا ہے۔

لو اس باب میں بھی ہم آپکو بتلاتے ہیں کہ بخاری میں ہے کہ ابن مسعودؓ تاحیات فخرِ عالمؐ "السلام علیک ایہا النبیؐ" التحیات میں پڑھتے تھے اور بعد وفات آپؐ کے "السلام علی النبیؐ" پڑھنے لگے تھے، اب ان پر طعن فرمایئے تاکہ لوگوں کے نزدیک خوب عظیم شانِ آپ کی ہویدا ہو جائے۔ مولوی محمد حسین تو بڑوں کی

لہ ثابت ۲ہ ہم زمانہ ۳ہ گہرائی ۴ہ عوام جانور کی طرح ہیں۔

تقلید سے بُری ہو جائیں گے۔ ایسوں پر طعن فرمایئے تاکہ لوگوں کے نزدیک برأت ہو ہی نہ سکے، معاذاللہ۔

اب مؤلف صاحب غور فرمادیں اور سب اہلِ علم نظر فرمادیں کہ مؤلف صاحب نے شرح سوال کیا کہ اپنی طرف سے ایک سوال نیا تصنیف فرمایا ہے۔ سائل نے پانچ قید سوال میں لکھی تھی: امردانِ خوش لحن کا قصائد مدح پڑھنا، زیب و زینت کا ہونا، شیرینی کا ہونا، روشنی کثیر کا ہونا، فخرِ عالمؐ کو خطاب و نداء سے یاد کرنا۔ سو پانچوں قیود کی وہ شرح فرمائی کہ ہرگز سائل کے ذہن میں بھی نہیں گذری ہے اپنی طرف سے خلافِ مقصود سائل کے ایک شرح فرمائی اور پھر جواب جو اس شرح کے لکھے وہ بھی اکثر جگہ اس شرح کے مطابق و مناسب نہیں چہ جائیکہ اصل مقصود سائل کی موافقت ہوتی۔ چنانچہ تحریرِ بالا ہویدا ہوگیا۔ سو ایسا جواب سوال اور ایسی شرح شاید کسی نے آنکھ کھول کر دیکھی ہو گی۔ عجب تماشہ ہے اور پھر ان جوابات میں جن جن امور کی نسبت اوروں کو مطعون بناتے ہیں وہی امور خود اختیار فرماتے ہیں، سبحان اللہ کیا اعجوبہ ہے۔

قولہٗ بحدیثِ نبوی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

اقول سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں کہ حدیث سے جائز ہے یا نہیں؟ یوں پوچھنا چاہیئے تھا کہ شرعِ شریف میں جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ شرع شریف کے مسائل فقط حدیث ہی سے نہیں نکلتے، بلکہ اول دلیلِ شرع قرآن مجید ہے، پھر حدیث شریف، پھر اجماعِ امت، پھر قیاس۔ اس بات کا کہ ہم خاص ان ہی کے مجتہد مذہب سے سنوائے دیتے ہیں۔ دیکھو مولوی اسمٰعیل صاحب "تذکیر الاخوان" میں در باب ردّ بدعت لکھتے ہیں: جو مسئلہ کہ قرآن میں مفصّل مذکور نہیں اس کا حال حدیث سے دریافت کرے اور جو حدیث میں بھی صریح بیان نہ ہو تو وہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابوں سے دریافت کر کے اس

لہ ظاہر

اجماع کے موافق عمل کرے اس واسطے کہ حدیث کی رو سے صحابہ رض کے اجماع کی پیروی کرنے کا حکم ثابت ہے، پھر جو مسئلہ اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں ویسا واقع نہ ہوا ہو جو اس پر وہ حکم ٹھیرا اگر اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے۔ انتہیٰ

بلکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے کلام سے تو مابعد مجتہدوں کی بات نکالی ہوئی بھی حق معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام میں بعد تیرہ[۱۳] چودہ[۱۴] سطر کے فرماتے ہیں: پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا، مگر ہاں اکثر عالم دیندار، متقی پرہیزگار اس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے، انتہیٰ۔

اب سائل کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جب جواز امور کے واسطے بہت دلائل ہوئے، یعنی قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس مجتہدین اور اتفاق اکثر علماء دیندار۔ پس جب کوئی امر ان دلائل میں کسی ایک دلیل سے ثابت ہوجائیگا اس کو کہیں گے کہ یہ امر شرع میں جائز ہے، یہ نہیں کہ جس کا نام فقط حدیث میں صریح آیا ہو وہ جائز ورنہ ناجائز، یہ بات ہرگز محققین کامل کے نزدیک مسلّم نہیں۔

واضح ہو کہ یہاں تک سوال فتویٰ انکاری کی شرح کی گئی۔ اب اُسی کے جوابات جو مفتی صاحبوں نے لکھے ہیں اس کی توضیح کرتا ہوں۔

قولہ بحدیث نبوی الخ۔ **اقول** یہ آخر اعتراض سائل پر ہے کہ فقط حدیث سے کیوں طلب جواب کیا، قرآن و اجماع و اجتہاد بھی حجت شرعیہ ہے سو بجا ہے اول تو اس کا عذر قبول ہو کہ بیچارہ ناواقف ہے۔ مگر خوب محقق ہوگیا کہ مؤلف کے نزدیک فقط حدیث سے مطالبہ کرنا کسی حکم کا، معیوب و زبون[۱] بلکہ حجج[۲] اربعہ میں سے کسی سے جواب دیدے تو کافی ہے اور اتباع امر معیوب کا بھی ناجائز ہے اگر کوئی مستفتی خواہ مخواہ جواب سوال کا حدیث سے ہی طلب کرے تو مفتی کو اس

---

[۱] بُرا [۲] جمع ہے حجت کی بمعنی دلیل

پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ اتباع ناروا کا بھی درست نہیں ہوتا، سو مؤلف اپنے اس قاعدۂ مقررہ کو یاد رکھے کہ اس کے خلاف میں مؤلف مطعون ہووے گا اور جو اس بیچارہ کے کلام کی تاویل کرسکو تو کیوں اس پر غصہ ہوتے ہو۔ قرآن کی حدیث تفسیر ہے اور حدیث بھی وحیٔ باطنی ہے سو قرآن و حدیث تو ایک ہی ہوئی معنیً وحکماً اور اجماع بلا سند نہیں ہوا کرتا، سو سند قرآن کی آیت یا کوئی حدیث صراحۃً یا اشارۃً دلالت ہوتی ہے سو وہ بھی حکماً حدیث ہی ہوا اور قیاس[1] خود مظہر حکم ہے نہ کہ مثبت حکم سو وہ بھی اگر اجماع سے ہے تو وہ معلوم ہوا کہ حدیث ہی ہے حکماً اور قرآن سے ہے تو وہ بھی معنی حدیث سے متحد ہے۔ پس اس کا کہنا بایں تاویل درست ہے۔ پس مطالبۂ حدیث میں اگر کوئی قول مجتہد کا پیش کردیوے یا جزئیہ علماء کا جو قاعدۂ کلیہ مجتہد سے نکلا ہے پیش کردیوے تو وہ جواب حدیث سے ہی ہووے گا صریح حدیث کی ضرورت نہیں۔

بہر حال مؤلف اس کو یاد رکھے۔ الحمد للہ برہانِ اول نے لمعۂ نورِ اول کو ظلماتِ مکنونہ سے کہ ظلماتِ جہل پر نور مثل ملمع کے تھا رفع کرکے اس کی ظلماتِ اصلیہ کو واضح طور پر نمایاں عیاناً کر دکھایا۔

نورِ دوم میں چھ لمعے ہیں لمعۂ اُولیٰ نقل جواب ۔ واضح ہو کہ اس سوال کا جواب اوّل دہلی میں لکھوالیا گیا پھر اصحابِ دیوبند نے اس پر مہریں لگائیں، وہ یہ ہے:۔ **جوابِ فتویٰ انکاری:** انعقادِ محفلِ میلاد اور قیام وقتِ ذکرِ پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس بروز عیدین و غیر عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحۂ مرسومہ[2] ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا۔ البتہ نیابت[3] عن المیّت بغیر تخصیص ان امورِ مرقومۂ سوال کے للہ مساکین و فقراء کو دیکر ثواب پہنچانا اور دعاء اور استغفار کرنے میں امید منفعت ہے۔ اور ایسا ہی حال دہم، سویم، چہلم وغیرہ

[1] یعنی قیاس سے حکم ظاہر ہوتا ہے ثابت نہیں ہوتا [2] رائج [3] میت کی طرف سے قائم مقام

اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے ۔ خلاصہ یہ کہ بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں ۔ انتہیٰ حرفاً حرفاً ۔
اب مؤلف رسالہ ہٰذا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد پر بھروسہ کرکے بیان کرتا ہے ان امورِ ناصواب کو جو اس جواب میں ہیں ۔ واضح ہو کہ اس جواب پر دہلی کے تین صاحبوں کی مہر ہے : الٰہی بخش، حبیب اللہ، شریف حسین ۔ یہ صاحب دہلی میں غیر مقلد ہیں سب ان کو جانتے ہیں ان کا یہ جواب لکھنا کچھ تعجب نہ تھا ۔ لیکن اصحابِ دیوبند اس فتویٰ میں ان کے تابع ہو گئے ۔ مدرسہ دیوبند کے طلباء اور مدرسین کی پانچ مہریں اور چند دستخط ہیں ۔

قولہ نورِ دوم الخ **اقول** اس میں مؤلف نے جواب بلفظ نقل کیا ہے ۔ بعد اس کے کچھ اپنے علم کے فخریہ کلمات لکھے ہیں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں علم مؤلف کا نورِ اول میں ہی خوب منوّر ہو چکا ۔

ایسے ایسے مفتی کہ ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے :
" ہٰذا مسئلہ جواب صحیحۃ " حسن علی عفی اللہ عنہ ۔ سبحان اللہ عبارت ان مفتی صاحب کی دیکھنے کے قابل ہے اور فصاحت و بلاغت تذکروں میں لکھنے کے قابل ہے ۔ لفظ ہٰذا کی تذکیر و تعریف مسئلہ کی تانیث و تنکیر جواب کی تذکیر صحیحۃ کی تانیث پھر مسئلہ بمعنی سوال مبتداء اور جواب صحیحۃ اسکی خبر سوال کی خبر ۔ کیا کیا تماشے ہو رہے ہیں ۔ خیر ہم کو ان صاحبوں میں کسی سے کچھ تعارض نہیں الاّ مولوی محمد یعقوب صاحب، کہ اس مدرسہ کے مدرسِ اوّل ہیں چونکہ انہوں نے غیر مقلدوں کی تحریر پر مہر لگا دی اس لئے ہم کو ان سے چار شکایتیں ہیں

قولہ ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے الخ
اقول حسن علی نام کا کوئی مدرس مدرسہ دیوبند میں نہیں، ابتدائے

بناء مدرسہ سے آج تک کی کیفیات موجود ہیں، دیکھ لو مؤلف کو اگر دیوبند کے مدرسہ پر طعن کرنا مقصود ہے تو ایسی طرح طعن کرنا کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہ ہو شرم کی بات ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ان بعض الظن اثم۔ پھر خواہ مخواہ حسن علی کو دیوبند کا مدرس یا طالب علم قرار دے کر محض اپنی طرف سے یہ لکھنا کس قدر خلافِ امر حق تعالیٰ کے ہے۔ اور جو توہین مدرسہ کی غرض مؤلف کی ہے تو ایسے واہی مطاعن سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور مدرسہ دیوبند کا جو کچھ علم ہے اگر کچھ فہم خداداد مؤلف کو ہے تو آوے اور دیکھے اس فقیر کے گمان میں یہ آتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہ پاک میں بہت ہے کہ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلقِ کثیر کو ظلماتِ ضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ ایک صالح فخرِ عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی؟ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آ گئی، سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔ پس جس کا رتبہ عند اللہ زیادہ ہو گا شیطان عدوِ مبین اس کی تخریب و توہین میں زیادہ سرگرم ہو گا۔ پس مؤلف حالانکہ علماءِ مدرسہ دیوبند سے اس کو کوئی گزند نہیں پہونچا اور اس کی دنیا میں مدرسہ نے خلل نہیں ڈالا، البتہ اس کے بدعات کے ظلمات کا کاشف ہے لهذا مؤلف کو اس مدرسۂ دیوبند سے عناد ہے اور اس مدرسہ کو اپنا دشمن جانتا ہے مگر جس کا حامی حق تعالیٰ ہو اس کا کوئی کیا کر سکتا ہے۔

الغرض حسن علی نام کوئی مدرس نہیں اور جس حسن علی کے دستخط ہیں خواہ مخواہ اس پر مطاعن لفظی کرنی بھی دور از دیانت ہے، کیونکہ مطبع کی غلطی کا احتمال قوی ہے۔ چنانچہ اس فتویٰ میں بہت الفاظ غلط موجود ہیں سو حسنِ ظن کرنا اور کاتب کی یا صاحبِ مطبع کی غلطی پر حمل کرنا مناسب تھا، مگر یہ تو جب ہوتا کہ مؤلف کو حسنِ ظن پر عمل کرنا مدِ نظر اور اندیشۂ آخرت ہوتا۔ اور چونکہ تخطیۂ[1] معنوی کا

---

[1] نقصان نے معنوی غلطی نکالنا۔

تو مؤلف کو سلیقہ و ملکہ نہیں، تخطیۂ لفظی سے تسلّی کرلیتا ہے خیر یہ تو سہل ہے لیکن مشکوٰۃ اور قرآن شریف دہلی کے مطبع کے مثلاً مؤلف دیکھ کر جو اس میں غلطی کاتب ملاحظہ کرے گا تو مبادا حق تعالیٰ اور جناب فخرِ عالم پر مواخذہ نہ کرنے لگے کیوں کہ مؤلف کی عادت تو یہی ٹھہری کہ اصل مؤلف کو الزام لگاتا ہے، کاتب کی خطائ پر تو حمل کرتا ہی نہیں، استغفر اللہ استغفر اللہ۔

شکایتِ اُولیٰ بقانونِ طریقت یعنی ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے ہم مکہ معظمہ میں ملے ان کا ہرگز یہ طریق متعصبانہ نہیں دیکھا بلکہ نہایت مستقیم و معتدل، افراط و تفریط سے خالی پایا۔ لوگوں نے مسئلہ قیام کا پوچھا حالانکہ مانعین اس کو بڑا منکرات میں سمجھتے ہیں، کفر و شرک تک نوبت پہنچاتے ہیں لیکن انہوں نے یہ جواب دیا کہ "اگر اصحابِ محفل کھڑے ہو جاویں کھڑے ہو جاؤ، اگر بیٹھے رہیں تم بھی بیٹھے رہو"۔ ایسی گفتگو مصلحت آمیز ہے اس میں ہرگز جنگ مقصود نہیں۔ اور چند مسائل ان کے اسی طور دیکھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے سب مریدوں کو اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو منع فرمایا ہے کہ جو مسائل ہند کے علماء میں مختلف فیہ ہیں ان پر مہر مت کیجئو۔ پھر مولوی محمد یعقوب صاحب نے کیوں کسی کے کہنے سے اپنے مرشد ہادی کے خلافِ طریق اور خلافِ حکم پر مہر لگائی؟

رامپوری کی شکایت اربعہ جواب حضرت حاجیؒ کی اجازتِ قیامِ مولود ناواقفیت حالِ جہلاء پر مبنی ہے

قولہ شکایتِ اولیٰ الخ۔ **اقول** جناب حاجی صاحب سلمہٗ کا جواب قیام میں اگر سچ ہے تو یہ وجہ ہے کہ ان کو جہلاءِ ہند کا حال معلوم نہیں کہ کیا عقائد پیدا ہوگئے ہیں۔ اور فتویٰ دینے میں مفتی کو حال اہلِ زمانہ کا دیکھنا ضرور ہے کہ اختلافِ احوال سے جواب بدل جاتا ہے اور یہ تبدیلی مباح امور میں ہوتی ہے۔ پس اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا حال ان کو معلوم نہیں اور بحسنِ ظن قیام کو مباح جان

کر جائز رکھا اور مخالف کو موجب فتنہ جان کر موافقت کا حکم دیدیا، اس رائے کو مؤلف نے پسند کیا لیکن اباحت پر اس قدر مار مر[1] فش کہیں شرع میں درست نہیں، اور یہ روایت کہ انہوں نے جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم اور جناب مولوی رشید احمد صاحبؒ کو مسائل مختلف فیہا پر مہر لگانے سے منع کیا تھا، خوب تحقیق ہوا کہ محض غلط ہے، کسی مفتری کا افترا[2] ہے کہ اپنی بات بنانا مطلب پس یہ شکایت بے اصل محض ہو گئی۔

شکایت ثانیہ یعنی کیوں دیدۂ تحقیق سے فکر کر کے کُنۂ مسئلہ کو نہ معلوم کیا، مسئلہ میں تقلید ایک جرگۂ خاص کی بلا خوض و تفکر صحیح نہیں۔

قولہ شکایت ثانیہ الخ۔ اقول مؤلف کو کس طرح معلوم ہوا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب نے بدون فکر کے مہر لگا دی ہے۔ اگر یہ وجہ ہے مؤلفِ بحر العلوم کے فہم کے خلاف ہے، اور جو امر خلافِ رائے ایسے بحرِ ذخار کے ہوگا وہ غلط ہی ہوگا۔ تو مؤلف صاحب اپنے منھ میاں مٹھو ہوتے ہیں۔

نورِ اول میں تو مؤلف کی فہم کی ظلمات ابھی واضح ہو چکیں۔ اگر منظر بریں کتاب یہ کہا جاوے تو لائق ہے کہ جو مطابق رائے مؤلف کے ہوگا گو بظاہر درست ہو مگر در باطن لاریب[3] غلط ہوگا کیونکہ اکثر جگہ یہی ظاہر ہوتا ہے۔ پس مولوی صاحب کو ہرگاہ کہ جواب صحیح ہوا مُہر لگا دی ورنہ مصداق اس حدیث کے ہوتے مَن سئل عن علمٍ فکتمہ اُلجِم بلجام من النّار۔ اور مخالف اگر صادق امر کہے اس کی تصدیق ضرور ہے۔ یہ بد دینی ہے کہ کوئی بد دین اگر دین کی بات کہے تو تکذیب[4] کر دیوے کہ اس میں یہ خود مکذّب بنتا ہے۔ فخرِ عالم علیہ السلام نے یہود کی بھی سچی بات کی تصدیق کی ہے، چنانچہ صحاح میں یہ روایت موجود ہے پس یہ شکایت محض کم فہمی مؤلف کی ہے۔

---

[1] برا، [2] بہتان [3] یقیناً [4] جھٹلانا۔

شکایت ثالثہ اگر مولوی شریف حسین وغیرہ یہ بات کہیں کہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو حادث ہو وہ ضلالت ہے تو کچھ ان سے بعید نہیں، کیوں کہ غیر مقلد ہیں۔ لیکن اصحابِ دیوبند جن کا مذہب تقلید اور یہ کہتے ہوں کہ "امامِ واحد کی تقلید کل مسائل میں واجب ہے"۔ چنانچہ فتویٰ مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور اظہار الحق صاحب سے یہ بات ظاہر ہے۔ پھر یہ صاحب کس طرح فرماتے ہیں کہ ایجاد بعد قرون ثلٰثہ کا بدعت ہے۔ یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلیدِ شخصی کا تو قرون ثلٰثہ کے بعد حادث ہوا ہے۔ اپنے پیرانِ پیر شاہ ولی اللہ صاحب کی "حجۃ اللہ البالغہ" کو دیکھیں وہ لکھتے ہیں: اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على المذهب الواحد۔ پس جبکہ چوتھی صدی تک تقلیدِ شخصی پر مجتمع نہ تھے تو ظاہر ہوا کہ چوتھی صدی کے بھی بعد یہ مسئلہ وجوب کا حادث ہوا اور خود چوتھی صدی قرونِ ثلٰثہ سے بہت بعد ہے تو مابعد چہارم تو نہایت ابعد زمانہ ہوا۔ اور "تنویر الحق" میں مولوی قطب الدین صاحب نے قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے ان اهل السنة والجماعة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعةِ مذاهب الخ یہ بات ہم کو مضر نہیں کیونکہ ہم بعض بدعتِ حسنہ کو واجب بھی کہتے ہیں اور بدعتِ حسنہ کا وجود فقط قرون ثلٰثہ میں منحصر نہیں رکھتے لیکن ان اصحابوں پر مشکل ہوگا۔

قولہ شکایتِ ثالثہ الخ **اقول** مؤلف اپنے خوبیٔ فہم سے بلکہ اپنے اسلافِ ہم مشرب کی تقلید سے معنی موجود ہونے کے قرونِ ثلٰثہ میں اور نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر قرونِ ثلٰثہ میں یہ جزئیِ خاص حادث ہو کر وجودِ خارجی میں آجاوے خواہ دلیل اس کے جواز کی ان قرون میں موجود ہو یا نہ ہو اور خواہ اس پر کسی نے ان قرون میں انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو اور خواہ وہ امر اُن قرون میں شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو وہ سنت ہے۔ اور اگر ان جزئیِ خاص نے ان قرون میں وجود خارجی

نہیں پایا اگرچہ جنس ان کی اس قرون میں موجود غیر منکر ہو یا دلیل جواز کی موجود ہو وہ بدعت سیئہ ہے۔ مگر یہ فہم بالکل غلط فاحش اور محض کور علمی ہے اور مؤلف کی فقط اسی کج فہمی پر تمام اس رسالہ کی بناء ہے۔ اور اسی کوتہ فہمی سے تمام مغالطات[1] وقبائح کا مرتکب ہوا ہے مگر ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شئی قرونِ ثلثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجودِ شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اب سنو کہ وجودِ شرعی اصطلاحِ اصولِ فقہ میں اس کو کہتے ہیں جو بدون شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو، پس اس شئی کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً۔ پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہوگیا تو وہ شئی وجودِ شرعی میں آگئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو اور معلوم رہے کہ سب احکامِ شرعیہ موجود بوجودِ شرعیہ ہی ہیں کیونکہ حکم حلّت اور حرمت کا بدون شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہوسکتا۔ پس جواز کا حکم کلیۃً ہوگیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہوگیا۔ اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہوگیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہوگیا اور وجود اس کا مرتفع ہوگیا۔ پس یہ حاصل ہوا جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجودِ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔ اور یہ بھی سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیر دلیل جواز کے ہے اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدمِ جواز کی ہے۔ علیٰ ہٰذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدمِ جواز کی اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے۔

---

[1] مغالطہ کی جمع۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہرِ حکم کا ہے مُثبتِ حکم کا نہیں ہوتا۔ پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے۔ مؤلف اور اس کے اشیاع[1] نے اس کی ہوا بھی نہیں سونگھی، اس عاجز کو اپنے اساتذۂ جہاں دیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ اپنے موافقین کو نفع ہوا، اور مخالفین کو شاید ہدایت ہو۔ اگر اس کو خوب نگہداشت کیا جاوے تو تمام اس رسالہ اور دیگر رسائل مبتدعین کی خطا واضح و لائح رہے اور مؤلف تو کسی مطالبِ علمی کو کہیں بھی نہیں سمجھتا، اپنی فکرِ نا تمام سے ایک معنیٰ قرار دیکر بدون مغزِ کلام کے سوچے سمجھے جو منھ میں آیا نکال ڈالتا ہے، ایسے علم و فہم پر افسوس آتا ہے۔

تقلیدِ شخصی واجب ہے

پس بعد تمہید اس قاعدہ کے دیکھو کہ تقلیدِ شخصی کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہے گو وجودِ خارجی اس کا کبھی ہو، اس سے ہم کو بحث نہیں۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون الآیۃ اس میں وجوبِ تقلید کا حکم ہے اور باطلاقہٖ شخصی اور غیر شخصی دونوں کو محتوی[2] ہے اور دونوں مامور علی التخییر ہیں۔ اور آیۃ ولا تفرقوا الخ وحدیث کونوا فی اللہ اخواناً وغیرہ میں امر وجوب تقلید شخصی کا وقت افتراق اور اختلاف کی موجودہ ثابت ہے، کیونکہ زمانِ جہل میں اور وقت اعجابؔ کلّ ذی رائے برائہ[3] کی عدم تقلید شخصی میں فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اب خود مشاہد ہے۔ لھذا بالیقین وجود وجوب لغیرہ تقلید شخصی کا بعد زمانہ قرون ثلٰثہ کے ہوا اگرچہ وجودِ شرعی اس کا قرونِ ثلٰثہ میں ثابت تھا، پس اس کو بدعتِ ضلالہ جاننا حسبِ[4] حدِ مشہور محض جہل اور سوءِ فہم ہے کہ بعد اس شرح و بسط کے کوئی عاقل جاہل بھی تردّد نہ کریگا اگرچہ مؤلف سے توقع قبول

[1] ثابت کرنے والا [2] شامل [3] ہر شخص کا اپنی رائے پر اعتماد [4] مشہور تعریف کے مطابق

اشغالِ مشائخ ہیں ثابت بالسّنۃ ! اور علیٰ ہٰذا اشغالِ مشائخ کا جواب ہے۔ پس یہ دو شکایتیں مؤلف کی ثالثہ اور رابعہ محض مؤلف کے عدمِ علم وفہم سے ناشی ہوئے اور مؤلف نے باتباع بعض علماء کے اس کو بدعتِ حسنہ سے تعبیر کیا اور یہ فرق اصطلاحی اور لفظی تھا فی الواقع کوئی خلافِ معنوی نہ تھا مطلب سب کا ایک تھا، میاں مؤلف نہ سمجھے نہ پڑھے اس کو نزاعِ حقیقی سمجھ کر الفل مارنے لگے اور اپنی حقیقت سب پر ظاہر کردی۔

شکایت رابعہ آپ کے پیر مرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "ضیاء القلوب" مطبع مجتبائی ہمارے پاس ہے، وہ کتاب واسطے دستور العمل ہونے اپنے مریدوں کے لکھی ہے، اس میں بہت باتیں اس طرح کی ہیں مثلِ فاتحہ بارواح مشائخ اور خطرات کو مشاہدۂ جمالِ مرشد سے دفع کرنا یعنی تصوّرِ شیخ) اور عروج اور نزول کے طور پر ذکر کرنا اور رگِ کیماس کا دبانا اور مونڈھے اور ناف اور گھٹنے وغیرہ کی طرف اشارات اثنائے ذکر میں کرنا اور اذکار کا عدد اور جلسہ کی ہیئت اور وضع اور وقت وغیرہ کی تعینات خاص کرنا اس قسم کی بہت سی چیزیں اس میں ہیں کہ قرونِ ثلٰثہ سے ہرگز ہرگز بایں ہیئتِ کذائی وبہیں ہیأتِ مجموعی ثابت نہیں۔ اور مولوی شریف حسین اور حفیظ اللہ صاحب واعظ کی تحریر اس فتویٰ انکاری میں یہ ثابت کررہی ہے کہ محفلِ مولد شریف اور فاتحۂ اموات بباعث عدمِ ثبوت قرونِ ثلٰثہ سے مخترعات[1] ناپسند شرعیہ ہیں۔ اور آپ نے اس کی تصحیح پر مہر لگائی تو فی الحقیقت یہ مہر ہوگئی اس پر کہ جو چیز قرونِ ثلٰثہ سے ثابت نہ ہو وہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے۔ پس داخل ہوگئے اسمیں سب اذکار واشغالِ مرسومہ[2] خاندانِ جناب جو ضیاء القلوب میں مندرج ہیں کہ ہرگز ان کا ثبوت بہیئتِ کذائی وہیئاتِ مجموعی

---

[1] ایجادات۔ [2] مروّجہ

قرونِ ثلٰثہ سے نہیں وَمَن اَدّعٰی فعلیہ البیان ، اور ہم کو یہ اعتراض کچھ مضر نہیں اس لئے ہم اس کے قائل نہیں کہ جو بات قرونِ ثلٰثہ میں نہ ہو وہ ضلالت اور سیّئہ ہوتی ہے ۔

قولہ شکایتِ رابعہ الخ **اقول** اس کا جواب بھی جوابِ شکایتِ ثالثہ سے واضح ہو گیا۔ اور اس کے جواب میں طول و بسط کیا گیا کہ یہ بہت کار آمد قاعدہ ہے اور تمام رسالہ کے قمع کو کافی ہے، بغور ملاحظہ کرنا لازم ہے ۔

لمعہ ثانیہ رد جواب مانعین و تحقیق بدعت و ثبوت بدعتِ حسنہ

واضح ہو کہ اس فتوٰی انکاری میں کوئی منع کی دلیل نہیں سوا اس کے کہ یہ باتیں قرونِ ثلٰثہ میں نہ تھیں ۔ اور جو قرون ثلٰثہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے سو یہ قاعدہ تحقیقی نہیں ۔ کسی کسی کے اقوالِ مختلفہ کا ذکر کرنا اور بات ہے، اور مذہب منصور اور قولِ جمہور جس پر عمل امت ہو وہ اور بات ہے ۔ اختلافِ اقوال کا یہ حال ہے کہ بدعت میں چند اقوال ہیں :

قولِ اوّل یہ ہے کہ مؤلفِ "تذکیر الاخوان" نے تو اپنے طائفہ کا دستور العمل ٹھہرا دیا کہ جو بات قرونِ ثلٰثہ میں ایجاد کی گئی ہے اس کو سنّت کہنا چاہیئے اور جو بعد میں ایجاد ہوئی اس کو بدعت قرار دینا چاہیئے، اور جو چیز بدعت ہے وہ کل ضلالت اور سیّئہ ہے ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز بعدِ صحابہؓ اور تابعینؒ کے نکالی جاوے وہ بدعت ہے اور نا مشروع ۔ یہ مائۃ مسائل کے سوال چہلم و ہشتم میں لکھا ہے "امرے کہ منقول نباشد از آنحضرتؐ و صحابہؓ و تابعین غیر مشروع است" الیٰ ان قال قرأۃ الکافرون الی الاٰخر مع الجمع مکروھۃ لانّھا بدعۃ لم ینقل ذٰلک عن الصحابۃؓ والتابعینؒ ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ تقریر ایک نمبر زیادہ چڑھی ہوئی ہے مولوی اسمٰعیل

سے بھی کیونکہ ان کی تقریر سے تو تبعِ تابعین بھی معتبر تھے اور اس تقریر سے
تبع تابعین بالکل ندارد ہوئے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہؓ کا فعل تو سنّت میں داخل ہے، لیکن صحابہؓ
کے بعد جو قول فعلِ حادث ہو وہ بدعت ہے اور ضلالت ہے۔ چنانچہ جلد اوّل
مکتوباتِ مجددیہ کے مکتوب ۱۸۶ ایک سو چھیاسی میں ہے:

"ہر چہ دریں محدث و مبتدع گشتہ کہ در زمانِ خیر البشرؐ وخلفاءِ
راشدینؓ نہ بودہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ آں چیز
در روشنی مثل فلقِ صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ با او ہستند
گرفتارِ عمل آں محدث مگر دانا۔"

اور اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے: فعلیکم بالاقتصاد علیٰ
متابعۃ سنّۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ولا کتفاء
علیٰ اقتداء اصحابہ الکرام۔

اب دیکھو کہ اس کلام سے تبعِ تابعین تو کیا خود گروہِ تابعین بھی
اڑی ہوئی ہے۔ پس اس قول کے موافق ان کا قول وفعل بھی بدعتِ
واجب الاجتناب ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین خود صحابہؓ کا بھی کچھ اعتبار
نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک بدعت
کے یہ معنی ہیں: البدعۃ مالم یکن فی عھدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔
پھر حضرتؐ کے بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں تو ان علماء کے نزدیک وہ بدعتِ
ضلالہ ہے۔ لامذہبوں، غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفاءِ راشدین
کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ
حضرت سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ "لازم پکڑو سنت میری اور سنت

خلفاءِ راشدین کی "، تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "مسلک الختام شرح بلوغ المرام" میں یہ ہے کہ "نہیں مراد سنتِ خلفاءِ راشدین سے مگر ایسا طریقہ ان کا کہ موافق طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو" اور معلوم ہے قواعد شریعت سے کہ کسی خلیفۂ راشد کو نہیں پہنچتا کہ کوئی طریقہ سوائے اس طریقہ کے کہ اس پر حضرت تھے، مشروع کرے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اور کتاب "مفاتیح الاسرار التراویح" میں ہے کہ "مراد سنت الخلفاء سے وہی سنت ان کی ہے جس میں وہ موافق اور متبع سنتِ نبوی ہیں نہ کہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں الخ"۔

پس ان بزرگواروں کے نزدیک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی کہ بعض امور انہوں نے زائد کئے ہیں بدعتی ہیں، نعوذ باللہ منہا۔ یہ فرقہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے تین نمبر اوپر چڑھ گیا۔ وہ تو تبع تابعین تک کو مانتے تھے یہ خلف ان کے ایسے بڑھے کہ صحابہؓ تک کو بھی نہیں مانتے۔ کیوں نہ ہو، جب تک اپنے بزرگوں سے چار قدم آگے نہ بڑھے تو پھر کیا فخر ہوا۔

اب طالبانِ حق غور سے سنیں یہ چاروں کو جو بیان کئے گئے یہ سب اقوال شاذہ متفرقہ بعض علماء کے آپس میں مختلف ہیں۔ چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے اور تیسرے قول کو دوسرا اور دوسرے کو اول باطل کرتا ہے۔

اب قولِ اول جو صاحبِ "تذکیر الاخوان" کا ہے اس میں جو خلل ہے یہ عاجز بیان کرتا ہے:

واضح ہو کہ متقدمین و متأخرین میں کسی نے سنت کی یہ تعریف نہیں لکھی کہ "سنت وہ شئی ہے جو قرونِ ثلثہ میں پائی جاوے" اور نہ کسی نے حدیث یا قولِ صحابہؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے یہ بات صراحۃً ثابت کی۔ ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ، برس دو برس میں کسی کتاب

سے یا خود اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر ایسی حدیثِ معتبر ہم کو دو جس میں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہوگی یا خاص یہی الفاظ کسی جماعت اصحابؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کی زبانی ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ، معتبر اسناد سے معتمد علیہ کتاب سے۔ لیکن کوئی نہ لا سکا اور لاوے کہاں سے فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم یعنی بہتر لوگوں میں میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔

بدعتِ حسنہ و بدعتِ سیّئہ کی حقیقت

قولہ لمعۂ ثانیہ رد بدعت مانعین و تحقیق بدعت۔

اقول تحقیق معنی بدعت میں مؤلف نے نہایت اپنا جوہر فہم دکھایا اور غایتِ مبلغِ علم کا اظہار کر دیا اور اس تحقیق پر مؤلف کو نہایت فخر و ناز ہے پہلے جواب شکایتِ ثالثہ میں یہ عاجز حقیقتِ بدعت کو لکھ چکا ہے اب یہاں پھر لکھتا ہوں۔ سنو کہ تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ "بدعت" لغت میں امرِ جدید کو کہتے ہیں، اور کتبِ شریعت میں جو اطلاق اس لفظ کا ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخرِ عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو خواہ مذموم، اعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو سو اس کی دو قسم کرتے ہیں: قسم اول محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے۔ دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں۔ پس قسم اول کی بدعتِ حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنۃ جانتے ہیں۔ اور دوسری قسم بدعتِ ضلالہ ہے۔ پس یہ جدید بدعت عام کہلاتی ہے۔ اور کسی جگہ معنی بدعت کے یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقہ مرضیہ[1] شارع علیہ السلام کے، یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو اور یہ معنی

---

[1] پسندیدہ۔

خاص ہیں۔ اور کتبِ شرعیہ میں اس ہی سے بحث ہوتی ہے، تو بدعت باین معنی وہی نوع مذموم ہے اور قسمِ محمود سنت میں داخل ہے پس یہ دونوں اطلاق درست ہیں اس میں کسی کا خلاف نہیں فقط بیان کا فرق ہے اور بس۔ اور اصل مراد میں سب متفق ہیں۔ سو جو بدعت کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں وہ بدعت کے معنی خاص لیتے ہیں۔ اور جو علماء تفریق حسنہ اور سیّئہ کی کرتے ہیں وہ معنی عام لیتے ہیں۔ اور یہ جو احقر نے لکھا تمام کتبِ شرعیہ میں موجود ہے۔ اور خود مؤلف بھی اس کو جانتا ہے، خود اس رسالہ سے ظاہر ہے لہٰذا نقلِ روایات کی حاجت نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو علماء سوم، چہلم وغیرہ کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کو بمعنی خاص لیتے ہیں۔ اور مقامِ ذم میں ذکر کرنا اور حجت عدمِ جواز کی ٹھہرانا دلیل ظاہر اس امر کی ہے، ورنہ معنی عام سے کہ ایک فرد اس کی محمود بھی ہے کس طرح مذموم مراد ہو سکتا ہے مطلقاً۔ اور یہ امر جس کو ادنیٰ سلیقہ ہو گا جان سکتا ہے۔ مگر مؤلف کا سلیقۂ علمی اور خوبیٔ فہم قابلِ دید ہے کہ باوصفِ علم اس اصطلاح کے اور قرینۂ بیّنہ کے جگہ جگہ اعتراضاً لکھتا ہے کہ تمہارے نزدیک فلاں شئی بدعت ہے اور ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور اس کو نہایت الزام و اعتراض سمجھ رہا ہے۔ تو اس تحریرِ مؤلف سے معلوم ہوا کہ مؤلف کے نزدیک یہ نزاعِ حقیقی اور مخالفتِ معنوی ہے فرقِ اصطلاحی نہیں، ورنہ کیوں یہ تو تو میں میں کرتا اور کس واسطے باوجود ضعفِ دماغ کے لاحاصل اس قدر تطویل کرتا کہ سب کا مآل و مقصود الگ الگ ہو اور پھر ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط بتا دے اور لاحاصل تحریرِ طویل لکھ کر کاغذ سیاہ کرے۔ پس اس سے بھی تبحرِ علم اور خوبیٔ فہم مؤلف کا ہر شخص پر عیاں ہو گیا جیسا کہ پہلی شرح سوال میں ہر ہر معنی پر کجیٔ فہم مؤلف کی ظاہر ہو چکی۔

بدعت کی جو حدود منقول ہیں متعارض نہیں محض اختلافِ عنوان ہے

الحاصل دونوں معنی بدعت کے ایک ہی مراد ہے۔ اور پھر جو کتب میں حدود بدعت ہیں الفاظ مختلف ہیں ان سب کا بھی حاصل ایک ہی ہے۔ مگر مؤلف چونکہ سلیقۂ فہم مراد نہیں سب کو مختلف المراد جان رہا ہے اس واسطے ان کو نقل کرکر مردود شاذ بتاتا ہے۔ اور ایک معنیٔ عام کو صحیح و معتبر ٹھہراتا ہے اور باہم سب کو مختلف جان کر غلطی میں پڑ رہا ہے سو بیان بھی ضرور ہوا تاکہ کج فہمی مؤلف کی ظاہر ہو جاوے۔

سنو کہ تعریف بدعتِ شرعیہ کی بعض نے یہ لکھی ہے کہ وہ محدَث فی الدین ہے کہ زمانِ فخرِ عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہوا نہ تو قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً اور نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ پس بدیہی امر ہے کہ جب کسی طرح زمانِ فخرِ عالمؐ میں وہ موجود نہیں اور معلوم ہو چکا کہ موجود ہونے سے وجود شرعی مراد ہے نہ وجودِ خارجی تو دلیل جواز کی اس کے لئے کوئی نہ ہووے گی وہ خلاف شرع شریف کے ہوگا۔ پس اس کے معنی بعینہٖ بلا تفاوت وہی ہوئے جو درِّ مختار اور بحرالرائق اور ابن حجر وغیرہم لکھتے ہیں، جس کو قولِ خامس کر کے مؤلف صاحب نے لکھا ہے اور مسلم الثبوت اور قولِ جمہور اور معتبر ٹھہرایا ہے۔ سرِ مو[1] فرق دونوں میں نہیں، پھر جو شئی زمانِ فخرِ عالمؐ میں موجود نہ ہوئی بوجود شرعی تو صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں بھی موجود بوجودِ خارجی نہ ہو دیگی بایں معنی کہ نہ اس کا شیوع[2] بلا نکیر ہو سکے اور نہ اس کے جواز کی دلیل قولاً فعلاً تقریراً، صراحۃً، اشارۃً نکل سکے کیونکہ وہ زمانِ خیریت ہے۔ فخرِ عالمؐ نے ان کی خیریت اور اتباع کا حکم فرمادیا ہے۔ پس جو کچھ ان قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہوگا خلاف قواعدِ شرعیہ کے نہ ہوگا اور جو موجود نہ ہوگا وہ بدعتِ ضلالہ[3] ہو وے گا

---

[1] بال کے برابر [2] اشاعت [3] گمراہی

اور پھر یاد دلاتا ہوں کہ موجود ہونے سے سب جگہ مراد وجودِ شرعی ہے یہ معنی کہ دلیل جواز کی ہونا وجودِ شرعی ہے اور دلیل جواز کی نہ ہونا عدمِ وجودِ شرعی ہے پس بہرحال یہ دونوں تعریف کسی وجہ سے مخالف نہیں اور بعض نے اسی واسطے اس تعریف میں یہ زائد کر دیا ہے کہ زمانِ خلفاءِ راشدین میں بھی نہ پایا جاوے۔ اور بعض نے عدم اور وجود زمانۂ صحابہؓ کا ذکر کیا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو زمانۂ فخرِ عالم علیہ السلام میں نہ ہوگا صحابہؓ کے قرن میں بھی نہ ہوگا جیسا ابھی گذرا۔

اور پھر ایک حدیث میں خود فخرِ عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے علیکم بسنّتی و سنّۃ الخلفآء الرّاشدین المہدیّین[1] الخ دوسری حدیث میں فرمایا ما انا علیہ و اصحابی اور ظاہر ہے کہ بعض امور زمانۂ خلفاء میں اور صحابہؓ میں شائع اور ظاہر ہوئے کہ فخرِ عالمؑ کے وقت میں ظہور ان کا نہ ہوا تھا اگرچہ اصل اور دلیل اس کی موجود تھی اور یہاں وجود شرعی ہی مراد ہے۔ عام ہے کہ وجود خارجی میں آیا ہو یا نہ آیا ہو اور بعض نے صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں نہ ہونا بھی اس حدِّ بدعت میں زائد کیا، جیساکہ عالمگیریہ نے محیط سے نقل کیا اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمانِ تابعین میں اجتہاد و قیاس ہوا اور قواعد و ضوابط بنائے گئے اور جو کچھ زمانۂ صحابہؓ میں مخفی تھا ظاہر ہو گیا تو یہ سب اس کا ہی اظہار و ضبط تھا جو پہلے موجود تھا، کوئی امر جدید خلاف اس کے نہ تھا، اور بعض علماء نے تبعِ تابعین کے قرن میں بھی نہ ہونے کو ذکر کیا اس سبب سے کہ حدیث خیر القرون قرنی میں تبع تابعین بھی ذکر فرمائے گئے ہیں، اور فی الواقع اس قرن میں ائمۂ مجتہدین نے بسط و تفصیل قواعد شرعیہ کی اور کلیات اجتہاد و قیاس کے ایسے کامل و منضبط کر دیئے کہ قیامت تک کو کافی ہو گئی، اور اختلاف امّتی رحمۃ[2] کا ظہور بوجہ اتم ہوا۔

---

[1] وہ طریقہ جس پر کہ میں اور میرے صحابہؓ ہیں [2] میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

پس جس کی دلیل ان قرونِ ثلثہ میں نہیں وہ بدعت وضلالت ہے اور جس کی اصل یہاں ہے وہ جائز ومقبول ہے۔

الحاصل یہ ہر چہار قول حدِ بدعت کے جو مؤلف نے شاذ و غلط لکھے ہیں اور قولِ خامس جس کو قولِ جمہور و مشہور و معتبر لکھا ہے سب ایک مطلب اور ایک معنی رکھتے ہیں سوائے اختلافِ الفاظ کے کچھ تفاوت سر مو بھی نہیں۔ علیٰ ہٰذا قول تعریف بدعت کا بھی بمعنی عام اور بمعنی خاص دونوں موافق ہیں سوائے خلاف بیان واصطلاح کے کوئی نزع و اختلاف نہیں۔ پس اب فہم رسا وقوت حد سے مؤلف صاحب کی ناظرین ملاحظہ کریں کہ اول تو معنی عام وخاص بدعت کو باہم مختلف معنوی و نزاع حقیقی سمجھ رہا ہے اور پھر ان حدود اربعہ کو خلاف و معارض جان رہا ہے اور اس غلطیٔ فاحش پر ناز کر کے کس دعویٰ سے کہتا ہے کہ مانعین نے کوئی دلیل منع کی نہیں لکھی سوائے قرون ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے، سبحان اللہ۔ جب یہی دلیل منع کی نہیں تو پھر کون سی دلیل مؤلف کے نزدیک معتبر ہو دیگی کہ یہ دلیل حاوی جمیع دلائل کو ہے اور حجج اربعہ اس میں حصر ہو گئے ہیں، پس بعد حجج اربعہ کے شاید توریت و انجیل سے حجت کی خواہش مؤلف رکھتا ہوگا، معاذ اللہ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ پھر وہی بات ہے کہ مؤلف نے اپنے فہم سے اس کلام کے معنی یہ سمجھے۔ اس وجہ سے تحریر لاحاصل سے کاغذ سیاہ کیا اور غلط فہمی اس کی اب بھی ظاہر ہو چکی واذ لم یھتدوا به فسیقولون ھٰذا افک قدیم

قرون ثلثہ میں جو چیز نکلی اس کے سنت ہونے کے معنی اور حدیث خیر القرون میں خیریت سے کونسی خیریت مراد ہے	اب یہ امر کہ مسئلہ مبحوث عنہا کی دلیلِ جواز قرون ثلثہ میں ہے یا نہیں؟

بجائے خود مذکور ہودیگی۔ یہاں فقط اس کا بیان ہے کہ مؤلف حدودِ بدعت کو نہیں سمجھا اور باہم سب کو متعارض بتادیا اور ائمۂ مجتہدین پر مطاعن کرکے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا کہ یہ کام علماء کا بلکہ عامی مسلمان کا بھی نہیں، اور مورد مَنْ عادی ولیاً لی فقد اٰذنتُہٗ بالحرب کا بنا، معاذ اللہ۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ بعض مبتدعین نے اپنی کورفہمی سے رسائل لکھتے ہیں ان میں مطاعن مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی محمد اسحٰق صاحب کی اور حضرت مجدد صاحب اور دیگر اکابر کے مذکور ہیں، مؤلف ان رسائل سے مستفید ہوا اور کینہ ان حضرات سے اپنا سینہ سیاہ کرکے خیالاتِ فاسدہ میں اپنے اس رسالہ میں تحریر کردیئے۔

الحاصل ان سب اقوال کا ایک حاصل ہے، پھر نہایت جہل ہے کہ چار قول کو غلط اور خامس کو صحیح کہا جاوے۔ چنانچہ واضح ہوگیا۔ اور مؤلف کی خیانت کا ذکر نورِ چہارم کے لمعۂ ثالثہ کیا جاویگا کہ عبارتِ "تذکیر الاخوان" میں تصرف کرکے نقل کیا ہے۔

قولہٗ اب قول اوّل جو صاحبِ "تذکیر الاخوان" کا ہے اس میں جو خلل ہے الخ

اقول تعریف تذکیر الاخوان کی خوبی معلوم ہوچکی اور مؤلف کی کم فہمی واضح ہوئی۔ اور علیٰ ہٰذا قول ثالث اور رابع کی حقیقت محقق ہوچکی اور اعتراضات اور شوخ کلامی مؤلف کی مردود ہوگئی حاجت اعادۂ کلام کی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرونِ ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی معلوم ہوئے کہ موجود نہ ہونے سے دلیل جواز کی نہ ہونا مراد ہے، آیۃ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور حدیث علیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المہدیین اور حدیث ما انا علیہ واصحابی اور حدیث خیر القرون قرنی اور اقوالِ متقدمین و متأخرین ان حدود کی مثبت ہیں اور سب متفق المعنیٰ ہیں چنانچہ ظاہر ہوگیا، مگر مؤلف خود نہیں سمجھا۔ اور مؤلف جو لکھتا ہے کہ

ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی الخ بالکل کذب ہے۔ سو شاید
اپنے احاطہ شیخ الٰہی بخش مرحوم میں کھڑے ہوکر پکار دیا ہوگا ورنہ مؤلف کو
فہمائش کردیا جاتا، اب تحریر کو دیکھ کر تسکینِ خاطر کرلیوے اور سمجھ لیوے کہ
کس قدر تعریف درست اور صحیح ہے۔

سو معنی اس حدیث کے بعضوں نے یہ کہے ہیں کہ قرنی سے حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ حیات مراد ہے۔ اور ثم الذین یلونہم سے ابوبکر رضہ
کے دور کے جو لوگ تھے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ لوگ
مراد ہیں، پھر دوسرے ثم الذین یلونہم سے دورِ عمر بن الخطاب رضہ کے آدمی
مراد ہیں۔ پس خوب خیریت سے اسلام میں موافقت اور نصرت اور ظہورِ شوکت
تین دور تک رہی۔ جب یہ قرونِ ثلٰثہ گذر چکے، قرن چوتھا یعنی حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کا دور ہوا اس وقت سے اہلِ اسلام میں خانہ جنگی شروع ہو گئی
وہ خیریت قرونِ ثلٰثہ کی گم ہو گئی۔

مولوی احمد علی صاحب محدّث سہارنپوری مرحوم جو علمِ حدیث میں مولوی
محمد قاسم نانوتوی کے استاد تھے اور اس فتوئ انکاری کے مفتیوں کے نزدیک ان
کا علم و تفقہ مسلّم تھا وہ فرماتے تھے کہ یہ معنی اس حدیث کے بہت موزوں اور
چسپاں ہے، اور فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ معنی اپنی بعض تصنیفات
میں لکھے ہیں۔ پھر اگر حدیث سے یہی استدلال ہے کہ قرونِ ثلٰثہ کی چیز نکالی ہوئی
سنت اور بعد کی بدعت ہے اور قرونِ ثلٰثہ منتہٰی حضرت عمر رضہ ہیں اس تقریرِ
مذکورہ کے موافق تو حضرت عثمان رضہ کے وقت سے جو چیز ایجاد ہوئی وہ سب
بدعت ہونی چاہیئے پھر تبع تابعین بیچارے کس شمار میں رہے یہاں تو صحابہ رضہ
کے اقوال و افعال بھی بدعت ہو جاویں گے، معاذ اللہ منہا۔

اور اگر معنی اس حدیث کے اس طرح پر رکھیں کہ قرنی سے مراد صحابہ رضہ

ہیں اور ثم الذین یلونہم سے تابعین اور دوسرے ثم الذین یلونہم سے تبع تابعین تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھے لوگ صحابہ رضہ ہیں ان سے کم تابعین، ان سے کم تبع تابعین، انتہیٰ۔

پھر اچھے ہونے سے موافق بیان شارحینِ حدیث کی یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں خیر غالب ہوگی اور فساد کم۔ اس حدیث کے حرفوں کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ جو بات یہ تین قرون والے نکالیں وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد نکالیں وہ بدعت ہے، معانی تو الفاظ سے نکلتے ہیں، اس حدیث میں لفظ بدعت و سنت کہاں ہیں؟ کم سے کم پڑھا ہوا بھی جو حدیث کے لفظوں کو دیکھے گا وہ اس بات کو ٹھیک سمجھ لیگا۔ ہائے افسوس اس کم فہمی پر۔ کم فہمی تو اپنی پھر دوسروں کو گمراہ بتا دیں۔ ہاں بھائی چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ ان کی دلیل دو جملے ہیں: ایک یہ کہ قرونِ ثلٰثہ میں جو چیز نکلے وہ سنت ہے، دوسرا یہ کہ بعد قرونِ ثلٰثہ کے جو امر پیدا ہو وہ سب بدعت ہے۔

قولہ اس حدیث کے معنی بعضوں نے یہ کہے ہیں الخ

اقول، اس بحث سے کچھ حاصل نہیں، ہم نہیں کہتے کہ مؤلف سچ کہتا ہے یا جھوٹ، اور شاہ ولی اللہؒ نے یہ معنی لکھے ہیں یا نہیں خواہ کچھ ہو مگر سب حدود درست ہوگئیں۔ اور یہ حد جس میں مؤلف سر مار رہا ہے قرآن و حدیث سے ثابت اور اس حد مسلّم مؤلف کی موافق ہوئی اور اس کے جہل کی دلیل راسخ ہوچکی، اب کیا ضرورت کسی اثبات کی ہے۔ یہ سارا صفحہ جو مؤلف نے سیاہ کیا محلِ افسوس اس کے فہم کا ہے حرف حرف کا جواب فضول ہے، پہلے اس حدیث کے معنی بیان ہوچکے یہاں ضرورت اعادہ کی نہیں۔

ہم اس جملۂ اولیٰ میں اول کلام کرتے ہیں: اگر یہ لوگ استدلال کریں کہ خیر القرون میں لفظِ خیر آیا ہے، پس یہ قرون ثلثہ جو ایجاد کریں وہ خیر ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ لفظ خیریت آخرزمانہ کی امت کے واسطے بھی وارد ہوا ہے۔ روایت ہے کہ ابو عبیدہؓ بن الجراح جو عشرۂ مبشرہ میں صحابی جلیل القدر ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ احدٌ خیر منّا اسلمنا وجاھدنا معك یا رسول اللہ کوئی ہم سے بھی اچھا ہوگا، ہم اسلام لائے اور آپؐ کے ساتھ ہوکر جہاد کیئے۔ آپؐ نے جواب دیا نعم قوم یکون بعدکم یؤمنون بی ولم یرونی یعنی آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تم سے اچھے تمہارے وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر ایمان لاویں گے بغیر دیکھے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے۔

دیکھو اس میں لفظِ خیر موجود ہے، جس طرح خیر القرون میں۔ پس چاہئے کہ بعد کے آدمیوں کا فعل نکلا ہوا بھی سنت ہو بدعت نہ ہو۔

اور ابوامامہ نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوبیٰ لمن رآنی وطوبیٰ سبع مرّات لمن لم یرنی وآمنَ بی یعنی خوشحالی ہوجیو اس کو جس نے مجھ کو دیکھا۔ اور سات مرتبہ خوشحالی ہوجیو اس کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور ایمان لایا مجھ پر۔ یہ بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے۔

غرض کہ اسی طرح بہت حدیثیں اس باب میں ہیں، یعنی مؤمنین آخر زمانہ کی شان میں ارشاد فرمائی ہیں کہ تطبیق دینے جمیع احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو افضلیت چند وجوہ سے ہے تو بعض معانی سے آخر کے آدمیوں میں بھی خیریت اور فضیلت ہے۔

علماء مشہورین مثل عبدالبر وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

پھر جب خیریت کے الفاظ حدیث میں مابعد کے آدمیوں کیواسطے

بھی آئے جس طرح خیر القرون کے حق میں آئے تو تم کو چاہئے کہ انکی ایجادی باتوں کو بھی سنت مانو حالانکہ تم اس کو بدعت اور ضلالت کہتے ہو۔

قولہ ہم جملۂ اولیٰ میں اول کلام کرتے ہیں الخ

اقول سبحان اللہ جملۂ اولیٰ کو خوب سمجھے اور جوب معنی بیان کئے۔ مؤلف کے بے علمی کا ثمرہ ہے۔ سنو کہ فضیلتِ کلیہ قرونِ اولیٰ میں ہے اور پچھلے قرون کی فضیلتِ جزئیہ اگرچہ ثابت ہے مگر مزاحم[1] فضل کلی کو نہیں ہوتی۔ دیکھو کہ فضیلت کلیہ گھوڑی میں ہے اور ایک فضل جزئی گدھی میں بھی ہے کہ اسپ میں وہ امر موجود نہیں بار برداری مثلاً، مگر یہ فضل بارکشی[2] کا مزاحم فضل کلی اسپ کی اور موجب تفضیل خر کا اسپ پر نہیں ہو سکتا۔

علیٰ ہٰذا پلاؤ، قورمہ میں جو فضل کلی ہے اور پاخانہ میں کھاد زراعت کا ہونے کی خوبی ہے کہ یہ کام پلاؤ قورمہ سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا کہ یہ فضل جزئی کھاد کا مقادم فضل کلی پلاؤ قورمہ کا ہو کر افضل نہیں ہو سکتا۔ مؤلف فضلِ کلی، فضل جزئی کو جانتا ہی نہیں، جو یہ توجیہات رکیکہ[3] کرتا ہے اور دخل در معقولاتِ[4] علم اور علماء میں ٹانگ دیگر علماء میں دخیل ہوتا ہے اگر کچھ بھی سمجھتا تو ایسی جر بوز[5] تقریر تحریر نہ کرتا کہ اصحاب فضل کلی کی برابر فضل جزئی والی ہو کر مساوی ان کے ہو جادیں۔ مثلاً فضل کلی پلاؤ میں ہے اور فضل جزئی پاخانہ میں پس اگر کوئی بوجہ فضل جزئی کے بیان افضلیت میں پلاؤ اور پاخانہ کو مساوی بتانے لگے تو اس کی غایت کم فہمی کہی جاوے گی۔

علیٰ ہٰذا خیریت قرون ثلثہ کی بوجہ علم نبوت اور تقرب الی اللہ کے ہے کہ فضل کلی ہے، اور ایمان بالغیب فضل جزئی قرون مابعد میں ہے، تو یہ فضل جزئی کس طرح کارِ علمِ نبوت کا دے سکتا ہے اور خیریت جزئیہ مساوی[6] فضل کلی

---

[1] مقابل [2] بوجھ ڈھونا [3] کمزور [4] معقولات میں دخل دینا [5] بیکار [6] برابر

کے کیوں کر ہو سکتی ۔ اور ایمان بالغیب کے فضل سے کار علم نبوت کا اور تقرب احسان کا کس طرح یہ لوگ دے سکتے ہیں۔

لھٰذا قرون ثلٰثہ کا امر موجودہ بمعنی وجودِ شرعی معتبر و معتمد فی الدین اور پچھلوں کا ایجاد جو خلاف قرون ثلٰثہ کے ہو مردود ٹھہرا اگرچہ مؤلف جو ثابت کرتا ہے ہم کو مضر نہیں عین مراد ہماری ہے مگر یہ تقریر و توجیہہ اس کی بالکل غلط ہے کہ اس کے علم کی قلعی کھولتی ہے پس نقل ان دو حدیث کا اس کو کچھ مفید نہ ہوا، بلکہ اس کے مطلب کو منہدم کر دیا۔ اگر اندیشۂ تطویل نہ ہوتا تو یہ مدعیٰ اپنا ان دو حدیث سے نکال کر دکھا دیتا اور وجہ مغالطۂ مؤلف کی یہ ہوئی کہ مؤلف نے لفظِ خیر پر نظر کی اور معنیٰ نہ سمجھا، یہ جانا کہ جہاں لفظ خیر کا ہوگا یہی خیریت مراد ہوگی جو اس حدیث میں ہے ۔ پس اس حدیث میں بھی لفظ خیر کا تھا، وہی معنیٰ سمجھ کر دونوں خیر کو اور ہر دو خیار کو مساوی سمجھ گیا اور خبط تقریر کر کے خواری اٹھائی۔ سو ابھی کیا ہے حدیث میں تو اور جگہ بھی لفظ خیر کا وارد ہوا ہے قولہٗ علیہ السلام خیر الناس من ینفع الناس[۲]، پس اب جو لوگوں کو نفع رساں ہوگا اس کی ایجاد کو مؤلف سنت کہیگا۔ دوسری حدیث میں ہے خیرکم[۳] خیرکم لِاَھلِہٖ پس جو اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاملہ کرتا ہوگا اس کی ایجاد بھی سنت ہو جاوے گی بزعمِ مؤلف کیونکہ خیر کا لفظ یہاں بھی ہے اور دیگر ایسے محل اور بھی ہیں۔ پس مؤلف کس قدر کم فہم ہے اور کیا خوب جملۂ اولیٰ کی شرح لکھی ہے حق تعالیٰ اس کو حیاء عطا فرماوے جو شعبہ ایمان کا ہے تو اس وقت اپنے اس کلامِ بے مغز خلافِ شرع پر شاید شرما کر نادم ہو۔

غرض ان دو حدیث سے یہ نکلتا ہے جو بندہ نے لکھا، اور مؤلف جو نکالا چاہتا ہے وہ ہرگز نہیں نکلتا۔ فافہم ۔

---

[۱] ڈھا دینا [۲] لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کا بھلا کرے [۳] جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے وہ تم میں بہتر ہے۔

اب دوسرے جملہ کا حال سننا چاہئے، یعنی قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو چیز حادث ہو وہ سب بدعت ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی غیر مسلّم ہے اس لئے کہ یہ حدیث جس طرح کہ مشکوٰۃ میں صحیحین سے نقل کی ہیں اس کے لفظ بعینہٖ یہ ہیں:

وعن عمران بن حصین قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم خیرُ امّتی قرنی ثمّ الذین یلونھم ثمّ الذین یلونھم ثم انّ بعدھم قومًا یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یوتمنون وینذرون ولا یوفون ویظھر فیھم السمن ۔ وفی روایۃ ویحلفون ولا یستحلفون متفق علیہ وفی روایۃ المسلم عن ابی ھریرۃ ثمّ یخلف قوم یحبّون السمانۃ ۔ یعنی عمران بن حصین صحابی رضؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے میری امت میں اچھے میرے وقت کے آدمی ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے، پھر ان تین فرقوں کے بعد وہ لوگ ہوں گے کہ وہ گواہی دیں گے حالانکہ کوئی ان سے گواہی نہیں طلب کرے گا اور خیانت کریں گے کوئی ان کو امانت دار نہ جانے گا، عہد کریں گے وہ پورا نہیں کریں گے اور وہ موٹے ہو جاویں گے یعنی مال کھا کھا کر۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ قسم کھاویں گے اور کوئی ان سے قسم کھانے کو نہیں کہیگا۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے ہے کہ پھر پیدا ہوں گے ایسے آدمی جو پسند کریں گے خوب موٹا ہونا۔ یعنی آرام چین سے خوب کھانا پینا، کچھ غم دین کا ان کو نہ ہوگا۔

اب سب اربابِ انصاف کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث پوری اوّل سے آخر تک پڑھ دی گئی، اس میں کہاں ہے کہ جو چیز قرونِ ثلٰثہ کے بعد نکلے گی وہ بدعت اور ضلالت ہوگی۔

البتہ نسائی کی حدیث میں جو یہ روایت مذکور ہے اس میں ایک لفظ آیا ہے ثم یظہر الکذب اور کسی روایت میں یہ بھی آیا ہے ثم یفشوا الکذب معنی دونوں کے ایک ہیں، یعنی بعد قرون ثلٰثہ کے ظاہر ہوگا اور پھیل جاویگا جھوٹ۔ پس یہ لوگ اگر لفظ کذب سے جو ثم یظہر الکذب میں ہے مدعا اپنا ثابت کریں تو یہ بھی دلیل فاسد ہے۔ اوّلاً یہ کہ مشکوٰۃ میں صحیحین کی حدیث متفق علیہ موجود ہے اس میں لفظ کذب کا موجود نہیں۔ چنانچہ ہم الفاظ اس کے بیان کر چکے ہیں۔

اس جملہ کا مطلب اور حدیث انّ بعدہم قوماً یشہدون ولا یستشہدون

قولہ اب دوسرے جملہ کا حال الخ **اقول** اس جملۂ حدیث کو بھی مؤلف نہیں سمجھا۔ فخر عالم علیہ السلام نے قرونِ ثلاثہ کے بعد کے لوگوں میں چار وصف فرمائے ہیں: ایک یہ کہ کوئی ان کی گواہی نہ لیگا وہ گواہی دینا چاہیں گے اور یہ بوجہ ان کے کاذب لاابالی ہونے کے ہوگا۔ دوسری حدیث میں کہدیا کہ جھوٹی قسمیں کھاویں گے سو بدعت کو کذب لازم ہے کہ بدعت خلاف دینِ حق کے ہوتی ہے اور بدعت بھی فرد کذب کی ہے، سوچ کر دیکھو۔ دوسرے یہ کہ خائن ہوں گے سو بدعتی بھی خائن ہوتا ہے کہ منصب تشریع جو شارع کا ہے اپنے آپکو ثابت کرکے خلاف شارع کے احکام بتاتا ہے۔ خیانت بھی بدعت کو لازم ہے کہ بدعت فرد خیانت کی ہے۔ تیسرے یہ امانت دار نہیں جانے جاویں گے۔ بدعتی امانتدار نہیں ہوتا کہ دین اللہ جو امانت ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ اور نذر کو وفا نہ کرے گا، عہد اللہ بھی مثل نذر کے ہے۔ جو عہد اقرارِ ربوبیت و عبودیت کا بدعتی نے کیا تھا اس کے خلاف خود دعویٰ شرکت کا کرتا ہے، عدم وفا عہد کی بھی بدعت ایک فرد ہے اور یہ داخل خیانت میں ہے۔ چوتھے یہ کہ نفس پرور ہونگے

موٹے ہونے کو دوست رکھیں گے ، بدعتی بھی اپنے نفس کی پرورش میں ہوتا ہے
کہ مالِ دنیا کی طلب اور وجاہتِ دنیا کی خواہش میں بدعات نکالتا ہے ۔

غرض کہ فخرِ عالم علیہ السلام نے حدیث میں ہونا بدعت کا قرونِ ما بعد میں
بضمن دیگر عیوب کے صاف فرمایا ہے ، مگر مؤلف کو علم و فہم کی خبر نہیں تو کہتا ہے
اس میں بدعت کہاں مذکور ہے ؟ سبحان اللہ ! بایں جہل یہ دعویٰ مؤلف اب مؤلف
کو واضح ہوگیا کہ عام عیوب میں بدعتِ خاص بھی آپ نے اس حدیث میں ثابت
فرمادی ہے گو کوئی اپنی کم فہمی سے مطلع نہ ہو ۔

پس حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ پھر بعد ان قرون کے بدعت مع دیگر
خرابیوں کے ظاہر ہووے گی اب یہ بھی واضح ہوگیا کہ حدیث صحیحین میں کذب بھی
معنیً مذکور ہے جس کا مؤلف صاحب انکار کرتے ہیں ۔ اس فہم پر سخت تعجب ہے
کہ مطلقاً مطلب نہیں سمجھا ۔

> حرفاً حرفاً اگر ہے تو نسائی کی روایت میں ۔ اور یہ محدثین میں قاعدہ
> ٹھہر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثوں کی احادیث پر مقدم
> ہے کیونکہ اوروں کی حدیث اگر صحیح بھی ہوگی تو صحیحین اس سے صحیح اور قوی تر
> ہوگی **ثانیاً** یہ کہ اگر نسائی کی حدیث کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی مراد ان کی پوری
> نہیں ہوئی اس لئے کہ کذب کے معنی جھوٹ کے ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات
> پھر کجا جھوٹ بولنا اور کجا نئی بات ۔

صحیحین کی روایت غیر صحیحین پر کب راجح ہوتی ہے

قولہ تو نسائی کی روایت میں ہے ، الخ

اقول صحیحین کی روایت مرجح دوسری روایت پر اس وقت ہوتی ہے کہ
باہم معارضہ ہو یہاں معارضہ ہی نہیں کیونکہ نسائی میں فشو کذب[1] کو لکھا ہے اور صحیحین

---

[1] کذب کا عموم

میں بھی ضمنِ یشہدون ولا یستشہدون میں کذب کو فرما دیا ہے معارضہ ہی کہاں ہے جو صحیحین کو ترجیح ہو آپ کو اصولِ حدیث بھی خوب معلوم ہے ماشاء اللہ۔ اور جو الفاظ کے خلاف کا نام معارضہ ہے تو یہ عجب العجائب[1] ہے۔ اور جو آپ لا یشہدون میں کذب کو تسلیم نہ کریں تو جانے دو، یہ دوسری روایت ہے کہ صحیحین اس زیادہ سے ساکت ہے ایسی زیادہ بھی مقبول ہے یہ بھی معارضہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ صحیحین میں کچھ اس کے خلاف مذکور نہیں تاکہ معارضہ ہو، پس یہ قول مؤلف کا بالکل جہل اصولِ حدیث سے ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ساکت اور ناطق میں معارضہ ہے تو تمام مذہب حنفیہ سے ہاتھ اٹھانا پڑیگا۔ مگر ہاں جناب کو مولود اور رسوم کا احیاء[2] چاہیئے باقی مذہب رہے یا جاوے کیا کام ہے۔

قولہ ثانیاً الخ **اقول** معلوم ہو چکا کہ بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے سو یہ قول مؤلف کا محض جہل معنیٔ حدیث سے ہے۔

> **ثالثاً** پھر یہ کہ محدثوں میں یہ ٹھہرا ہوا ہے کہ بعض حدیث شرح ہوتی ہے بعض حدیث کی۔ پس روایتِ نسائی میں جو لفظ کذب کا واقع ہوا ہے کہ پھر ظاہر ہوگا جھوٹ تو اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین کی حدیث میں گذری کہ وہ لوگ خیانت کریں گے، بدعہدی کریں گے، قسم کھانے کو تیار ہوں گے بغیر قسم کھلائے اور گواہی دینے کو تیار ہوں گے بغیر گواہی دلائے۔ اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ نئی باتیں دین میں نکالا کریں گے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث سے یہی باتیں مراد رکھیں نہ کہ بدعت۔

قولہ ثالثاً الخ **اقول** اولاً کہدیا گیا کہ لا یستشہدون میں کذب مذکور ہے اور جو نہیں مانتے تو حدیث لیظہر الکذب تفسیر یشہدون الخ کے کرتی ہے جس سے کذب کا ہونا ثابت ہوا اور بدعت کذب میں داخل ہے، اور شہادت عام ہے

---

[1] بہت زیادہ تعجب خیز شئی [2] زندہ کرنا

کہ امورِ دنیا میں ہو یا دین میں ہو روایت میں ہو یا درایت میں، لفظ عام کے معنی خاص لینے کا کوئی قاعدہ نہیں، سو کذب کو خاص کہنا آپ کو مفید نہیں اور نہ کذب کو شہادت پر حمل کرنا مفید، آپ بلا سوچے جو چاہے لکھتے ہیں اور خندۂ صبیان ہوتے ہیں۔ پس یہ کلام مؤلف کا بالکل نادانی ہے۔

رابعاً یہ کہ جس حدیث سے سند پکڑتے ہیں اس میں تو یہ ہے کہ تین قرن کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا یعنی پہلے اس سے نہ ہوگا، حالانکہ بدعتوں کا وجود عین انہیں قرون میں ہوا ہے۔ یعنی معتزلہ اور قدریہ اور مرجئہ جو بدعتی فرقے ہیں قبل گذرنے قرون ثلثہ کے پیدا ہو گئے تھے، پھر اگر کذب سے بدعت مراد رکھیں تو بڑا اعتراض یہ پڑیگا کہ حدیث موافق واقع نہیں ہو سکتی۔

حدیث ثم یفشو ما یظہر الکذب

قولہ رابعاً یہ کہ جس حدیث سے الخ

اقول، مؤلف ترجمہ غلط کرتا ہے یفشو اور یظہر فرمایا ہے۔ اس کے معنی "پیدا ہوگا" نہیں ہوتے " پھیل جاویگا اور ظاہر ہو جاویگا"۔ ظہور شئ کا غلبہ کے وقت ہوتا ہے۔ تو یہ معنی کہ ان قرون میں کذب مخفی قلیل مغلوب ہووے گا اور کذب مغلوب مضر نہیں نفاق وکفر فرد کذب کی ہے اور کذب خود زبانِ فخرِ عالم علیہ السلام میں بھی تھا مگر مغلوب تھا، ایسا ہی قرونِ ثلثہ میں رہیگا بعد اس کے پھیل جاویگا، خوب ظاہر ہو جاویگا۔ ایسا ہی ہوا کہ قرونِ ثلثہ میں اگرچہ باطلہ ہوئی مگر ان کو غلبہ نہ ہوا ان کا ورود ان پر رہا ظہور اس کا بعد میں ہوا۔ اور مؤلف از راہِ خود ترجمہ تراش رہا ہے کہ پیدا ہوگا کہ پہلے اس سے نہ ہوگا تو یہ مؤلف کا حدیث میں تصرف کرنا ہوا، اور ترجمہ غلط بنانا سخت جہل وخیانت ہے۔ مؤلف نے حدیث میں بھی اپنی عادتِ خراب کو ترک نہ کیا کہ خود ہی معنی تجویز کر لینا اس کا شیوۂ قدیم ہے جیسا کہ سابق میں جگہ جگہ مطلع کیا گیا ہے۔

پس ارشادِ نبوی واقع کے مطابق ہوا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

مؤلف کے فہم نا تمام پر البتہ اعتراض ہے ، فقط ۔

خامساً یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعد قرون ثلثہ کے علم فلسفہ یونانیوں کا اہلِ اسلام میں رائج ہوا اس کے پڑھنے سے اور اس میں فکر کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے ، عقائد فلسفی لوگوں میں برخلاف اعتقادِ سلف کے ٹھیر گئے ، اور معتزلی وغیرہ بدعتوں کو علم فلسفہ سے طاقت پیدا ہوئی اور مبتدعین اور اہلِ سنت میں عقائدی مباحثے پھیل گئے ۔ بھلا اگر کوئی لفظِ حدیث سے کہ ثم یظہر الکذب ہے یہ مراد رکھی توصحیح ہوسکتا ہے کیونکہ عقائد فلسفی جھوٹے ہیں لیکن کہاں فلسفی دلائل اور یونانیوں کے عقائد اور کجا محفلِ مولد شریف اور موٹی کی فاتحہ درود کرنا ، بھلا فلسفیوں کے عقائد کو ان اعمال سے کیا علاقہ

معنی حدیث ثم یفشو ما یظہر الکذب

قولہ خامساً یہ کہ بعض علماء نے الخ
اقول راست ہے کہ فرقِ ضالہ فلاسفہ کا شیوع بھی قرونِ مابعد میں ہوا اور ان کے عقائد بھی بدعت تھے اور خلاف قواعدِ مقررہ قرونِ ثلثہ کے مثل دیگر بدعات کے جو بعد قرونِ ثلثہ خلاف قواعد شرعیہ رائج ہوئیں ، سو بیشک یفشو الکذب[1] میں یہ عقائد فلسفہ بھی داخل ہیں نہ یہ کہ کذب کا اس میں حصر ہوگیا ہے ، کیا خوب سمجھے ۔ پھر جہاں عقائدِ فلسفیہ بدعتِ ضلالہ میں ہیں وہیں دیگر بدعات و کذب اور وہیں محفلِ مروجہ مولد اور ایصالِ ثواب کی بدعات ہوویں گی ۔ مؤلف کا مصداق کذب کو عقائدِ حکماء میں حصر کرنا نہایت خوبیٔ علم اور رسائیٔ ذہن کی ہے ، سبحان اللہ فقط ۔

سادساً جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں یہ مطلب اس وقت

[1] کذب عام ہوجائیگا

ثابت ہوتا کہ حدیث کے لفظ یہ ہوتے ثم لا یظھر الا الکذب یعنی بعد قرون ثلثہ نہیں ظاہر ہوئے گا سوائے جھوٹ کے۔ یا یہ ہوتی ثم کل شیئ یظھر فیکون کذبا یعنی پھر جو کچھ ظاہر ہوگا وہ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن یہ الفاظ تو حدیث میں نہیں نہ اس میں کوئی کلمہ مفید حصر ہے نہ مفید کلیت ہے، تو معنی حدیث کے یہ ہوگئے ثم یظھر الکذب یعنی پھر ظہورِ کذب ہوگا، ظہورِ کذب کے صدق کو بعض افراد محدثات میں کذب کا ہونا بھی کافی ہے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بعض چیزیں بعد قرون ثلثہ کے جن کو عبادِ صالحین نکالیں گے وہ درست اور احسن ہوں گی اور بعض باتیں جو خلافِ شرع ایجاد ہوں گی وہ گمراہی کا سبب اور قبیح ہوں گی، جس طرح خود عین قرونِ ثلثہ کی بعض بدعتیں نکلی ہوئی۔ مثل اعتزال اور مذہب قدریہ اور مرجئہ سب خراب اور ضلالت ہیں، قولِ جمہور اور مذہب منصور یہی ہے۔ اور وہ قول جس پر مفتیان فتوی انکاری نے اعتماد کر کے ان سب امورِ خیر کو ضلالت قرار دیا تھا وہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ ایک قول ہے اقوالِ شاذہ متفرقہ مختلفہ بین العلماء سے اور نہیں ہے وہ قول معتمد علیہ بلکہ صحیح اور جس پر امت کا سلفاً و خلفاً جاری رہا ہے وہ قولِ جمہور ہے۔

قولہ سادساً جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں الخ

اقول معلوم ہوچکا کہ ظہورِ غلبہ و وضوح کے ساتھ ہوتا ہے اور علیٰ ہذا فشو بھی ظہور کے معنی میں ہے اور وضاحت و غلبہ اس میں مرعی ہیں۔ دوسری حدیث یفشو الکذب تفسیر اس کی کرتی ہے، پس فقط وجود مراد نہیں ہو سکتا کہ وجودِ مطلق کذب کا تو فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں بھی تھا اور جیسا چوتھی شق میں اعتراض کا اندیشہ مؤلف کو تھا اس سادس[1] شق میں کیوں ایسی توجیہ اختیار فرمائی

---

[1] ملحوظ[2] چھٹی

جس سے حرب تھا اس کو ہی اختیار کر لیا گیا، فہم عالی ہے۔
الحاصل آپ کی یہ توجیہات و تقریرات سب غلط لایعنی[۱] ہیں۔ ایک بھی علم کی اور فہم کی بات نہیں۔ اور ہم کہہ چکے ہیں کہ جس مدعیٰ کو تم ثابت کرتے ہو اس کو ہم خود اقرار کرتے ہیں، مگر آپ خود گرداب ضلالت میں پڑے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہو، بے سود اوراق سیاہ کرتے ہو، حدود بدعت سب متفق المعنیٰ ہیں۔

پانچواں قول مذہب جمہور واضح ہو کہ کافۂ علماء اہلِ تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں، یعنی یہ بات نہیں کہ جو کچھ خیر و شر زمانہ قرونِ ثلاثہ میں ہو گیا وہ سنت ہے اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرونِ ثلٰثہ کے جو کچھ بھلا یا بُرا ہو وہ سب برا ہے اور مردود ہے۔ ایک ایک مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔
قصۂ اول حضرت امیر المومنین عمر اور عبد اللہ رضی اللہ عنہما تیمم سے منع فرماتے تھے، نہانے کی حاجت والے کو۔ یہ حدیث صحیح مسلم مطبوعہ ۱۶۱ میں ہے۔ اب دیکھئے یہ حکم صحابی کا ہے اور صحابی بھی کیسے خلفاء راشدین میں لیکن اس قول کو کسی نے ائمۂ مذاہب میں قبول نہیں کیا۔
دوسرا قصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے ان کا بیٹا یزید تابعی تھا طبقۂ وسطیٰ تابعی میں حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا کذا فی التقریب۔ اس تابعی نے جو خیر القرون میں تھا دیکھو کیسا کام سعادتمندی کا کیا کہ خدا کسی کو نصیب نہ کرے کہ مظلمہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن پر ہے۔
تیسرا قصہ یہ کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے ان کا شاگرد واصل بن عطا تبع تابعین سے تھا وہ مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہِ کبیرہ کرتا ہے نہ اس کو مؤمن کہنا چاہئے نہ کافر بلکہ ایک درجہ ہے درمیان دونوں کے۔ یہ بالکل مخالف اہل سنت والجماعت کے اس نے اعتقاد کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو قسم فرماتا ہے فمنکم کافر

[۱] بے معنی [۲] بھنور

ومنکم مؤمن قسم تیسری نہیں فرمائی۔ پس جب واصل بن عطاء نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تب ان کے استاذ حضرت امام حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا: قد اعتزل عنّا یعنی یہ مرد الگ ہوگیا ہم سے۔ بس اسی روز سے اس فرقہ کا نام معتزلی ہوا۔ اور وہ سخت بدعتی ہیں اور وہ اپنا نام کہتے ہیں "اصحاب العدل والتوحید"۔ کذا فی الشرح العقائد وغیرہ۔

یہ تین قصے قرونِ ثلٰثہ کے بیان کئے گئے اور ایسے بہت قصص ہیں۔

غرض کہ ان امثال سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف زمانہ پر نہیں بلکہ اس کا مدار مخالفت اور عدم مخالفتِ شرع پر ہے۔ اس دعوٰی پر دو دلیلیں یعنی دو حدیث صحیح لکھے دیتے ہیں۔

قولہ پانچواں قول مذہبِ جمہور الخ۔ **اقول** یہ قولِ خامس آپ کا قول منصور اور قولِ رابع بعینہ ایک ہیں کوئی فرق نہیں نہ اس میں زمانہ پر بنیاد بدعت کی ہے نہ رابع میں۔ علیٰ ہٰذا اول و ثانی و ثالث میں۔ مگر یہ آپکی کوتہ فہمی سے تفرقہ تھا لیکن جہاں اپنی غلطی کو گوشِ ہوش سے۔

قرونِ ثلٰثہ میں کسی امر کا بلانکیر ہونا دلیل ہے نہ مطلق وجود | اور سن لو کہ پہلے واضح ہوچکا کہ قرونِ ثلٰثہ میں بلانکیر ہونا

مراد ہے۔ اور یہ قصص جو آپ نے ذکر فرمائے سب نکیر ان قرون میں ہوا ہے چنانچہ کتبِ صحاح مبینؔ ہے نفسِ وجود مراد نہیں بلکہ شیوع بلانکیر مراد ہے اور یہ توجیہ کہ ان قرون میں جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ سنت ہے اور بعد ان کے جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ بدعت ہے یہ محض آپ کا ہی فہم عالی ہے کسی ایک عالم کا بھی یہ مذہب نہیں۔ بہرحال کسی متنفس نے نہیں کہا کہ مبنیٰ خیر و شر کا زمانہ

ؔ بیان کردہ۔

پر ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ تحدید قواعد شرعیہ کی قرون ثلٰثہ میں منحصر ہے جیسا گذرا مگر یہ مؤلف کی عبث لفظ ہے۔

حدیث اول قال نبینا الآمر والنّاھی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ یہ صحیحین کی حدیث ہے۔ یعنی جس نے نکالی ہمارے دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنت کے مخالف ہے وہ بات اس کی رد ہے۔

شارحینِ حدیث نے لفظ مَالَیْسَ مِنْہُ کی شرح میں لکھا ہے فیہ اشارۃ الیٰ ان احداث مالا ینازع الکتاب والسنّۃ لیس بمذموم۔

اور محدثِ دہلویؒ لکھا ہے لفظ مالیس منہ کی شرح میں کہ:

"مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر دین باشد"

اور نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمۂ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ لفظ مالیس منہ "اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب اور سنت کے نہ ہو برا نہیں" انتھیٰ

اور شارحِ حدیث کو اس طرح معنی کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے ان الفاظ سے روایت کی ہے مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلیٰ غَیْرِ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ یعنی جس نے کیا کوئی کام ہمارے کام سے غیر طریقہ پر وہ رد ہے حضرتؐ کا کام کتاب وسنت ہے، کتاب وسنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کا مغیر یعنی بدل دینے والا ہوگا۔

الحاصل اس حدیث سے دو بات ثابت ہوئی۔ ایک تو یہ کہ حضرتؐ نے لفظ مَنْ ارشاد فرمایا یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں قید کسی قرن کی نہیں، یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی نکالے نئی بات اول قرن میں، دوسرے قرن میں یا بالکل آخری زمانہ میں۔ بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب اور سنت کے، بس یہی ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ حسنہ اور سیئہ ہونا امورِ محدثہ کا موقوف مخالفت اور عدم مخالفت کتاب و سنت پر ہے نہ کہ زمانہ پر۔

حدیث مَن احدث میں مَا لیس منہ کے معنی

قولہ حدیث اول قال نبینا الخ

اقول ما لیس منہ میں لفظ مَا فرمایا ہے کہ عموم کا ہے۔ پس محدث خواہ خود ذاتِ شئی ہو خواہ وصف وقید شئے کا ہو، خواہ احداث بلا واسطہ ہو خواہ بواسطہ سب مردود ہوگا۔ اور یہ قاعدہ بھی محفوظ رہے کہ مرکب مجوز لایجوز سے ناجائز ہی ہوتا ہے۔ پس غیر منازع کتاب کتاب وسنت کا وہی ہوتا ہے کہ جس کی دلیل جواز کی کتاب وسنت میں موجود ہو۔ علیٰ ہٰذا مخالف ومغیر دین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی وصف پیدا ہوجاوے کہ جس سے تغیر حکم شرعی کی لازم آجاوے وہ بھی ما لیس منہ میں داخل ہے کوئی مباح کو سنت جانے یا سنت کو مباح، جیسا معاملہ کرے یا کسی مطلق کو مقید یا مقید کو مطلق کرے یا کسی غیر دین اسلام کے ساتھ تشبیہ لازم آوے کہ یہ سب ما لیس منہ میں داخل ہے۔ اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ مؤلف اس سے بالکل غافل وجاہل ہے۔

اور یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اس حدیث میں فہو ردٌ حکم ہے یہ اصل احداث پر راجع نہ ہوگا بلکہ اس کی قید جو ما لیس منہ ہے اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف اور تغیر دینے والی دین کی ہو وہ رد ہے نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ اور صالح اور نیک قرآن وحدیث سے ملتی ہوئی ہو وہ بھی رد ہے، نعوذ باللہ من ہٰذا الفہم الردی۔

دیکھو اب قاعدۂ عربی کے طور پر معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بات کا ایجاد کرنا بُرا نہیں ورنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم احداث کو مقید بلفظ مَالیسَ منہ کے ساتھ نہ فرماتے، بلکہ یوں فرماتے من احدث فی امرنا فھو ردٌ، کیا حاجت تھی لفظ مالیس منہ بڑھانے کی اور شرح جوہر التوحید میں ہے "ومن الجھلۃ مَن یجعل کلّ امر لم یکن فی زمن الصحابۃ بدعۃ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علیٰ قبحہ تمسکاً لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ایّاکم ومحدثات الامور ولا یعلمون المراد بذلک ان یجعل فی الدین ما ھُوَ لیسَ منہ" انتھیٰ

بس ایسی تقریر سے جواب حاصل ہوگیا ان لوگوں کا جو حدیثیں بغیر سمجھے بوجھے پڑھا کرتے ہیں کہ شرّ الامور محدثاتھا اور پڑھا کرتے ہیں وایاکم محدثات الامور وکل بدعۃ وکلّ بدعۃ ضلالۃ، وجہ حصولِ جواب یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشادِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ باہم مختلف نہیں ہوسکتیں۔ جب مقام مذمت میں آپ احداث کو مالیس منہ کے ساتھ مقید فرما چکے یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کسی غیر طریقۂ اسلام پر ہو اور مخالف ہو۔ پس جس قدر حدیثیں منع احداث اور بدعت میں ہونگی وہ احداث اور بدعت مخالف اسلام کی طرف راجع ہوں گی، نہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہوگئے ما احدث قوم بدعۃ الّا رفع مثلھا من السنّۃ اس لئے کہ جو بدعت مخالف سنت کی ایجاد ہوگی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خانصاحب نے بھی مظاہر الحق میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے "نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت کی ہو۔ دیکھئے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے علماءِ مستندین سے خاص اسی بدعت کی برائی ثابت ہوئی جو مخالفِ سنت ہو

فيا اخي خذ ما أتيتك وكن من الشاكرين ۔

قولہ یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے الخ

مقید میں حکم قید کیطرف راجع ہونا ہے اس قاعدہ کا مطلب

اقول حکم قید پر لگنا بجا ہے مگر اس وقت مجموعہ مقید کا بسبب قید کے غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے، اصل کی وجہ سے مشروع نہیں ہوتا بلکہ قید کے سبب سے بدعت ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کی شرح سے خود ثابت ہو گیا کہ قول چوتھا بدعت کا نہایت مقبول اور موافق اس قولِ خامس کے ہے بلا تفاوت۔ پھر اس کو اس کے مخالف جاننا اور شاذ کہنا نہایت کم فہمی ہے نعوذ باللہ من ہٰذا الفہم الردی۔

بدعتِ حسنہ اور سنت میں محض فرق اصطلاحی ہے نزاعِ حقیقی نہیں ہے

پس دیکھو کہ عربیت کے قاعدہ سے شرح کرنے سے لازم آ گیا کہ بدعتِ حسنہ وہ ملحق بالسنۃ ہی ہے، اور اس کی دلیل چونکہ کتاب و سنت میں موجود ہے تو وہ خلافِ حکم شارع کے نہیں۔ اس کو بدعتِ حسنہ کہنا فقط فرق بیانی و اصطلاحی ہے نہ کہ نزاع حقیقی جیسا مؤلف سمجھ گیا ہے۔ باقی تقریر مؤلف کی ہم کو مضر نہیں لہٰذا اُس کا جواب ضروری نہیں بلکہ وہ عین مدعیٰ ہمارا ہے۔

دوسری حدیث مَن سَنَّ فی الاسلامِ سنۃً حسنۃً فعمل بها بعدہ کُتِبَ لہٗ مِثل اجرِ مَن عَمِلَ بها ولا ینقص من اجورِهم شیئٌ۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں۔ مجمع البحار اور شرح مسلم امام نووی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر اور مستند ہیں۔ غرض کہ ان دونوں کتابوں میں اس حدیث شریف کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا گیا تو لکھا جاویگا اس شخص کے واسطے اس قدر

اجر اور ثواب کہ جسقدر سب عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیں گے " بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے خزانۂ لا متناہی سے ثواب دیگا۔ اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ وہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا کہ پہلے اس سے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا اور وہ طریقہ خواہ تعلیم کسی علم کی ہو، یا عبارت ہو یا طریقہ ادب کا ہو، مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۷ اور شرح مسلم کی جلد ثانی صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون مرقوم ہے دیکھیے جس کا دل چاہے۔ اس حدیث کے لانے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ بدعتِ حسنہ کا برا ہو تو کیا بلکہ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ ثواب کا دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد دوسری خلق اللہ اس پر عمل کریگی تو بعد موت بھی ان سب کی برابر اس کو ثواب پہنچتا رہیگا۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ شریعت نے طرح طرح کے اصول اور قواعد واسطۂ تہذیب علم ظاہر دین کے ایجاد کئے اور اولیاءِ طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات اور اشغال بعد قرون ثلٰثہ واسطے تزئین اور تصفیۂ قلب کے پیدا کئے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین۔

اسی واسطے لکھا شامی شارح درمختار نے اوائل جلد اول میں کہ یہ حدیث قواعدِ اسلام سے ہے اور معنی اس حدیث کے ان الفاظ سے لکھے ہیں " کل مَن ابتدع شیئاً من الخیر کان لہ مثل اجر کل من یعمل بہ الیٰ یوم القیٰمۃ " دوسرا مطلب اس حدیث سے یہ نکلا اس بدعتِ حسنہ کے ایجاد میں بھی وہی لفظ مَن جو عربی میں ایک عام لفظ ہے ارشاد فرمایا، یہ نہ فرمایا کہ قرون ثلٰثہ میں کوئی آدمی بدعتِ حسنہ جاری کریگا اس کو ثواب ہوگا اور جو

بعد میں کریگا اس کو عذاب ہوگا اور وہ بدعتی ہوگا فی النار ہوگا، نعوذ باللہ منہا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی جب کبھی طریقہ نیک جاری کریگا اس کو ثواب ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی نے بھی مَن سنّ سنۃً حسنۃً کے معنی وہی کلی عام کئے ہیں، یعنی اس نے لکھا ہے وکل من ابتدع شیئاً الخ۔ اور یہی مولوی اسحٰق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں لکھا ہے۔

"سوال بدعتِ حسنہ محدود است بوقتِ من الاوقات یا غیر محدود است الیٰ یوم القیٰمۃ۔

جواب۔ غیر محدود است عند القائل بتقسیمہا لحدیث مَن سنّ فی الاسلام سنۃً حسنۃً الیٰ آخرہٖ"

دیکھو سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعتِ حسنہ کی کوئی قید ہے وقت یا زمانہ کی کہ فلانے زمانہ تک تو ایجاد بدعتِ حسنہ کا جائز ہے اور فلانے زمانہ میں نہیں جائز، یہ بات کہ کچھ قید نہیں بلکہ ایجاد اس کا جائز ہے قیامت تک کہ کسی زمانہ میں ایجاد ہو اور کوئی ایجاد کرے، اس کا مولوی اسحاق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی زمانہ کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعتِ حسنہ جائز ہے باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بتقسیمہا کی قید کیوں لگائی ہے، یہ بات کچھ موجبِ وحشت نہیں ہے تین وجہ سے: ایک یہ کہ بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعتِ حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں، پس بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہیگا جو قائل تقسیمِ بدعت کا ہوگا وہ بدعتِ حسنہ کو سنت کہیگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھدی تو وہ قائلین پایۂ اعتبار نہیں ٹھہر گئے اور صحت ان کے قول کی مسلّم ہوگئی۔

تیسری یہ کہ جب مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ جو قائل ہیں تقسیمِ بدعت کے ان کے نزدیک قیامت تک بدعتِ حسنہ جائز ہے۔ اب ہم تم کو بتلادیں

گے بدعتِ حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے؟ پس جان لیجو کہ ان سب مفتیانِ دین کے نزدیک تاقیامت بدعتِ حسنہ جائز ہے کچھ قرونِ ثلٰثہ پر حصر نہیں ہے۔

قولہ دوسری حدیث مَن سنّ فی الاسلام الخ

حدیث من سنّ سنّۃً حسنۃً میں سیئہ اور حسنہ سے کیا مراد ہے؟ اور یہ حدیث و دیگر عبارات مثبتہ بدعتِ حسنہ مانعین کو مضر نہیں

اقول فی الحقیقت اصل اگر کتاب و سنت میں موجود ہے تو اس کا ایجاد کرنے والا بظاہر موجد ہے ورنہ وہ فی الواقع موجد نہیں بلکہ مظہر ہے کہ جو امر شرع میں وجودِ شرعی رکھتا تھا اس کا اظہار اس سے ہوا ہے پس یہ موجد نہیں مظہر ہے اس کو کون بُرا کہہ سکتا ہے۔ چونکہ مؤلف وجودِ خارجی سمجھ رہا ہے اور وجودِ شرعی ہی سے واقف نہیں تو غصہ کے کلمات اپنے زعمِ باطل پر لکھ رہا ہے، مگر یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہیدِ قواعدِ جواز و عدمِ جواز کی محدود بزمان ہے۔ بعد قرونِ ثلٰثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ بہرحال مردود ہوگا اور ان قواعد قرونِ ثلٰثہ کے موافق جو ہوگا وہ خود اس زمان میں موجود ہوگا تو یہ بھی نزاعِ لفظی ہے کہ وہ وجودِ شرعی لیتے ہیں اور دوسرے وجودِ خارجی، اور واقع میں خلاف کچھ بھی نہیں۔

پھر مؤلف کا بعد نقل عبارت مولانا اسحٰق صاحب مرحوم کے اس شد و مد سے بدعتِ حسنہ کے اثبات میں دم بھرنا محض تطویل ہے نہ فہم مغز سخن اور یہ مانعین کو کچھ مضر نہیں محض مؤلف کی کوتاہ فہمی ہے۔

اقول فقہاء و محدثین اس باب میں کہ سیئہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔
سیرتِ حلبی وغیرہ کتبِ مشہورہ و معتبرہ میں ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا
ما احدث وخالف کتاباً او سنۃً او اجماعاً او اثراً فھو البدعۃ الضلالۃ

وما احدث من الخير ولم يخالف من ذالك فهو البدعة المحمودة
اس روایت کو بیہقی نے بھی ساتھ اسناد اپنے کے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ بدعت دوطرح ہے، مذمومہ اور غیر مذمومہ۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دوسرے حصہ مسمیٰ بہ "تذکیر الاخوان" میں فرمایا ہے جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہی

پس یہ قولِ شافعی بالضرور مسلم ہونا چاہیئے کیوں کہ یہ مجتہد ہیں اور مجتہد کا حکم نکالا ہوا سنت میں داخل ہے، بقول مولوی اسمٰعیل صاحب۔ دوسرے یہ کہ یہ خیر القرون میں ہیں، تیسرے یہ کہ وہ خاص عربی ہیں عرب کے لغت اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات کے جاننے والے ہیں، بناءً علیہ جس قدر حدیثیں بدعت کی مذمت میں آئیں اپنے موافق تفسیر امام شافعیؒ ان کو محمول انہیں بدعتوں پر کرنا چاہیئے جو خلافِ کتاب وسنت ہیں اور محققین علماء محدثین وفقہائے دین نے اسی پر عمل کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے۔ ازانجملہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" کی جلد ثانی میں فرمایا ہے انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ مامورا بها یعنی وہی بدعت منع ہے جو مٹاتی ہو کسی ایسی سنت کو جس کے قائم رکھنے کا ہم کو حکم ہے۔ اور جلد اول "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں ولا یمنع ذالك من كونه محدثا فكم من محدث حسن یعنی یہ منع نہ کیا جائیگا بہ سبب نئی بات ہونے کے اس لئے کہ بہتیری نئی باتیں نکلی ہوئی نیک ہیں۔

اور کہا علامہ امام صدر الدین شافعیؒ نے یکراه البدع اذا راغمت السنة اما اذا لم یراغمها فلا یکراه۔ اور فتاویٰ عالمگیریؒ کی جلد خامس میں ہے وکم من شیءٍ کان احداثا وهو بدعة حسنة۔

اور شیخ عزالدین بن عبد السلام نے آخر کتاب القواعد میں فرمایا ہے

المبدعة اما واجبة الله دين اصول الفقه والكلام فی الجرح والتعديل واما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية واما مندوبة كاحداث المدارس وكل احسان لم يكن فی عهد الاول واما مكروهة كزخرفة المساجد يعنی عند الشافعی واما عند الحنفية فمباح، واما مباحة كالتوسيع فی لذيذ المآكل والمشارب۔ اور یہ تقسیم بدعت کی کہ بعضی بدعتیں واجب ہیں اور بعضی حرام اور بعضی مستحب یعنی ثواب کی مستحق اور بعضی بدعتیں مکروہ ہیں اور بعضی مباح یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب نہ عذاب۔ پس یہ بدعت پانچ قسم پر مسلّم اور قائم رکھی۔

علامۂ برکلی نے "طریقۂ محمدیہ" میں اور مناوی نے "شرح جامع الصغیر" میں اور ملّاعلی قاری حنفی نے "مرقات" میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اشعۃ اللمعات" میں اور سید جلال الدین محدث نے "حواشیٔ مشکوٰۃ" میں اور علامہ ابن حجر نے "فتح المبین" میں اور علامہ ابن عابدین نے "شرح درمختار" کی بحث امامت میں۔ جب یہ قاعدہ مسلم ہوچکا اب ایک دو مسئلے جو اس قاعدہ پر شرح ہے لکھتا ہوں۔

علامہ شرنبلالی نے حاشیہ دررغرر حنفی میں لکھا ہے کہ نیت نماز کی اصل دل سے ہوتی ہے اور منہ سے ادا کرنا اس کا مستحب ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے والتلفظ بها مستحب يعنی طريق حسن احبّاء المشايخ لا انه من السنة لانه لم يثبت عن رسول الله صلی الله عليه وسلم من طريق صحيح ولا ضعيف ولا عن احد من الصحابة والتابعين ولا عن احد من الائمة الاربعة بل المنقول انه صلی الله عليه وسلم كان اذا قام الی الصلوٰة كبر فهذه بدعة حسنة۔ اب غور سے علامہ شرنبلالی کی تقریر دیکھنی چاہیئے کہ یہ بات مان کر کہ نیت زبان سے کہنی حضرت سے اور صحابہ رضی سے اور تابعین رح سے اور مجتہدین رح سے ثابت نہیں، باوجود

اس کے حکم کیا کہ یہ بدعت حسنہ ہے مستحب ہے اور واضح ہو کہ ائمۂ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں اور نہ وہ تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علوم انہوں نے سیکھا ہے جب ان سے بھی یہ تلفظ بالنیت منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا۔ اور دوسری دلیل اس کی ظہور بعدِ قرون پر یہ ہے کہ شرنبلالی نے لکھا ہے "تلفظ بالنیۃ کو احبۃ المشائخ" اور مشائخ متاخرین علماء ہیں جو امام اعظمؒ کے شاگردوں کا دورہ تمام ہونے کے بعد ہوئے۔ اور درِّ مختار میں لکھا ہے زبان سے نیت کرنے کو کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے شامی نے لکھا کہ یہ طریقۂ حسنہ ہمارے علماء کا ہے، اس سے بھی ظہور تلفظ بعد قرون ظاہر ہوتا ہے۔ اور فقیہ حلبی نے شرح کبیر منیۃ میں اس طرح لکھا ہے کہ ائمۂ مجتہدین سے بھی ثابت نہیں۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے وھذا بدعۃ لکن عدم النقل وکونہ بدعۃ لاینافی کونہا حسنۃ یعنی اس کی بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو۔ اب دیکھئے علماء دین اس کو بدعت مان کر پھر بھی حسن اور نیک فرمارہے ہیں اور اس کا حکم دے رہے ہیں اور یہ علماء فریقین کے مسلم الثبوت ہیں۔

اور منیۃ المصلی میں لکھا ہے والمستحب ان ینوی ویتکلم باللسان۔ اور شرح وقایہ میں ہے والقصد مع لفظ افضل۔ اور ہدایہ میں ہے و یحسن ذٰلک لاجماع العزیمۃ اور یہی کافی میں ہے۔ اور شرح عزر میں ہے والتلفظ بہا مستحب۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو علماء حنفی کے نزدیک نہایت درجہ کی معتبر ہیں۔

اب شافعی مذہب کو سننا چاہئے۔ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں شافعی مذہب بیان کرتے ہیں والذی استقر علیہ اصحابنا استحباب النطق بہا۔ اور غنیۃ الطالبین حضرت غوث الاعظم کی تالیف ہے وہ حنبلی تھے

بیانِ وضو میں لکھتے ہیں ینوی بطھارۃ رفع الحدث ومحلھا القلب فان ذکر ذالک بلسانہ مع اعتقادہ بقلبہ کان قد اتی بالا فضل ۔

الحاصل یہ عمل یعنی نیت زبان سے کرنی اس قسم کی بات ہے کہ تمام ہندوستان اور فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے ۔ علاؔ شامی نے لکھا ہے قد استفاض ظھور العمل بہ فی کثیر من الاعصار فی امامۃ الامصار ۔ اور چھٹی صدی کے آخیر جو محفل مولد شریف منعقد ہوئی اس کو اجلۂ علماء اور اکابر فضلاء نے مستحسن سمجھا اور شریک ہوئے اور امام نووی استاذ ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو پسند کیا اور اس کو بدعتِ حسنہ قرار دیا اور یہ فرمایا ومن احسن ما ابتدع فی زماننا مایفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصدقات واظھار الزینۃ والسرور الی اٰخرہٖ ۔ اور فرمایا ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذالک ای بدعۃ حسنۃ ، کذا فی السیرۃ الحلبیۃ ۔

اور آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں جو تسلیم بعدِ اذان احداث کی گئی اس کو در مختار میں لکھا ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاٰخر سنۃ سبع مأۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ ، یعنی سلام پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعدِ اذان سات سو اکیاسی (۷۸۱ھ) سن ہجری میں ایجاد کیا گیا اور یہ بدعتِ حسنہ ہے ۔ انتہیٰ ۔

اور اسی طرح در مختار کے شارح شامی نے بھی اس کو مسلّم رکھا اور نہر الفائق شرح کنز اور قول بدیع سے یہ نقل کیا والصواب انھا بدعۃ حسنۃ یعنی ٹھیک یہی بات ہے کہ سلام بعدِ اذان بدعت حسنہ ہے ۔ دیکھئے آٹھویں صدی تو قرونِ ثلٰثہ کے بہت بعد ہے اس وقت کی نکالی ہوئی چیز کو بھی فقہاء نے بدعتِ حسنہ کہا ہے ۔

اب دیکھنا چاہئے قول فقہاء کو امام شافعیؒ کے قول سے یہاں تک یہ سب علماء تقسیم ہونا بدعت کا طرف حسنہ اور سیئہ کے مان رہے ہیں، اور بدعت حسنہ کو خواہ وہ قرونِ ثلثہ میں نکلی ہو یا بعد قرون سب کو مستحب اور حسن فرما رہے ہیں ۔ پس مولوی اسحٰق صاحب کے فرمانے کے موافق ان سب فقہاء کے نزدیک بدعتِ حسنہ کا ایجاد الیٰ یوم القیامۃ ثابت ہوا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں "غیر محدود است عند القائل بتقسیمہا" اور مولوی اسحاق صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے بزرگ بھی تقسیمِ بدعت مان رہے ہیں ۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات عشرۂ محرم کے جواب سوال اول میں لکھتے ہیں:

"ساختن ضرائح وصورتِ قبور وعلم وغیرہ ایں ہمہ بدعت است وظاہر است کہ ایں بدعتِ حسنہ کہ دراں ماخوذ نباشد نیست بلکہ بدعتِ سیئہ است وحال بدعتِ سیئہ ایں است کہ در حدیث شریف وارد است شر الامور محدثاتہا کل بدعۃ ضلالۃ" انتہیٰ ۔

اور شاہ صاحب موصوف کے بیان سے تحفہ میں بھی بدعتِ حسنہ کا وجود پایا جاتا ہے ۔ اب تیرہویں صدی میں وہ مولوی اسمٰعیل صاحب کہ جن کا کلام تذکیر الاخوان میں یہ تھا کہ جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت گنتی قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے ۔ انتہیٰ کلامہ

شکر خدا کا یہ کہ یہ قاعدہ جنگی فوجداری کا جس سے ایک عالم میں جنگِ باہمی پیدا ہوا ایجاد کر کے آخر توبہ کی اس راہ سے خود مخالفت اختیار کی اور توبہ کی وجہِ ثبوت یہ ہے کہ ان کی صراطِ مستقیم میں لکھا ہے :

"اشغالِ مناسبہ ہر وقت و ریاضتِ ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد لهٰذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضاء کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغالِ جدیدہ کہ مناسب ایں وقت است تعین کردہ شود۔"

اس عبارت میں قرونِ ثلٰثہ کی کچھ قید نہیں لگائی بلکہ ہر قرن میں ایجاد اشغال اور تعینات مشائخ کو مسلم رکھا اور بذات خود اپنی تیرہویں صدی کے واسطے اشغالِ جدیدہ ایک باب میں لکھے۔ اس باب میں دیکھو ذکراللہ اور عبادتِ الٰہی میں کیا کچھ وقت اور وضع اور ہیئات اور عدد کی قیدیں ہیں اور صراط مستقیم کے آخر ورق میں لکھا ہے:

"تجدید اشغالے کہ ایں کتاب محتوی برآں است فرمودند"

یعنی مرشد صاحب نے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انجام کار ان کو بھی یہی حق معلوم ہوا کہ ایجاد بدعت حسنہ الیٰ یوم القیٰمۃ جائز است۔ خیر صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقلدوں کو بھی ہدایت نصیب کرے اور اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں تو ہم لوگوں سے جنگ اور بے ہودہ تقریریں تو نہ کریں کہ وہی نقشہ ہو جاہے ع

ع مغزِ ما خورد و حلقِ خود بدرید

اب اہل سنت والجماعت خوب غور اور فکر سے ملاحظہ فرماویں کہ یہ فتویٰ انکاری میں مولد شریف اور فاتحۂ اموات کو پنجشنبہ وعیدین وغیرہ میں منع لکھا تھا اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرون ثلٰثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے، اور سنا چکے ہم تم کو حال اس دلیل

کا کہ یہ دلیل نہایت ذلیل اور سخیف ورکیک ہے۔ اور جب ٹوٹ گئی دلیل
ان کی قولِ اصحابِ تدقیق سے تو شکست فاش کھا گیا ان کا فتویٰ اور قائم
رہ گئے وہ سب امور صالحہ اپنی اباحت اور استحسان پر الآن کما کان۔
پس مذہب صحیح اور مشرب اہلِ تنقیح یہی ہے جو علامہ حلبیؒ نے
جلد اول انسان العیون میں لکھا ہے وقد قال ابن الحجر الھیثمی ان
البدعۃ الحسنۃ متفق علیٰ ندبھا، کہا حافظ ابن حجر فقیہ محدثؒ نے
کہ بدعتِ حسنہ کے مندوب اور مستحسن ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ یعنی
فقہاء و محدثین میں جو محققین ہیں وہ سب بالاتفاق بدعتِ حسنہ کو جائز اور
درست فرماتے ہیں اور اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ پس یہ سب امورِ
مندرجہ فتویٰ بالاتفاق و اجماع اہلِ تحقیق طائفۂ ناجیہ اہلِ سنت والجماعت
کے مستحسن ٹھہرے نہ سیئہ۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

لمعہ ثالثہ میں نقل ہے عبارت مولوی عبد الخالق صاحب
واعظ دیو بندی کی جو منعِ مولد شریف وفاتحہ وغیرہ کے لئے فتویٰ انکاری
مذکور پر لکھی ہے۔ **قولہٗ** جوابات سب صحیح ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار
کتبہ فقیر محمد عبد الخالق دیو بندی عفی عنہ۔

قولہٗ اقوال فقہاء محدثین الخ۔ **اقول** یہ سب اقوال موافق رائے
مانعین کے ہیں۔ امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں خالف کتاباً او سنۃً او اجماعاً
او اثراً، یہ وہی تو ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ میں جو مقرر ہو گیا اور ٹھہر گیا جس کو شکایتِ
ثالث سے لے کر یہاں تک لکھے چلے آتے ہیں اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم
کا یہ عین مدعیٰ ہے۔
الحاصل یہ سب اقوال اور احادیث اور اس قدر تحریرِ طویل فقط مؤلف

کی کوتاہیٔ فہم پر ہوئی کہ وجود شرعی کو وجود خارجی سمجھ گیا ورنہ کچھ ضرورت نہ ہوتی اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود ہے کہ حج میں تلفظِ لسانی[۱] حدیث میں وارد ہوا ہے اور نیتِ قلبی کو کہ فرض ہے اس سے قوت بلکہ بعض وقت بدون اس کے حاصل ہی نہیں ہوتی لھٰذا ملحق بالسنّۃ ہوگئی۔

اب بعد ان سب اقوال کے اپنے اصل مطلب پر مؤلف صاحب آئے کہ چھٹی صدی کے آخر میں محفلِ میلاد منعقد ہوئی، سو اوّل محقق ہوچکا ہے کہ جس محدث کی دلیلِ جواز قرونِ ثلثہ میں موجود ہو وہی جائز ہوتا ہے ورنہ بدعت ہوگا تو یہاں اس کو محلِ استدلال میں لانا حالانکہ یہ امر متنازع[۲] فیہ ہے دور کہلاتا ہے اور یہ قبیح امر ہے، یہ وہ مدعیٰ ہے کہ جس کے اثبات میں مؤلف نے اس قدر تطویلِ بے سود کی پھر قبل ثبوت اس کے اس کو بھی دلائلِ جواز میں ذکر کرتا ہے لھٰذا تھوڑا اس طرف سے بھی اشارہ ہے کہ خود قرنِ صحابہ[۳] رضی اللہ عنہم میں بھی اگر کوئی امر ہوا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ جائز و حجت نہیں ہوتا چہ جائیکہ بعد چھ سو سال کے ہو۔ جب اس پر وقت حدوث اس کے فاکہانی وغیرہ علماء عصر نے انکار کیا تو وہ جائز نہیں ہوسکتا۔ مع ہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں فقط ذکرِ خیر خیر البشر ﷺ کا بلا قید اور بلا تداعی واہتمام تھا لھٰذا اس وقت علماء کو اس پر نکیر نہ ہوا اب جو قیودِ غیر مشروع اس پر اضافہ ہوئیں تو ناجائز ہوگیا، اصل ذکرِ ولادت کو تو کوئی منع نہیں کرتا جو کچھ تکرار و انکار ہے وہ قیود میں ہی ہے۔ کیا مؤلف دیکھتا نہیں کہ سوال میں کس شی سے سوال ہے اور قیودِ خمسہ کیوں لگاکر سوال کیا گیا ہے۔

غرض یہ نظیر محض خوش فہمی مؤلف کی ہے۔ ابن حجر اور ابوشامہ کے قول کو اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو کیا مفید مؤلف کو ہوگا کہ کلام ہیئت کذائیہ مندرجہ سوال میں ہے نہ نفس ذکر مولود میں، ورنہ اصل اصول کے ہوتے قول

---

[۱] زبان سے لفظ کی ادائیگی [۲] مختلف فیہ [۳] صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ

علماء کا جو خلافِ قاعدہ ہو مسلّم نہیں ہوتا۔ اور بیانِ تثویث میں ایک طول ہے ترک کیا گیا اور اصل مطلب جس کو مؤلف ثابت کرتا ہے ہمارے ہرگز مخالف نہیں۔ اور صاحبِ تذکیر الاخوان کا مذہب و مطلب بارہا واضح ہولیا کہ یہی ہے اب یہ طوفانِ بے تمیزی کی تقریر[1] گستاخ جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے اس کے جواب سے زبان و قلم ملوث[2] کرنا کیا فائدہ ہے۔

غرض تذکیر الاخوان کا یہ کہنا کہ قید اپنی طرف سے مقرر کرے ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی قید جس کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں نہ ہو اور صراطِ مستقیم میں وہ ہیئت تجدید کی مراد ہے کہ حسبِ قواعدِ شرعیہ کے ہو سو جو وہاں تھا وہی یہاں ہے مگر دیدۂ بصیرت چاہیئے وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ اور اس قاعدہ پر جو مؤلف سمجھے بیٹھا ہے بنیاد میلاد اور رسوم کے بدعت ہونے کی نہ تھی بلکہ اُس ہی مراد پر ہے جس کو مؤلف عرق ریزی[3] کر کے ثابت کر رہا ہے کہ بجائے خود کھل جاوے گا۔ اور یہ اس قدر تطویل۔

لمعۂ ثانیہ کی شرح بھی ہم کو اسی واسطے کرنی پڑی کہ مؤلف کے حسن فہم و مبلغ علم کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ کس قدر غلط بیانی اور کم فہمی کی تقریر ہے کہ گویا علوم سے مساس ہی نہیں ورنہ یہ اصل مدعیٰ تو عین مدعیٰ ہمارا ہے اور سب علماء کا یہی مطلب و مراد ہے فقط۔

اقول ہم ناصحانہ دردِ اسلامی سے کہتے ہیں کہ آدمی کو امورِ علمیہ میں ایسا نہ ہونا چاہیئے جیسا طوطا تمام عمر پڑھتا رہا میاں مٹھو میاں مٹھو لیکن اس کو یہ خبر نہیں کہ میاں کس کو اور مٹھو کس کو کہتے ہیں۔ مولوی عبدالخالق صاحب نے تمام عمر وعظ فرمانے میں گذاری کسی سے یہ تحقیق نہ فرمایا کہ کل بدعۃ ضلالۃ سے کیا مراد ہے، کاش مشکوٰۃ کا ترجمۂ ہندی نواب قطب الدین

---

[1] تواب [2] آلودہ [3] محنت

خان صاحب کا دیکھ لیتے کہ مطبوعہ میرٹھ صـ۶ـ میں اس حدیث کے معنی لکھتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: کلّ بدعۃ ضلالۃ کے معنی یہ ہیں کہ جو بدعتِ سیئہ ہے وہ سب گمراہی کی ہے۔ انتہیٰ کلامہ

یا یہ کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے سوالاتِ عشرہ کا جو اردو ترجمہ ہو کر مطبع ناصری میں چھپا ہے وہی ترجمہ دیکھ لیتے۔ اس میں لکھا ہے:

"بدعتِ حسنہ تو اس کو کہتے ہیں کہ کرنے والا اس کا ماخوذ نہ ہو اور بدعتِ سیّئہ کا حال یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کُلّ بدعۃ ضلالۃ" انتہیٰ کلامہ

پس جب ان کے پیشوا سب اس حدیث کو بدعتِ سیئہ کے ساتھ خاص کر رہے ہیں اور بدعتِ حسنہ کو اس میں شامل نہیں کرتے پھر انکا منصب تھا کہ بلا تقسیمِ بدعت اور بلا اثباتِ دلائل سیئہ ہونے اعمال مندرجہ سوال کے کلیہ طور پر پڑھ دیں کل بدعۃٍ ضلالۃٌ وکل ضلالۃٍ فی النّار

قولہ ہم ناصحانہ الخ **اقول** مولوی عبد الخالق صاحب نے ٹھیک سمجھ کر لکھا ہے بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تفریق کا حال، اور کلّ[1] بدعۃ ضلالۃ کے معنی بھی واضح ہو چکے۔ اب یہ حال خود مؤلف صاحب کا ہے کہ بزعمِ[2] خود فاضل اجل ہیں اور ہنوز معنی بدعت حدود کے بھی نہیں سمجھتے اور نزاع لفظی وحقیقی کو بھی نہیں جانا۔ جو کچھ مولوی عبد الخالق صاحب پر طعن ہے اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ وہ آپ کا ہی حال ہے اور باوجود ترجمۂ مشکوٰۃ کے مطالعہ کے کچھ بھی نہیں سمجھے اتأمرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم۔ فقط

دوسری نصیحت یہ کہ ایک آفاقی[3] سے روپیہ مانگ کر جو جامع مسجد دیوبند میں بنوائی ہے اور کثرت سے برج مثل مندر قوم ہنود کے بنوا دیئے

[1] ہر بدعت گمراہی ہے [2] اپنے گمان میں [3] دنیا

ہیں کیا قرونِ ثلثہ میں بھی اتنے برجوں کی مسجد بنتی تھی؟ اگر بنتی تھی تو ہم کو حوالہ دو کہ کس قرن میں اور کس نے بنائی اور کس حدیث کی کتاب میں یہ فعل قرونِ ثلثہ سے ثابت ہوا ہے۔ اور اگر نہ ثابت ہو یہ ہیئت مجموعی مسجد کی تو منصفی یہ ہے کہ اپنے اوپر بھی یہ حدیث رواں کرو کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔

قولہ دوسری نصیحت الخ **اقول** آپ کے نزدیک جس وجہ سے برج و منار مسجد کے جائز ہیں جس کا نام آپ نے بدعتِ حسنہ رکھا ہے اسی وجہ سے مولوی عبد الخالق نے بھی یہ بنوائی ہیں۔ کیونکہ وہ مدعیٰ آپ کا اور مولوی عبد الخالق کا ایک ہی ہے گو آپ کو خبر نہیں طوطی کے بول بول رہے ہو سو یہ تعرض بے معنی ہے۔ فقط

تیسری نصیحت یہ ہے کہ خدا کا خوف کیا ہوتا تم نے، اہل اسلام نے جو روپیہ چندہ کا دیا تھا تو مقصد یہ تھا کہ تعمیر میں بقاعدۂ شرعی صرف ہو پھر یہ فرمایئے کہ کثرت بروج میں جو مال صرف ہوا نہ وہ استحکام تعمیر میں داخل نہ کسی مصالح و مقاصد صلوٰۃ کو شامل، اس کا مظلمہ کس کی گردن پر ہوگا۔ کتبِ فقہ سے اس کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے۔ قاضی خان میں ہے "رجل اوصی بشیٔ بعمارۃ المسجد فی ای شیٔ یصرف ذالک المال قال ابو القاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ یصرف فیما کان من البناء دون التزئین" اور بعد تین سطر کے لکھا ہے "لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد شرفا او ینقش المسجد من ذالک ولو فعل یکون ضامناً" اب فرمایئے یہ اسراف اور تبذیر کر کے آپ منتظر اپنی مدح اور اجر کے بیٹھے ہیں، یہ کیسا ظلم ہے۔ قرآن میں آیتِ تبذیر پڑھ کر تو گریبان میں منھ ڈالئے گا۔

قولہ تیسری نصیحت الخ **اقول** المعروف کالمشروط قاعدہ فقہ کا ہے، ہرگاہ کہ سب چندہ دہندہ برج منارہ وغیرہ میں صرف کرنے سے دلالۃً راضی ہیں تو اس میں صرف کرنا درست ہے۔ اور دوسری روایت قاضی خان کی تو آپ نے دونوں آنکھیں بند کرکے ہی لکھدی ہیں مالِ وقف کا مسئلہ مالِ مملوک معطی پر جاری فرمارہے ہو۔ خوب روایت فقہ کی سمجھے ماشاءاللہ۔ اور پہلی روایت وصیت کی بھی مطابق اس واقعہ کے نہیں کیونکہ موصیؔ[1] ایک امر مبہم کہہ کر مرا ہے اس کا حمل ایسی شیٔ پر ہونا چاہئے کہ نافع ہووے اگر موصی زندہ ہوتا اور اجازت تزئین میں صرف کی دیدیتا تو جائز تھا یہاں تو دینے والے زندہ ہیں اور ان کی دلالۃً رضاء سے خرچ ہوتا ہے۔ کاش اگر مؤلف فقہ کی کتاب کسی معلّم سے پڑھ لیتا تو ایسی غلطیٔ فاحش میں نہ پڑتا۔ فقط

چوتھی نصیحت مولوی صاحب کو یہ ہے کہ آپ کی معاش وعظ پر ٹھیری اس کو بھی کبھی سوچا ہوتا کہ آیا یہ کمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدینؓ یا تابعین یا تبع تابعین قرون ثلٰثہ کی یہی تھی کہ وعظ فرماکر کھاتے پھرتے تھے یا یہ نہ تھی۔ اور اپنے پیشواؤں کا خیال کرتے کہ ہمارے عالموں نے اس کے حق میں کیا لکھا ہے۔ خیر اگر تم کو تلاش نہیں ہم بلا تلاش تم کو بتاتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر پارہ الم میں تحت آیۃ ولا تشتروا بایاتی ثمناً قلیلا کے لکھتے ہیں:

"فرقۂ پنجم معلمان دنیا طلب و واعظان طمع کہ بر تعلیم احکامِ الٰہی و تبلیغ مواعظ و پندار متاع دنیا درخواست نمایند و نزدیک توقع منفعت متوجہ بحال سائل شوند در صورت بے توقعے خشونت و درشت خوی نمایند۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے حالِ امامت و مؤذنی وغیرہ کا بیان

[1] وصیت کرنے والا۔

فرمایا اور کلام اس پر تمام کیا کہ:
"رفتہ رفتہ ایں صیغہا صیغہ معاش واجورۃ قرار گرفت، دریں زمان حال ایں وجہ معاش مشکوک بلکہ قریب بحرمت است حتی المقدور ازاں احتراز لازم است۔" انتہیٰ
اور مولوی اسحٰق صاحب نے مائۃ مسائل میں اجرت جمیع طاعات پر لینی ناجائز لکھی ہے اور یہ لکھا ہے: "از حدیث شریف صریح معلوم می شود کہ بقرأۃ قرآن شریف چیزے نہ گیرد و نخورد عام است کہ مقرر کند یا نہ کند۔" انتہیٰ
اس سے وہ بات بھی رد ہو گئی جو شاید کوئی یہ حیلہ کرنے لگے کہ ہم لوگوں کو قرآن شریف پڑھ کر سناتے ہیں اس کا ترجمہ بتاتے ہیں ہم اجرت نہیں ٹھیراتے اور نہیں مانگتے۔ مولوی اسحٰق صاحب کے کلام سے بھی وہ منع ثابت ہوا اور یہی فقہاء کا قاعدہ مسلم الثبوت ہے۔ المعروف کالمشروط جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مولوی صاحب کا قاعدہ یہی ہے اس قاعدہ کے موافق دیتے ہیں سائل کی صورت خود سوال ہے پھر منہ سے مانگیں یا نہ مانگیں۔ افسوس ہزار افسوس اے میرے دینی بھائیو! تم کیوں اپنی روح کو آلائشوں خسیسہ سے پاک نہیں کرتے۔ دوسرے کو ناری اور جہنمی بنانے کو تیار ہوتے ہو اور اپنا خیال نہیں کرتے کہ تم بھی کسی گوشہ میں دوزخ کے جاتے ہو "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔"

قولہ، چوتھی نصیحت الخ **اقول** آپ کا منھ اور یہ بات۔ آپ تو مدت ہوئی فتویٰ جواز اجرت تعلیم قرآن کا لکھ کر طبع کرا چکے ہو اگر اب غصہ میں آ کر اس سے رجوع فرمائی ہے تو وہ روایات متأخرین فقہاء کی تو کہیں نہیں چلی گئیں کہ جن روایات سے بضرورت ضرور یہ اس زمانہ جہل میں موجود ہے جواز اجرت کا، وعظ کا حال مفصل معلوم ہو سکتا ہے پھر آپ کس منہ سے طعن کریں

گے یہ مفتی جواز وہی آپ کے معتمد پیشوا ہیں۔ اور یہ بدگمانی کرنا کہ مولوی عبدالخالق صاحب کی نیت طمع دنیا کی ہے کسی مسلمان کو لائق نہیں پھر ہزار افسوس کہ تم تو اپنی زبان کو سلف و خلف، مشائخ اولیاء اور علماء کے طعن سے بھی پاک کرو اور مولوی عبدالخالق کو حدیث کے صحیح مضمون بزعم خود غلط سمجھ کر نصیحت فرماؤ بڑی شرم کی بات ہے، دیکھو مصداق آیۃ اتامرون الناس الخ کا کون ہے اور آلائش خسیسہ[1] کا ملوث کون، فقط۔

لمعہ رابعہ نقل ہے عبارت مولوی عبدالجبار عمرپوری کی جو درباب منع مولد شریف فتویٰ انکاری کے ذیل میں لکھی ہے:

قولہٗ حضرتؐ کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے، ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔

واللہ اعلم عبدالجبار عمرپوری عفی عنہ

اقول ایک تو کم نصیبی اس مفتی کی یہ کہ حضرت کا ذکر کیا اور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا اتباعِ سنت کا دعویٰ اس قدر اور صاحبِ سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھی نہ دارد۔

قولہ لمعہ رابعہ الخ **اقول** لاریب یہ کام کم نصیبی کا ہے مگر اس فہمِ کم نصیبی کا حصہ تو فقط مؤلف صاحب کے نصیب میں بھی کامل ہیں کہ اس کتاب میں اکثر جگہ درود نہیں لکھتے۔ صفحہ اول خطبۂ کتاب کی آخری سطر میں اور دوسرے صفحہ میں تین جگہ آپؐ کا اسم گرامی بے درود لکھا ہوا ہے علیٰ ہٰذا۔

اور جو عذر ہے کہ مطبع کا قصور ہے تو مولوی عبدالجبار کا بھی یہی عذر قبول کرنا تھا، غرض یہ تو مؤلف صاحب کی عادت خاشیہ ہے کہ جو کچھ کسیکو کہتا ہے

---

[1] بری باتیں

اس میں جو دلوث ہوتا ہے نہ معلوم اس قدر اپنے حال سے کیوں غفلت ہے۔

دوسری کم فہمی اس درجہ کی کہ سائل کا سوال جو ہم اول نقل کر چکے ہیں اس میں یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں یہ سوال نہیں کہ مجلس میں حاضر ہونے کا اعتقاد ہو اور ظاہر ہے کہ اشعار میں مخاطب حاضر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شعر ایسے پڑھیں جس میں ضمیریں مخاطب حاضر کی ہوں سو اس کا حال ہم نورِ اول کے لمعۂ ثانیہ میں لکھ چکے اور آئندہ بھی تحقیق آویگی لیکن مفتی صاحب نے سوال دیگر جواب دیگر جو چاہا کہنا شروع کیا یہ جواب دیا:۔

قولہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں یہ شرک ہے۔ ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے۔"

قولہ کم فہمی اس درجہ الخ۔ **اقول** رد شرح سوال میں مذکور ہو چکا کہ صیغہ کتاب کا حاضر موجود کے واسطے ہی وضع ہوا ہے۔ لھٰذا اگر کہیں صیغہ کتاب کا بولا جاوے گا تو بوجہ اصل و حقیقی ہونے کے حضور مخاطب کا مفہوم کلام سے ہووے گا۔ لھٰذا مولوی عبدالجبار نے اس سوال کا ہی تو جواب دیا ہے کہ یہ اشعار خطاب اگر اس اعتقاد سے میں تو شرک ہیں، اور دوسرے معنی مجازی کی شق کو بیان نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ جانے کہ مؤلف کی کیا فہم ہے کہ اس کو سوال کے خلاف اور غیر جانتا ہے۔ لازم و ملزوم وضعی کو غیر جاننا اور مقصود کلام وضعی کو کلام سے منفک[1] سمجھنا مؤلف ہی کا فہم ہے۔ نور اول میں بھی ایسا کچھ مؤلف نے کہا ہے اور اس کا جواب وہاں پر ہو لیا۔

---

[1] علیحدہ

اقول سبحان اللہ قربان جایئے اس قیاس اور استدلال کے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی اعتقاد ہوتا کہ وہ مولود خوانی میں حاضر ہوتا ہے نہ اور کسی جگہ اس وقت تو برابری اور مشارکت صفتِ الٰہی میں لازم آتی اور خدا تعالیٰ کو بہت مواضع اور مواقع میں حاضر مان رکھا ہے علاوہ مجلس مولود خوانی کے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تم عظمت اور وسعت عرش عظیم کی اور فراخی اور توسّع کرسی کی خیال کرو کہ ان کے آگے سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے پھر کرّہ ناری اور ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمانوں کے آگے ان کی کیا وسعت ہے پھر ان کرّات کے آگے زمین کو دیکھو کہ اس کی وسعت کو کرّات سے کیا نسبت ہے پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو زمین سے باہر نکلا ہوا ہے پھر اس باہر نکلے ہوئے جنگل اور پہاڑ اور دریا اور ریگستان کسقدر ہیں اور اس آبادی میں کفار کس قدر ہیں، کفار کس قدر ہیں اور مسلمان کس قدر اور مسلمانوں میں مولد شریف کرنے والے ہیں اور نہ کرنے والے کس قدر ہیں، پس ان سب مراتب کے خیال اور فکر کرنے سے فرق معلوم ہو جاویگا، مردِ مصنف کو کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا اس درجہ میں ہے کہ عرش و کرسی آسمان لوح و قلم ساتوں زمین اور جمیع جبال و بحار ویران عمرانات وغیرہ اور ہر زمان اور ہر آن میں وہ حاضر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی میں تشریف لے آتے ہیں تو یہ مواقع بہ نسبت ان تمام ازمنہ اور مقامات مذکورۂ بالا کے کس شمار اور کس حصہ میں داخل ہیں کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی اور شرک ہوگیا، نعوذ باللہ من ہٰذہ الخرافات

قولہ، اقول سبحان اللہ الخ **اقول** تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت

کردیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے سب کتبِ شرعیہ سے یہی مستفاد ہے قال اللہ تعالیٰ "وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو" الآیۃ

"شرکت کا اعتقاد ہی شرک نہیں بلکہ نفس شرکت کا اعتقاد بھی شرک ہے" اور یہ مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالمگیریہ، درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے بشہادت حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کے کافر ہو جاتا ہے، بسبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم ع کی نسبت۔ پس فقط مجلس نکاح کے اعتقاد علم میں کافر لکھا ہے، یہ کسی نے نہیں لکھا کہ اگر اس کا اعتقاد کماً وکیفاً مساواۃ علم الٰہی تعالیٰ شانہ کا ہے تو کافر ہوگیا ورنہ نہیں۔ مگر مؤلف کی تحریر سے اس کا عقیدہ یہی مفہوم ہوتا ہے کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ تو عرش سے ثریٰ[1] تک جانتا ہے اور حاضر ہے، اور فخر عالم علیہ السلام فقط مجالس مولود میں حاضر ہوئے تو کہاں مساوات اور شرک ہوا، پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قدر علم غیب کو وہ شرک نہیں جانتا حالانکہ جملہ کتب میں فقط مجلس نکاح کے حضور کو ہی شرک لکھدیا ہے اور مؤلف کو اس قدر بھی خبر نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہِ شبہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں نفس وجہ شبہ کافی ہوتی ہے، لھذا یہاں نفس علمِ غیب میں برابری شرک ہے اور اگر مؤلف کا یہی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ کی کوئی صفت دوسرے کو اگر کماً وکیفاً[2] مساوی ثابت کرے گا تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔ تو لازم ہے کہ مؤلف کے نزدیک مشرکینِ عرب کہ جن کے مشرک ہونے میں نصوصِ قطعیہ موجود ہیں ہرگز بھی

---

[1] زمین کے نیچے [2] تعداد کیفیت کے اعتبار سے۔

مشرک نہ ہوں کیوں کہ وہ تصرف اور علم اپنے معبودان باطلہ کا محدود جانتے تھے کہ ہر نواح و دیار کا جدا معبود تھا ایک کے ملک میں دوسرے کا تصرف ہونا عقیدہ نہیں رکھتے تھے چنانچہ کتبِ حدیث اس کی گواہ ہیں۔ پس اب مؤلف کے عقائد تو خود خراب تھے ہی تمام دنیا کو مشرک بنا دیگا کیونکہ جب عوام جہال اولیاء کی نسبت ایسا ہی محدود تصرف و علم یقین کرتے ہیں پس مؤلف نے سب کی تائید و تصدیق و توثیق عقیدہ کی کرکے خلق کو ضال بنا دیا خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیوے کہ کیا فتنہ برپا کرتا ہے، باقی اس کی مثالِ واہی اور حروفِ بے معنی کا کیا جواب دیکر زبان قلم کو ملوث[1] کروں یہ مؤلف نے اس قدر جہل کی بات لکھی ہے کہ تمام دنیا کے خلاف ہے، فقط

اب آگے آپ ارشاد فرماتے ہیں: **قولہ** اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔ **اقول** عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور حقیقت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے دوسرے میں نہیں ہوتی اور خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہو جانا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں۔

تفسیر معالم التنزیل اور رسالۂ برزخ جلال الدین سیوطی اور شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے کہ ملک الموت قابض ہے جمیع ارواحِ جن و انس و بہائم و جمیع مخلوقات کا، اور اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے، اور ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے فیقبض مِن ھٰھنا و ھٰھنا یعنی ادھر سے لیتا ہے جان کو اور ادھر سے۔ اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر کیڑے مکوڑے اور چرند پرند درند اور آدمی ۔ تے ہیں،

[1] ملوث

ہر جگہ ملک الموت موجود ہے۔ اور مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت وقت موت کے سرہانے ہوتا ہے مؤمن کے بھی اور کافر کے بھی یہ حدیث طویل ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں نقل کیا ہے ایک حدیث کو طبرانی اور ابن مندہ سے اس میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ ایسا کوئی گھر نہیں نیک یا بد آدمیوں کا جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات اور دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر نہیں پہچانتے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے، بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتۂ مقرب ہے دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدمؑ کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا، بعد اس کے لکھا ہے واقدرہ علیٰ ذٰلک کما اقدر ملک الموت علیٰ نظیر ذٰلک۔

اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سنئے۔ کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادئ دنیا کی اگر سیر کرے جہاں جاویگا چاند کو موجود پاویگا اور سورج کو بھی پاویگا پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود۔ تمہارے قاعدہ سے چاہئے کہ وہ کافر ہو جاوے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر، خاصہ مسلمان ہے۔ پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج ہر جگہ موجود ہو کر چوتھے آسمان پر ہے، روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین

میں موجود ہے اگر وہاں سے آپکی نظر مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند موضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان محمدیؐ سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمس محیط ہو جاوے کیا محال ہے اور کیا بعید ہے۔

علامہ زرقانی نے ابو الطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی "فصل زیارت قبر شریف" میں نقل کیا ہے ؎

کالشمس فی وسط السماء ونورها یغشی البلادَ مشارقاً ومغارباً

کالبدر من حیث التفت رایتہ یهدی الیٰ عینك نوراً ثاقباً

یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک، اور جس طرح چاند جہاں سے تو اس کو دیکھے اسی جگہ سے نور تیری آنکھوں میں بخشے گا۔ انتہیٰ کلامہ

پس فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کے دیکھنے کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے کھول رکھی ہے اس کے ذریعہ سے بینا آدمی دیکھ کر چاند کہہ دیتا ہے چاند ہر جگہ موجود ہے۔ اندھا مادر زاد یوں کہیگا کہ چاند نہیں۔ پس اسی طرح روحِ نبویؐ کا دیکھنا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت پر اگر وہ آنکھ باطنی کھول دے اور پردہ اٹھا دے ہر جگہ انسان جلوۂ احمدیؐ دیکھ سکتا ہے۔

امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے "قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ ابی العباس الموسلی وغیرهما انهم کانو یقولون لو احتجبت رویة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم طرفة عین ما اعددنا انفسنا من جملة المسلمین" دیکھئے ابو الحسن شاذلی وغیرہ اولیاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک پل جھپکنے کی برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جاویں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔ انتہیٰ

اب دیکھئے یہ اولیاء اللہ مفتی صاحبان صافی عقیدت کے نزدیک

کس فتویٰ اور کس حکم میں داخل ہوں گے، اور ہونا روح انبیاء علیہم السلام کا علیین میں ساتویں آسمان پر جو ہم نے بیان کیا یہ تفسیر عزیزی کے بیانِ علیین میں دیکھو۔ لیکن باوجود ہونے علیین میں آپؐ کی روح کو قبر شریف سے بھی اتصالِ قوی ہے ہر زائر کو جانتے ہیں کون زیارت کو آیا سب کو سلام کا جواب دیتے ہیں، قبر میں جسم مبارک زندہ ہے۔

زرقانی نے لکھا ہے ان نبینا بالرفیق الاعلیٰ وبدنہٗ فی قبرہ یردّ السلام علیٰ مَن یسلّم علیہ۔ اس مقام کی تحقیق زیادہ اس سے مقام اثباتِ مولود شریف میں بیان کریں گے۔

اب فکر کرنا چاہیئے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی اور تماشہ یہ ہے اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک مجالسِ مذہبی وغیرہ میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیئے یہ سب محدث اور فقہاء بباعث اعتقاد حضورِ ہر جائے ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ تر مشرک ٹھیریں معاذ اللہ۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست

بحثِ علمِ غیب

قولہٗ اقول عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ الخ **اقول** عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت صفات حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطاء فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں۔

سمع و بصر علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے اور مخلوق کا مجازی لیس کمثلہٖ شیء الآیۃ۔ پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطاء فرمادیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان کو جس قدر وسعت دی اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس قدر وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلّت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مفہد اعلم کا مکاشفہ ان کا حضرت خضرؑ سے بہت کم تھا اور پھر جس قدر حضرت خضر کو اس سے زیادہ پر قادر نہ تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو باوجود افضلیت کے نہ ملا تو وہ حضرت خضر مفضول[1] کی برابر اس علمِ مکاشفہ کو پیدا نہ کرسکے۔ پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت و وسعت نور پر بنایا اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ[2] سے معلوم ہوا اب اس پر کسی افضل کو قیاس کرکے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہوجاویں بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لھٰذا اس کا اثبات اس وقت قابلِ التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابلِ التفات ہوگا؟ دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری مایفعل بی ولا بکم۔ الحدیث اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم

---

[1] جس پر کسی کو فضیلت حاصل ہو۔ [2] صریح دلائل

نہیں۔ اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا۔ تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر تو علم غیب بزعم خود ثابت کردیوے۔ اور مؤلف خود اپنے زعم سے بہت بڑا اکمل الایمان[1] ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان[2] ہو گا معاذ اللہ۔ مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منھ سے نکالنا کس قدر دور از علم و عقل ہے۔

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم ؑ کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم ؑ کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ اور خاصّہ کی تعریف تہذیب منطق پڑھ کر مؤلف نے یاد کر کے بے تہذیبی عقیدہ کی اختیار کی مگر فہم سے ماشاء اللہ ہنوز بہت دور ہیں۔ خاصّہ حق تعالیٰ کے علم کا یہ ہے کہ اس کا علم ذاتی حقیقی ہے کہ جس کا لازم احاطہ کلّ شئ[3] کا ہے اور تمام مخلوق کا علم مجازی ظلی کہ قدر عطاء کی حق تعالیٰ کی طرف سے مستفاد[4] ہے پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کی برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ چنانچہ وجہ اس کی اوپر ذکر ہوئی اور قیاس سے اس کا اثبات[5] جہل ہے کہ شائبہ علم کا بھی اس کا مجوز نہیں۔

الغرض یہ تحقیق واہی[6] مؤلف کی جہل ہے وہ آپ شاید شرک میں

---

[1] ایمان کے اعتبار سے بہت کامل [2] شیطان سے بڑا عالم [3] ہر شئ کو گھیر لینا [4] فائدہ حاصل کیا [5] ثابت کرنا [6] کمزور۔

مبتلا نہ ہو مگر ایک عالم کا راہ مار دیا، بعد اس کے جو حکایات اولیاء اللہ کی مؤلف نے لکھی ہیں۔ تو اول تو یہ حکایات حجت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں خصوصاً باب عقائد میں۔ پس ان حکایات کو قبول کر کے نصوص کا رد کرنا کسی جاہل سے بھی متوقع نہیں چہ جائیکہ عالم سے۔ اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گنا اس سے زیادہ عطاء فرماوے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطاء کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیئے اور ثبوت ہو جانا نص سے واجب ہے مگر سوءِ فہم مؤلف کا قابلِ تماشہ ہے کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علمِ ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دیکر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث و فقیہ و صوفی و متقی مشرک نہیں مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہو گا البتہ وہ مشرک ہے اور ان عبارات اور روایات سے حجت اپنے دعویٰ بے سر و پا کی لانا محض کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے ورنہ اس میں کوئی دلیل دعویٰ مؤلف پر نہیں کما لا یخفیٰ۔

اہلِ حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر محفل میں روح مبارک آتی ہے ہاں یہ دعویٰ ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مشرک نہیں۔

قولہٗ اہلِ حق پر واضح ہو الخ۔ **اقول** اگرچہ دعویٰ مؤلف کا بالکل غلط اور ان دلائل سے کچھ ثبوت مدعیٰ مؤلف کا نہیں ہوا مگر مؤلف

مبتلا نہ ہو مگر ایک عالم کا راہ مار دیا، بعد اس کے جو حکایات اولیاء اللہ کی
مؤلف نے لکھی ہیں۔ تو اول تو یہ حکایات حجت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں
خصوصاً باب عقائد میں۔ پس ان حکایات کو قبول کر کے نصوص کا رد کرنا
کسی جاہل سے بھی متوقع نہیں چہ جائیکہ عالم سے۔ اور بعد تسلیم کے جواب یہ
ہے کہ ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر
اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گنا اس سے زیادہ عطاء فرماوے ممکن ہے
مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطاء کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے
اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام
نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہئے اور ثبوت ہو جانا نص سے واجب ہے مگر
سوءِ فہم مؤلف کا قابل تماشہ ہے کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے
کہ علمِ ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے
اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دیکر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون
ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات
کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث و فقیہ
وصوفی و متقی مشرک نہیں مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہو گا
البتہ وہ مشرک ہے اور ان عبارات اور روایات سے حجت اپنے دعویٰ
بے سرو پا کی لانا محض کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے ورنہ اس میں کوئی دلیل دعویٰ
مؤلف پر نہیں کما لا یخفیٰ۔

اہلِ حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر محفل میں روحِ مبارک آتی ہے ہاں یہ دعویٰ ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مشرک نہیں۔

قولہ اہلِ حق پر واضح ہو الخ۔ **اقول** اگرچہ دعویٰ مؤلف کا
بالکل غلط اور ان دلائل سے کچھ ثبوت مدعیٰ مؤلف کا نہیں ہوا مگر مؤلف

مبتلا نہ ہو مگر ایک عالم کا راہ مار دیا، بعد اس کے جو حکایات اولیاء اللہ کی مؤلف نے لکھی ہیں۔ تو اول تو یہ حکایات حجت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں خصوصاً باب عقائد میں۔ پس ان حکایات کو قبول کر کے نصوص کا رد کرنا کسی جاہل سے بھی متوقع نہیں چہ جائیکہ عالم سے۔ اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گنا اس سے زیادہ عطاء فرماوے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطاء کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیئے اور ثبوت ہو جانا نص سے واجب ہے مگر سوءِ فہم مؤلف کا قابلِ تماشہ ہے کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علمِ ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دیکر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث و فقیہ وصوفی و متقی مشرک نہیں مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہو گا البتہ وہ مشرک ہے اور ان عبارات اور روایات سے حجت اپنے دعوئ بے سروپا کی لانا محض کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے ورنہ اس میں کوئی دلیل دعوئ مؤلف پر نہیں کما لا یخفیٰ۔

اہلِ حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر محفل میں روحِ مبارک آتی ہے ہاں یہ دعویٰ ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مشرک نہیں۔

قولہ اہلِ حق پر واضح ہو الخ۔ **اقول** اگرچہ دعویٰ مؤلف کا بالکل غلط اور ان دلائل سے کچھ ثبوت۔ مدعیٰ مؤلف کا نہیں ہوا مگر مؤلف

اپنے زعمِ فاسد میں اس دعویٰ کو ثابت جانتا ہے پھر اس پر عقیدہ نہ کرنا سخت نادانی بلکہ بے دینی ہے کہ جس امر کو حق جانے اور دلائل سے ثابت پہچانے اور خلق کو اس پر دعوت اور قرار دیوے پھر آپ کیوں اس کا دعویٰ نہ کرے اور عقیدہ نہ ٹھیراوے۔ شاید خود مؤلف کو بھی ہنوز اس امر میں تردّد ہے اور محض نفسانیت سے اپنا لاعلم ولافہم ہونا ظاہر کر دینا مدِ نظر تھا گو خلق گمراہ ہو تو کیا حرج ہے، معاذ اللہ۔

لمعۂ خامسہ نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ۔ قولہ "ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے، ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلافِ سنت ہے اور رسوم بھی کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے البتہ ثواب پہونچانا اموات کو بلا قید روا ہے اس کا مضائقہ نہیں" فقط

واللہ تعالیٰ اعلم ۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اقول اس عبارت کی رکاکت معانی وسخافت معانی دل میں شبہ ڈالتی ہے کہ یہ کلام مولوی رشید احمد صاحب کا نہ ہوگا۔

اول یہ کہ جواب مطابق سوال چاہیئے۔ سائل پوچھتا ہے کہ یہ امور بحدیثِ نبویؐ جائز ہیں کہ نہیں آپ نے جواب میں ایک حدیث بھی نہیں لکھی نفیاً واثباتاً۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کے جواب کے رد کا رد

قولہ لمعۂ خامسہ، نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ اقول اس عبارت کی رکاکت الخ

اقول خود مؤلف لمعۂ ثانیہ شرح سوال میں لکھ چکا ہے کہ سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں۔ یوں پوچھنا چاہیئے کہ شرع میں جائز ہے

یا نہیں الخ تو ہرگاہ کہ فقط حدیث سے جواب طلب کرنا مؤلف کے نزدیک معیوب ہے تو اب یہاں حدیث سے طالب جواب کو حدیث سے جواب نہ دینے میں طعن کیوں کیا جاتا ہے؟ مؤلف صاحب کسقدر خواب خرگوش[1] میں ہیں کہ سائل پر تو یہ طعن تھا کہ تو نے یہ بیجا کام کیوں کیا کہ یہ لکھا کہ جواب حدیث سے لکھو، حجت شرعیہ حدیث میں حصر نہیں۔ اور مجیب نے جو اس کی اس قید کو لغو جان کر جواب حجت شرعیہ سے دیا اور حدیث کی قید کا التفات نہ کیا، تو مجیب پر طعن ہے، مؤلف کو اپنا مقولہ بھی یاد نہیں رہتا تو کسی کا قول در روایت کیا یاد رہے گی۔

مع ہٰذا سائل یہ کہتا ہے کہ حدیث سے جواب دو یہ نہیں کہتا کہ جواب میں حدیث کی عبارت بھی نقل کریں، پس اس کی خواہش کے موافق جواب سوال کا حدیث سے ہی دیا گیا کہ مجیب کا مستخرج احادیث سے ہی تو ہے جس سے سائل کی تسکین ہو گئی۔ اگر مؤلف کو کچھ تأمل و تردّد ہے تو اس رسالہ "براہین قاطعہ" سے اب دریافت ہو جائیگا کہ مجیب کا جواب کیا عمدہ وجہ سے مستخرج احادیث صحاح سے ہے۔ اب نور چہارم میں واضح ہو جاتا ہے فقط۔

> **دوسری بات** یہ کہ وہ پوچھتا ہے اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں۔ یوں نہیں پوچھتا کہ مجلس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جان کر اشعار پڑھیں، اب دیکھئے اصل سوال کا جواب ندارد اور اپنی طرف سے ایک شاخ لگا کر یہ جواب دیا کہ خطاب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر حاضر ناظر جان کر کرے۔ دیکھئے سوال دیگر اور جواب دیگر۔ مفتی صاحب کی تحریر سے یہ بات تو اشارۃً معلوم ہوئی کہ اگر کوئی آدمی حاضر ناظر نہ جانتا ہو فقط شوق و محبت میں مخاطبانہ اشعار پڑھتا ہو وہ کفر نہیں لیکن پھر یہ بات کہ یہ خطاب حرام یا مکروہ یا مباح یا

[1] غفلت سے دلیل۔

شائبۂ[1] لذت دیکھتے ہیں ان کو سرے سے بند کرتے ہیں ورنہ قید کے ساتھ منع کرتے ہیں، اگر مؤلف صاحب کو کچھ مضمونِ تفقہ[2] ہوتا تو شاید اس نکتہ کو سمجھتے، مگر جس کے دل میں فہم کی رغبت وحصہ ہی نہ ہو محض نقلِ الفاظ سے ہی کام ہو وہ معذور ہے۔

> **چوتھے** یہ کہ سائل نے پوچھا تھا کہ محفلِ میلاد اور فاتحۂ اموات اور رسوم میں قرآن اور کلمۂ طیبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ لکھا کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے بھلا کون بے وقوف کہدیگا کہ محفلِ مولد شریف اور قرآن اور فاتحہ اور کلمہ پڑھنا ہندوؤں کی رسم ہے ہاں بعضے کم فہم اس طرح تو کہدیا کرتے ہیں کہ رسوم میں مشابہت ہنود کی لازم آتی ہے حالانکہ وہ بھی باطل ہے چنانچہ ہم لمعات اور انوارِ آئندہ میں تحقیق کرینگے۔

قولہ چوتھے یہ الخ۔ **اقول** یہ مؤلف کے کمالِ فہم کی دلیل ہے کیونکہ جواب محفلِ مولود کا تمام ہوچکا، پھر دوسرے سوال کا جواب شروع کیا بقولہ اور فاتحہ بھی خلافِ سنت ہے اور رسوم[3] بھی، سو اس فاتحہ اور رسوم کی نسبت لکھا ہے کہ رسمِ ہنود[4] ہے کیونکہ تیسرے دن کا اجتماع اور کھانا برہمن کے سامنے رکھ کر اشلوک گوانے کا انہی کا دستور ہے، پس کون بیوقوف کہدیگا کہ یہ جواب محفلِ میلاد کا ہے اور کون احمق سمجھے گا کہ مولوی صاحب نے قرآن وکلمہ کو رسمِ ہنود کہا ہے۔ بلکہ اس اجتماع روزِ سوم اور کھانا آگے رکھ کر ہاتھ اٹھانے کی ہیئت[5] کو لکھا ہے باقی مشابہت کا جواب ہم بھی آپ کی تحریر کے وقت لکھیں گے اور آپ کی کم فہمی ظاہر کردیں گے، فقط۔

> **پانچویں یہ بات** کہ انہوں نے یہ جو جملہ لکھا ہے کہ یہ سب ہنود کی رسوم

---

[1] شبہ۔ [2] فقہ دانی۔ [3] رسم کی جمع [4] ہندو کی جمع [5] حالت

ہے اس کی ترکیب از روئے قاعدہ یہ ہوئی کہ لفظِ "یہ سب" مبتدا، اور "ہنود کی رسوم" خبر اور "ہے" حرفِ ربط ہے۔ اب دیکھئے مبتدا میں معنیٰ جمع کے موجود یعنی "یہ سب" اور لفظ "رسوم" خود جمع رسم کی پس مبتدا بھی جمع اور خبر بھی جمع، حرف ربط یعنی لفظ "ہے" واحد کیوں ہے؟ قاعدہ کی رو سے چاہئے تھا کہ "یہ سب ہنود کی رسوم ہیں"۔

قولہٗ پانچویں الخ۔ **اقول** یہ مؤلف صاحب کا کمال علم رکاکتِ لفظی کا اظہار ہے قطعِ نظر اس کے کہ یہ ترکیب درست ہے، ایسے فضول مؤاخذہ کا جواب بھی فضول ہے، یہ محض غصہ وکینہ ہے کیونکہ اس طبع میں چند غلطی کاتب کی موجود ہیں اس سے زیادہ کہ ناظر پر کچھ مخفی نہیں پھر اس کو تحریر فرمانا کمال ہی کینہ کی وجہ ہے، جواب اس کا پہلے بھی حسن علی کے اعتراض میں گذرچکا پھر بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اب مؤلف صاحب تمام مصنفین ہدایہ، شرح وقایہ کنز اور مشکوٰۃ بخاری وغیرہ کتبِ حدیث اور خود قرآن شریف پر بھی اعتراض غلطی عبارت اور رکاکتِ لفظی کا فرماویں تو مناسب ہے۔ اس میں غلغلۂ بلاغت مؤلف صاحب کا بہت ہو جاویگا، فقط۔

چھٹے یہ بات کہ جب ان کے مرشدِ برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحب نے مسائلِ اختلافی میں مہر لگانے سے منع کردیا، جیساکہ نورِ دوم کے لمعۂ اولیٰ میں گذرا پھر کس طرح خیال آوے کہ وہ شیخ کی حکم عدولی کریں۔ اور اگر کوئی یہ لکھنے لگے کہ یہ مسائل اختلافی نہیں بلکہ یہ تو بالاتفاق ممنوع ہیں تو ہم اس آدمی کو نہایت درجہ کا بے حیا، زبان زور جانیں گے اس لئے کہ فاتحۂ اموات اور محفلِ میلاد شریف مع قیود شیرینی وقیام ومدح وسلام وغیرہ جس طرح کہ اب رائج ہیں اسی ہیئت کے جواز میں دہلی اور بدایوں اور الٰہ آباد اور کلکتہ اور حرمین شریفین وغیرہ

لے کمزوری

عالموں کے فتاویٰ موجود ہیں۔ بالاتفاق ممنوع ہونے کے کیا معنی ؟۔

قولہٗ چھٹے یہ کہ الخ۔ **اقول** یہ محض افتراء ہے کہ ان کے حضرت مرشد سلمہٗ نے ہرگز ان کو اس امر سے منع نہیں کیا، اس کا جواب شکایتِ مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں گذرا، مگر ہاں مؤلف بھی مرید ان کے مرشد کا ہے اور اس کو ان کی مخالفت سے ان نے مرشد نے منع فرمایا تھا، چونکہ وہ سراسر خلافِ امر اپنے مرشد کے کرتا ہے دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ایک تو یہ کہ کمالِ کذب، دوسرے مؤلف اپنے مرشد کو اس رسالہ میں لکھتا ہے کہ ہم بھی ان سے ملے ہیں۔ چنانچہ شکایتِ اولیٰ مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں لکھا ہے اور یہ لفظ ناسعادتمندی کا ہے۔ کتبِ فقہ میں ہے کہ جس نے اپنے باپ کو قریب کہا وہ عاق[1] ہے۔ پس استاد پیر کی نسبت ایسی کلام کس درجہ میں شمار ہوویگی، ہر عاقل جانتا ہے۔ اور مؤلف نے جو کچھ اپنے استاذوں کی شان میں اس رسالہ میں لکھا ہے وہ سب لوگ ملاحظہ فرماویں۔

ساتویں یہ بات کہ مولوی رشید احمد صاحبؒ کے استاذ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی ربیع الاول میں مولد شریف کرنے کی بابت رسالہ "شفاء السائل" میں لکھتے ہیں:

> "وحق آں ست کہ نفس ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم وسرور رفاتحہ نمودن یعنی ایصالِ ثواب بروحِ پرفتوح سید الثقلین از کمالِ سعادتِ انسان است۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہما تصریح نمودہ اند آرے چیزہا دیگر اگر مقترن شوند کہ خلافِ شرع ہستند، پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مرائی و سرود خوانی، الیٰ آخرہ۔"

[1] نافرمان، حقوقِ ولدیت سے محروم۔

اب دیکھنا چاہئے کہ ان کے استاذ مرثیہ اور سرود خوانی کو تو منع فرماتے ہیں لیکن شیخ عبدالحق اور ابن حجر کے تابع اور موافق ہو کر محفلِ مولد شریف اور تقسیم شیرینی وغیرہ بقصد ایصالِ ثواب روح مبارک اور اظہار سرور کرنا موجب سعادتِ انسان لکھتے ہیں۔ اب خیال فرمائیے کہ یہ کیا سعادتمندی ہوئی کہ استاذ تو اس کو موجب سعادت اعتقاد فرمادیں اور شاگرد رشید اس کو گناہ قرار دیں اور خواہی نخواہی اس کی شاخیں نکال کر کشاں کشاں کفر تک بھی نوبت پہنچادیں۔

قولہ ساتویں الخ **اقول** استاد کی تقلید[1] کا حکم مولوی رشید احمد صاحب مدظلہ، کو تو اس زور و شور سے دیا جاتا ہے گویا فرض ہے اور خود مؤلف اپنے استادوں کا اس قدر مخالف کہ اتباع کجا، سب وشتم ان کے عقیدہ پر کرتا ہے۔ مگر خیر مؤلف کا تو تشیّل روافض کا قدیم رویہ ہے کہ کرنا کچھ اور کہنا کچھ مؤلف کو مبارک رہے، مگر فرض کیا کہ شاہ عبدالغنی صاحب کی رائے مؤلف کے موافق تھی اور مجیب نے مخالفت اس مسئلہ میں اپنے استاذ کی کی۔ مگر مخالفت علماء کی اپنے استاد سے کسی جزئی مسئلہ میں کوئی امر جدید نہیں جو مؤلف کو محلِ نقصان ہو۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ، امام ابو حنیفہؒ کی بہت جزئیات میں خلاف پر ہیں، اور آج تک یہ امر جاری ہے، پھر یہاں اس قدر غیظ مؤلف کا محض سینہ کا کینہ ظاہر کرنا ہے، ورنہ ان مقتدایان پر بھی اعتراض کرنا لازم دالا جو وہاں تاویل کرتے ہو یہاں بھی کرنا تھا۔

بعد اس کے سنو کہ اس وقت کی مجالس مولود میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا، اور نفس ذکر ولادت کو مجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرے، اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا، اس پر تاکد کا گمان نہ تھا، اب جو

---

[1] پیروی

قلوبِ عوام میں تأکد و وجوب راسخ ہوا تو مکروہ ہوگیا۔ گاہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحتِ موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مآل کاری مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہیت پیدا ہوجاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہوجاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرونِ ثلٰثہ کا تعامل ہوجاتا ہے۔ مع ہٰذا خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکد کے مکروہ ہوجاتا ہے جیسے صلوٰۃ ضحیٰ کہ تداعی و واہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃِ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمادیا، تو بس شیخ عبدالحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالتِ موجودہ میں یہ محفلِ مروجہ ہرگز جائز نہیں ہوسکتی گو اس وقت بھی مباح تھی، اور شاہ صاحب کا بھی یہی منشاء اور مراد ہے۔ اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو سمجھتا۔ پس مخالفت شاہ صاحب کی ہرگز نہیں ہوئی اگرچہ مؤلف فہم سے عاری مخالفت جانتا ہے۔

آٹھویں یہ بات کہ جب سائل نے استفتاء میں یہ سوال درج کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں تو مولوی رشید احمد صاحبؒ اس میں فکر کرتے کہ ایسے اشعار جس میں یا رسول اللہؐ یا نبی اللہؐ خطاب حاضرانہ موجود ہو ہمارے بزرگوں نے تصنیف کئے ہیں یا نہیں؟ پھر اپنے مرشد کا قصیدہ اور مولوی محمد قاسم صاحب کا قصیدہ یاد کرتے، بیشک لکھدیتے کہ ایسے اشعار جائز ہیں۔ اس وقت ہم کو لازم ہوا ہے کہ مولوی صاحب کے مرشدِ برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحب کا قصیدہ پڑھ کر سنادیں۔

قصیدہ

ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

کرد روئے منوّر سے مری آنکھوں کو نورانی
مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ

۱ مضبوط ۲ انجام کار ۳ عمل کرنا ۴ چاشت کی نماز

اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں	بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں نا خدا ہو کر	مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ ہوں نا قابل وہاں پر امید ہے تم سے	کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپکے ہاتھوں	بس اب چاہو ڈوباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امدادِ عاجز کو	بس اب قیدِ دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

یہ قصیدہ جس وقت حاجی صاحبؒ حج کر کے ہندوستان میں تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں فرمایا تھا، چنانچہ یہ مضمون ایک مصرع کا صاف ہے ع کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ۔

غرض کہ یہ ندائے "یا رسول اللہ" اور یہ مدد مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اس قصیدہ میں ہے یہ سب ملکِ ہندوستان سے خطاب و استمداد کیا گیا ہے اور مقبول بھی ہوا، چنانچہ پھر حاجی صاحب بلوائے گئے اور زیارتِ مدینہ سے مشرف ہوئے۔ اور تعریف جناب حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی محتاجِ بیان نہیں۔

مختصر بات یہ ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی جو ضلع سہارنپور میں مشہور و معروف ہیں جناب حاجی امداد اللہ صاحب ممدوح کی اس طرح تعریف لکھتے ہیں:

اشعار

بحق مقتدائے عشق بازاں	رئیس و پیشوائے جانگدازاں
امام راست بازاں شیخ عالم	ولی خاص صدیق معظم
شہ والا گہر امداد للہ	بہر عالم است امداد اللہ

یہ اشعار مولوی محمد قاسم صاحبؒ نے شجرۂ منظومہ صابریہ میں لکھے ہیں جو قصائدِ قاسمی کے آخری اوراق مطبع عین الاخبار مراد آباد میں مطبوع ہوئے ہیں۔ بھلا یہ بات کیونکر ممکن ہو اور کس طرح خیال میں آوے کہ مولوی رشید احمد

صاحب ایسے اشعار کا پڑھنا کفر قرار دیں اور خود ان کے مرشد شیخ عالم صدیق معظم عین حالتِ غیبوبت میں خطاب حاضر "یارسول اللہ" اور ندائے "یارسول اللہ" شوق میں پکار کر پڑھیں اور مدد چاہیں، نیز ان کے پیر بھائی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ خطاب حاضر یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کریں اور مدد مانگیں۔ چنانچہ شعران کا قصائدِ قاسمی مطبوعہ مراد آباد کے صے میں یہ ہے ؎

تیرے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرہ طاعت ؛ گناہ قاسم برگشتہ بخت بداطوار

اور صفحہ ۸ میں ہے ؎

اگر جواب دیا بے کسوں کو تونے بھی ؛ تو کوئی اپنا نہیں جو کرے استفسار
کروڑوں جرم کے آگے یہ نام اسلام ؛ کریگا یا نبی اللہ کیا مرے یہ پکار
بہت دنوں سے تمنا ہے کیجئے عرض حال ؛ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ؛ نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اب دیکھئے جناب حاجی صاحبؒ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ یہ سب یارسول اللہ یا نبی اللہ کہہ رہے ہیں۔ ان صاحبوں کو تو خطاب حاضر کرنا جائز ہو اور دوسرے اگر اس طرح کہیں تو وہ کافر ہو جادیں یہ کیسی بے انصافی ہے یہ کہ ان دونوں صاحبوں کو یہ خیال کرنا کہ یہ تو حاضر نہیں جانتے اور دوسروں کو یہ گمان کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانتے ہیں اور یہ دونوں صاحب تو علیۂ شوق میں خطاب کرتے ہیں، یوں ہی بیہودہ بکتے ہیں، یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے؟۔

قولہٗ آٹھویں الخ۔ **اقول** پہلے بھی گذرا اب پھر لکھتا ہوں کہ بعقیدۂ علم غیب تو خواہ کوئی ایسے اشعار پڑھے شرک ہے اور شوق و محبت میں

جائز اور سب مسلمان صلحا، وعلما، پر گمان صالح ہے، مگر خلوت میں یا مجمع خواص میں ایسے اشعار اگر ہوں تو اندیشہ نہیں۔ اور جب مجمع فجارؔ و مبتدعین بد عقیدہ میں پڑھے جاویں گے تو عوام کو لاریب سخت ضرر ہوگا، لہٰذا بایں وجہ منع اور مکروہ ہوا ہے اور یہی جواب سے معلوم ہوتا ہے سو اس کی نظیر لانا اور استدلال میں ذکر کرنا محض کم فہمی ہے اور مؤلف صاحب پر پہلے ہرگز گمان علم حضور کا کسی کو نہ تھا، فقط بوجہ خرابی کے منع کیا جاتا تھا، مگر اب تو مؤلف خود کھیل کھیلا اور اپنے عقیدہ کا اقرار کر دیا اب کیوں گردن پھیرتا ہے شیطان کے علم کی دلیل سے مؤلف نے یہ عقیدہ پیدا کیا ہے، اور مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم اور حاجی امداد اللہ سلمہٗ کے اشعار کے ذکر سے مؤلف کو کچھ امداد نہیں ملتی لاحاصل ان کا ذکر کرتا ہے اور وجہ اس کی پہلے لکھی گئی، مگر مؤلف کی کم فہمی پر ہزار افسوس۔

نویں یہ بات کہ بہت مشائخ عظام ایسے گذرے کہ ان کو حضوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی تھی، بعضوں کو ہر دم ہر گھڑی جیسا کہ ہم لمعۂ رابعہ میں حال ابو العباس مرسی وغیرہ کا لکھ چکے ہیں اور آئندہ نور چہارم میں بھی بیان کریں گے، اور بعضوں کو ہر دم نہیں ہوتی گاہے گاہے حضوری ہوتی ہے پس ایسے لوگ یعنی جن کو حضوری میسر ہے وہ تو بے شک حاضر ناظر جان کر خطاب کریں گے، حاضر کے معنی موجود، جب حضوری ہوئی تو موجود ہوئے اور جب موجود ہوئے تو ناظر بھی ہوئے، ناظر کے معنی دیکھنے والا، بھلا مفتی صاحب نے جو علی العموم بلا تخصیص استفتاء لکھدیا کہ خطاب فخر عالم علیہ السلام کو حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے، یہ کیسا ستم ہے کیا ہے؟ الاماں الاماں۔

قولہ نویں الخ۔ **اقول** ہر عاقل جانتا ہے کہ کلام غائب کو حاضر جاننے میں ہے نہ کہ حاضر کا خطاب حاضر کا کرنے میں سو یہ کلام مؤلف کا محض

ؔ فاجر کی جمع

سفسطہ ہے، قرینہ سیاق سباق کا اور دلالۃ الحال کلام میں ضروری ہوتی ہے اگر مؤلف اصولِ شاشی بھی پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات منھ سے نہ نکالتا۔

دسویں یہ بات کہ اس فتویٰ کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب محفلِ مولد شریف میں شامل ہونا گناہ فرماتے ہیں حالانکہ وہ بذات خود شریک محفلِ میلاد ہوئے، اور نیز ان کے مشائخ طریقت، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب ڈپٹی عبدالحق رامپوری مولوی رشید احمد صاحب کو اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گئے، وہاں یہ مولوی صاحب مع اپنے برادرِ طریقت حکیم ضیاء الدین صاحب محفلِ مولد شریف میں شریک ہوئے اور پیر مرشد ان کے جناب حاجی امداد اللہ صاحب ایام غدر سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں تو وہ بارہا محافلِ میلاد شریف میں شریک ہوئے اور اب بھی ہوتے ہیں، لیکن اب کم اس لئے کہ شدتِ ضعف پیری سے زیادہ بیٹھنا زیادہ کھڑا ہونا موجبِ تکلیف ہے اس سبب سے اگر خود حاضر نہیں ہوتے تو اور مرید طالب لوگوں کو اپنی عوض خاص اپنے برادر زادہ حافظ احمد حسین صاحب کو ارشاد فرما دیتے کہ تم جاؤ اور میر سید احمد صاحب پیر مولوی اسماعیل صاحب کے اور پیران پیر مولوی رشید احمد صاحب کے جب مکہ معظمہ جاتے تھے جہاں کا ناخدا سید عبدالرحمن حضر موتی تھا اور معلم ان کا داؤد تھا، جہاز ان کا قلعہ العفاریت یعنی لنکا سے کہ ایک مقام سخت تھا نکلا، محفلِ مولد شریف ہوئی اور بعد اختتام شیرینی تقسیم ہوئی۔ کتاب مخزنِ احمدی جو مناقب سید احمد صاحب میں تصنیف ہو کر مطبع مفیدِ عام آگرہ میں مطبوع ہوئی یہ کیفیت صـ ۸۵ میں مرقوم ہے۔

اب سید احمد صاحب کے پیر مرشد شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی کا حال سنئے کہ کتاب "ہادی المضلین" اور "نور العین" وغیرہ سے لکھا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا محمد خاں صاحبؒ رئیس مرادآباد نے ان سے محرم میں بیان شہادت کرنے

کا حال پوچھا تھا تو اس کا جواب بطور خلاصہ لکھتا ہوں۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ "اس فقیر کے مکان پر سال بھر میں دو محفلیں ہوتی ہیں، محرم کے دسویں دن یا ایک دو دن پہلے، قریب ہزار آدمی کم و بیش آتے ہیں فضائل حسنین رضؓ بیان کرتا ہوں بعد ختم کے پنج آیت پڑھ کے جو کچھ پاس موجود ہوتا ہے اس پر فاتحہ کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور بارہویں تاریخ ربیع الاول کے اسی قدر آدمی ہوتے ہیں حال ولادت شریف و رضاع و حلیہ بیان کر کے جو کچھ کھانا یا شیرینی ہوتی ہے اس پر فاتحہ دیکر تقسیم کر دیجاتی ہے" انتہیٰ کلامہ

اب شاہ عبدالعزیز صاحب کے استاذ اور مرشد اور والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا حال سنئے، وہ فرماتے ہیں: کہ مکہ معظمہ میں، موافق تاریخ روز ولادت یعنی بارہویں ربیع الاول کو مولد شریف تھا، حضرت کے آثار اور عجائب معاملات کا جو وقتِ ولادت شریف ظاہر ہوئی تھی بیان ہو رہا تھا میں اس میں شریک ہوا اس میں جو دیکھا تو انوارِ رحمت تھی اور انوار ملائکہ تھی یعنی وہ ملائکہ جو ایسی مجالس کے واسطے اللہ نے مقرر فرما رکھے ہیں۔

اب شاہ ولی اللہ کے پیرانِ پیر جو چھٹے طبقہ میں شیخ المشایخ ان کے ہیں، یعنی مولانا جلال الدین سیوطیؒ جو مجدد انچی صدی کے تھے وہ خود فرماتے ہیں: یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام بالاجتماع والاطعام وغیر ذالک۔ یہ عبارت سیرت شامی اور روح البیان وغیرہ میں مرقوم ہے۔

اب جلال الدینؒ کے پیر کے پیر شیخ ابن جبرزی مؤلف حصن حصین کا کا حال سنئے وہ بھی محافلِ مولد شریف میں شریک ہوتے تھے اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں ان کا کلام دربابِ ترغیب محفل مولد شریف منقول ہے۔ ان کا خود یہ بیان کہ وہ بادشاہِ مصر کی محفلِ مولد شریف میں شریک ہوئے اور خوش ہوئے حالانکہ اس میں روشنی اور خوش الحان پڑھنے والے اور زیب و

زینت وغیرہ قیود جو مفتیان فتویٰ انکاری کے نزدیک ناجائز ہیں وہ سب موجود تھیں۔ نور اول کے لمعۂ ثانیہ میں ہم ان کا حال ملا علی قاری سے نقل کر چکے ہیں۔ بھلا یہ بات کس طرح جائز ہو کہ مولوی رشید احمد صاحب کے مشایخ طریقت جن محفلوں میں شریک ہوں ان کو یہ خود گناہ اور کفر اور بدعت قرار دیں، استغفر اللہ۔ ہم تو ایسا گمان ان پر نہیں لیجاتے ظنوا بالمؤمنین خیرا۔ اور جو کوئی خواہی نہ خواہی اس عبارت کو ان کے ذمہ لگا دے اور نشانہ اعتراض کا اس کو بنادے اس کو اختیار ہے انا بریٔ مما تعملون

قولہ دسویں الخ۔ **اقول** یہ کہانی محض غلط ہے اور افترا، ایسے قصص قابلِ احتجاج نہیں، اور جناب حاجی صاحب کا جانا بھی غلط ہے اگر وہ تشریف لے گئے ہوں تو وہ ایسی محفل ہوگی کہ شرعاً مباح ہو خالی از منکرات[1]۔ علیٰ ہذا سید صاحب مرحوم کا قصہ بھی ایسا ہی قصہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا قصہ "صاحب تحفہ" درباب اوہام شیعہ فرماتے ہیں کہ یوم موت یا یوم ولادت کو حزن و سرور کا دن ٹھیرانا اوہام شیعہ سے ہے مولف صاحب ملاحظہ فرمادیں، اور شاہ ولی اللہ صاحب قولِ جمیل میں لکھتے ہیں کربلا اور وفات وغیرہ کا قصہ موسم میں بیان کرنا بھی آفاتِ واعظین سے ہے۔ پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی طرف یہ قصہ نسبت کرنا کسقدر بہتان ہے۔ حکایت کا مآل ایسا ہی ہوتا ہے کہ بے اصل اخبار شہرت پا جاتی ہیں۔ اکثر وقائع[3] شاہ عبدالعزیز اور دیگر بزرگان کے ایسے ہی ہیں پس ایسی حکایاتِ واہیہ[2] قابلِ احتجاج اہلِ علم کی نہیں ہوتیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا روز وفات کے مولد النبیؐ میں جانا جو کچھ لکھا ہے وہاں مولد سے مکانِ ولادت مراد ہے "فیوض الحرمین" کی عبارت خود شاہد ہے نہ کہ مجلس مولود، مگر سلیقۂ علمی مؤلف میں مفقود اور اور فہم مراد معدوم جو جا ہا لکھدیا۔

---

[1] ممنوعات [2] وہم کی جمع [3] واقعہ کی جمع

وعلیٰ ہذا جلال الدینؒ نے جو اظہارِ شکر قرأۃِ قرآن و ذکر ولادت و اطعامِ طعام کو جائز فرمایا اس وقت میں کوئی محذور[1] اس میں غلط نہ ہوا تھا نہ تشبہ کا خدشہ نہ تقیید اطلاق کا اندیشہ نہ وجوبِ مباح کا تردد تھا لہٰذا جائز فرمایا۔ اب سب اباحت بکراہت متبدل[2] ہوئی اور نوبت بہ بدعت پہنچی، مجلس مروجہ بدعت ہوگئی مباحات کا یہ تبدل زمان متبدل ہو جاتا ہے۔

علیٰ ہذا جو ابنِ جزری سے منقول ہے اس پر حسنِ ظن ہی کیا جاتا ہے کوئی امرِ غیر مشروع اس میں نہ تھا۔ اگر مؤلف نہ مانے اور اسراف کے درجہ کی روشنی وغیرہ کا اقرار کرتا ہے تو ابن جزری کے فعل سے ممنوعِ منصوص جائز نہیں ہو سکتا اور نصوص کے مقابلہ میں کسی کا قول اعتبار و التفات کے قابل نہیں ہوتا۔ پس شمار اسماء علما کا کرنا محض لاحاصل[3] ہے۔

لمعہ سادسہ نقلِ عبارت مولوی امیر باز خان واعظ جامع مسجد سہارنپور۔ بعد حمد و الصلوٰۃ کے ہویدا ہو کہ التزام مجلسِ میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیمِ شیرینی و قیوداتِ لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں۔

وعلیٰ ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلثہ میں نہیں پائی گئی چنانچہ ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں "قال الطیبی فیه مَن اصرّ علیٰ امر مندوب وجعل عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصرّ علیٰ بدعة او منکر هذا محل تذکر الذین یصرّون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونه ارجح من الحضور للجماعة ونحوه۔ پس ایسے مقامات میں اتقیاء کیا عوام مومنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں ہے، ان امور کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

محمد امیر باز خان

---

[1] ممنوع [2] بدل جانا

قولہ بعد حمد والصلوٰۃ کے۔ اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحت کلام۔ جب بعد الحمد والصلوٰۃ میں دونوں الفاظ ترکیب عربی سے معرف باللام کئے گئے اضافت عربی پیدا ہوچکی اب لفظ "کے" کا لانا جو ہندی میں اضافت کے لئے آتا ہے کیا ضرور تھا۔ ایک کلمۂ مرکب میں دونوں اضافتیں عربی وہندی کا جمع کر دینا آپ ہی کا کمال ہے یہ تو آغاز و ابتداء ہے ع

ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

لیکن آپ ایک اس کا جواب معقول رکھتے ہیں کیونکہ آپ جامع مسجد کے واعظ ہیں فرمادیں گے کہ مسجد کے ملاّ کو حسن ترکیب الفاظ سے کیا علاقہ۔

قولہ لمعۂ سادسہ نقل عبارت مولوی امیر باز خان الیٰ قولہ اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحتِ کلام الخ

اقول مؤلف کا غایتِ علم مؤاخذاتِ الفاظ ہے اور مخلصین کے نزدیک یہ امر فضول ہے۔ بھلا اگر متکلم اضافت کو اپنے کلام میں اعتبار نہ کرے تو کسی کو یہ جبر کرنا کہ یہاں اضافت ہے کس قدر لغو حرکت ہے۔ مؤلف کو اپنے خطاہائے معنوی کی بھی خبر نہیں اور دل پر حرف ولفظ کی دارو گیر ہے۔

قولہ التزام مجلسِ میلاد بلا قیام وروشنی وتقاسیم شیرینی وقیوداتِ لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں۔

اقول: اربابِ تعیین کا اس عبارت سے مقصد حاصل ہوا اس لئے کہ جب بلا ان قیود کے ضلالت سے خالی نہ ہو تو مع ان سب قیود کے ضلالت سے خالی ہوگا پس چاہئے کہ التزام اس مجلس کا مع القیود کیا کریں تاکہ ضلالت سے خالی ہووے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ کا مطلبِ دلی تو یہ نہیں کیا کیجئے عبارت کا بنانا نہ آیا، مشکل یہ ہے کہ اردو عبارت کے لئے بھی متانت اور مادۂ علمی

چاہیئے ، اگر آپ کو اپنے مطلب کے موافق عبارت بنانے کی طاقت ہوتی تو لفظ "بھی" بعد لفظ "قیود لایعنی" کی اضافہ کرتے یعنی "التزام اس مجلس کا بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں ہے" خطاءِ لفظی اگرچہ گناہِ شرعی نہیں ہے لیکن اس لئے نصیحت کی گئی کہ جب ہندوستانی ہوکر اپنی زبان میں بھی صحیح تکلم کی قدرت نہیں ہوئی ، تو مبادا عام آدمیوں کو اعتقاد علمیت کا بھی اُٹھ جاوے یا کوئی تمسخر کرے تو یہ شانِ علماء کے خلاف ہوگا۔ پس یہ خطاءِ لفظی پر آگاہ کردینا مبنیٰ دین پر سمجھو۔

قولہٗ اقول ارباب تعیین کا اس عبارت سے الخ **اقول** مؤلف دلالۃ النص اور مفہوم موافق بالتعیین کو تو ہرگز جانتا ہی نہیں کہ کیا چیز ہوتا ہے ورنہ یہ اعتراض نہ کرتا کاش اصول شاشی ہی پڑھ لیتا پہلے بھی اشارہ اس کا کیا ہے اب پھر لکھتا ہوں کہ مجیب کہتا ہے کہ ہرگاہ کہ بدون قیام وشیرینی یہ محفل جائز نہیں تو دلالۃً واضح ہوگیا کہ ان قیود کے ساتھ بطریق اولیٰ درست نہ ہوگی۔ پس لفظ "بھی" کی کچھ ضرورت نہیں مگر مؤلف علم سے بہرہ نہیں رکھتا تفضیح[1] اور تخطیۂ[2] مدِ نظر ہے اپنا فخر ظاہر کرنا اور نصیحت کا کاذب بہانہ۔ اگر نصح[3] منظور ہوتی تو بذریعۂ خط دوستانہ خفیہ مطلع کرتا۔

غرض مؤلف کی سب باتیں خلاف ہی خلاف ہیں۔

اب ہم خطاءِ معنوی پر مؤاخذہ کرتے ہیں ، آپ کا جو یہ مدعاءِ دلی ہے کہ یہ مجلس بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں اپنی برادری کا اجماع بھی آپ نے توڑ دیا۔ آپ کے سب ہم مشرب تصریح کرتے ہیں کہ حضرت کا تذکرہ بلاقیود عبادت میں داخل ہے ، آپ نے یہ قیاس کیا ہوگا چونکہ میرا نام امیر باز ہے تو مجھ کو لازم بلند پرواز ہے ، وہ بات کہو جو کسی نے نہ کہی ہو ، سو حضرت امورِ

---

[1] ذلیل کرنا [2] غلطی پکڑنا [3] نصیحت کی جمع۔

دنیا میں بلند پروازی اگر کرتے ہو کرو دین میں فتنہ پردازی نہ چاہیئے کہ اجماع کے خلاف چلنا گویا دوزخ میں جلنا ہے مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔
باقی رہی یہ بات اگر آپ التزام کو منع فرمادیں سوا امر خیر کا التزام یعنی بطور دوام کرنا شرع میں مطلوب ہے تحقیق اسکی قریب آتی ہے۔

قولہ اپنی برادری کا اجماع بھی الخ **اقول** مجیب کے برادران ذکر مولود کو مندوب کہتے ہیں بشرطیکہ تداعی[۱] و اہتمام سے خالی ہو ورنہ کراہت کے مقر ہیں۔ مؤلف کے فہم پر افسوس ہے کہ سب کے کلام کو ناتمام ہی سمجھتا ہے پس مجیب شامل اپنی برادری کا ہے اور حق یہ ہے کہ شذ و ذ کا مضمون تو مؤلف میں ہے کہ جمہور صحابہ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے خلاف ہے۔

قولہ چنانچہ ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ **اقول** آپ نے تین امر یعنی مجلس میلاد و فاتحات و سیوم کی برائی بیان کرکے فرمایا "چنانچہ ملّا علی قاری فرماتے ہیں" یہ آپ نے عوام کو سخت دھوکا دیا کیوں کہ عوام یوں جانیں گے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے ان تینوں کی مذمت کی ہے۔ حالانکہ ملا علی قاری موردالروی میں محفل مولود شریف کی تعریف کرتے ہیں مع تعیین مہینہ ربیع الاول اور التزام دائمی کی عبارت ان کی شروع دیباچہ میں یہ ہے

لھذا الشھر فی الاسلام فضلٌ — و منقبۃ تفوق علی الشھور
ربیع فی ربیع فی ربیع — و نورٌ فوق نورٍ فوق نور

اس سے فضیلت ربیع الاول کی ثابت ہوئی جس کو آپ قیودات لایعنی سمجھے ہوئے ہیں۔ اور وہی ملا علی قاری بعد دو تین ورق کے فرماتے ہیں: لا زال اھل الاسلام یحتفلون فی کل سنۃٍ جدیدۃ و یعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم و یظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم۔

[۱] اقرار کرنے والے کہ بے معنی شرائط و قیود۔

انتہیٰ کلامہ تلخیصاً۔ یعنی ہمیشہ سے اہلِ اسلام محفلیں کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں مولد شریف، اور ظاہر کرتے ہیں مولد شریف کی برکات سے ان محفل والوں پر فضلِ عام اللہ تعالیٰ کے۔ انتہیٰ

دیکھو التزام دائمی ہر سال کا اور باوجو مقید بقیود ہونے مولد شریف کے پھر بھی برکات اور فضلِ الٰہی کا ظاہر ہونا ملا علی قاری سے ثابت ہے۔

قولہٗ آپ نے تین امر الخ **اقول** ملا علی قاریؒ اور طیبیؒ کے قول میں یہ ہر سہ امور اور جملہ امور جو اس کلیہ میں درج ہیں مفہوم ہیں اور عوام و خواص سب اس کو جانتے ہیں مگر جس کے دیدۂ بصیرت نہیں البتہ وہ نہیں جانتا۔ اب رہا مورد الردی میں علیؓ کا مدح کرنا مولود کا اگر امور مباحہ بطور اتفاق اس محفلِ ممدوح میں ہیں اور ان کی ذہن میں یا واقعی اس وقت عوام کو کچھ ضرر اس میں نہ تھا اور اصرار کا درجہ نہیں تھا تو یہ مدح خلاف مجیب کے نہیں اور کلیہ سے خارج ہے۔ کیونکہ مجیب نے التزام و تداعی کو بدعت کہا ہے اور ان قیود کو بشرط اصرار یا ضررِ عوام کے بدعت لکھا ہے لھذا یہ قول قاریؒ کا سند مؤلف کی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حسبِ زعم مؤلف کے ایسا ہی تھا تو قول و فعل ملا علی قاری کا خلاف قواعد مسلمہ شرع کے قابلِ تاویل نہیں البتہ یہ قول کلیہ ان کا معتبر اور موافق قواعدِ شرع کے ہے اور اس کا خلاف رد ہو جاویگا۔ مع ھٰذا افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس ماہ میں ہونا کہاں سے لازم آگیا، یہ فہم عجیب مؤلف کا ہے بلکہ مجلس مروجہ ربیع الاول میں اشد کراہت ہونی چاہیئے، دیگر شہور[1] کی مجالس سے کیونکہ زمانۂ فضل میں معصیت شدید ہو جاتی ہے جیسا رمضان میں۔ مثلاً جمعہ اور رسب جمعہ افضل ہے مگر سوائے ان عبادات کے جو شارع نے اس میں مقرر کر دیں دوسری عبادت افضل نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ لھذا افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس

---

[1] مہینوں

میں کرنا کس طرح جائز ہوگیا۔

غرض مؤلف کے فہم پر آفرین ہے اور کیا کہوں۔

دوسری عبارت قاری کی بقولہ لازال اھل الاسلام الخ یہی دوام کی موثق ہے نہ کہ التزام کو اور تاکد کو اور دوام عام ہے التزام سے اور وجود عام کا بدون وجود خاص کے ہو سکتا ہے مثلاً حیوان بدون انسان کے اس کو ہر عاقل جانتا ہے پس اس سے التزام اصرار سمجھنا ہرگز عقل کی بات نہیں، پس مؤلف کے فہم پر عجب ہے، اگر ایسا غوجی کبھی پڑھ لیتا تو یہ نہ لکھتا۔ اور یحتفلون کے لفظ سے قیودِ مروّجہ کا نکالنا بھی مؤلف کے ذہن کی خوبی ہے۔ ایسے مجمع میں مولود کا پڑھنا نکلا اور بس۔ باقی امور مؤلف اپنے ذہنِ ناقص سے تراش کر لاتا ہے اس عبارت میں ہرگز کچھ مذکور نہیں۔ سبحان اللہ کیا فہم صائب ہے۔

> اور شیخ محمد طاہر محدث مجمع البحار کے ثلث اخیر صفہ ۵۵۰ میں ماہ ربیع الاول کی تعریف میں لکھتے ہیں فانہ شہر اُمرنا باظہار الحبور فیہ کل عام۔ یعنی ربیع الاول ایسا مہینہ ہے کہ ہم حکم کئے گئے ہیں اس بات کا کہ خوشی اور اکرام ظاہر کیا کریں اس میں ہر برس۔ یعنی مولد شریف سال بسال کیا کریں اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے۔

قولہ، مجمع البحار کے صفہ ۵۵۰ میں الخ **اقول** اظہار الحبور کا ترجمہ کر کے مؤلف کہتا ہے "یعنی مولود سال بسال کیا کریں"[1] شرم نہیں کرتا اظہارِ سرور سے مولود کس طرح نکلا، شاید حبور کا یہ ترجمہ کسی خانگی[2] لغت کی کتاب میں مؤلف نے دیکھا ہو گا ورنہ ایسے معنیٰ لایعنی کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا اظہار کے معنی سرور کا ظاہر کرنا ہے جس کا شارع نے امر فرمایا نہ کہ امورِ غیر مشروع

---

[1] مقتضی [2] گھریلو

کا کرنا۔ اس عبارت سے کل کو راگ، ناچ بھی مؤلف نکال سکتا ہے کیونکہ وہ بھی عرفِ فساق میں وقت سرور کے ہوا کرتا ہے۔ معاذاللہ۔

اب اگر کوئی مؤلف سے پوچھے کہ صاحبِ مجمع البحار کا یہ قول اُمِرنا بالجبر کس نص سے ثابت ہے اور کون سی نص سے امر جبور کا ہوا ہے تو مؤلف کو اس کا اثبات بھی مشکل پڑ جاویگا یہ وہی کم فہمی مؤلف کی ہے۔

سنو کہ فقط کلّ عام سے دوام ثابت ہوا نہ کہ التزام اصرار تو خوش ہو کر مؤلف کا کہنا اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے محض کم فہمی ہے۔

قولہٗ قال الطیبی الیٰ قولہٖ او منکر۔ **اقول** یہ قول طیبی کا بھی مولد شریف اور سیوم اور فاتحہ وغیرہ کی بابت ہرگز نہیں، بلکہ مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا یہ قول ہے انہوں نے فرمایا " نہ کرے کوئی تم میں سے اپنی نماز میں حصہ شیطان کا کہ اعتقاد کرے نماز میں یہ بھی واجب ہے کہ بعد سلام پھیر دینے کے نہ پھیرے مگر داہنے ہاتھ کی طرف سے اس واسطے کہ میں نے دیکھا ہے بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ سلام پھیر کر پھیر جاتے تھے اپنی بائیں طرف " پس اس قولِ صحابی کی شرح میں طیبی نے ایک حکم اپنی عقل سے نکالا کہ جس کو امیر باز خان نقل فرماتے ہیں: فیہ من اصر علیٰ مندوب الخ اس کلامِ طیبی کے معنی یہ ہیں کہ اس صحابی کے قول میں دلیل ہے اس پر جو کوئی اڑ کر بیٹھ رہا ایک امر مستحب پر اور جان لیا اس کو واجب لازم اور نہ عمل کیا رخصت پر پس تحقیق پہنچا اس کام میں شیطان پھر کیا حال ہے اس کا کہ اصرار کرے بدعت اور خلافِ شرع کام پر۔ انتہیٰ کلامِ طیبی

اب اہلِ اسلام کو فکر کرنا چاہیئے کہ کہاں کا ذکر کہاں کی بات، کیا دعویٰ کیا دلیل۔

ـــــــ

ف فاسقوں کی اصطلاح۔

مولوی امیر باز خان کے جواب کے رد کا رد

قولہ قال الطیبی الیٰ قولہ اور منکرا۔ **اقول** یہ قول طیبی کا بھی مولود شریف الخ۔ **اقول** یہ کمال نادانی مؤلف کی ہے اس واسطے کہ قرآن و حدیث و قول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہاء کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں اس کا ہی نام تفقہ[1] ہے سب ادنیٰ اعلیٰ اہلِ علم اس کو جانتے ہیں تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس کے شاہد ہیں۔ ایسا ہی طیبی نے اس قولِ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کلیہ پیدا کیا اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفیدِ حکم ہوا عبادات و معاملات میں۔ اور خلاصہ کلیہ کا یہ ہے کہ حکم شارع کا اپنا محل و مورد پر قصر کرے اس کے درجہ سے تعدی[2] نہ کرے اگر کریگا تو تغیر حکمِ شرع کا ہو جاویگا اور تغیّر حکمِ شرعی کو ہی بدعت کہتے ہیں۔ پس مؤلف کا فہمِ عالی کہ یہ کلیہ صلوٰۃ کا ہے کہاں مولود اور کہاں صلوٰۃ۔ سبحان اللہ ایسے فہم پر تحریر کتاب ہے یہ نہیں جانتا کہ تعدی حدّ اللہ اور تغیر حکم شرع اس سے ثابت ہوا اور تعدی تبدیل حکم سب جگہ بدعت ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود ہی تعدی کو اور تغیر کو ثابت کرتا ہے کہ بدعت ہے۔ مؤلف کی نہایت عجب العجاب[3] عقل ہے۔

اب ہم سے تحقیق اس کی سنو: نماز کے بعد داہنی طرف پھر جانے سے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے منع کیا اس میں دو باتیں خلافِ شرع تھیں۔ ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب اعتقاد کریگا تو ظاہر ہے کہ بدل دیگا حکمِ شرع کو۔ دیکھو تمہارے عالم مسلّم الثبوت مولوی قطب الدین خاں صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں

[1] فقہ دانی۔ [2] تجاوز [3] بہت زیادہ قابلِ تعجب۔

"سنت میں اعتقاد واجب ہونیکا نہ کرے" انتہیٰ کلامہٗ۔
دوسرے یہ کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے
معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالانکہ جو شخص داہنی طرف
سے پھر جانا واجب اعتقاد کریگا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا
موافق قانونِ شرع کے مکروہ تحریمی ٹھیریگا کیوں کہ واجب کا ترک عمداً مکروہ
تحریمیہ ہوتا ہے۔ پس اس کے اعتقاد کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھر جانا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمیہ ٹھیرتا تھا،
ان دو قباحتوں پر صحابیؓ موصوف نے منع فرمایا تھا کہ تم ایسے اعتقاد کر کے
شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا مت کرو۔ ایسی تحقیق پر طیبی نے
کلامِ صحابیؓ سے یہ بات عقل سے پیدا کی کہ جب مستحب کام کو واجب اعتقاد
کرنے سے شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے تو بدعت اور خلافِ شرع کو واجب مؤکد
جاننے اور اس پر دائمی عمل کرنے سے کیوں شیطان کا دخل نہ ہوگا۔ پس طیبی نے
بدعت اور خلافِ شرع امر کے واجب جان کر عمل کرنے پر انکار کیا ہے، یہ تو
نہیں لکھا کہ مولود شریف اور فاتحہ بدعت ہے اور خلافِ شرع ہے۔ تم نے
اس کو آپ ہی آپ خیالی پلاؤ پکا کر بدعت اور خلافِ شرع تجویز کر لیا پھر اس
کو طیبیؒ کے کلام میں درج کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے مغالطات سے دے۔

قولہٗ اب ہم سے تحقیق اس کی سنو الخ۔ **اقول** مؤلف اس تحریر
میں صاف اقرار کرتا ہے کہ داہنی طرف پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب
اعتقاد کریگا تو حکمِ شرعی بدلے گا۔ یہ پہلی بات مؤلف کی ہے۔ اور دوسری یہ کہ
بائیں طرف پھرنا بھی سنت ہے تو داہنی کو تعین کرنے میں کراہت چپ[1]

---

[1] بائیں جانب۔

کی لازم ہووے گی، تو سنت کراہت سے مبدل ہوئی یہ تبدیل حکمِ شرع کی ہوئی۔ بہرحال تبدیل حکمِ شرع کی بدعت ہوگئی۔ تو طیبی نے یہ قاعدہ نکال لیا کہ کسی حکم شرع کو تبدیل نہ کرنا چاہیئے خواہ وہ حکم کسی بابِ فقہ کا ہو۔ عبادات، عادات، اخلاق و معاملات کوئی ہو۔ اب نہایت تعجب ہے کہ مؤلف خود یہ کہہ رہا ہے اور پھر کہتا ہے کہ طیبی نے یہ تو نہیں کہا کہ مولود فاتحہ بدعت ہے اور خلافِ شرع ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ارے کورفہم[1] جب اس نے تغیرِ حکمِ شرع کو بالکل بدعت کہدیا تو فاتحہ مروّجہ جو ایک ہیئت کا ضرور جانتا ہے مباح، سنت یا واجب ہی تو جانتا ہے۔ اور علیٰ ہذا مولود کی ہیئت جو مکروہ ہے یا بدعت موجبِ ثواب اور مستحب جاننا خود تغیر حکمِ شرع کا اس میں بھی موجود ہے۔ پھر خاص نام مولود اور فاتحہ کا اس میں لینا کیا حاجت ہوئی، اور کلیہ میں کسی جزئیہ کا نام کہیں ہوتا ہے جو یہاں نہ ہوا کس قدر بلادت[2] ہے۔ العظمۃ للہ۔ انسان کلی پر حکمِ صلوٰۃ وصوم وغیرہما کا ہے عبدالسمیع کا نام اس میں کہاں ہے۔ کل کو انکار فریضہ عادات کر دینا کہ میرا نام اس میں کہاں ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ سچ ہے ایسی مغالطات سے حق تعالیٰ پناہ دیوے۔ اس میں تو تمام دین ہی برہم ہو جاویگا۔

الحاصل کیا عجب معاملہ ہے کہ خود مؤلف تغیرِ حکمِ شرع کو ثابت کررہا ہے اور آپ ہی اس قاعدہ کو بلاوجہ بابِ صلوٰۃ میں مقصور کرتا ہے اور تغیرِ حکمِ شرع کی نفی میں بحث کر رہا ہے، سبحان اللہ۔ دعویٰ اور دلیل اور تقریر مؤلف کی عجائب خانہ میں پیش کرنے کے قابل ہے۔

اب بگوشِ ہوش سننا چاہیئے کہ جو التزام امر مستحب کو کلامِ طیبی سے ضلالت میں داخل کرتے ہو یہ امر بالکل لغو اور خلافِ حق ہے۔ ہم خاص خیر القرون کے لوگوں میں اور نیز مابعد ان کے محدثین فقہاء و مشائخ اولیاء،

[1] کم عقل [2] کم فہمی

میں بہت امور مستحب اور مستحسن پر التزام ثابت کریں گے لیکن انکی قصص نگاری میں طول ہے اس لئے ہم فقط رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد پر ختم کرتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حدیث متفق علیہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احب الاعمال الی اللہ ادومہا، یعنی اللہ کو وہی عمل سب سے پیارا ہے جو سدا کو ہو وے اور کبھی چھوٹے نہیں۔

تمہارے نواب قطب الدین خان صاحب اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کہ "بسبب اس حدیث کے برابر جانتے ہیں اہلِ تصوف ترکِ اوراد کو جیساکہ برابر جانتے ہیں ترکِ فرائض کو اور ظاہر تر یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہے الخ"

اب دلیل کا تفاوت دیکھو کہ تم کلامِ طیبی سے التزامِ امرِ مستحب کو ضلالت ثابت کرتے ہو اور ہم مداومت اور التزام کو محبوب عند اللہ و عند الرسول ہونا خود صحیح حدیث رسولؐ سے ثابت کرتے ہیں ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اور کاش تم غور سے دیکھو تو معلوم کرو کہ طیبی کا کلام خلافِ حدیث نہیں کیونکہ طیبی کی مراد یہ ہے کہ اس امرِ مستحب کو واجب من عند اللہ اعتقاد کر کے التزام کرے تو وہ باطل ہے اور اس بات پر یہ دلیل نہایت قوی ہے کہ جس قولِ صحابیؓ سے طیبی نے استنباط کیا ہے اس قول میں خود شارحین وجوبِ اعتقاد مراد لیتے ہیں۔ بنائً علیہ واجب ہے کہ کلامِ طیبی میں بھی وجوبِ اعتقاد مراد لیں۔ یعنی جو کوئی مستحب کو واجب اعتقاد کر کے مداومت مثلِ واجب کریگا وہ ضلالت ہے اور جبکہ اس فعل کو واجب نہیں بلکہ ایک امرِ حسن اور مستحب سمجھ کر مداومت کرے تو وہ نہایت محمود اور مقبول ہے۔ کمافی الحدیث

اس بناء پر سمجھ لو جو لوگ محفلِ میلاد شریف یا اپنی اموات کی ثواب رسانی کو فرض واجب اعتقاد نہ کریں بلکہ ایک امرِ خیر سمجھ کر تمام عمر کرتے رہیں اور کبھی

نہ چھوڑیں شریعت میں وہ اور ان کا کام محمود اور محبوب عند اللہ ہو گا۔ رسول سچے سچے نے فرمادیا ہے "احب الاعمال الی اللہ ادومہا"۔

کون التزام بدعت ہے اور کون جائز و مستحب ہے

قولہ اب بگوش ہوش الخ

اقول مؤلف کو تو کچھ خبر ہی نہیں کہ کیا کہتا ہوں اس سبب اس کی تقریر سے استحباب کا دوام نکلتا ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ دوام اور التزام اصرار میں فرق ہے۔ جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے۔ مؤلف نے ایک مقدمہ اپنے ذہن سے تراش لیا کہ التزام مبحوث عنہ اور دوام دونوں ایک شئی ہیں، پس دلیل بنا کر مدعیٰ سمجھ لیا۔ پھر گوش ہوش سے سنئے کہ التزام جس کو بدعت کہتے ہیں وہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت مؤکدہ اعتقاد کرے یا مثل مؤکدات کے عمل درآمد کرے اور دلیل اس معاملہ کی یہ ہے کہ تارک پر اس کے مثل تارک واجب کے ملامت و شناعت ہو۔ چنانچہ اب ترک مولود و فاتحہ پر مشہود ہے اور اہتمام اس کے فعل کا واجبات جیسا ہو چنانچہ ظاہر و موجود ہے۔

بعد اس کے جو طیبی کے قول کو مؤلف حدیث سے موافق کرتا ہے وہ خود لغو کلام ہو گئی اب اپنے فہم پر گفتگو کرتا ہے اور بس۔ مگر یہاں مؤلف نے اقرار کر لیا کہ مؤلف کو واجب اعتقاد کر کے مداومت کریگا تو ضلالت ہے اور یہی مدعیٰ مجیب کا تھا مگر مؤلف مطلب نہیں سمجھا دھوکے میں بول اٹھا ہے۔ واجب جیسا معاملہ کرنا بھی واجب جاننا ہی ہوتا ہے۔

بلکہ اگر چھوڑ دیں گے تو محل عتاب ہوں گے کہ تارک الورد ملعون یعنی جس نے ایک امر خیر اپنا ورد کیا پھر وہ اس کو چھوڑ دے تو وہ ملعون یعنی

۱؎ موضوع بحث ۲؎ امور تاکیدی ۳؎ ہمیشگی

اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔

تارک الورد ملعون، یا صاحب الورد ملعون

قولہ اگر چھوڑ دیں گے تو محلِّ عتاب ہوں گے۔ الخ

اقول نہ معلوم کہ تارک الورد ملعون کونسی حدیث اور کس کتاب کی حدیث ہے۔ معاذ اللہ۔ مؤلف کے استدلالات کس قدر چربوز و بے معنی ہیں یہ اہلِ تصوف کا مقولہ "صاحب الورد ملعون" و "تارک الورد ملعون" اور اس کے ایک معنیٰ مصطلحہ ان کے ہیں کہ اس کے بیان میں طول اور کلام خارجِ مبحث ہے مؤلف اس کو استدلال میں ذکر کر کے اپنا جہل ثابت کرتا ہے۔ بھلا کہیں شرع میں وارد ہوا ہے کہ تارک مستحب کا ملعون ہو، استغفر اللہ۔ مؤلف کو کچھ آگے پیچھے کی خبر نہیں رہی اب تمام دنیا کو ملعون بنایا اور ترک مستحب کو حرام ٹھیرایا کیوں کہ لعنت حرام کام پر ہی ہوتی ہے، تبدیل حکم شرع کا کر کے خود مبدّلین[1] میں داخل ہوا اپنی تبدیلِ حکم کو حرام ثابت کیا ہے پھر جس کا انکار تھا اس کا اول اثبات کیا اور پھر اس کو اپنا ہی عقیدہ بنالیا، الٰہی توبہ۔ یہ ہذیان کہیں کسی سے نہ سنا ہوگا مگر ہاں اس قول کا دوسرا فقرہ "صاحب الورد ملعون" جو ہے اس سے سب فعل مستحسن کرنیوالوں کو اور فعل مولود کرنے والوں کو بھی مؤلف محلِّ عتاب بنادے تو شایاں اس کے علم و عقل کے ہے، معاذ اللہ تعالیٰ کیسی کج فہمی ہے۔

قولہ ھٰذا محل تذکر الذین الخ **اقول** اس کو آپ نے ظاہر نہ فرمایا کہ کس کا کلام ہے؟ طیبی کا کلام تو علیٰ بدعۃ او منکر پر تمام ہو چکا جیسا کہ مولوی اسحاق صاحب نے اس قدر عبارت طیبی کی لکھ کر آگے لکھدیا ہے۔ انتہیٰ اور ان کے شاگرد مولوی قطب الدین خان صاحب نے یہی ترجمہ مشکوٰۃ میں

---

[1] تبدیلی کرنے والے۔

اسی قدر بیان کیا ہے۔ اب یہ قول جو چلا کہ هٰذا محل تذکر الذین یصرون الخ خود معلوم نہ ہوا کہ کس کا ہے۔ بہرکیف یہ قول اگر آپکا ضمیمۂ الحاقی ہے یا کلام قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ہم کو کچھ مضر نہیں اس لئے کہ وہ انکار فرماتے ہیں ان لوگوں پر جو سیوم کے کرنے کو جمعہ اور عیدین اور فرائض پنجگانہ کی جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ ترمؤکد اعتقاد کریں۔ چنانچہ ان کی یہ عبارت آپ ہی نقل فرماتے ہیں یرونہ ارجح من الحضور للجماعۃ افسوس عبارت نقل کریں اور معنی نہ سمجھیں۔ اے حضرت اس میں کس کو کلام ہے کہ ایک امر خیر اور کار ثواب ہے کہ مستحب ہے جو کوئی اس کو واجب یا واجب سے بھی زیادہ اعتقاد کریگا لابد[1] اس کے حق میں منع کیا جاوے گا کیونکہ اس نے قاعدۂ دین بدل دیا کہ مستحب کو واجب اعتقاد کرلیا۔ لیکن یہ بات تو اس عبارت منقولہ جناب سے سمجھی گئی کہ جو لوگ اس اجتماع سیوم کو جماعت کی نماز پڑھنے سے زیادہ ترموجب اجر نہیں سمجھتے وہ اس قاعدۂ منع میں داخل نہیں ہیں پھر کیوں آپ حکم مناہی[2] کا علی العموم دیتے ہیں۔

قولہ اقول اس کو آپ نے ظاہر نہ فرمایا الخ **اقول** یہ فقرہ خواہ کسی کا ہو مطلب مجیب کا تو علی بدعۃ او منکر تک کی عبارت سے واضح ہو لیا تھا کیوں کہ انکار طیبی وغیرہ علماء کا ان لوگوں پر ہے کہ ان رسوم کو مثل جمعہ اور جماعت وعیدین کے اہتمام وملامت میں بتاتے ہیں اور وہ لوگ جملہ عوام اور مؤلف کے ہمدم خواص ہیں باقی غلط بہانے خلاف بیانی ہے اور لفظ لفظ کا جواب دینا کیا ضرور ہے، مطلب واضح ہوچکا کم فہمی مؤلف کی روشن۔ اور ہرگاہ کہ تارک وردملعون عقیدہ مؤلف کا ہے تو واجب ہونے میں کیا کوتاہی رہی مگر مؤلف کو حواس نہیں۔ فقط۔

---

[1] یقیناً [2] ممنوعات

قولہ پس ایسے مقامات میں اتقیا، توکیا عوام مؤمنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں، الی آخرہ۔ **اقول** فاسق آدمی اور مبتدع لوگوں پر کتب فقہ وعقائد میں اطلاق لفظ مومن کا آیا ہے کافران کو بھی نہیں کہتے پس وہ سب اگرچہ متبع سنت اور متقی نہ ہوں لیکن عوام مومنیں میں عندالشرع داخل ہیں۔ جب ان عوام مؤمنین کو بھی مجلس مدح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور محفل قرآن خوانی لاالٰہ الاّ اللہ پڑھنے میں شامل ہونا جائز نہ ہوا تو شاید مولوی صاحب کے نزدیک یہ باتیں کفار کو جائز ہوں گی۔ جس طرح مولوی رشید احمد صاحب کے فتویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ "یہ سب ہنود کی رسوم ہیں"۔ سبحان اللہ ع مفتی نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے۔

اور اسی طرح مسئلہ سماع میں بھی فتویٰ انکاری کے صـ۸۵ میں آپ نے (یعنی مولوی امیر باز خاں صاحب) بلند پروازی باقتضائے اسمی فرمائی ہے۔ آپ مکتوبات مجدد الف ثانی سے سند لاتے ہیں: حکی عن ابی نصر الدبوسی عن القاضی ظہیر الدین الخوارزمی مَن سمع الغناء من المغنی وغیرہ او یری فعلا من الحرام فیحسن ذلک باعتقاد او بغیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال، الی آخرہ۔

اب دیکھئے اس روایت میں چار تعمیم ہیں۔ ایک جملہ من سمع الغناء میں لفظ مَنْ عام ہے۔ یعنی جس کسی نے سنا غناء۔ واضح ہو کہ فارسی میں سرود اور عربی میں غناء اور سماع ایک معنی میں مستعمل ہیں اس اعتبار سے کہ آواز گانے والے کے منھ سے نکلتی ہے اس کو غناء کہتے ہیں اور چونکہ سنتے ہیں اس کو سننے والے اس اعتبار سے اس کو سماع کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ غناء جو دنیا دار مبتلائے نفس و ہوا بطریق لہو ولعب سے، یا کوئی اہل غلبہ سکر[1] وہیجان عشق الٰہی میں سنے آپ کی اس روایت

---

[1] مستی۔

میں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ناجائز اور حرام کچھ فرق نہیں۔ حالانکہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف میں اور فقیہ شامی نے درِّ مختار میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اور شرح سفر السعادۃ میں اور ملا جیون نے تفسیر احمدی میں فرق بیان کیا ہے۔ بطریقِ لہو ممنوع اور اہلِ دل کے حق میں سکوت اور قاضی صدر بن رشید تبریزی نے دستور القضات فتاویٰ فقہ حنفی میں جس سے مولوی اسحٰق صاحب بھی اپنی تصنیفات میں سند پکڑتے ہیں سماع کے حق میں یہ لکھا ہے ولا تنکر لہ فان لہ اربابًا والسماع لا یصح الا لمن کان قلبہ حیًا ونفسہ میتًا۔

دوسری تعمیم لفظ غناء کی ہے۔ قاموس میں لکھا ہے الغناء وکساء من الصوت ماطرب بہ۔ اور منتخب میں غناء کے معنی سرود لکھے ہیں۔ اور برہانِ قاطع میں سرود کے معنی لکھے ہیں خواندگی و گویندگیٔ مرغاں و آدمیاں۔ اور مجمع البحار میں ہے وکل صوت رفع غناء عند العرب۔ غرضیکہ محاورۂ عرب میں معنی لفظ غناء میں مزامیر کا ہونا داخل نہیں۔ ہاں البتہ اشعارِ جائزہ ہوں یا فاحشہ سب کو غناء کہتے ہیں۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے الغناء کما یطلق علی المعروف ویطلق علی غیرہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من لم یتغن بالقرآن لیس منا۔ پس حدیث شریف میں لفظ غناء کا قرآن شریف کی نسبت بھی واقع ہے اور اشعار مدح و حکمت و نعت و حمد خدا کو جو شخص خوش آوازی سے پڑھے اس کو بھی فقہاء غناء کہتے ہیں اور اس غناء کو جائز لکھتے ہیں۔ آپ کی روایت میں غناء عام رہا اور کل ناجائز اور اچھا سمجھنے والا مرتد۔ نعوذ باللہ

منہا۔ تیسری تعمیم من المغنی وغیرہ یعنی خواہ مغنی سے سنے جو قواعدِ موسیقی کے موافق تطریب وتمطیط وتشویق سے گاتا ہے یا غیر مغنی سے سنے جس کو کچھ بھی قاعدہ معلوم نہیں۔ جس طرح دو لڑکیاں حضرت عائشہ رض کے پاس گانا گاتی تھیں۔ بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے لیستا مغنیتین یعنی وہ دونوں لڑکیاں قواعد گانے کے بطور موسیقی کے جاننے والیاں نہ تھیں۔ اب آپ کی روایت کی تعمیم نعوذ باللہ منہا، دیکھئے کہاں کہاں تک جائے گی۔

چوتھی تعمیم فیحسن ذلک باعتقاد او بغیر اعتقاد یعنی اس غناء کو اور حرام کام کو اچھا کہے اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد مرتد ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ انتہٰی۔

ان چاروں تعمیمات کی جمیع شقوق کو تشریح کرنے سے دنیا میں کوئی شخص مرتد ہونے سے نہیں بچے گا مگر وہ شخص جو قرآن کو بھی صوتِ حسن اور لہجۂ پاکیزہ سے سنکر اپنی زبان کو دبائے رکھے یہ مُنہ سے نہ نکالے کہ اچھا پڑھا کیونکہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کو بھی حدیث اور فقہ میں غنا فرمایا ہے، کما فی البخاری وخزانۃ الروایات وغیرہا۔ اور آپ کی روایتِ منقولہ میں ہے "جو کوئی غناء کو سن کر اچھا کہدے وہ مرتد ہو جاتا ہے"۔ افسوس صد افسوس کہ واعظ بن گئے، مفتی بن گئے شروطِ افتاء کی خبر بھی نہیں کہ فتوی کتبِ فتاوی سے لکھا کرتے ہیں یا مکتوبات سے۔ اور پھر یہ بات کہ فتاوی میں بھی اقوال متعارضہ ہیں ان میں سے وہ قول جن کا ماخذ صحیح اور قواعد اصول کے مطابق ہوں اختیار کرتے ہیں دوسرے کو نہیں۔ اور جس قول کے اختیار کرنے میں ایک جہان کی تفسیق وتذلیل یا کسی مردِ مسلمان کی تکفیر لازم آوے اس سے احتراز کیا کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی نظر کیا

لے فاسق اور گمراہ بنانا

کرتے ہیں یہ حرام لعینہٖ ہے یا لغیرہٖ اور حرام لغیرہٖ کو حلال کہنے والا کافر نہیں ہوا کرتا۔ یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہے۔

اور آپ نے جو روایت نقل کی تو کیا نقل کی حکی عن ابی نصر الدبوسی۔ لفظ حُکِیَ خود ماضی مجہول ہے اس کا حکایت کرنے والا معلوم نہیں پھر ایسی مجہول روایتوں کو مقامِ افتاء میں لینا کس قدر رسم المفتی سے جہالت ہے۔

اب التماس یہ ہے کہ جس طرح آپ اس روایت کو فتویٰ انکاری میں اس غریب پر رواں کر چکے اور یہ لکھا ہے کہ اس کے ایمان ہی میں خلل ہے پھر نماز اس کے پیچھے کیسے جائز ہوگی، اب اسی طرح صاحبِ مکتوباتِ مجددیہ پر بھی اس روایتِ مکتوباتِ مجددیہ کو متوجہ فرمائیے۔ اور ان کا ایمان اپنے فہم ردی کے موافق خلل سے سنبھالیئے۔ جلد اول مکتوب دو وبست وہشتاد و پنجم میں لکھتے ہیں:

"سماع و وجد جماعہ را نافع است کہ بتقلیبِ احوال متصف اند"

پھر سات سطر کے بعد لکھتے ہیں:

"قسمے از منتہیان اند کہ سماع باوجود استمرارِ وقت ایشاں را نیز نافع است"

پھر انیس سطر کے بعد لکھتے ہیں:

"باوجود برودت میل عروج دارند دریں صورت سماع ایشاں را سود منداست حرارت بخش ہر زماں بمدو سماع ایشاں را عروج بمنازل قریب میسر میشود الخ"

اب فرمایئے اس سے زیادہ اچھا کہنا سماع وغناء کا کیا ہوگا کہ اس سے عروج منازل قربتِ الٰہی ثابت کرتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ یہاں حضرت مجدد

تعریفِ سماع کرتے ہیں اور دوسری جگہ برائی سماع کی لکھتے ہیں تو اعتقاد ان کا برائی پر ہے نہ کہ تحسین پر۔ جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری جگہ برا کہنا ہرگز نفع نہ دیگا۔ جب تم روایتِ تعمیم ان سے نقل کر چکے کہ جو آدمی اچھا کہے سماع غنا کو اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد فوراً مرتد ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت کے کسی غریب آدمی نے محفلِ سماع کو اچھا کہا اس معنی کر کہ وہ اہلِ تصوّف سے ہے حرارتِ آوازِ نغمات سے اس کی روحِ ایمانی کو ترقیق ہوکر اس کے اتصال سے روحِ انسانی متأثر ہوتی ہے اس پر آپ حکم مرتد ہونیکا لگا دیں اور اس کے ایمان میں خلل بتا دیں اور مجدد صاحبؒ نے بھی وہی بات یعنی نافع ہونا سماع کا اور عروجِ منازلِ قربِ الٰہی حاصل ہونا بیان کیا، ان کو آپ لکھتے ہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور ترجمہ ان کی روایت کا لکھ کر لکھتے ہیں: انتہیٰ، ترجمہ کلام امام ربانی۔

یہ کیا بے انصافی ہے ایک تو تعریف سماع کی کرکے مرتد ہو گیا، ایک امام ربانی علیہ الرحمۃ بنا رہا۔ خیر امام ربانیؒ کو چھوڑ کر اب اپنے مجتہد مولوی اسماعیل صاحب کا ایمان سنبھالو۔ صراطِ مستقیم میں جو مؤیداتِ عشقِ الٰہی کو بیان فرماتے ہیں لکھتے ہیں:

"از جملہ مؤیدات آں استماعِ الحانِ خوش، آوازِ دل کش و قصصِ شوق آمیز و اشعارِ عشق انگیز است۔"

اب دیکھئے معنی غناء کے ہم کتب معتبرہ لغات سے لکھ چکے پھر اشعارِ عشق انگیز کو جب اصواتِ دلکش اور الحانِ خوش میں پڑھیں گے یہ سننا ہو گیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب حسبِ ہدایت اپنے پیر سید احمدؒ کے اس غناء کو مؤیداتِ عشقِ الٰہی میں شمار کرتے ہیں یہ غناء کی تعریف ہو گئی پھر ان آوازوں کو خوش کہنا اور دل کش کہنا یہ بھی تعریف ہے۔ اب مولوی

اسماعیل صاحبؒ کہیں دوسری جگہ برائی سماع و غناء کی لکھدیں تو مفید نہ ہوگی یہاں تو تعریف لکھی۔ اور ابوالنصر دبوسی کی روایت فیحسن ذالک باعتقاد او بغیر اعتقاد بالضرور ان پر چل جاوے گی ۔ اب مولوی اسمٰعیلؒ صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیزؒ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ سماع اور غناء کو درست فرماتے ہیں۔ وسیلۃ النجات یعنی دس سوالات مسئولہ شاہ بخارا کے جواب میں فرماتے ہیں، جواب سوال ثامن آنکہ قال السرخسی فی البدیع والسماع فی اوقات السرور تاکیدا للسرور مباح ان کان ذالک السرور مباحاً کالغناء فی ایام العید وفی العروس و فی وقت مجئ الغائب ووقت الولیمۃ والعقیقۃ وعند الولادۃ والختانۃ وحفظ القرآن۔ انتہیٰ۔

کلامِ شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی جواز سماع و غناء صاف ظاہر ہے اب فقہاء رحمہم اللہ کی خبر لو۔ درمختار کی کتاب الشہادۃ میں مسئلہ غناء اس طرح لکھا ہے ومنھم من اباح مطلقا ومنھم من کرھہ مطلقاً۔ یعنی علماء اہلِ سنت میں بعضوں نے غناء کو مباح رکھا، مطلقاً اور بعضوں نے مکروہ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ علماء جن کا قول درمختار میں اباحت کے لئے منقول ہے کیا وہ مرتد نعوذ باللہ منہا۔ اور مجدالدین صاحبِ قاموس نے سفرالسعادت میں لکھا ہے:

"دربابِ ذمِ سماع حدیثے وارد نہ شدہ" انتہیٰ

اب ان فقہاء کرام کو کیا کہو گے۔ دستورالقضاۃ میں ہے:

"مَنْ انکر السماع مجملاً فقد انکر علیٰ سبعین صدیقاً"

اور صاحب قاموس بالکل سماع کی مذمت یعنی کراہت تک ثابت نہیں کرتا۔ اور ابومحمد بن حزم جو متأخرین و محدثین میں ایک بڑا فاضل محدث گذرا ہے۔ وہ صاحب قاموس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ ندامیں

تک کو اس نے مباح اور جائز قرار دیا پھر بھی ان دونوں عالموں کو مرتد اور کافر نہیں کہتے۔ امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں اس قدر اس کو لکھا ہے لم یصیب ابو محمد بن حزم الظاھری اور دو سطر کے بعد لکھا وھذا خطاء من ابن حزم یعنی ابو محمد ابن حزم جو مزامیر ملاحی کو علی الاعلان مباح کہتا ہے یہ اس کی رائے صواب نہیں یہ خطا ہوئی ابن حزم سے پس اس کی خطاء کے تو قائل ہوئے۔ لیکن اس کو کافر مرتد فاسق فاجر نہ لکھا۔ پہلے صلحاء تو اس قدر زبان کو سنبھالیں، تم ایسے بے ساختہ لوگوں کو ایمان کی گھاس کی طرح کاٹتے چلے جاتے ہو۔ بے شک سچ فرمایا ہمارے نبی کریم مخبر صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں حکم سنیہ علماء دین سے نہ کھینچ لیگا بلکہ علماء کاملین حق شناس مرجائیں گے تب آدمی اپنا سردار جاہلوں کو بنالیں گے ان سے مسئلہ پوچھیں گے فافتوا بغیر علم فضلّوا و اضلّوا یعنی وہ جاہل مفتی فتویٰ دیں گے بغیر علم اور بغیر دریافت کُنہ پس خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے۔

اے بھائی اگر مفتی بننا چاہتے ہو تو شرطیں افتاء کی پیدا کرو رسم المفتی سے آگاہ ہو اور احکام کے ماخذ پہچانو اور خدا کا خوف دل میں رکھو یہ نہیں کہ خلقت کو مرتد بناؤ اور آپ بڑے ولی صالح بن بیٹھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ۔ اور اسی طرح آپ حقہ کے مسئلہ میں حقہ کی برائی کرنے کے لئے معنی قرآن کے ایجاد کرکے خود مستحق عذاب ہوگئے کیونکہ آپ رسالہ انکار القلیان مطبوعہ ہاشمی کے صـ۳ میں لکھتے ہیں: یوم تأتی السماء بدخان مبین یغشی الناس یعنی لاویگا آسمان دھواں ظاہر ہے کہ آسمان سے مینھ برسے گا اور اس سے ایک درخت پیدا ہوگا کہ وہ

لوگوں کو حاوی ہوگا، یعنی بہت سے حُقہ نوشی کے وقت میں اس کے اندر پھنسیں گے۔ فرمایا ھٰذا عذاب الیم یہ عذاب درد دینے والا ہے کہ مزہ اس کا کڑوا ہے اور آخرت میں باعث ماخوذگی کا ہے الیٰ آخرہٖ

اب خیال کرنا چاہیئے کہ اس وقت ہماری نظر میں تفسیر کثیر اور کشاف روح البیان وغیرہ چند تفسیریں پہلی اور پچھلی ہیں کسی نے یہ معنی نہیں لکھے بلکہ مفسّر دو طرف گئے ہیں، بعض کہتے ہیں قربِ قیامت میں ایک دھواں آویگا وہ تمام دنیا میں بھر جاویگا اور چالیس روز رہے گا، یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضؓ کا ہے اور ابن عباس رضؓ کا قول مشہور یہی ہے۔ اور بعضے اس طرف گئے ہیں کہ جب قریش تکذیب کرنے لگے تب ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تب یہ دخان نظر آیا، یعنی قحط سالی شدید طاری ہوئی اور کافروں نے مردار اور کتّے اور ہڈیاں اور بال بھیڑ اور بکریوں کے اور خون وغیرہ کھایا تب زمین و آسمان کے بیچ میں ان کی آنکھوں کے آگے دھواں نظر آتا تھا، یہ قول ابن مسعودؓ اور مقاتل اور مجاہد وغیرہ کا ہے۔ جس کا جی چاہے تفسیریں زبانِ عربی و فارسی و ہندی اردو کی نکال کر دیکھے کسی نے حقہ مراد نہیں لیا۔ پھر اس شخص نے جو معنی قرآن کے بگاڑ دیئے تو کچھ کسی کا نقصان نہیں کیا اپنا ہی ٹھکانہ دوزخ میں کیا حدیث میں ہے مَن قال فی القراٰن برائہٖ فلیتبوّءْ مقعدہٗ مِن النّارِ۔ جو کوئی قرآن میں اپنی رائے سے معنی نکالے اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کرے۔ بھلا یہ صاحب خدا کا خوف تو کیا کرتے، خدا سے بڑے دیندار ڈرا کرتے ہیں انھوں نے آدمیوں کی شرم بھی نہ کی کہ کوئی مجھ کو کیا کہیگا کہ آیۃ میں ھٰذا عذاب الیم کا یہ ترجمہ لکھتا ہوں کہ مزہ اس کا کڑوا ہے۔ اے باشعور بہتیری چیزیں دوا اور غذا میں کڑوی ہیں مثلاً کریلا، شاہترہ

چرائتہ، رسوت، ایلوہ۔ ان چیزوں کے کھانے والے سب عذاب الیم
میں گرفتار ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ شرم نہ آئی جب قرآن پڑھنے والا اس
آیت کو پڑھیگا ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون۔ یعنی اے پروردگار
کھول دے ہم سے اس عذاب کو ہم ایمان لاتے ہیں۔ دیکھو مفسرین نے
جو بیان کیا ہے اس سے تو اس دعاء کو مناسبت ہے کیونکہ جب وہ قحط
پڑا تھا تب ابوسفیان نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کرائی تھی کہ خدا
اس دخان کو دفع کردے۔ اور جو لوگ قرب قیامت کا دھواں مراد لیتے ہیں
اس قول پر بھی یہ دعاء صحیح ہے کہ آدمی اس دن گھبراکر دعاء کرنے لگیں گے کہ
اے پروردگار کھول دے ہم سے یہ عذاب دخان کا۔ لیکن یہ جو تم نے معنی کئے
ہیں کہ دخان سے مراد آیت میں حقہ کا دھواں ہے اول تو پینے والوں کو دخان
حقہ سے ہرگز تکلیف نہیں پہنچتی جو اس سے گھبراکر بول اٹھیں ھٰذا عذاب
الیم یعنی یہ عذاب ہم کو درد دینے والا ہے۔ ان کو تو تخفیف ریاح اور قبض
کشائی کا فائدہ دیتا ہے جو دردِ شکم کو زائل کرے اس کو اس طرح کہنے لگیں
کہ یہ درد پیدا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حقہ پینے والے مسلمان، ہندو، مجوس
یہود و نصاریٰ ہر قوم کے آدمی موجود ہیں کوئی بھی یہ دعاء نہیں مانگتا ربنا
اکشف عنا العذاب انا مؤمنون یعنی اے رب کھولدے ہم سے یہ عذاب
دخان اب ہم ایمان لاتے ہیں۔ پھر کیا سمجھ کر یہ آیت حقہ کی شان میں بیان
کی۔ پھر صہ ۶ میں دوسری آیت کے معنی بدل دیئے جہاں یہ لکھا ہے
کہ حقہ نوشی سے دل سیاہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب دھواں تابہ اور کڑاہی پر
جالگتا ہے تو وہ سیاہ ہو جاتی ہے، جب یہ دھواں حلق اور جگر اور دل اور
انتڑیوں پر پہنچا تو وہ کیسے سیاہ نہ ہو جائیں گی۔ ولنعم ما قیل ؎

حقہ نوش را قلب سیاہ است ٭ اگر باور نہ داری نے گواہ است

اسی کا اشارہ فرمایا حکیم علی الاطلاق نے کلاّ بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون ایسا نہیں جو یہ کہتے ہیں بلکہ زنگ لگا دیا یعنی سیاہی جمادی ان کے دلوں پر اس چیز نے کہ دور کرتے مثل حقہ نوشی اور دھواں کشی کے، الیٰ آخرہٖ۔ میں کہتا ہوں کیا عمدہ شعر آپ سند میں لائے۔

ع کہ حقہ نوش را قلبِ سیاہ است۔ کوئی پوچھے کہ یہ کاف کیسا اور حقہ نوش کیا لفظ ہے محاورۂ ایران و توران میں تو قلیاں کشیدن ہے حقہ نوشیدن۔ ایک لفظ ہندیوں کا گھڑا ہوا ہے فارسی بولنے کو دل چاہے ان کی بولی سے خبر بھی نہیں قطع نظر اس سے لفظ حقہ نوش کے آگے جو لفظ "را" آیا ہے یہ علامتِ اضافت ہے کیونکہ قلب مضاف مؤخر اور حقہ نوس مضاف الیہ مقدم ہے اور لفظ سیاہ خبر اور است حرفِ ربط، یعنی حقہ نوس کا دل سیاہ ہے۔ خیال کرنا چاہیئے جب را علامتِ اضافت آچکی تو پھر لفظِ قلب پر کسرہ بے قاعدہ کیوں ہے۔ اور اگر کسرہ نہ پڑھو گے قاعدہ کے پابند ہوکر تو وزنِ شعر صحیح نہ ہوگا، سبحان اللہ۔ کیا کیا خوبیاں بھری ہوئی ہیں، پھر قیاس کیا عمدہ[۵] اگر باور نداری نے گواہ است۔ نیچہ کی سیاہی سے دل کی سیاہی ثابت کرنا کمالِ قوتِ نظری کی دلیل ہے، اس طرح آپ نے بھی دل کو توے اور کڑاہی سے نظیر دی ہے۔ اے حضرت دل ایک ٹکڑا گوشت کا ہے تر و تازہ، اس کو توے، کڑاہی اور نیچہ سے کیا نسبت، ہاں مناسبت یہ ہے کہ حقہ نوشوں کے لب اور زبان، تالو اور کوا اور گلا دیکھا جاوے کیوں کہ اعضا، گوشت کے ٹکڑے ہیں تر و تازہ مثل قلب کے اور اول دھواں لب و زبان و دندان کو لگتا ہے پیچھے دل کو، جب یہ اعضا حقہ نوشوں کے سیاہ نہ ہوئے بلکہ اسی طرح شاداب اور پُر رونق ہیں جس طرح اور سب آدمیوں کے، تو معلوم ہوا کہ دل بھی ان کا ویسا ہوگا جیسا سب کا دل ہے، یہ تو آپ کی

دلیلِ عقلی کا حال ہے، اب دلیلِ نقلی کا حال سنئے، حقہ کی مذمت میں آیت لائے کلّا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون جو کوئی کچھ بھی عربی پڑھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ قلوبھم میں ھُم کی ضمیر راجع ماسبق کی طرف ہے اور اوپر ذکر ان لوگوں کا ہے الذین یکذّبون بیوم الدین یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کو کہہ دیتے ہیں اساطیر الاوّلین یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں اور قصے بنائے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے کلّا یعنی یوں نہیں جو یہ سمجھتے ہیں بل رانَ علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون بلکہ زنگ پکڑ لیا ہے ان کے دلوں پر وہ جو کماتے ہیں، یعنی اعمال و عقائد۔ اب یہاں آپ نے دو خطائیں عظیم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار میں حقہ نوشوں کو داخل کیا، اور داخل بھی کیسا کہ حصر کردیا۔ آپ نے یہ لفظ لکھے ہیں کہ اسی کا اشارہ فرمایا ہے حکیم علی الاطلاق نے کلّا بل رانَ علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون سے۔

واضح ہو کہ ہماری زبان میں لفظ اس اور اسی میں فرق ہے۔ اس کا لفظ حصر کے واسطے نہیں۔ اور اسی کا واسطے حصر کے ہے۔ تو مطلب حسب تحریر آپ کے یہ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس آیت میں کسی کفر اور فسق کی طرف نہیں اللہ تعالیٰ نے اس میں بس اسی کا اشارہ کیا ہے کہ حقہ نوشوں کے دل پر دھوئیں کی سیاہی جم گئی۔

دوسری غلطی یہ کہ وہ جو کفار کے دل پر زنگ جم جاتا ہے جس کا ذکر اس آیت اور احادیث میں بھی آیا ہے وہ زنگ اور وہ سیاہی محسوس ظاہری نہیں ہوتی۔ اور قلب کے دو معنی ہیں ایک تو یہ ٹکڑا گوشت کا صنوبری بشکل غنچہ۔ اور دوسرے معنی یہ کہ قلب ایک لطیفہ ہے عالمِ امر ہے، قلبِ حقیقی وہی ہے، افعالِ نیک و بد کی تاثیر اسی میں ہوتی ہے نہ کہ قلب پارۂ گوشت

میں۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت تفسیر عزیزی میں دیکھنی چاہیئے کہ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ہر فعل بد ہیئتِ ظلمانیہ در لطیفۂ قلب احداث می کند نہ آنکہ بریں مضغۂ صنوبری زنگے محسوس نمودار می شود زیرا کہ ایں مضغۂ صنوبری قلبِ حقیقی نیست"۔ انتہیٰ

مفسرین تو اس آیت میں زنگ سے ظلمتِ معنوی مراد لے رہے ہیں اور آپ ہی خانِ تمباکو کی۔ چنانچہ آپ انکار القلیان کے صہ ۶ میں لکھتے ہیں "اُس دھوئیں کا داغ دل پر سے نہیں جاتا سوائے توبہ کے"۔ اور نیز مفسرین دل سے مراد وہ دل لیتے ہیں جو ایک لطیفۂ غیبی ہے۔ اور آپ دل سے مراد یہی گوشت کا ٹکڑا لیتے ہیں۔ عبارت آپ کی یہ ہے: "جب دھواں حلق اور جگر اور دل اور انتڑیوں پر پہنچا تو وہ کیسے سیاہ نہ ہوجائیں گی"۔ انتہا

اب حقہ کا مسئلہ سنئے حقہ کی حرمت تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ توڑ چکے فرمایا کہ حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اب دو قول باقی رہ گئے: شاہ صاحب مکروہ ہونے کے قائل ہوئے اور بہتیرے علماء مثل بحر العلوم و علامہ شامی وغیرہ اس کے مباح ہونے پر فتویٰ دیتے ہیں۔ بھلا حقہ نوشوں کے لئے تو اباحت تک کے بھی اقوال موجود ہیں۔ تم نے جو قرآن میں معنیٔ عقلی بے محل مرادِ الٰہی کے برخلاف اور عقل و نقل کے خلاف تجویز کئے یہ تو حضرت بغیر دوزخ کی آغوش دکھائے آپ کو نہ چھوڑیں گے، اگر آپ نے اس سے توبہ نہ کی۔ ہم حدیث نقل کرچکے مَن قال فی القرآن برایہٖ فلیتبوّأ مقعدہٗ مِن النّارِ۔ اور تماشہ یہ آپ واعظ بنے، مفتی بنے، مفسر بنے اب شاعریت میں بھی دم مارا کہ اسی رسالہ کے آخر میں لکھا قصیدہ حقہ کی مذمت میں، جس کا مقطع یہ ہے ؎

اب تم بھی بولو سب کے سب بالاتفاق سے ۔۔۔ ہم بھی کہیں گے اب تو کہ حقہ حرام ہے

اس کا نہ قافیہ صحیح نہ وزن صحیح نہ محاورہ نہ ترکیب ذرا ذرا سے بچہ بھی اس قصیدہ کو پڑھ کر قہقہہ مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ؎

عربی نہ فارسی نہ ترکی ؛ تال کی نہ سم کی نہ سُر کی

لکھ لکھ واہی تباہی پُر کی ؛ تھی جو کتاب اُس لاکر کی

خیر یہ دو تحریریں بابت سماع اور اباحت حقہ کے استطراداً مولوی امیر باز خاں صاحب کے ذیل میں آگئیں۔ اب ہم اس نہی عن المنکر سے عنداللہ بریٔ الذمہ ہو کر اصل مبحوث عنہا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تنبیہ :۔ یہ سب صاحبوں کو اعلان دیا جاتا ہے کہ یہ جو خیرات مبرات اور باقیات صالحات یعنی محفلِ میلاد سرورِ کائنات اور فاتحات اموات سلف صالحین سے اس وقت تک جاری ہیں اگر حضرات مانعین ان امور کی تشنیع و تقبیح میں اپنے جرگۂ مخصوص کی مہروں سے فتوےٰ پے درپے چھاپ کر اس خیرات و حسنات کو لوگوں سے چھڑوانا چاہیں تو یہ خیالِ خام اور سودائے نافرجام دل و دماغ سے دور رکھیں یہ نہ ہوگا کہ تمہارے رسائلِ لاطائل[1] کا کوئی جواب نہ دے ورنہ یہ ہوگا ان امور صالحہ متوارثہ کو تمہاری ژاژخائی[2] سے کوئی چھوڑ دے علی الخصوص محفلِ میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین سے کب چھوٹ سکتی ہے۔ دیکھو کافروں نے چاہا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر و مجنون کہہ کر آپ کا دین اور آپ کا نام دنیا میں نہ چلنے دیں، اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا یریدون لیطفؤا نورَ اللہِ بافواھھم واللہُ مُتِمُّ نورِہٖ ولو کَرِہَ الکافرون۔ یعنی چاہتے ہیں کافر کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو مُنہ سے کچھ بک بک کر، حال یہ ہے کہ اللہ تو پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو پڑے برا مانا کریں کافر۔

پس اسی بنا پر ہمارے دل میں تصدیق ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور نام اور دین کو سدا جاری رکھے گا۔

[1] ضمناً۔ [2] بے ہودہ گوئی

واضح ہو کہ یہاں تک جو کچھ مفتیانِ فتویٰ انکاری کے خلل و زلل تھے بیان کئے گئے۔ اب بیان کیا جاتا ہے کہ سلف صالح نے ان امور صالحہ کو کیوں جاری کیا تھا؟۔

قولہ اقول فاسق آدمی اور مبتدع الخ

اقول مؤلف کے فہم پر صدآفرین۔ مجیب نے جو ان مواقع میں حاضر ہونے کو منع کیا ہے تو بوجہ حضور فساق و بدعات[1] کے منع کیا ہے۔ کہ کوئی مؤمن نہ جاوے کسی کو جانا درست نہیں بوجہ ذکر فخر عالمؐ اور کلمۂ طیبہ اور قرآن کے۔ سبحان اللہ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا فلا تقعدوا بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین الآیۃ۔ جہاں کوئی منکر ہو اگرچہ مختلط[2] بذکرِ مستحب ہو وہاں جانا منع ہے اور قاعدہ مقررہ فقہ کا ہے اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام اسی واسطے ردّ دعوتِ مسنونہ کا حضورِ منکر کے سبب کتب میں لکھا ہے، پہلے اس کا حال لکھا گیا۔ پس اب مؤلف اعتراض حق تعالیٰ پر اور فخر عالم علیہ السلام پر اور سب فقہاء پر کرے کہ جب مسلمان ضیافتِ مسنونہ میں نہ جاویں تو کیا کافر جاکر سنت ادا کریں گے، معاذاللہ۔

اور سابق میں گذر چکا کہ حضرت فخر عالمؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے ترکِ دعوت کر کے لوٹ گئے اور ابوالدرداءؓ نے ردّ دعوت کر دیا۔ اور فقہاء کی خود مشہور ہیں اور نوافل میں جو تداعی جماعت اس میں شرکت کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے یہ سب واضح ہے مگر مؤلف پر سوءِ فہم ختم ہو لیا، توبہ توبہ۔

علیٰ ہٰذا مولوی رشید احمد صاحب نے جو رسم ہنود کہا ہے تو تعین اجتماعِ برادری روز سیوم کو اور طعام سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھانے کو کہ یہ رسم ہنود ہے نہ کہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کو۔ چنانچہ اس کے کلام مابعد میں موجود

---

[1] بدعت کی جمع [2] یعنی وہاں پر امر مستحب اور امر ممنوع دونوں کا اختلاط ہو رہا ہو۔

ہے کہ لکھتے ہیں " البتہ ثواب پہونچانا بلا قید روا ہے۔ مگر مؤلف اپنے فہم سے ناچار ہے، لھٰذا اگر ایسے کلام خبط سے مرفوع القلم کیا جاوے تو بجا ہے باقی کلام تشبہ کی نور سوم میں آتی ہے، بعد اس کے جو کلام سماع اور رقعہ میں مؤلف نے کی ہے یہ بحث خارج از مبحث ہے، اس میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں۔ مع ہٰذا اپنے مشرب کے بھی یہ تحریر خلاف ہے۔ فقط المنۃ للہ کہ براہین دوم نے نور ثانی کے باطلات کو مطموس کر دیا اور ظلمات مخفی اس کی مبرہن ہو گئی۔

نور سوم میں چھ لمعے ہیں۔ **لمعہ اولیٰ** در بیان جواز فاتحہ بر طعام وشیرینی۔ جو عبادت زبان یا جوارح وارکان انسان سے صادر ہو اس کو عبادتِ بدنی کہتے ہیں جیسے قرآن یا تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھنا۔ اور جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادتِ مالی کہتے ہیں جیسے روٹی، گوشت روپیہ، پیسہ، کپڑا وغیرہ راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ دونوں طرح کی عبادت کا ثواب اگر کسی کو بخشنا چاہیں تو پہنچتا ہے کتاب ہدایہ میں ہے ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ بغیرہ صلوٰۃ او صوماً او صدقۃً وغیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ۔ یہ ہدایہ علم فقہ میں نہایت درجہ معتبر اور مشہور کتاب ہے۔ اور شرح عقائد نسفی میں ہے وفی دعآء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفعٌ لھم خلافاً للمعتزلۃ۔ یہ کتاب عقائد کی کتابوں میں مشہور درسی معتبر کتاب ہے اور یہ مسئلہ بہت حدیثوں سے ثابت ہے۔ تذکرۃ الموتیٰ میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں " لھٰذا جمہور فقہاء حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بمیت می رسد"
اور لکھا ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں واسطے عبادتِ بدنی کے

لے جائز ۲ے مجبور ۳ے غیر مکلف ۴ے بجھا دینا۔

"فذهب ابوحنیفة واحمد وجمهور السلف الیٰ وصولها" الخ

قولہٗ نوز سوم الخ ۔ **اقول** دونوں قسم کی عبادت کا ثواب حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک پہنچتا ہے۔ مگر شافعی و مالک بدنی کے وصول ثواب کے منکر ہیں۔ پس اس کے منکر کو عموماً معتزلہ کہنا سعادتمندی ہے۔ اس ہی واسطے شراح ہدایہ اس تعمیم ظاہری ہدایہ میں تاویل کرتے ہیں۔

پس اس بنا پر یہ عادت اکثر اہلِ اسلام کی ہے کہ جب کسی میت کے نام سے کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد اور درود شریف پڑھ کر دعاء اس میت کے لئے کرتے ہیں اور خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا اور یہ جو کچھ خیرات دیجاتی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے عوام میں اس کا نام فاتحہ ہے، یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے، اصل میں فاتحہ نام ہے الحمد شریف کا چونکہ الحمد اسوقت پڑھی جاتی ہے اس لئے کل عمل کا نام فاتحہ قرار پایا یا تسمیة الکل باسم جزئیہ۔ اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ، مرسومہ رکھا ہے۔ اب اس فاتحہ میں دیکھنا چاہیئے کہ جو کچھ درود دعاء، الحمد پڑھی گئی یہ عبادت بدنی ہے وہ ثابت الاصل، اور جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دیجاویگی وہ عبادت مالی ہے، وہ بھی فقہ، حدیث، عقائد سے ثابت ہے۔ ان دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہونچایا جاتا ہے۔

قولہٗ پس اس بنا پر الخ۔ **اقول** عرف میں بطور مجاز[1] متعارف فاتحہ مطلق ایصال ثواب کا نام ہوگیا ہے، اگرچہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے اور خالص مال کا ہی ثواب ہو۔

---

[1] لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا

پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں اس کے کیا معنی؟ اگر یہ کہو کہ عبادتِ بدنی جدا کرو اور عبادتِ مالی جدا لیکن دونوں کا جمع ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتیِ شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لئے کہ اس میں گوشت ہے، گوشت حلال چیز ہے اور برنج ہے وہ بھی حلال اور رنگت زعفران کی جو بعض برنج پر ہے وہ بھی حلال پس مجموعہ ان مباحات کا مباح ہے۔ تو اس کے جواب میں کوئی بیہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جاوے کہ صاحب یہ سب جدا جدا تو بے شک ثابت ہے لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں دکھاؤ یہ حرف کہاں لکھے ہیں کہ بریانی کھانا درست ہے۔ پس جس طرح اس بے ہودہ کو سب عقلاء خفیف العقل[1] اور قابلِ مضحکہ جانیں گے اسی درجہ میں ان صاحبوں کی یہ بات ہے علاوہ بریں جس طرح اثباتِ جمع کو موقوف رکھتے ہو وجودِ روایت پر اسی طرح چاہئے منع کو بھی موقوف رکھو وجود روایت پر۔ یعنی اگر عبادت مالی و بدنی جمع کرنے میں کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں آئی ہو تو منع کرو ورنہ تم کو سکوت چاہیئے، حالانکہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں جمع بین العبادتین میں نہیں آئی، اگر آئی پیش کرو ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔

قولہٗ پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں الخ۔ **اقول** فی الواقع مؤلف معنی سے بے خبر ہے اس کو بتلانا چاہیئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ طعام کو روبرو رکھا جاوے اور اس کو رکھ کر قرآن پڑھا جاوے اور ملان اپنی زبان سے ثواب پہنچاوے اور بدون اس کے ایصالِ ثواب طعام کا نہ ہو یہ ہیئت کہیں قرونِ ثلاثہ میں ثابت نہیں بدعت ہے۔ یہ معنی پھر مؤلف نے اس

[1] کم عقل

کے خود اپنے ذہن میں تجویز کیئے کہ مرکب کرنا مالی، بدنی کا مراد ہے سو یہ غلط ہے بلکہ یہ ہیئتِ حاصلہ مراد ہے نہ کہ نفسِ ترکیب کہ ہیئتِ حاصلہ میں تشبہ ہنود کا بھی ہے اور تقلید مطلق کی بھی ہے، چنانچہ واضح ہوجاویگا۔

اور پھر مؤلف نے مثال بریانی کی لکھی کہ سب اجزاء اگر اگر مباح ہیں تو مرکب بھی مباح

> مرکب کی ہیئتِ ترکیبۂ حرام ہوگی تو مرکب کا حکم بدل جاویگا، اگرچہ تمام اجزاء مباح ہوں۔

ہوگا اور یہ مثال خود مخدوش ہے کیونکہ اگر سب اجزاء مباح سے ترکیب ہو اور پھر ہیئتِ حاصلہ بھی مباح ہو اس وقت اباحت ہوتی ہے۔ اور اگر ہیئت میں کراہت یا حرمت آجاویگی تو مرکب کا حکم بدل جاویگا جیساکہ بریانی ہے کہ بعد ترکیبِ مباحات کے ہیئت بھی مباح حاصل ہوئی ہے اگر اس ترکیب میں زعفران کا سکر ظاہر ہوجاوے تو بسبب مسکر[1] ہونے کے حرام ہوجاویگی حالانکہ یہ اجزاء سب مباح تھے، تمر[2] اور پانی دونوں کا نبیذ بنا دیا جاوے بعد کف[3] دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہوگیا۔ علیٰ ہٰذا فاتحہ میں طعام و قرآن کی ہیئت ترکیب میں جو تشبہ حاصل ہوا اور تقلیدِ مطلق گویا بدعت و مکروہ ہوگیا۔ اگر مؤلف کو فہم نہ تھا تو کسی سے پوچھ لیتا مگر اس کو تو خود رائی خود پسندی نے ذلیل کرایا، خود نخیف العقل قابلِ مضحکہ بات کرتا ہے۔ اور منع ہونے پر اس ہیئت ترکیب فاتحہ کی نص جو طلب ہے تو سنو ایاکم[4] ومحدثات الامور (الحدیث)۔ من[5] تشبہ بقوم فھو منھم (الحدیث) اس سے چشم روشن کرو اور شرح آگے آتی ہے، اور اپنے اس دعویٰ کو کہ کوئی ممانعت جمع بین العبادتین کی نص نہیں محض کم فہمی سمجھو کہ کلام اس ہیئت ترکیبیہ میں ہے کہ اس کا کوئی امر غیر مشروع پیدا ہوجاوے نہ کہ مطلق ترکیب میں۔ پہلے آدمی کلام کو سمجھے پھر بولے ورنہ خوار ہوتا ہے۔

---

[1] نشہ آور [2] کھجور [3] جھاگ [4] یعنی الگ رہو اور بچو نئی باتوں سے۔

ہم تو جمع بین العبادتین کے لئے قواعد عقلی اور نقلی شرع شریف سے پیدا کردیں گے۔ ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو اصل اباحت ہے دوسرے یہ کہ سعادتِ عبد عبادتِ معبود میں ہے ماخلقتُ الجنّ والانسَ الاّ لیعبدون۔ اور عبادت بعضی زبان سے ہے، بعضی اعضاء بدن سے بعضی مال سے۔ پس جو کوئی ہر قسم کی عبادت کریگا اتنا افضل ہوگا ایک عبادت والے سے، شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحفہ جناب باری میں گذارا یہ لفظ تھے التحیات للہ والصلوات والطیبات۔ مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ: اللہ کے واسطے ہیں سب تعریفیں جو زبان سے ادا ہوں، اور جو عبادتیں بدنی ہیں اور عبادتیں مالی ہیں۔ پس جبکہ تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے واسطے خاص ہوئیں تو زہے قسمت اس شخص کی کہ ان تینوں کو ادا کرے، فاتحۂ مرسومہ میں یہ بات حاصل ہے، جب کہا الحمد للہ ربّ العٰلمین الرّحمٰن الرّحیم مٰلک یوم الدین یہ تحیۃ اور ثناء اور شکر زبانی اللہ تعالیٰ کا۔ اور جب کہا اھدنا الصراط المستقیم الی آخرہ، اور نیز درود پڑھنا اور عاجز ذلیل بن کر اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا اور موتیٰ کے لئے دعائے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت بدنی اور لسانی ہوئی۔ اور جو کچھ شیرینی یا کھانا للہ دیگا وہ عبادتِ مالی ہوگی۔ پس یہ جو پانچوں وقت نمازی نماز میں کہتا ہے التحیات للہ والصلوات والطیبٰتُ اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے، زہے قسمت میت کی جو اس کو یہ عطر مجموعہ پہنچے۔ اور جب ان سب باتوں کو ترک کردیا اور بدعت کہہ کر چھوڑوا دیا جس طرح اب فرقۂ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہی عوام کے کہنے میں آدیگی مر گئے مردود فاتحہ نہ درود۔

قولہ ہم تو جمع بین العبادتین الخ۔ **اقول** اباحت اصلیہ اس

وقت میں ہوتی ہے کہ نص مانع موجود نہ ہو یہاں ممانعت کی نص موجود ہے اور ابھی پڑھ سنائی ہے تو یہ دلیلِ اول مؤلف کی لغو ہوئی۔

دوسری عقلی دلیل کہ التحیات کی شرح اور عبادت کا کرنا بندہ کی سعادت ہے یہ سب مؤلف کے جہل کا ثمرہ ہے۔ عبادت اس وقت موجب سعادت اور معتبر ہوتی ہے کہ حسب قواعد شرعیہ کے ہو، اگر خلاف اس کے ہووے گی خواہ فرادیٰ[1] فرادیٰ ہو خواہ بترکیب ہو وہ موجبِ شقاوت اور مردود ہوتی ہے۔ اور معلوم ہولیا کہ اس مجموعۂ مرکبہ فاتحۂ مروجہ میں مخالفت شارع علیہ السلام کی موجود ہے مگر یہ خبر اس کو ہو کہ علم رکھتا ہو، مؤلف کہ اپنی عقل کی سخافت[2] کو ترکیب دے رہا ہے کیا مطلع ہووے۔ اس کی دلیل تو بس مثل عوام کے ہی ہے جو خود نقل کرتا ہے اس کو علمِ شرع سے کیا مناسبت ہے۔ سوا اس کی تقریرِ جربوز کو رد کرنا ضروری نہیں کہ خود ہی رد ہوگئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ غور سے دیکھنا چاہئے کہ شرعِ شریف میں زکوٰۃ ایک عمل جداگانہ ہے اور نماز کا پڑھنا ایک عمل جداگانہ ہے، ایک عبادتِ مالی ہے ایک بدنی، ایک اوقات اور ہیں، ایک کے اور۔ لیکن جس کسی نے ان کو جمع کر دیا اپنی خوشی سے بغیر حکم رسولؐ کے وہ مستحق تعریف ہوا ہے مستحقِ ملامت نہیں ہوا۔ مثال اس کی یہ ہے کہ تفسیرِ کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ:

"ظہر کے وقت ایک آدمی نے سوال کیا مسجد میں کسی نے کچھ نہ دیا، سائل نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا یا اللہ تو گواہ رہیئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوال کیا کسی نے مجھ کو کچھ نہ دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس وقت رکوع میں تھے آپ نے انگلی سے جس میں انگشتری تھی

[1] تنہا تنہا [2] بے ہودگی۔

اشارہ کیا سائل بڑھا اس نے وہ انگوٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے لے لی، الخ"

یہ قصہ تفسیر معالم اور مدارک وغیرہ میں مختصراً مذکور ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب حالتِ رکوع میں یہ خیرات حضرت علیؓ نے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ فرمایا تھا بلکہ اپنی خوشی سے انہوں نے دونوں عبادتین خیرات وصلوٰۃ ایک زمانہ میں جمع کردیں، تو اب اس باب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں آیت نازل فرمائی جو سورۂ مائدہ میں ہے الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ پس جبکہ حضرت علیؓ بلا تصریح ارشادِ شارع کے جمع بین العبادتین کرکے مستحق ثناء ہوئے اسی طرح فاتحہ میں بھی جمع بین العبادتین کرنے والے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

قولہ دوسری بات یہ ہے کہ غور سے الخ۔ **اقول** مؤلف نے اس روایتِ ضعیف کو نقل کرکے کیوں اپنے دماغِ ماؤف کو تکلیف دی۔ اوّلاً جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں خود مؤلف کی یہ وجہ تراشیدہ ہے بلکہ اس جمع میں انکار ہے کہ اس سے ہیئتِ منکرہ پیدا ہوجاوئے، سو اس قصہ کوئی ہیئتِ منکرہ[۱] پیدا نہیں ہوئی خلاف فاتحۂ مروجہ کے، کما لایخفیٰ

ثانیاً اس قدر حرکت بھی نماز میں مکروہ تنزیہی ہے جیسا فقہ میں مبیّن ہے مؤلف منیہ کو مطالعہ کرلیوے، مگر یہ حرکت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وجہ سے ہوئی کہ اگر اس حالت میں نہ دیتے تو اس سائل کے مایوس ہوکر چلے جانے کا خدشہ تھا، اس کی تحصیل کیواسطے کراہتِ تنزیہہ کو اختیار کیا ورنہ یہ فعل بھی مکروہ تھا۔ فاتحۂ مروجہ

---

[۱] ممنوع۔

میں کونسا امر مہتم بالشان فوت ہوتا ہے جو اس تشبہ و بدعت کو اختیار کیا گیا مگر مؤلف کو فہم نہیں، بناچاری ایسے کلام کرتا ہے۔

تیسرے وہ امر اتفاقاً ہوگیا اب اگر کوئی التزام کرے کہ حالتِ رکوع میں بالضرور ہر سال ایسا ہی کیا کرے تو مؤلف ہی فتویٰ لکھے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ احقر تو کہتا ہے کہ بے شک مکروہ اور بدعت ہوگا، افسوس مؤلف کے فہم پر کہ حق تو اس کے ذہن میں عبور کرتا ہی نہیں۔

رابعاً اس قصہ کی تقریر تو نص سے معلوم ہوگئی مگر فاتحہ کی تقریر کس نص سے مؤلف نے ثابت کی ہے، اگر قیاس مؤلف کا ہے تو وہ اب ہی باطل کیا گیا اور نص ممانعت کی سنا دی گئی، اب کوئی نص مؤلف اپنے شکم سے نکالے۔

خامساً حضرت علیؓ کو پہلے سے بدلالۃ النص معلوم تھا کہ اس قدر حرکت اور ایصالِ نفع صلوٰۃ میں درست ہے۔ خود فخر عالمؐ نے امامہ بنت ابی العاص کو حالتِ صلوٰۃ میں کندھے پر چڑھا لیا تھا اس کی راحت کے واسطے اور رونے کے خدشہ سے، اور حضرت عائشہؓ کے واسطے بحالتِ صلوٰۃ زنجیر کھول دی تھی۔ علیٰ ہٰذا دیگر مثل اس امور بہت وقائع تھے، جس سے معلوم ہوگیا کہ اس قدر حرکت نفع رسانی کو درست ہے، مگر مؤلف کو کونسی دلالت اشارۃً ملی ہے جس سے یہ بدعت کو حسنہ بتاتا ہے یہاں تو نص بھی موجود ہے۔

> اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا جو بعض رسائل میں ہے کہ کبھی حضرت سے یہ نہیں پایا گیا کہ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو اور کبھی آپ نے اس پر پڑھا ہو یہ نہایت غلط ہے۔ چند حدیثیں مشکوٰۃ کی باب المعجزات میں موجود ہیں

قولہ اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا کبھی حضرت سے الخ

اقول یہ دعویٰ کوئی عالم نہیں کرتا جو مؤلف سمجھا بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ اس طرح ایصالِ ثواب کبھی نہیں کیا، ورنہ آپؐ تو ہر دم ذاکر تھے جب

طعام آپؐ کے روبرو رکھا جاتا تھا، قبل شروع کچھ پڑھتے ہوتے تھے اور بسم اللہ کر کے کھاتے تھے سو یہ فہم ناتمام مؤلف کے کمالات ہیں کہ مراد مانعین کی نہیں سمجھتا۔ پس اب چند دلیل حدیثِ منقولہ اس کی اس کو کچھ نافع نہیں ذرا ہوش کر کے دیکھیے۔

ازانجملہ حدیث ام سلیمؓ کی بروایتِ مسلم و بخاری موجود ہے کہ حضرتؐ کی گرسنگی کا حال معلوم کر کے اس نے چند روٹیاں جَو کی پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھیں۔ یہ قصہ طویل ہے۔ آخر یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو تڑوایا ملیدہ کی طرح جو کچھ اس کے برتن میں گھی لگا ہوا تھا وہ اس میں ٹپکا دیا پھر حضرتؐ نے الفاظ قسمِ دعا سے اس پر پڑھے پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا اسّی ۸۰ آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کھلایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ام سلیمؓ کے گھر بھر کے آدمیوں نے کھایا۔ اور پھر بھی بچ رہا۔

یہ دیکھئے اس میں کھانا سامنے ہے اور اس پر دعاء اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا ہے۔

ازانجملہ انسؓ کی حدیث بروایت مسلم و بخاری کہ انسؓ فرماتے ہیں میری والدہ نے ایک بادیہ میں کھانا کھجور اور گھی اور دہی کا مرکب بنایا ہوا بھیجا، آپؐ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر حضرتؐ دس دس آدمیوں کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے، قریب تین سو آدمیوں کو کھلا دیا پھر مجھ کو فرمایا اٹھا لے اے انسؓ اپنا بادیہ، میں نے جب اٹھایا حیرت میں رہ گیا۔ کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ پہلے سے موجود ہے۔

ازانجملہ حدیث غزوۂ تبوک کی مشکوٰۃ میں بروایتِ مسلم مذکور ہے جب لوگ گرسنہ ہو گئے حضرت عمرؓ نے دعاء کرانی چاہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تب آپؐ نے دستر خوان بچھوایا اور فرمایا لے آؤ جو کچھ کسی کے پاس کھانا بچا ہوا ہو، تب کسی نے مٹھی جوار، کسی نے مٹھی کھجور، کسی نے ٹکڑا روٹی کا جس کے پاس جو کچھ بچا ہوا تھا لا کر ڈالا، بہت ہی تھوڑا سا ذخیرہ جمع ہوا پھر آپؐ نے اس پر دعاء فرمائی اور فرمایا بھر لو اپنے برتن، پھر جس قدر لشکر تھا سب نے اپنے تمام برتن جو ان کے پاس تھے بھر لئے اور خوب کھایا اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھے۔ پس معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس پر گواہ ہوئے کہ کھانا سامنے رکھے ہوئے پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء مانگی، باقی رہی یہ بات کہ حضرتؐ نے وہ دعاء مانگی جو آپؐ کو ضرورت تھی، صاحبِ فاتحہ وہ دعاء کرتا ہے جس کی اس کو ضرورت اس وقت ہے، پس دعاء ہونے میں دونوں برابر ہیں، یعنی دعاء کے معنی شرع میں ہیں السوال من اللہ الکریم ، یہ دونوں جگہ ایک ہیں۔ اب اہلِ انصاف کو چاہیئے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب تأمل فرماویں، اتباعِ حق کریں ورنہ ایسا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو صلوات نہ سنائیں۔

ع مُرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

فاتحۂ مروجہ کو طعام سامنے رکھکر دعاء زیادہ فرمانے پر قیاس نہیں کرسکتے کہ فارق موجود ہے

قولہ ازاں جملہ حدیثِ ام سلیمؓ الخ۔ **اقول** مؤلف نے یہ تین حدیث نقل کی کہ جس سے یہ ثابت ہوا کہ فخر عالم علیہ السلام نے طعام پر دعاء زیادہ ہوجانے اس طعام کے فرمائی۔ اور حدیث میں ہے قال[1] فیہ ماشاء اللہ ان یقول۔

[1] کھانے پر آپؐ نے جو کچھ خدا تعالیٰ نے چاہا پڑھا۔

سو ہوسکتا ہے کہ کچھ بڑھا ہو کہ جس سے اضافہ قدر طعام کا ہوگیا، مگر تیسری حدیث میں دعاء البرکۃ وارد ہوا ہے لھٰذا ان دو حدیث کو بھی اسی پر حمل کیا جاوے بہرحال طعام قلیل پر زیادہ ہو جانے طعام کے دعاء فرمائی۔ اب غور فرمایئے اس طعام کی زیادہ آپؐ کی دعاء پر موقوف تھی اگر آپؐ دعاء نہ فرماتے تو زیادہ حاصل نہ ہوتی، اور جس شئی پر دعاء زیادہ کریں اس کا روبرو ہونا مناسب ہے پس یہ آپ کا دعاء کرنا ضرورت کے واسطے تھا، بدون اس کے حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ پس یہ فعل نظیر فاتحۂ مروجہ کی ہرگز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہاں اگر دعاء ایصالِ ثواب کی ہے تو بالکل لغو حرکت۔ وہ طعام جب بہ نیتِ ایصالِ ثواب پکایا یا بایں نیت آکل[۲] کے سامنے رکھا تو وہ نیت صاحب طعام سے قابل وصول ہو چکا اب آکل بے ہودہ کیا دعاء کرتا ہے، فضول حرکت ہے اور جو دعاء مغفرت میت کی کرتا ہے تو اس کا وقت دوسرا ہے بعد حضور طعام کے یہ اس کا محل نہیں، جیسا اب آتا ہے، بہرحال فخرِ عالمؐ کا فعل تو ضرور ہے۔ اور یہ قول آکلین[۳] صدقہ کا لغو۔ سو قیاس خود لغو ٹھہرا کہ مع الفارق ہے۔ دوسرے یہ کہ دعاء فخر عالمؐ کی زیادہ ہو جانے کی اور ازالۂ نقصان قدر طعام کی تھی اور یہ دعاء مثل اصلاحِ ظاہر کے ہے کہ ہم لوگ ہاتھ سے اصلاح ظاہر اور ازالۂ فساد و نقصان کرتے ہیں اور فخرِ عالمؐ نے اصلاح و نقصان ذاتِ طعام کی اپنے کلام سے فرمائی پس یہ فعل مزیلِ[۴] نقصان تھا اور فاتحہ میں انسادِ طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور آکلین اور قاری دونوں کی شہوت متعلق طعام سے ہے تو گویا افساد خلوص اور نیتِ آکلین کا بھی ہے لھٰذا فعل مصلح کو مقیس علیہ فعلِ مفسد کا بنانا نافہم مؤلف کا ہی ہے اور کوئی اہلِ علم ایسی لغویات نہ کہیگا۔

تیسرے فخرِ عالمؐ نے دعاءِ برکت فرمائی، یہاں قرآن پڑھتے ہیں قرآن

---

[۱] یعنی دعاء مانگی کھانے میں برکت ہونے کی [۲] کھانے والا [۳] صدقہ کھانے والے [۴] نقصان کو ختم کرنے والا۔

عبادت ہے کہ طعام کے آنے کے بعد مکروہ ہے عبادت کا خشوع جاتا رہتا ہے اور طعام کا نقصان اور تعظیم طعام کے یہ امر خلاف ہے۔ مسلم نے روایت کیا لاصلوٰۃ[1] یحضر الطعام (الحدیث)، اور ادب طعام میں ہے کہ بعد روٹی آنے کے انتظار سالن کا بھی نہ کرے، چنانچہ احیاء العلوم وغیرہ میں مذکور ہے۔

چوتھے یہ کہ وہ طعام کھانے کے واسطے نہیں تھا بلکہ بڑھانے کیواسطے تھا، تو اب تک اس کے کھانے کا وقت نہ آیا تھا جب آپؐ دعاء کر کے فارغ ہوئے تو وقت کھانے کا ہوا، اور بعض معجزات میں محض زیادہ ہونے کے بعد اٹھا رکھنا منظور تھا خلاف فاتحہ کے کہ اس کا وقت کھانے کا ہے۔ اب دوسرے کام میں لگنا مناسب نہیں۔ پس فاتحہ کو قیاس وقائع ان احادیث پر کرنا محض فہم وعلم سے عاری ہے ایصالِ ثواب کا اثبات تھا، زیادۂ طعام کا مسئلہ پیش کیا پھر سب کے بعد یہ فعل مباح ہوا مگر فعلِ مندوب میں بھی جب مشابہت عارض ہوجاتی ہے یا تعیین وتاکد کی بدعت حادث ہوجاتی ہے تو وہ مندوب نہیں رہتا غیر مشروع ہوجاتا ہے، تو اب کہ یہاں یہ امور غیر مشروع موجود ہیں تو باوصف تسلیم مذہب کے بھی مؤلف کو سمِّ قاتل ہوجاویگا۔

غرض فہم کلام سے مؤلف کو منافاتِ کلی ہے، ہاں اگر قبل طعام کے آنے کے یا کھانے کے بعد کوئی بخوشی ثواب میّت کو پڑھ کر پہنچا دیوے بشرطیکہ اس میں تاکد نہ ہو تو کوئی منع نہیں کرتا، یہ کیوں کیا جاوے کہ طعام سامنے رکھ کر قرأۃ ودعاء شروع۔ اور مجیب اور جملہ مانعین بدعت لکھتے ہیں کہ ثواب ایصال ذکر وطعام کا مستحسن ہے، اور مؤلف کا غزوۂ تبوک کے واقعہ میں کہ اس پر لاکھ آدمی گواہ ہیں یہ ہذیان[2] غیر مفید ہے، کیونکہ اگر کروڑ آدمی کے روبرو یہ قصہ ہوا اور پھر راوئ واحد نے بیان کیا جب بھی خبر واحد ہی رہے گی متواتر نہ ہوویگی سو یہ گواہی مؤلف کی کیا مفید ہوئی اور جو لاکھ آدمی کی گواہی آج تک تواتراً ثابت

---

[1] یعنی جب کھانا سامنے آوے نماز نہ پڑھنی چاہیے ۱۲ منہ [2] بکواس ۱۲

ہو جاوے تو بھی اسی قدر مضمون مذہب کا رہے گا جو قطعی الثبوت ہوگیا، سو اس سے
بھی جواز فاتحہ کا ثابت نہ ہوگا، ہاں فعل فخر عالم علیہ السلام کا قطعی الثبوت
ہو جاویگا جس کا حاصل مذہب ہے مگر مؤلف کی قسمت میں وہی کم فہمی سے
حرماں[1]، ثبوت اس کے مدعا کا حاصل رہے گا۔ اب یہ بھی یاد رہے کہ مؤلف اقط
ترجمہ وہی کرتا ہے اگرچہ خطائیں اس کی بہت ہیں مگر ترجمۂ حدیث کی خطا تبانی
ضروری ہے، اقط پنیر کو کہتے ہیں نہ کہ وہی کو۔ اور اوپر سے معلوم ہوا کہ دعاء فخر
عالم علیہ السلام کی ضروری تھی اور فاتحہ کی دعاء لغو، اور لغو کا ترک مناسب ہے
والذین هم عن اللغو معرضون حق تعالیٰ مدح میں فرماتا ہے۔ پس قول مؤلف
کا کہ ہمارے واسطے جو دعاء ضروری ہے طعام پر وہ کرتے ہیں بالکل لغو
ہوگیا محض بے معنی ہے۔

تنبیہ:۔ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ ثواب عبادت مالی کو یوں سمجھے
کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہونچیگا اس عقیدہ کو بد کہنا چاہیئے اور اس کو
زبر دتو بیخ کرنا چاہیئے، کیوں کہ اس نے حکم اطلاق نصوص فرمانِ مصطفوی علیہ
افضل التحیۃ والسلام کو مقید کر دیا، لیکن برتاؤ آمد لوگوں کا دیکھکر یوں معلوم
ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ان کا نہیں۔

قولہ، تنبیہ الخ۔ اقول الحمد للہ کہ مؤلف بہت کچھ اپنا
وقت ضائع کرکے اور کشف اپنی حقیقتِ علمی کا کراکے متنبہ ہوا کہ اطلاق نصوص
کا مقید کرنا ضلالت ہے اور اس عقیدہ پر عوام کو زجر و توبیخ لازم ہے، اس
سے معلوم ہوا کہ یہ امر بدعتِ ضلالہ ہے مگر اپنی عادت سے مجبور پھر انحراف
کیا، عوام کا یہ عقیدہ معلوم نہیں ہوتا۔

بہر حال اصل مسئلہ میں تو مؤلف موافق مانعین کا ہوگیا اب خلاف[2]

---

[1] محرومی [2] ڈانٹ ڈپٹ۔

عقیدہ عوام میں رہا کہ یہ ہے یا نہیں اس فقرہ نے ساری تحریر مؤلف کی بیہودہ بنادی، کیوں مؤلف کا جب یہ عقیدہ ہے کہ تقلید مطلق کی بدعت ضلالہ ہے اور یہی مانعین کا عقیدہ ہے تو بس اس کا اثبات کرنا تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں، اس قدر درد سری بے ہودہ سے کیا حاصل کیا۔ بس خیر گذشتہ را صلوٰۃ،

اب مؤلف پر اس کا قول صادق آگیا کہ فجر کا بھولا شام کو آیا الخ

اب کلام عوام کے عقیدہ میں رہی، مانعین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہے اور یہ امر بدیہی ہے مؤلف تجربہ کرلیوے بلکہ خواص کالانعام کا گو عقیدہ یہ نہیں مگر عمل در آمد ان کا بھی مثل عوام کے ہے۔

> اس لئے کہ جب میّت کی طرف سے کچھ کپڑا یا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ ان کا یہ ہے کہ ثواب عبادت مالی کا بدون فاتحہ کے پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں، یا قبرستان میں جاکر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں اس صورت میں یہ لازم نہیں پکڑتے کہ اسوقت میں کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ثواب عبادتِ بدنی کا بدون عبادتِ مالی کے پہنچ جاتا ہے۔ جب عقیدہ یہ ٹھیرا تو ان کے حق میں کچھ مضر نہیں فاتحہ پڑھنا۔ بعض سور مثلِ اطعام طعام و تقسیم شیرینی وغیرہ میں اسی واسطے بزرگانِ دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے عنقریب ہم نقل کریں گے۔

قولہٗ اس لئے کہ جب میت کی طرف سے کچھ کپڑا الخ۔ **اقول** یہ دلیل بالکل ناتمام ہو رفہم سے ناشی[1] ہے اس واسطے کہ قرآن کو موقوف علیہ طعام کا کوئی نہیں جانتا قرآن کا ثواب عوام کے نزدیک مطلق ہے تو اس

---

[1] پیدا

میں کلام بھی نہیں اور طعام کا ثواب موقوف کلام پر جانتے ہیں، علیٰ ھٰذا نقد یا پارچہ کو بھی مطلق جانتے ہیں، پس جس قدر عوام نے مقید کیا اس کو ہی بدعت کہا گیا اور جس کو اپنے اخلاق پر رکھا اس کو بدعت نہیں کہتے مگر یہ دلیل تو اس وقت مفید ہوتی کہ کسی نے تلازم[1] مالی و بدنی کا جمیع صور میں دعویٰ کیا ہوتا، یہ تلازم خود ہی مؤلف کے شکم سے نکلا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہنود کے یہاں فقط کھانے پر بیَد پڑھتے ہیں اور کپڑے و نقد وغیرہ پر نہیں پڑھتے اس سبب سے عوام جہاں نے بھی طعام پر کچھ پڑھنا مقرر کیا نہ کہ ہر شئی پر، غرض مؤلف کی یہ دلیل کہ جو ثواب قرأت کا موقوف طعام پر عوام کے نزدیک نہیں تو اس کا قلب بھی نہیں ہو سکتا، کیا عمدہ دلیل ہے حاجت بیان نہیں مؤلف کی منطق خوانی کا نتیجہ ہے ایسا غوجی میں پڑھا تھا کہ مقدمہ کا عکس لازم ہوتا ہے مؤلف نے اس قاعدہ کو ثواب عبادتِ مالی و بدنی کا مقدمہ بنا کر اس پر جاری کر دیا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس تقریر پر لڑکے بھی ہنستے ہیں، اور بزرگانِ دین کا طریقہ یہ نہیں ہاں مؤلف کے بزرگانِ مبتدعین کا ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ بعضے آدمی جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں کہ رو بہ قبلہ بیٹھتے ہیں اور مکانِ پاکیزہ و صاف میں پڑھتے ہیں سو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ قسمِ آداب سے ہے، آپ کے مسلم الثبوت علماء کے کلام میں موجود ہے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود فاتحہ پڑھنے کے لئے سوالات عشرہ محرم میں نقل فرماتے ہیں "فاتحہ و درود فی نفسہٖ درست است لیکن دریں قسم جائے نوعے بے ادبی می شود زیرا کہ نجاستِ معنوی دارد، فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاستِ ظاہری و باطنی" انتہیٰ۔

[1] لازم ہونا

اس کلام سے صاف ثابت ہوا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہئے اور مولوی اسمٰعیلؒ صاحب صراطِ مستقیم میں موافقِ تعلیم اپنے مرشد سید احمدؒ صاحب کے لکھتے ہیں: "اول طالب را باید کہ با وضو دو زانو بطور نماز بہ نشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواند۔ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگاں نماید الخ"

مکان پاک میں رو بقبلہ ہوکر فاتحہ پڑھنا آداب کے ساتھ ان بزرگوں کے کلام سے جن کو تم مستند جانتے ہو ثابت ہوگیا، اب اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد کو مقامات ایصالِ ثواب میں کیوں اختیار کیا ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ الحمد کو فضیلت بڑی ہے کل سورتوں پر۔ سیرتِ حلبی اور تفسیرِ عزیزی میں ہے کہ "اگر فاتحہ کو ایک پلۂ ترازو میں رکھیں اور تمام قرآن دوسرے پلہ میں تو فاتحہ یعنی الحمد غالب آوے گی سات حصہ پر۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے جس نے پڑھی الحمد دیگا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب گویا کل قرآن پڑھا اور گویا اس نے صدقہ کیا کل مؤمنین اور مؤمنات پر، انتہٰی"

اس لئے اہلِ اسلام میں یہ رسم پڑ گئی کہ جب کوئی اپنی میت کیلئے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے، اس کے پڑھنے سے یہ اجر ہوتا ہے گویا جمیع مؤمنین و مؤمنات پر صدقہ دیا۔ خدا کی قدرت ہے اصحابِ فاتحہ تو کس کس درجات کو پہنچ رہے ہیں اور منکرین اس فعل پر غیظ کھا کر کیا کیا خاک اڑا رہے ہیں ع ہر کس رسد بدانچہ نصیبش نوشتہ اند۔

قولہ باقی رہی یہ بات کہ بعض جو زیادہ الخ۔ **اقول** ہر گاہ کہ یہ فاتحہ خوانی سرے سے بدعت ہوگئی تو بحث توجہِ قبلہ اور نظافت[1] مکان کی خود لغو ہو گئی اور

---

[1] پاکیزگی۔

مسلمان کو ہر حال میں توجہِ قبلہ اور نظافت مستحسن ہے اس کے جواب کی حاجت نہیں اور مؤلف کے مدعا کو ہرگز مفید نہیں کہ کلام اس میں ہے کہ طعام و شراب رو برو رکھ کر مروجہ قرأۃ جس ہیئت کا سوال سائل کرتا ہے سو ثابت ہو گیا کہ مکروہ بدعت ہے، اور شاہ عبدالعزیز کے سوالات عشرۂ محرم کو اگر تسلیم کیا جاوے کہ ان کے ہی ہیں تو وہ فاتحہ درود کو فی نفسہٖ درست لکھتے ہیں نہ کہ طعام آگے رکھ کر کہ جس کی بحث ہے اور نجاست معنوی بدعت کی جگہ پڑھنے کو بے ادبی فرماتے ہیں اور بے ادبی قرآنِ کریم کی حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ بدعت کے محل پر قرآن پڑھنا حرام ہے۔ یہاں فاتحۂ مروجہ میں بھی باعتراف مؤلف بدعت موجود ہے کہ تقلید مطلق نص کا یہاں موجود ہے اور تشبہ ہنود کا بھی ظاہر ہے پس قیاس اس کلام کا حرمۃ اس فعل کو تقاضہ کرتا ہے، مگر مؤلف بے خبر ہے، علیٰ ہٰذا صراطِ مستقیم میں ذکر تقربِ[1] الی اللہ کا ہے اس میں نظافت ضروری ہے۔ اور فاتحہ سے مراد ایصالِ ثواب بروح صاحب طریقت ہے اور یہ دونوں امر نظافت طلب ہیں مگر طعام سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کہ بدعت ہے اور نجاستِ معنوی ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے۔ علیٰ ہٰذا تعیینُ قرأۃِ الفاتحہ لایصالِ[2] الثواب مکروہ ہے ہر چند کسی نے بہمیں[3] غرض مذکورہ مؤلف کی فاتحہ کو اختیار کیا ہو مگر اب اسی وجہ سے زجر و توبیخ لازم ہے۔ جس کو مؤلف اپنے منہ سے بول اٹھا ہے وکفی المؤمنین القتال، اور یہ ایک دلیل بدعت ہونے فاتحۂ مرسومہ اور سیوم و چہلم وغیرہ کی ہے کہ مؤلف اس کا مقر[4] ہے یاد رکھنا اس کا ضرور ہے۔

اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا سو جواب اس کا یہ ہے کہ فاتحہ میں دعا بھی کی جاتی ہے اور خود الحمد شریف بھی من وجہٖ دعا ہے، اس کی تعریف میں

---

[1] اللہ تعالیٰ کا قرب۔ [2] ایصال ثواب کے لئے فاتحہ کی تعیین [3] اسی غرض سے [4] اقرار کرنے والا۔

لکھتے ہیں ھی دعاء وقرآن وصلوٰۃ، جب یہ الحمد من وجہ دعاء ہوئی اور اس کے سوا اور بھی دعاء اس وقت کی جاتی ہے اور وقت دعا، جو کہ خارج نماز سے کی جاتی ہے اس میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ حصن حصین میں ہے:

ادب الدعاء بسط الیدین ت مس، و رفعھما ع۔ یعنی دعاء کے آداب میں یہ ہے پھیلانا دونوں ہاتھوں کا۔ روایت کی یہ ترمذی اور حاکم نے، اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا روایت کی یہ چھوں محدثوں مصنف صحاح ستہ کے نے۔ اور مشکوٰۃ میں حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقوم ہے اذا سألتم اللّٰہ فاسئلوا ببطون اکفکم۔ اور نیز مشکوٰۃ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان ربکم حیٌّ کریم یستحی من عبدہٖ اذا رَفَعَ یدَیہ اَن یَرُدَّھُما صفراً۔ پس چونکہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بموجب مضمون حدیث شریف کے ان ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے بلکہ مراد سے بھر دے۔

اور مسائل اربعین میں مولوی اسحاق صاحب نے مسئلہ سی و دوم کے جواب میں کہ تعزیتِ میت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ رقم فرمایا ہے "امّا دست برداشتن برائے دعاء وقتِ تعزیت ظاہراً

جواز است زیرا کہ در حدیث شریف رفعِ یدین و دعاء مطلقاً ثابت شدہ، پس دریں وقت ہم مضائقہ نہ دارد لیکن تخصیص آں برائے دعاء وقتِ تعزیت ماثور نیست"۔ انتہیٰ۔

دیکھئے یہ بات تسلیم کر کے کہ اس ہیئتِ خاص سے منقول نہیں یہی حکم دیا تھا کہ ہاتھ اٹھانا کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کہ مطلق دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ خاص وقت فاتحہ میت کے اگرچہ کوئی روایت ماثور نہ ہو لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا

آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہوگیا کیوں کہ یہ بھی دعاء ہے۔
اب دیکھئے مفتیان فتوئ انکاری کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو کہتا ہے کہ مخترعات ناپسندِ شرعیہ سے ہے اور کوئی رسم ہنود لکھتا ہے۔ افسوس، افسوس جس چیز کے اصول احادیثِ شرعیہ سے نکلتے ہوں اس کو حرام یا رسم ہنود یا ضلالۃ کہنا ان ہی با انصاف آدمیوں کا کام ہے۔ پہلے صلحاء و علماء تو اس کو مسلم کہتے آئے ہیں۔

قولہ اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا الخ۔ **اقول** پہلے بھی لکھا گیا کہ مؤلف کو کہیں فہمِ مطلب نصیب نہیں اپنی تقریر ہانکنے سے کام ہے، فرادیٰ فرادیٰ امور میں کلام کرتا ہے اس غرض سے کہ اگر اجزاء جائز ہوں گے تو مجموعہ بھی درست ہو جاویگا اور یہ امر باطل ہو چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ یہ محل دعاء کا نہیں طعام سامنے رکھ کر دعاء ایصالِ ثواب تو لغو ہے اور دعاء مغفرت کا موقع نہیں کہ خلاف ادبِ طعام کے ہے اور خشوع کھانے والوں کا رفع ہوتا ہے، اور پھر سائل فاتحہ خوانی میں ہاتھ اٹھانے کو پوچھتا ہے۔ پس اگر فاتحہ بہ نیت قرآن ایصالِ ثواب کے واسطے پڑھتے ہیں تو قرآن کو ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کہیں شرع میں وارد نہیں، رکوع و سجود میں قرآن کو پڑھنا مکروہ لکھا ہے کہ نَهَانِی اَن اقرء راکعاً او ساجداً (الحدیث)۔ پس چونکہ رکوع و سجود حالت ذلت و عجز بندہ کی ہے، اس وقت میں قرآن مکروہ ہوا، نظر بر آں اگر حالتِ دست برداشتن میں بھی مکروہ ہو تو لائق ہے کہ حالت ذلت ہے۔ قطعِ نظر اس کے ورود شرع کا اس طرح نہیں لھذا بدعت ہے اور اگر فاتحہ بہ نیتِ دعاء پڑھی جاتی ہے تو قرآن نہیں، اسی واسطے جنب کو بہ نیتِ دعاء فاتحہ پڑھنا فقہ میں درست لکھا ہے۔ اور فاتحہ میں جو دعاء ہے وہ پڑھنے والے کے حق میں ہے نہ کہ میت کے حق میں، سبحان اللہ۔ دعاء تو

میت کے واسطے کرتا تھا اپنے واسطے کرنے لگا، یہ خبطِ عقل نہ معلوم کس کی ہوئی مانگنے والے کی یا مؤلف کی، دعویٰ تو یہ کہ مردہ کے واسطے دعاء کرتے ہیں اور اثبات یہ کہ کھانے والا اپنے واسطے ہدایت راہِ مستقیم کی مانگتا ہے، سبحان اللہ۔ اور اول میں یہ لکھ آیا کہ فاتحہ، درود پڑھ کر دعاء ایصالِ ثواب مانگتے ہیں۔ غرض اس خبط کلام کو دیکھنا لازم ہے سب کے بعد یہ کہ سب جگہ ہاتھ اٹھانے دعاء میں بھی مستحب نہیں جیسا مؤلف لکھتا ہے، بلکہ جہاں ہاتھ اٹھانے ثابت ہوئے وہاں مستحب ہے اور جہاں کچھ ثابت نہ ہوا وہاں بھی مستحب اور جس جگہ عدمِ رفع ثابت ہوا وہاں مکروہ۔ علی قاری شرح حصن حصین میں لکھتے ہیں کہ یہ رفع وہاں مستحب ہے کہ فخرِ عالم علیہ السلام سے وہاں رفع ثابت ہوا ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔ اور شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ ولا یرفع یدیہ عند رؤیۃ البیت حال دعائہ لعدم ذکرہ فی المشاھیر وکلام الطحاوی صریح فی انہ یکرہ الرفع عند علمائنا الثلثۃ، ونقل عن جابر انہ فعل الیھود۔ انتھیٰ۔ پھر بعد نقل قول اس کے کہ جس نے یہاں رفع یدین کو مستحب کہا ہے لکھتے ہیں کانھا اعتمد علی مطلق آداب الدعاء لکن السنۃ متبعۃ فی الاحوال المتعلقۃ اما تریٰ انہ علیہ السلام دعیٰ فی الطواف ولم یرفع یدیہ۔ انتھیٰ۔ پس یہ کلیہ مؤلف کا تو باطل ہوگیا، پس استحباب رفع یدین وہیں ہے جہاں فخرِ عالم علیہ السلام سے ثابت ہوگیا۔ پس وہ تین حدیث مؤلف کی منقولہ طعام پر دعاء کرنے کے باب میں دیکھو اس میں رفع یدین ....

پس مؤلف کو لازم ہے کہ یہاں بھی رفع یدین کو مکروہ خلافِ سنت جانے کہ یہ محل دعاء کا ہی نہیں چہ جائیکہ رفع۔ علیٰ ہذا دعاءِ دخولِ خانہ اور لباس پہننے میں اور خروج خلاء اور نوم[1] کی حالت میں اور دیگر بہت مواقع ہیں کہ رفعِ یدین وہاں ثابت نہیں

---

[1] سونا

اور دعوات کا پڑھنا ثابت ہے تو سب جگہ یہاں رفع یدین مکروہ ہوگا مگر مؤلف کو ابھی خبر نہیں ہوئی پڑھ کر خبردار ہو دیں گے۔ پس اب مؤلف کو روایات حصن حصین و مشکوٰۃ کچھ مفید نہیں، یہ ادب محل رفع میں ہے نہ کہ غیر اس محل میں، اور یہ روایات کلیہ قطعیہ[1] تھی مگر مؤلف کی فہم پر پردہ ہے علیٰ ہٰذا روایت تعین کی کیونکہ اس میں بھی وقت دعاء کے مطلقاً ذکر کیا ہے نہ کہ ہر جگہ اور پھر تخصیص کو دعاء تعزیت میں غیر ماثورہ[2] لکھدیا ہے۔ پس مؤلف کا کیا مدعا اس سے نکلتا ہے کہ یہاں تخصیص بھی ہے اور عدم رفع بھی یہاں ثابت ہے اور خود خبط العشواء بھی مؤلف کا موجود ہے کہ کہیں فاتحہ میں ہاتھ اٹھانا کہتا ہے کہیں بعد فاتحہ کے کچھ عقل قائم نہیں۔

رد محتار میں ہے دعاء الخفیفۃ ما یفعلہ فی نفسہ قال شارح لیس فیھا رفع لان فی الرافع اعلانًا، انتہیٰ۔ اور یہاں دعاء ایصالِ ثواب میں دعاء خفیفہ[3] ہے کہ دل میں غرض ایصالِ ثواب کی ہے، یعنی اگر فقیر مدعو آگے یا پیچھے طعام کے فاتحہ یا کچھ قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچاوے تو دل سے نیت ایصالِ ثواب کی کرے اور طعام کے ایصال کی نیت بھی لغو ہے کیوں کہ اس کی نیت صاحب طعام کرچکا ہے یہ کون ہے؟ پس دعویٰ کلیہ رفع یدین[4] کا مؤلف کا باطل ہوا اور اس محل میں رفع یدین کا نہ ہونا ثابت ہوگیا، اور ایصال ثواب کو اس قید سے مقید کرنا محقق۔ پس حسب اعتراض مؤلف کے بدعتِ ضلالہ ہوا اور تشبہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہے کیوں کہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر وید پڑھواتے ہیں، جس کا دل چاہے ہنود سے تحقیق کرلیوے۔ مولوی عبداللہ اپنے تحفۃ الہند میں لکھتے ہیں کہ ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں اور پنڈت

---

[1] یقینی [2] غیر منقول [3] ہلکی آواز [4] دونوں ہاتھوں کو اٹھانا

اس کھانے پر وید پڑھتا ہے۔ انتہیٰ۔

جس قدر عبارات مؤلف موسومہ جواز فاتحہ مروجہ ہے کسی سے فاتحہ مروجہ ثابت نہیں ہوئی۔

پس اب بدعت ہونا اور مکروہ ہونا اس فاتحہ مروجہ کا ثابت بنصوص ہوگیا۔ پس مفتیانِ دیندار اگر اس کو مخترع[1] ناپسندیدہ شرعیہ کہیں، یا رسمِ ہنود کہیں بہت بجا اور حق ہے، اصولِ نصوص سے اس کی مذمت ثابت ہوچکی۔

مولانا عبداللہ گجراتی جو بڑے عالم صالح متقی ہمعصرِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

"تخصیصات در اوضاع تراکیب ماکولات وتعینات در مفردات بفاتحہ ونیازہائے بزرگاں از رسوم صالحہ است۔" انتہیٰ

اور جامع الاوراد میں ہے:

"اگر بر طعام فاتحہ کردہ بفقراء دہد البتہ ثواب می رسد۔"

اور اسی جامع الاوراد میں ہے:

"چوں قرآن ختم کند اول پنج آیت خواندہ دست برائے فاتحہ بردارد و ثواب ختم بارواحِ ہرکہ خواہد بطفیل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخشد۔"

یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں صمصامِ قادری میں ہیں اور زبدۃ النصائح مطبوعہ مطبع محمدی جو ۱۲۶۷ھ کی مطبوعہ ہے اس میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت ص ۵۶ پر موجود ہے:

"ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود الحمد وقل وہم ثواب بذلِ طعام منظور بروح آں جناب خواہد رسید۔"

اب اس فرقہ کے بزرگواروں کا احوال سنئے۔ مجموعہ زبدۃ النصائح ص ۱۳۲ پر استفتاء شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مرقوم ہے۔ سائل نے سوال کیا

[1] ایجاد کردہ۔

تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں؟ اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیاز اولیا، کا درست ہے یا نہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو حرام فرمایا، اور ملیدہ، شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے:

"اگر ملیدہ و شیر برنج بنا، بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروحِ ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست وطعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن جائز است" انتہیٰ کلامہٗ

دیکھیے کھانے پر فاتحہ دینا خاص فتویٰ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے ثابت ہے اور نیز شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں:

"پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی وفاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند الخ"

جائز اور مباح ہونا تو اور بات ہے۔ یہاں تو امر فرما رہے ہیں کہ اس طرح پڑھیں اور اس سے زیادہ کیا سند ہوگی؟ اور شاہ عبدالعزیز صاحب سوالا عشرۂ محرم کے جواب سوالِ نہم میں "کہ کھانا ان چیزوں کا جو نذر و نیاز تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں کیسا ہے؟ لکھتے ہیں: "طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و براں فاتحہ وقل، درود خوانند تبرک می شود، خوردن آں بسیار خوب است۔ لیکن بہ سبب بردنِ طعام پیشِ تعزیہ ہا و نہادن آں طعام پیش تعزیہ ہا تمام سب تشبہ بکفار و بت پرستاں می شود پس ازیں جہت کراہت پیدا می کند"۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہوا ہے۔ واضح ہو کہ سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسمٰعیل صاحب

مشہور ہیں، حالانکہ یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں اور اس پر بھی کبھی آیت یا حدیث سے ممانعت نہیں کرتے فقط بعضی مصلحتیں بیان کرتے ہیں چنانچہ مقامات تعینِ تاریخ بستم، چہلم وغیرہ میں ہم ان کی عبارت لکھیں گے۔ لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے۔ صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں: "نہ پنداند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست، چہ ایں معنیٰ بہتر و افضل است الخ" ان عبارات منقولہ بزرگان سے اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہلِ عقل و انصاف کے نزدیک صاف ثابت ہو گیا۔

قولہ مولوی عبداللہ گجراتی الخ۔ **اقول** بعد ثبوت منع کے کلیات نصوص سے اگر مولوی عبداللہ گجراتی اور جامع الاوراد اس کو جائز لکھیں تو ہرگز قابلِ اعتبار نہیں اور ہم کو ان کے قول کے تصدیق کی حاجت نہیں۔ مع ہذا یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلوب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو، کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں کیونکہ جب مستحب بھی ان وجوہ سے مکروہ ہو جاتا ہے تو رسوم صالحہ مردم کی بطریقِ اولیٰ مکروہ ہو جاویں گی۔ پس مؤلف کو اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارت سے بدعت ہونا فاتحہ کا ثابت ہوتا ہے الخ | جامع الاوراد کا کہنا "اگر برطعام فاتحہ کردہ الخ" اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ طریقہ ایصال کا بدعت ہے مگر بشرطِ نیتِ صالحہ کے ثواب پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس فعل کی معصیت بھی ہوتی ہے۔ دوسری روایت جامع الاوراد کی یہ وضع بوجہ اباحت کے لکھی ہوگی اور ہرگاہ کہ عوام اس کو مستحب جاننے لگیں چہ جائیکہ مؤکد اس وقت بدعت ہو جاویگی۔ بہرحال مؤلف کسی وجہ معین نہیں۔ اولاً ثبوت میں ان روایت کے کلام ہے کہ غلط ہے یا صحیح؟ دوسرے نصوص کے مقابلہ میں قابلِ التفات نہیں۔ تیسرے تاویل کی گنجائش ہے کہ مدعی مؤلف میں ظاہر و نص نہیں۔ پس ایسی روایات سے کیا فائدہ ہوتا ہے صحاح ظواہر کو چھوڑ کر ضعاف غیر معتبرات پر ہاتھ ڈالنا نہایت عجز اور بددیانتی ہے۔

لہ تاکید شدہ۔

کی بات ہے۔ مؤلف مولوی امیر باز خان کو رسم مفتی کی تلقین کرتا تھا آپ اس پر عمل نہیں کرتا کہ ایسے تارِ عنکبوت سے پناہ پکڑتا ہے۔ بہر حال مؤلف کا فقط کاغذ سیاہ کرنے کے سوا کچھ نفع نہیں ہوا اور مانعین کو ان عبارات سے کچھ حرج نہیں ہوتا وہ اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ کہ ایسی صورت میں منکر وصول ثواب کے مگر مؤلف کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہے؟ مؤلف قائل ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا قید پر راجع ہوتا ہے پس اصل ایصال درست اور قیود بدعت۔ علیٰ ہذا مولوی برہان الدین کا قول اگر بمقابلہ نصوص مؤلف کے نزدیک معتبر ہے تو اس میں وصول ثواب کا اثبات ہے نہ رفع بدعت کا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے کلام میں یہ فقرہ "اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد" خود معلوم ہو لیا کہ فاتحہ دادن کے معنی ایصالِ ثواب کے ہوتے ہیں مجازِ متعارف کے طور پر یا عرفِ عام کی وضع پر۔ علیٰ ہذا عبارت انتباہ میں مؤلف پر آفرین ہے کہ ان عبارات میں کہیں بھی طعام رو برو رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا نہیں نکلتا ہے، فقط مؤلف کے ذہن میں ایک نقشہ جم رہا ہے، اپنے خیال کی لوح سے نقل کرتا ہے اور فرطِ حب بدعت سے نہ چشمِ عبرت ہے نہ حیا و تنبہ۔ اگر فاتحہ کا پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہم رفع یدین و طعام کا سامنے رکھ کر پڑھنا جس سے کہ امر میں سرگردانی ہو رہی ہے ہرگز بھی نہیں نکلتا، جس کو سائل پوچھتا ہے اور مفتی بدعت کہتا ہے اور اس کے اثباتِ سنت میں مؤلف کمر باندھے ہوئے ہے، ڈھیلے پتھر جمع کر رہا ہے۔ دعویٰ کچھ، دلیل کچھ، شرم ندارد۔ اور سوالات عشرہ محرم کے جواب شاہ عبدالعزیزؒ کی طرف سے ہونے میں کلام ہے۔ اگر ان کے ہی ہیں تو یہ تصرف ہوا ہے کہ طعام نیاز قبل فاتحہ پڑھنے سے تصرف ہو جاتا ہے، یہ قول ہرگز صحیح نہیں۔ زکوٰۃ کہ اعلیٰ درجہ کا صدقہ فرض ہے وہ بھی تبرک نہیں ہوتا، اور کوئی صدقہ تبرک نہیں بنتا پس نیاز امامین کہ وہ بھی صدقہ ہے کس طرح تبرک بن گیا۔ بلکہ سب صدقات کو اوساخ الناس حدیث میں فرمایا ہے کہ بنی ہاشم کو منع ہوئی، اور جو قرآن پڑھے جانے سے تبرک ہوا ہے تو چاہیئے کہ جس گھر میں کوئی قرآن پڑھے سارے گھر کا طعام تبرک ہو جایا کرے۔

بہرحال یہ بہتان شاہ عبدالعزیز صاحبؒ پر ہے۔ اور خلاف حدیث وفقہ کے ہرگز صحیح نہیں۔ مؤلف کو یہ تنگی ہو رہی ہے کہ ایسی روایات سے اثباتِ مدعا ہے، سبحان اللہ، اگر درست ہے اس کا مبلغِ علم[1] اتنا ہی ہے اور مشہور ہے کہ الغریق یتعلق بکل حشیش[2]۔ علیٰ ہٰذا صراطِ مستقیم میں نفع رسانیٔ اموات باطعام وفاتحہ خوانی ہے اس سے جمع کرنا دونوں کا ایک حالت میں یا طعام روبرو ہونا قرأت کی حالت میں کہاں سے مفہوم ہے۔ واؤ مطلق کے واسطے ہوتا ہے، اور رفع یدین کس لفظ سے پیدا ہوا ہے۔ صراطِ مستقیم میں اول اس ہیئت کو بدعت فرما کر منع کیا تھا، آخر میں فرمایا کہ ہمارے اس منع سے ایصالِ ثواب کا منع کوئی نہ سمجھ لیوے، تو اس کو تصریح فرمادیا کہ اصلِ ایصال مالی وبدنی سب جائز ہے، بدعات سے منع کرنا ہے۔ اب قول مؤلف کا کہ اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہلِ عقل وانصاف کے نزدیک ہوگیا، کمالِ شوخی ہے یا بلادت ہے؟ کیا کہا جاوے۔

اب اگر بعضے صاحب منکرین میں سے زبردستی الزام دیں فاتحہ کرنے والوں کو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہی ہے کہ ثواب کھانے کا بے فاتحہ نہیں پہنچتا، اور فاتحہ اور پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ لوگ یوں نہیں جانتے کہ یہ امرِ خیر ہے اور ثواب کی بات ہے، بلکہ اس کو فرض واجب جانتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ منکر لوگ ایسے ایسے زبردستی افترا باندھا کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ جو ہر سال اپنے باپ کا عرس کرتے تھے ان پر مولوی عبدالحکیم پنجابی نے یہ اعتراض لکھا ہے کہ: "تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے سال بہ سال کرتے ہو"۔ اس کا جواب شاہ صاحب موصوف نے لکھا ہے: "زبدۃ النصائح مطبوعہ ۱۲۶۷ھ صـ ۴۲ میں ہے" ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمی داند آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بامداد ثواب وتلاوتِ قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امرِ مستحسن وخوب است، باجماع علماء وتعیین روزِ عرس برائے آں است کہ آں روز مذکرِ انتقالِ ایشاں می باشد

[1] علم کی انتہاء۔ [2] ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے۔

ازدار العمل بدار الثواب"۔ بعد اس عبارت کے شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت احادیث سے ثابت فرمائی ہے درِ منثور اور تفسیر کبیر وغیرہ سے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ کان یأتی قبور الشہداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلٰمٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھٰکذا یفعلون۔ انتہیٰ

قولہ اگر بعض صاحب زبردستی الخ۔ **اقول** زبردستی کوئی نہیں کرتا، عوام کا اعتقاد تجربہ کرکے دیکھ لو اور خواص کا مقابلہ مثل واجب کے التزام ہے اور ملامتِ تارک سے مشاہد ہے آنکھ کھول کر مؤلف ہی دیکھ لیوے اور افترا[1] ہر روز ہوتا رہتا ہے مؤلف بھی مولوی محمد یعقوبؒ صاحب اور مولوی رشید احمدؒ صاحب پر افترا کر چکا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ عقیدہ وجوب کا نہیں تاہم اس پر بدعت وقبیح ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تفسیر مَا اُحِلَّ بِہٖ میں لکھتے ہیں: "درست آنست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہر گونہ کہ مقرر است متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کسے کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ وقل ودرود خواندن طریق معین است برائے رسانیدن ماکولات ومشروبات بارواح الخ"۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عوام کے نزدیک یہ طریق ایصال کا متعین ہے سو تقیید مطلق سے بدعۃ ضلالہ ہوا، بقول مؤلف بھی۔ اور جب کوئی طریق نہیں سوائے اس کے تو یہ طریق واجب ہوا مگر یہ بھی اس سے واضح ہوا کہ شاہ عبدالعزیزؒ کے نزدیک یہ طریق ایصال کا بدعت وناجائز بھی ہے، پس سوالات عشرہ کی تکذیب ظاہر ہوگئی کہ اس میں جواز تبرک لکھا تھا حالانکہ یہاں نجاستِ معنوی بدعت کی باعتراف موجود ہے مؤلف غور سے مطالعہ فرماوے تاکہ اس کی آنکھ کھل جاوے۔

الحاصل عوام کے نزدیک تعین طریق ایصال ہونا بفاتحۂ مروجہ شاہ صاحبؒ کی تحقیق سے معلوم ہوا اور حسب اقرارِ مؤلف یہ قابل زجر وتوبیخ کے اور بدعتِ ضلالہ ہوا۔ اب خواص کو بھی اس کام کا کرنا جس سے عوام کو خرابی نہ ہووے ممنوع ہوا کہ جب

---

[1] جھوٹا الزام۔

موضوع اضلال عوام کا ہے اور یہی مدعا مانعین کا تھا، اور مولوی عبدالحکیم صاحب نے شاہ صاحبؒ پر اعتقاد فرضیتِ عرس کا اعتراض کیا تھا، شاہ صاحبؒ نے اس کا انکار کیا اور ایصالِ ثواب و زیارت قبور کو مستحسن فرمایا سو اس میں کسی کو انکار نہیں مگر عوام کو تو بری نہیں کیا بلکہ عوام کا یہ عقیدہ تفسیر عزیزی میں خود فرمادیا، اور بطور التزام کے تعیین یوم زیارۃ کو عقلاً لکھ کر ایک حدیث لکھدی ہے، گو وہ ضعیف ہے نہ بطور احتجاج و تصحیح اس حدیث و عمل کی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عجالۂ نافعہ میں خود شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ طبقۂ رابعہ کی حدیث پر اعتقادیات اور عملیات میں دونوں عمل کرنا درست نہیں پس اس روایتِ درّمنثور وغیرہ پر کہ طبقۂ رابعہ سے ہیں کس طرح عمل درست ہو سکتا ہے حالانکہ صحیح حدیث لاتتخذوا قبری عیداً اس کی معاند موجود ہے اور مانع عرس کی ہے۔ قال[ل] صاحب المجمع لاتجعلوا قبری عیداً ای زیارۃ قبری عیداً او قبری مظہر عید ای لاتجمعوا للزیارۃ اجتماعکم للعید فانہ یوم لھو وسرور و حال الزیارۃ بخلافہ وکان داب اھل الکتاب فاورثھم القسوۃ ومن ھجیری عبدۃ الاوثان عید والاموات۔ انتھی۔ اب دیکھو کہ عرس کو صحیحین نے بالکل حرام کردیا۔ اور مؤلف بھول گیا کہ صحیحین کے مقابلہ میں نسائی کی روایت کو بحثِ بدعت میں قابلِ عمل نہیں رکھتا تھا حالانکہ وہ حدیث صحیح تھی اور معارض بھی نہیں تھی اب اس حدیثِ شیخین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابلِ احتجاج بھی ہرگز نہیں کس طرح درست ہو گئی۔ مؤلف کو واجب ہے کہ اس کو حسب اپنے قاعدے کے

[ل] صاحبِ مجمع حدیث لاتجعلوا قبری عیداً کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی میری قبر کی زیارت کو عید اور میری قبر کو سامانِ خوشی مت بناؤ یعنی اس کی زیارت کے لئے اس طرح جمع نہ ہو جیسے عید کے لئے جمع ہوتے ہیں کیونکہ عید کا دن کھیل اور خوشی کا ہے اور حال زیارت اس کے خلاف ہے، اور زیارت قبر کے لئے عید کی طرح جمع ہونا اہلِ کتاب کی عادت تھی سو اس نے ان دل کو سخت کردیا اور نیز یہ بت پرستوں کی عادت تھی یہاں تک کہ اب مُردوں کو پوجنے لگے ۱۲ منہ

رد کر دیوے۔ مع ہٰذا حدیث مجمل ہے کہ راُس حول سے نہ معلوم کیا مراد ہے؟ آیا محرم ہے کہ قدیم عرب میں راُس حول تھا، یا ربیع الاول کہ راُس سال ہجرت ہے یا شہادت کہ شوال تھا۔ پس مجمل پر عمل درست نہیں۔ بہر حال شاہ صاحبؒ نے التزاماً یہ روایت نقل کر دی ہے ورنہ ہرگز قابل احتجاج کے نہیں۔ پس اصلیت عرس کی ہرگز ثابت نہیں جیسا کہ مؤلف اپنے حکم میں بنائے بیٹھا ہے۔

اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عرس کی اصلیت حدیث سے پہچانی، یعنی ابن منذر، ابن مردویہ اور ابن جریر کی روایتیں جو درِ منثور اور تفسیرِ کبیر سے نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال بہ سال شہداء احد کی قبور پر ہر برس کے سرے پر تشریف لاتے تھے اور اسی طرح بعد آپؐ کے خلفاء اربعہؓ کرتے رہے، غرضیکہ اصلیت عرس کی ثابت ہوگئی، اب جو کوئی شاہ صاحبؒ موصوف کے خاندان میں ہوکر اپنے بزرگان کا کلام رد کرے اس کو اختیار ہے۔ دوسری بات یہ کہ قبورِ صالحین کی زیارت موجبِ برکت ہے۔ تیسری یہ کہ قدیم سے حاسد لوگ زبردستی طعنے دیا کرتے ہیں اور افتراء باندھا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض، واجب جان رکھا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ شاکی ہیں اور فرماتے ہیں "ایں طعن مبنی است بر جہالت الخ"، پس اسی طرح جو لوگ فاتحہ کرنے والوں پر اور محفلِ مولد شریف کرنیوالوں اور قیام کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض واجب جانتے ہیں، اس کا وہی جواب ہے جو شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ چوتھی یہ کہ فتوئ انکاری میں مولوی امیر باز خان التزام امرِ مستحب کو حصۂ شیطان کا ثابت کرتے ہیں تو کلامِ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب سے اور ان کے معمولِ دائمی سے معلوم ہوگیا کہ مستحب کا نباہ دائمی کرنا مستحب ہے۔ پانچویں یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین، یعنی قرآن اور دعاء اور تقسیم شیرینی وطعام کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن اور خوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ باجماع علماء۔ اب کہئے اجماع علماء اور اتفاقِ صلحاء کے آگے تم بے پیروں کے اختلاف اور پھوٹ کو کون سنے؟

قولہ اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں الخ۔ **اقول** سب لغو ہوگیا کیوں کہ اصلیت عرس کی اس حدیث سے جب ثابت ہوتی کہ یہ حدیث مفسر صحیح ہوتی اور اس کی معارض حدیث نص وصحیح نہ ہوتی۔ اور قبور صالحین کی زیارت اس وقت موجب برکت وجائز ہے کہ کوئی محذورِ[1] شرعی لازم نہ آوے اور التزام مستحب کا یہی بدعت ہے بسبب تقیید اطلاق کے بقول مؤلف، پس یوم عرس اگر متعین ہوگا وہی محذور اور بدعت لازم آویگا۔ اور جمع بین العبادتین[2] درست ہے بشرطیکہ اس کی ترکیب سے کوئی ہیئتِ غیر مشروع نہ پیدا نہ ہو جاوے۔ باقی ہزلیات مؤلف کا جواب محقق پہلے ہو چکا ہے ضرورت اعادہ کی نہیں۔ اب جو بے پیر اور بے راہ ہے خود معلوم ہوگیا کہ احادیثِ صحاح کا مخالف اور اپنے قول کا عامل خلاف مجتہدین کے ہو کر جو ہوگا وہی بے پیر بلکہ بے دین ہے، فقط۔

تتمہ، مولوی یعقوب علی مدرس مدرسہ نظامیہ نے اپنے تمام پیشوایانِ متقدمین اور متأخرین کے رسائل سے دلائل انتخاب کر کے فاتحہ وغیرہ کی مذمت میں ایک رسالہ لکھا جس کا باعث اوّل ایک شخص خیر اللہ ہوا تھا اور وہ رسالہ دہلی مطبع فاروقی میں چھپا اس رسالہ کی تعریف صفحۂ اول میں یہ لکھی ہے، "ایسا یہ مسئلہ مدلل اور محقق ہوا کہ آج تک کہیں نہیں چھپا تھا اور نہ دیکھنے میں آیا اور نام اس کا سیف السنّۃ رکھا" انتہی کلامہ، چونکہ تعریف اس رسالہ کی بقول شخصے اپنے منھ میاں مٹھو بہت کچھ لکھی ہے، اس میں اندیشہ ابتلائے عوام کا ہے اس لئے میں محرر اس انوار ساطعہ کا چاہتا ہوں کہ اس سیف السنتہ کے دلائل کا کند ہونا اور بد دیانتی کا زنگ لگا ہونا جوہر شناسوں کو دکھلا دوں، مولوی مذکور صہ سیف السنتہ میں لکھتے ہیں "یہ جو کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر کچھ کلام اللہ بطور فاتحہ پڑھتے ہیں فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، شرح کبیری میں ہے ان اتخاذ الطعام عند قرأۃ القرآن یکرہ یعنی کھانا رکھنا قرأۃ قرآن کے وقت مکروہ ہے انتہی کلامہ" اب اس مقام پر چند باتیں قابل خیال کے ہیں: ایک تو یہ کہ جاہلوں کے بہکانے کے واسطے اتخاذ الطعام کے معنی لکھے "رکھنا کھانے کا" یہ خلاف

[1] منوع [2] دو عبادتوں کو جمع کرنا

لغت عرب کے ہے، رکھنے کو عربی میں وضع کہتے ہیں اور سبحان اللہ تطبیق دلیل مدعا پر دیکھئے کیا خوب ہے، دعویٰ کرتے ہیں کہ سامنے کھانا رکھ کر کلام اللہ پڑھنا منع ہے اور دلیل یہ لائے کہ جس وقت قرآن پڑھتے ہوں اس وقت کھانا رکھنا منع ہے، دیکھئے دلیل تو فی نفسہٖ مسلم ہے یعنی جس وقت آدمی قرآن پڑھتے ہوں عین حالت قرأت میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل اس میں مشغول کرنا مکروہ ہے لیکن ان کا دعویٰ اس سے ثابت نہیں ہوتا اور تماشہ یہ کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد، اتخاذ الطعام کے معنی یہاں سامنے رکھنے کے کرکے پھر تیسری سطر میں جو رسم تیجے و دسویں وغیرہ کو رد کرتے ہیں اتخاذ المطعام کے معنی مقرر کرلینا کھانے کا، اور اس سے زیادہ بد دیانتی کہ شرح کبیری سے یہ تو فقرہ نقل کردیا، لیکن صاحب کبیری نے جو اس پر اعتراض کیا ہے دوسری سطر میں وہ نقل نہ کیا، وہ یہ ہے ولا یخلو عن نظر لانہٗ دلیل علی الکراھۃ الخ یعنی وہی صاحب کبیری شارح منیہ لکھتے ہیں کہ یہ مکروہ کہنا اس کھانے کو بحث سے خالی نہیں اس واسطے کہ کوئی دلیل کراہت پر نہیں آتی الخ اس سے زیادہ خیانت اور ابلہ فریبی یہ کہ اسی سطر میں شرح کبیری میں لکھا ہے وان اتخذ واطعاماً للفقراء کان حسناً یعنی اگر تیار کریں کھانا غریبوں کے واسطے اچھی بات ہے، صاحب سیف السنۃ نے ایسی سیف اپنی گردن دیانت پھیری کہ اس فقرہ کا نام بھی نہیں لیا۔

قولہ تمہ الخ۔ **اقول** مولوی یعقوب علیؒ کے پیشوایان کا جواب آج تک کسی اہل بدعت نے نہیں دیا، مگر مؤلف کی طرح سبّ[1] و شتم[2] کہ جہلاء کا طریق ہے کرتے رہے ہیں، اب مؤلف نے تمام اپنے پیشوایان کی ساری عمر کی تحقیقات و تحریرات کا انتخاب کرکے یہ رسالہ انوار ساطعہ لکھا ہے اور بیس سال کی عمر اپنی سعی کا خلاصہ اس میں درج کیا ہے۔ سو واضح ہوگیا کہ جہل مرکب ہے بس فقط رد ہی رد ہے، نہ سوال کو سمجھے نہ جواب کو بوجھے، دعویٰ کچھ، دلیل کچھ، نتیجہ کچھ۔ دلائل ایسے چربوز[3] سوا ایسے علم پر ناز اور مولوی یعقوب علیؒ پر اعتراض مولف ہی کی بے شرمی کا کام ہے اور بس۔

---

[1] مطابقت [2] گالی گلوچ [3] بیکار۔

قولہ مولوی مذکور صفحہ میں سیف السنۃ کے لکھتے ہیں الخ۔ **اقول مؤلف**
ذرا تو شرم کرنے اور سوچے اور معنی شرح منیہ کے سمجھے۔ شرح منیہ کے یہ معنی ہیں کہ قرآن
پڑھنے کو میت کے واسطے لوگ جمع ہوں اور ان کے واسطے طعام تیار کرایا جاوے تو یہ
مکروہ ہے۔ پس سنو کہ ہرگاہ کہ عوام کے نزدیک مقرر ہو لیا کہ ضیافت[1] میت میں لوگ
اگر قل پنج آیت پڑھتے ہیں اور یہاں بھی آکر پڑھیں گے اور ہونا اس کا ضروری جانتے
ہیں تو بداہۃً اہلِ میت کی نیت طعام کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ہوئی اور طعام خوار بھی
جانتے ہیں کہ ہم کو وہاں جاکر قرآن پڑھنا ضرور ہے تو اجابتِ دعوت کے ساتھ قرآن پڑھنے
کی نیت مقرر ہوتی ہے، پس طرفین میں ضیافت کا ہونا اور قراءۃِ قرآن کا ہونا محقق ہو چکا
اب میت کے واسطے قرآن خوانی کو بلانا اور جانا اس ضیافت پر صادق آگیا بداہۃً پس
اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن یہاں موجود ہے بداہۃً اگرچہ قلیل ہی ہوں سارا قرآن
نہ ہو کیونکہ کثرت و قلت کا فرق تو مولف نے ساقط کر دیا ہے، ایک لڈو کو ضیافت کا حکم
دے چکا ہے اور فقط فاتحہ کو قرآن کا حکم دیدیا اور درست ہے پس قرآن خوانی کیواسطے
اتخاذ طعام ہو گیا۔ اگر تھوڑی سی عقل بھی ہو تو واضح ہے، البتہ یہاں دوسری شق بھی
منیہ کی موجود ہے اعنی وان اتخذوا للفقراء کان حسناً، بہرحال یہ ضیافتِ مروّجہ
مرکب ہوئی دونوں شق سے کہ للفقراء بھی ہے اور لقرأۃ القرآن بھی ہے پس مرکبِ مباح
مکروہ سے مکروہ ہی ہوتا ہے یہ قاعدہ مشہور ہے، پس موافق قواعد فقہ کے اور روایت
شرح منیہ کے یہ اتخاذ طعام مکروہ ہو گیا مؤلف خوب سمجھ کر غور کر لیوے۔

اب مولوی یعقوب علیؒ کا استدلال سنو کہ ان کی مراد رکھنے سے تیار کرنا اور
ٹھیرانا ہے یعنی پکوانا اور یہ محاورہ ہند کا ہے جیساکہ اتخاذ الجمّۃ جو باب ترمذی
وغیرہ میں آتا ہے اس کا ترجمہ بال رکھنے سے کرتے ہیں، بہرحال مراد انکی سامنے آکل
کے رکھنا نہ تھی کہ کوئی لفظ ایسا ترجمہ میں نہیں ہے، مؤلف نے زبردستی رکھنے کو
سامنے رکھنا سمجھ کر اعتراض کیا ہے خواہ مخواہ، پس یہ کم فہمی مؤلف کی ہے اور اعتراض
ہرگز نہیں مؤلف غلط کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور خود اپنی خبر نہیں کہ کس قدر غلط

---
[1] مہمان داری

تراجم اور خیانت نقلِ عبارات میں کرتا ہے ہم نے خطاہائے لفظی اس کی نہیں لکھی، لطور الزام کے ایک ترجمہ مؤلف کا بتاتا ہوں کہ صفحہ تیسرے کی پہلی سطر میں لستُ کاحدٍ کم کا ترجمہ مؤلف نے لکھا ہے بقولہ "یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں" اور حالانکہ یہ ترجمہ ہدایۃ النحو پڑھنے والا بھی نہیں کر سکتا، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں نہیں ہوں مثل کسی ایک تمہارے کے" پس اپنی خبر نہیں دوسروں کو خواہ مخواہ طعن کرتا ہے، اور جو تسلیم کیا جاوے کہ سامنے ہی رکھنا ان کی مراد ہے تو بھی استدلال درست ہے اس واسطے کہ در صورتیکہ قرآن خوانوں کو کھانا کھلانا بعد قرأت یا قبل قرأت کے اور ان کے واسطے کھانا پکانا مکروہ ہوا تو عین قرأۃ میں سامنے رکھا ہونا اور اس کے ہی واسطے کھانا پکانا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا بدلالۃ النص۔ پس یہ روایت کھانا رکھ کر قرآن پڑھنے پر صاف دلالت کرتی ہے مگر مؤلف کو فہم مطلب سے غرض نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن پڑھتے ہوئے کھانا لاکر رکھنا مکروہ ہے جس کو مؤلف خود تسلیم کرتا ہے اور اس کی دلیل کو بھی مسلم رکھتا ہے تو بعینہٖ اس ہی دلیل سے قبل قرأۃ بھی رکھنا مکروہ ہوگا اس واسطے کہ خشوع کا جانا جیسا وقت قرأۃ کے طعام رکھنے میں ہے قبل قرأۃ رکھنے میں بھی موجود ہے۔ قاری کا دل مشغول ہونا دونوں صورت میں موجود ہے بلکہ پہلے سے رکھنے میں زیادہ دیر تک مشغولی ہے سو وہ بالطریق الاولیٰ مکروہ ہوگا، پس مدعا اور دلیل تو مطابق ہے مگر مؤلف کے فہم میں کوتاہی اور مخالفت ہے اور یہ دوسری دلیل کراہت فاتحۂ مروّجہ کی مؤلف کے اقرار سے ثابت ہوگئی کہ دل قاری کا اور جملہ آکلین[1] کا کھانے میں مشغول ہے اور قرآن کا پڑھنا اور سننا کہ دونوں عبادت ہیں ہو رہا ہے، قال المؤلف دلیل تو فی نفسہٖ مسلم ہے کہ آدمی قرآن پڑھتے ہوں عین حالتِ قرأت میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل اس میں مشغول کرنا مکروہ ہے، اب دو دلیل کراہت فاتحۂ مروجہ کی مؤلف نے اپنے منھ سے بول دی مگر ہاں پڑھنے میں طعام رکھنے سے دل مشغول ہو اور پہلے سے رکھ کر پڑھنے میں نہ مشغولی ہو یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا۔ الغرض یہ ترجمہ آپکا مسلم کر کے بھی استدلال میں کوئی عیب و نقصان نہیں، مگر ہاں مؤلف کے فہم میں بیشک

---

[1] کھانے والے۔

نقصان ہے پس یہ طعن ترجمہ اور خندہ مؤلف کا اس پر ہی منقلب[1] ہوا اور لغت دانی[2] اور علم وفہم مؤلف کا سب پر واضح ہوگیا، مگر خدشہ لایخلوا عن نظر[3] باقی ہے وہ بھی سنو کہ بظاہر یہ خیانت مؤلف کی ہے کیونکہ مؤلف کو اس مقام ردمختار پر نظر ہے چنانچہ اس ہی ذیل کی روایت مؤلف اپنے اس رسالہ میں نقل کرتا ہے، سو ردمختار بعد نقل روایت شرح منیہ کی اور اس کے قولہ لایخلو عن نظر کے لکھتا ہے فیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جویر علی انہ بحث فی المنقول فی مذھبنا ومذھب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراھۃ الخ پس ہرگاہ مؤلف کو اس نظر شرح منیہ کا منظور ہونا معلوم تھا پھر بھی دیدہ و دانستہ نقص کیا یہ عین خیانت اور حق پوشی اور خلاف دیانت کے ہے اور چونکہ نظر شارح منیہ کی لایُعبأبہ[4] ہوئی تو روایت بزازیہ کی سالم و معتبر رہی، مولوی یعقوب علی نے اصل روایت کو نقل کیا اور نظر پر کچھ نظر نہ کی کہ خود منظور تھی یہ عین دیانت وعلم ہے کہ معتبر روایت کو نقل کرے اور منظور فیہ پر التفات نظر نہ کیا کرے مگر مؤلف اپنے خیالات کو عین دیانت جانتا ہے، اوروں کی دیانت کو بھی خیانت سے تعبیر کرتا ہے معاذ اللہ۔

اور ایسے ہی صـ۱۱ میں مولوی عبدالحکیم صاحب دہلوی پر افتراء کیا ہے انہوں نے تفسیر کے صـ۵۱ میں لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک میں حضرت نے دعاء اور فاتحہ پڑھی ہے حالانکہ یہ سخت بہتان ہے ان کی تفسیر فاتحۃ العلیم کا صـ۵۱ دیکھے جس کا جی چاہے کہ غزوۂ تبوک میں انہوں نے فاتحہ کا نام بھی نہیں لیا فقط یہ لکھا ہے کہ دعاء پڑھی۔ افسوس ہزار افسوس کہ اس سیف السنۃ میں دو مقام میں مولوی عبدالحکیم صاحب کی نسبت القاب بد لکھے، حاشیہ صـ۱ میں لکھا ہے کہ اس کی کل تصنیفات دغا بازی اور بے ایمانی سے خالی نہیں اور حاشیہ صـ۱۱ میں بھی خراب لفظ لکھے، اب سب ارباب انصاف نظر فرمادیں کہ ان کی دغا بازی تو ایک بھی ثابت نہیں صرف دعویٰ بے دلیل ہے اور حضرت سیف السنۃ کے ایک ہی فقرہ میں کتنی بددیانتی اور خیانت بھری ہوئی ہے

[1] لوٹنا [2] زبان دانی [3] نظر سے خالی نہیں [4] غیر معتبر

اسی طرح اگر کوئی دانشور اس کو دیکھے گا بہت خرابیاں اس میں پاویگا میں نے اس کا
انداز اور چال چلن ایک فقرہ لکھ کر ظاہر کر دیا ہے "مشتے نمونہ از خروارے"۔ مجھکو بزرگانِ
سلف کی دانشمندی اور سچے کلام فرمانے کا کمالِ اذعان ہے، صحیح اعتقاد اور صحیح تجربہ
سے کہتا ہوں کہ یہ بات بزرگوں کی نہایت صحیح ہے "المرءُ یقیسُ علیٰ نفسہٖ" یعنی آدمی سبکو
اپنا سا خیال کرتا ہے، پس اسی طرح مولوی یعقوب علی مذکور نے مولوی عبد الحکیم صاحب کو
خطاب اپنے القاب کے موافق دیا ہے اس کا کچھ گلہ نہیں، اب آپ کے تبحرِ علمی کا حال
سنئے کہ غزوۂ تبوک کی حدیث جس میں کثرت سے صحابہؓ تھے آپ صلا سیف السنہ میں
اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں "اگر کثرت صحابہؓ تھا تو کیوں یہ حدیث متروک ہوئی بار ہا
اس عاجز نے کتبِ صحاحِ ستّہ وغیرہ کا درس دیا ہے اس کا پتہ بھی نہ پایا، انتہیٰ کلامہٗ"
آپ عالم و محدث ہونے کا دعویٰ فرماتے ہیں کہ صحاحِ ستہ اور اس کے ساتھ وغیرہ بھی
پھر وہ بھی بار ہا درس دینے کا اظہار اور میاں کو غزوۂ تبوک کی بھی خبر نہیں، اگر کوئی
مشکوٰۃ کا ترجمہ بھی دیکھا ہوا ہوتا تو مان لیتا، بیشک باب المعجزات میں یہ حدیث بروایتِ مسلم
موجود ہے۔

قولہٗ اور ایسے ہی صلا میں الخ۔ **اقول** مؤلف اس کو افترا کیوں کہتا ہے؟
فاتحہ کو من وجہٍ دعا، مؤلف خود ہی کہتا ہے سو بطور عطف تفسیر کے انہوں نے لکھدیا ہے
کوئی توحشؔ کی بات نہیں اور شکوہ بدزبانی کا بھی مناسب نہیں مؤلف نے اپنے استاذ اِن
دین کو اور بڑے بڑے جلیل القدر علماء اتقیاء متاخرین و متقدمین کو نہیں چھوڑا، اگر مولوی
یعقوب علی نے مولوی عبد الحکیم کو کچھ لکھدیا تو کیا شکوہ ہے مؤلف کا تو عین مذہب
دین ہے، اگر یہ کوئی بڑی بات ہے تو اول خود عمل کرے پھر دوسرے کو نصیحت، زیادہ
اس سے ہم پھکڑ کا جواب نہیں دیتے کہ علم کی بات نہیں۔

اب حالِ خوش فہمی اور ترتیب دلائل اور تحصیل نتائج کا دیکھئے، رد فاتحہ مرسومہ
کی بڑی عمدہ دلیل صہ کی آخری سطروں میں لکھتے ہیں، جب آپ کے سامنے طعام

لہ گھبرانا۔

تناول کے لئے آتا آپؐ سالن کی انتظاری نہ فرماتے، اگر کسی نے کہا یا رسولؐ اللہ سالن آنے دیجئے، آپؐ فرماتے کہ سالن کو روٹی پر فوق دیتے ہو، انتہی کلامہ، سبحان اللہ کیا محکم دلیل آپ نے ردِ فاتحہ کے لئے تجویز فرمائی ہے قیاس مع الفارق۔ اول تو یہ کہ وہ کھانا حضرتؐ کے خود نوش جان فرمانے کا ہوتا تھا، محتاجوں کو بقید ثواب رسانی کھلانے کا نہ ہوتا تھا، جب وہ کھانا اور طرح کا ہوا اور یہ اور طرح کا تو ایک دوسرے پر قیاس نہ کرنا چاہئے، وہی مثال ہوئی جیسا آپ نے صـ۱۴۱ میں لکھا ہے پس آپ اپنی اس مثال کو دیکھئے گا اور گریبان میں منھ ڈالئے گا۔ دوسرا نقصانِ دلیل یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سالن کی انتظاری میں جو یہ فرمایا کہ سالن کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر یہ بات اور ہے اور جو شخص فاتحہ یا قل پڑھتا ہے اور اس سبب سے روٹی کھانے میں جو کچھ دیر ہوتی ہے اس کو تو نہیں کہہ سکتے کہ کیا اللہ کے کلام کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر پس یہ سمجھ لو کہ یہ سب دلیلیں تمہاری خود ذلیل اور تم کو ذلیل کرنے والی ہیں، یہ کتاب سیف السنۃ اس معنی کر صحیح ہے کہ سیف قطع کیا کرتی ہے، سیف السنۃ بمعنی قاطع سنت، یعنی یہ کتاب سنت کو کاٹنے والی ہے اس لئے کہ تم نے اس کی دلائل میں خیانتیں کی ہیں اور خیانت خلافِ سنت ہے اور مولوی عبدالحکیم صاحب دہلوی کی نسبت جو لفظ بے ایمان اور دغا بازی وغیرہ لکھے ہیں وہ بھی از روئے سنت ممنوع ہیں، پس لاریب تمہاری سیف سنت کی کاٹنے والی تلوار ہے چاہئے کہ ہماری اس تحریر کا نتیجہ ظاہر ہو کہ پھر تم کسی کو کلماتِ شنیعہ نہ کہو اور نیز دین میں مغالطہ اندازی اور فتنہ پردازی کبھی نہ کرو۔

قولہ اب حال خوش فہمی الخ۔ **اقول** خوش فہمی مؤلف کی تو اولِ رسالہ سے یہاں تک دیکھتے چلے آئے ہیں، پچھلے قول میں مولوی یعقوب علی کی تخطیہ میں بھی مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی، بندہ نے سیف السنۃ کبھی نہیں دیکھی، نہ سنی۔ اس رسالہ ہی سے یہ عبارات اس کی معلوم ہوئی ہیں، مگر خوش فہمی مؤلف کی یہاں بھی واضح ہے، یہ روایت عدم انتظار سالن کی تو مؤلف قبول ہی کرتا ہے خواہ کیسی ہی ہو۔

لہذا اس میں کلام فضول ہے، البتہ مؤلف نے مابہ الافتراق پیدا کر کے اعتراض کیا ہے کہ طعام اپنے کھانے اور صدقہ کے طعام میں فرق ہے، اپنے کھانے کے طعام کا تو ادب ہے کہ انتظار سالن کا بھی نہ ہو اور صدقہ کا طعام ہوگیا تو ادب نہ رہا کہ پڑا رکھا ہے حالانکہ طعام دونوں ظاہراً ادب میں برابر ہیں گو دساخ معنوی سے صدقہ ملوث ہو کر ذی فضل کو مکروہ ہوا مگر ادب طعام میں کچھ فرق نہ آیا، پس مولوی یعقوب علی کی غرض یہ تھی کہ طعام کا ہر حال میں ادب ہے اگرچہ صدقہ کا ہو، پس بعد طعام رکھنے کے دوسرے کام میں نہ لگے بلکہ مشغول بالکل ہو جائے جیسا فخر عالم علیہ السلام نے کیا مگر مؤلف نہ سمجھا تو بولا یہ طعام صدقہ کا ہے، پس اگر یہ فارق ہے تو مؤلف اپنے دعویٰ کو کسی ایسی دلیل سے درست کرے کہ طعام صدقہ میں ادب نہیں رہتا ورنہ کلام مؤلف کا لغو بے ہودہ رہیگا۔ الحاصل طعام نعمتِ الٰہی ہے اگرچہ طعام صدقہ کا ہو، حدیث میں ہے کہ اکرموا الخبز، اور یہی اکرام ہے کہ بعد طعام آنے کے دوسرے کام میں مشغول نہ ہو متوجہ بالکل طعام ہو جاوے اگرچہ عبادت نفل ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حدیث مسلم گذری لاصلوٰۃ بحضرۃ المطعام، اور احیاء العلوم میں بھی حضرت علیہ السلام کا فعل نقل کیا ہے کہ انتظار سالن کا بھی نہ کرتے تھے پس طعام سب برابر ہیں پس قرآن خوانی طعام رکھکر خود ممنوع ہوگئی اور صدقہ کا فرق محض دعویٰ مردود ہے نص سے، یہ ادب طعام صدقہ میں رفع ہونا مؤلف اگر ثابت کر دیوے تو قابلِ التفات ہے ورنہ خود مردود ہے۔ سبحان اللہ مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی، باقی ان کی کلام مضحکۂ صبیان[1] ہے قابلِ جواب علمی کے نہیں، ابھی مؤلف مقر ہو چکا ہے کہ طعام کا رکھنا حالت قرآن پڑھنے میں بسبب مشغولیٔ قلب کے مکروہ ہے، علیٰ ہذا قرآن پڑھنا طعام رکھی حالت میں مکروہ ہے بسبب مشغولیٔ قلب کے بلا تفاوت مگر مؤلف کے ہوش درست نہیں۔

لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ، شیخ عبدالحق ؒ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے "در بعض روایات آمدہ کہ روحِ میت می آید خانۂ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ

[1] وجہ فرق۔ گندگی۔ بچوں۔

ہیں یا بہشت میں، اس موقعہ پر بھی مسلمان جاننا چاہیئے، اور ارواحِ مؤمنین کا حال یہ ہے کہ اگرچہ ان کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جاوے جس طرح حدیث صحاح ستہ میں وارد ہوا ہے، اور اگرچہ اس کو بہشت کی ناز و نعمت، استراحت ہو لیکن با ایں ہمہ دنیا کی بھی سیر کریں تو وہ اہلِ بہشت ہونے سے خارج نہیں ہوتے۔ تخت گاہ دہلی کا رہنے والا اگر "شاہدرہ" اور "لونی" وغیرہ مواضع کی سیر کرلے پھر دہلی کو پھر جاوے کیا یہ بات اس کو ساکنِ دہلی کہنے سے روک دیگی، حاشا و کلا۔ وہ کہیں پھر پھرا کر آجاوے وہ اہلِ دہلی کہلاویگا، اسی طرح بہشتی روح دنیا میں کسی مواضع اور مواقع کی سیر کرے تب بھی وہ ساکن بہشتی کہلاویگی۔

جمعرات کی فاتحہ کو یوں منع کرتے ہیں

قولہٗ لمعۂ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ الخ

اقول سائل نے جمعرات وغیرہ کی فاتحۂ مرسومہ وغیرہ کو پوچھا تھا، مجیبوں نے اس ہیئت و تقیید کی بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تو حسب قاعدۂ مسلمۂ مؤلف کے یہ بدعت ہونا قید کی طرف راجع ہوا یعنی ہیئت اور تقیید زمان کی طرف سو وہ ثابت ہو گیا اور کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں جب کبھی اور جس وقت ہو بلا قید کی جائز ہے البتہ تخصیص بلا نص کے منکر ہیں، خصوصیت کسی دن کی اگر نص سے ثابت ہو جاوے تو اعتبار کرتے ہیں ورنہ سب ایام برابر جانتے ہیں اور اس پر تخصیص کرنے کو بدعت کہتے ہیں، اب مؤلف جمعرات کی تخصیص کے اثبات میں تین روایات لایا ہے بلا سند مگر اس کو خدشہ ہوا کہ اہلِ سنت نقص ضعف یا وضع کا کر کے اڑا دیں گے لہٰذا اس کی تدبیر کرتا ہے "بقولہٖ اس فرقہ کا قاعدہ ہے کہ اپنے عقیدہ کے خلاف کو غیر معتبر کہتے ہیں الخ"۔ لاریب فرقہ اہلِ سنت محدثین و فقہاء کا یہی معمول ہے کہ حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اگر صحیح ہوئی تو قابلِ احتجاج جانتے ہیں ورنہ رد کرتے ہیں بقولہ علیہ السلام یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم "الحدیث"۔ پس اس کو محلِ طعن بنانا کسی عالم کا کام نہیں کہ یہ امر فخر عالم

کا ارشاد ہے، البتہ فرقۂ مبتدعہ اپنی ہوی کی احیاء میں روایت موضوعہ متروکہ سے استدلال
لاتے ہیں اور جملہ محدثین ضعیف حدیث پر جرح کرتے ہیں، دیکھو صحاح ستہ اس سے پر ہیں
مگر مؤلف نے یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو
وہ تمام کتب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جاوے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا، مثلاً ہدایہ
شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لاتے ہیں مع ہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح
کر کے ترک کر دیتے ہیں۔ ترمذی ابو داؤد وغیرہما کتب سے سند لاتے ہیں مع ہذا جس
روایت میں اس کے ضعف ہے اس کو ترک کرتے ہیں اس کو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے
مگر مؤلف کہتا ہے کہ مولوی اسحاق صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزانہ اور دستور القضاۃ سے
روایت نقل کی ہیں تو بس سب مرویات منقولات ان کی ان کے نزدیک معتبر اور واجب
القبول ہو گئی، یہ عجب العجائب[۲] استدلال ہے اور خود مؤلف اس کے خلاف عمل کرتا ہے کہ
نسائی جو معتبر کتاب ہے اس کی زیادہ ثم یفشو الکذب[۳] کو بزعم خود خلاف شیخین کی روایت
سمجھ کر ضعیف متروک بنا چکا ہے حالانکہ نسائی کو وہ معتبر جانتا ہے پس دوسروں کو
کیوں ایسا جان گیا کہ دو چار روایت نقل کرنے سے سب کے سب معتبر جان لیتے ہیں اگر مؤلف
کو مخالفتِ حدیث صحیح کا عذر ہے تو دیگر علماء بھی یہی عذر رکھتے ہیں، غرض مؤلف کی کوئی
ہوش کی بات نہیں۔ اب سنو کہ اول تو ان روایات کی توثیق[۴] خود کتاب والوں نے نہیں کی کہ
ان کے نزدیک یہ روایات صحاح ہیں یا نہیں اور بدون توثیق کے نفس نقل سے تصحیح نہیں
ہوتی، پھر دوسرے ان کی سند بیان نہیں کی جس پر اعتماد ہو، تیسرے شیخ نے تو فقط یہ لفظ
کہا کہ "در بعض روایات آمدہ" نہ معلوم کہ وہ مرفوع ہو یا کسی عالم کا قول ہے، اور خزانہ
بعض علماء محققین سے ہی نقل کرتا ہے نہ معلوم کہ کون ہیں اور کیسے ہیں ایسی بھی روایت
محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہوتی اور بظاہر قول کسی عالم کا ہے، اور دستور القضاۃ میں فتاوی
نسفیہ سے نقل کیا ہے کہ نہ رفع کا حال معلوم ہے نہ کچھ غرض توثیق ہے نہ سند ہے نہ یہ
معلوم کہ کس کا قول ہے اور نفس نقل سے توثیق نہیں ہو سکتی نہ از طرف ناقل نہ از غیر ایسی
ایسی روایت کا اعتبار کس عاقل کا کام ہے بعد اس کے یہ خلاف قواعد شرعیہ کے اور معارض[۵]

---

۱ نقد ۲ تعجب خیز ۳ پھر کذب ظاہر ہو جائیگا ۴ اعتماد کرنا ۵ مخالف۔

احادیث صحاح کے ہے اس واسطے کہ ایصالِ ثواب کا ورثا، پر حق واجب نہیں باتفاق امت بلکہ مستحب اور احسانِ محض ہے، کسی ایک عالم نے بھی نہیں کہا کہ زندہ پر مردہ کا حق واجب ہے، یا حق تعالیٰ نے ایصالِ ثواب کو واجب کیا ہے، پس اگر کسی نے احسان کیا مستوجب ثواب اور مدح کا ہوا اور نہ کیا تو قابل سرزنش کے نہیں۔ لھٰذا اگر جمعرات کو زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر شرعاً نہیں کیا، ہاں احسان بھی نہیں کیا، تو احسان نہ کرنے پر بد دعاء کا کرنا شرعاً حرام ہے اور قابل سزا اور سرزنش کے ہے کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔ پس میت مسلم باوجودیکہ ظلمتِ نفس و شیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر و شر اس کو واضح ہو گئی وہ اب بھی بزعم مؤلف گرفتارِ معصیت و منکرات ہے کہ دیدہ و دانستہ ناحق بد دعاء کرتا ہے، بعد ایتان یقین و کشف آخرت کے بھی وہ شرِ نفس میں مبتلا ہے اور کسبِ معاصی میں گرفتار ہے، معاذ اللہ۔ یہ روایت قطعاً متہم متروک ہے اور خلاف نصوصِ صحاح کے ہے۔

روح کو عالمِ برزخ میں سیئات کے ظلمات و قبح اور حسنات کے انوار حسن کا مشاہدہ ہو جاتا ہے، پس ان سے بعد مشاہدہ کے نافرمانی حق تعالیٰ کی ممکن نہیں مؤلف نے اپنے اوپر ارواح برزخ کو قیاس کیا ہے کہ قرآن کا ترجمہ پڑھتا اور دیکھتا ہے اور پھر عقاب آخرت کا خیال بہوائے نفسانی کچھ نہیں کرتا، پھر یہ کہ جب یہ ایسا امر تھا کہ واجب ضرور ہے اور نہ عمل کرنے سے بد دعاء اموات کا محل ہوتا تھا تو ایسے شائع امر کا کسی صحیح روایت مرفوع یا موقوف سے ثبوت نہ ہو اور نہ اہلِ صحاح اس کو روایت کریں حالانکہ کثرت عمل کرنے سے چاہیئے کہ بشہرت منقول ہوتا مگر ایک بھی روایت نہ ہو اس کو کون عاقل قبول کر سکتا ہے ایسی روایت حسب قاعدہ اصول معتبر نہیں ہوتی سو یہ حال تو دستور القضاۃ کی روایت کا ہے رہی وہ حدیث باقی سو ان میں بد دعاء کا ذکر نہیں البتہ آنے کا ذکر ہے۔ پس ہر سہ روایت آنے ارواح میں مخالف صحاح کی ہیں کیونکہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ جو پہلے مر لیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر لیا تھا، اگرچہ ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے اپنی آنکھ سے تو سب حال دیکھ

ؔ مردے۔

دیکھ آتے ہیں، اور سوائے اس کے اور احادیث میں اس قسم کی دلالات موجود ہیں کہ ان روایات کو رد کرتی ہیں پس یہ ہرگز قابلِ اعتبار نہیں اور نہ اس پر عمل سلف کا ہوا یوم جمعہ میں استحباب صدقہ کا وارد ہوا ہے مگر لیلۃ الجمعہ[1] یا یوم الجمعہ[2] میں استحباب ایصالِ ثواب کا کسی روایتِ معتبرہ میں وارد نہیں، اور بعد ان سب امور کے یہ سنو کہ یہ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شب جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات[3] صحاح کا چہ جائیکہ ضعاف اور موضوعات کا پس سب قصہ طے ہوگیا اور فیصلہ ہوگیا اگر علم بھی اور دین بھی ہے اور مؤلف دوزخی ارواح کفار تو مقر ہے کہ نہیں آسکتی، علیٰ ہٰذا ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ فساق کہ عذابِ قبر میں مبتلا ہیں ان کا بھی آنا مؤلف کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ملائکہ عذاب سے اور عذابِ مسلط قبر سے کس طرح نکل سکتا ہے مگر ارواح صلحاء میں مؤلف کو البتہ اذعان ہے کہ بیشک آتی ہیں کیونکہ حدیث متواتر قطعی قابلِ عقیدہ مؤلف کی دستور القضاۃ وغیرہ کتب میں موجود ہے لہٰذا جب اتباع مولوی اسماعیل صاحب نے یہ کہا کہ ارواح جنتی جنت کو چھوڑ کر دنیا میں کیوں آتی ہونگی تو مؤلف نے بڑی تحقیق و تدقیق سے جواب دیا کہ جنتی ارواح اگرچہ دنیا میں آویں جنتی ہی کہلاتی ہیں اور جنتی ہونے سے نہیں نکل جاتیں، اور ساکن دہلی کی نظیر لکھی، سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے اتباع سنت تو یہ کہتے ہیں کہ ارواح جنتی کے کہ جن کے واسطے دریچہ جنت کھلا ہوا ہے اور روح و ریحان برابر چلا آتا ہے اور حبور و سرور[4] اور نَم کنومۃ العروس[5] اور سیر جنت ان کو حاصل ہے پھر وہ دنیا دار اکدار میں کہ تمام دنیا کی ایک ذرہ بھر بھی اس کو نہیں کیوں آتے ہوں گے ایسی راحت چھوڑ کر اس ظلمت کدہ میں آویں باوجود ان نعماء[6] کے جو حدیث سے معلوم ہوتی ہے تو مؤلف خوش فہم سمجھ گئے کہ ان کے نزدیک وہ ارواح جنتی نہیں رہتی جنت سے خارج ہو کر دنیاوی ہوگئی اور اس کی تحقیق میں خوب نظیر مثال سے جواب دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حدیث بخاری کی ہے کہ جس کو جنت مل گئی اگر دنیا و مافیہا اس کو دیویں تو دنیا میں آنا قبول نہ کرے، مگر شہید دوبارہ فی سبیل اللہ جان دینے کو آنا چاہتا ہے (الحدیث)۔ اس حدیث اور دیگر احادیث کی وجہ سے اہل سنت کو تامّل ارواح مؤمنین

---

[1] جمعہ کی رات [2] جمعہ کا دن [3] جن کے بارے میں محض گمان ہو [4] خوشی [5] سو جا دلہن کی طرح [6] نعمت کی جگہ

کے آنے میں تھا، ہرچند مراد حدیث میں زندہ ہوکر آنا ہے مگر نعماءِ آخرت کو اور اکدارِ دنیا کو
مقابلہ کر کے بے حقیقت ہونا دنیا کا بھی اس سے روشن ہے اس واسطے یہ تأمل تھا تو مؤلف
خوب سمجھے اور خوب جواب دیا کہ مؤلف ہی کے موافق ہے اگر مؤلف یہ جواب دیتا کہ اموات کا
عمل منقطع ہوگیا ہے اور ثواب کی حرص بسبب کشفِ حقیقت ثواب کے بڑھ گئی ہے تو ثواب
حاصل کرنے کو ارواح مومنین آتی ہیں تو یہ بات کچھ معقول بھی تھی مگر ایسا چربوز جواب کہ خلاف
سوال کے ہے جو ان کا حوصلہ ہے وہی جواب دیا، اب جواب اس تقریر کا یہ ہے کہ طمعِ ثواب
کے واسطے دنیا میں آنا اور ان راحتوں کو ترک کر کے چلا آنا کیا ضرور ہے، ارواح اپنے قبر
میں متوقع ثواب رہتی ہیں، جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو اگر تاویل ان ضعاف روایات
کی بھی یہی کی جاوے تو لائق ہے نہ کہ ان کی وجہ سے صحاح کو ترک کریں۔ اب سنو کہ جیسا ارواح
کفار اور فساق گرفتارِ عذاب کا یہاں آنا ممنوع ہے اور ملائکہ کے ہاتھ سے چھوٹ آنا
مکروہ ہے، لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون ایسا ہی ارواح انبیاء و صدیقین و
شہداء و اولیاء کا بھی آنا خلاف ہے کہ ایسی حالتِ ذلت کو اختیار فرماویں اب عامۃ المؤمنین
باقی رہ گئی سو اگر تخصیص ہوا کرے اگر صحیح بھی ہوں اور کوئی حدیث صحیح معارض بھی نہ ہو فرضاً
تاہم قیاس اس کا مخصص ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ایک دو فرد اس میں رہ جاوے جیسا قاعدہ
عموم اصول میں مبرہن ہے پھر یوں بھی یہ روایات خارج از اعتبار ہوگئیں، اگر علم و فہم ہو تو سب
کچھ ہے ورنہ ایمان کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے جو لکھا دیکھا اس پر ہی ایمان لے آئے سچ ہے
نیم ملا خطرۂ ایمان۔

> الحاصل ارواح کی جنبش اور چلنا پھرنا ثابت ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ
> شہاب الدین سہروردیؒ نے کتاب "عوارف" کے باب چھپن ۵۶ میں یہ حدیث نقل کی ہے روی
> سعید بن المسیب عن سلمان قال ارواح المؤمنین تذھب فی برزخ من الارض حیث
> شاءت بین السماء والارض حتی یردھا الی جسدھا۔ اور قاضی ثناء اللہؒ نے تذکرۃ الموتی میں
> لکھا ہے ابن ابی الدنیا ابی مالک روایت کرد کہ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند می روند الخ
> ان حدیثوں سے ارواح کی سیر دنیا میں کرنی ثابت ہوئی اور ظاہر ہے کہ دنیا اپنا گھر سبکو

ؔ دنیا کی کدورتیں ؔ روح کی جمع

مالوف ہوتا ہے پھر اپنے گھر کی طرف روح کیوں نہ آتی ہوگی۔

قولہٗ الحاصل ارواح کی جنبش الخ **اقول** کلام تو دنیا میں اپنے گھروں پر آنے میں ہے، اگر دنیا میں آنا مطلقاً ثابت ہو جب بھی مؤلف کا کام نہیں نکلتا چہ جائیکہ مطلق حرکت و جنبش ثابت ہو، پس روایتِ عوارف سے برزخ میں چلنا پھرنا ثابت ہوا۔ برزخ لغت میں شئی کے حاجز کو کہتے ہیں اور شرع میں دنیا اور آخرت کی درمیان کی حالت کو کہتے ہیں، پس عالمِ برزخ کی حرکت ارواح کی تو صحاح حدیث میں بھی موجود ہے مگر اس سے بحث نہیں، عوارف سے بھی وہی نکلا مگر مدعا مؤلف کا دنیا کے گھر میں آنے کا تھا اور دلیل برزخ میں حرکت کرنے کی اس فہم پر آفرین ہے، مؤلف زمین آسمان کے لفظ سے شبہ میں پڑا ہوا ہے سو یہاں زمین آسمان برزخ کا مراد ہے، علیٰ ہٰذا تذکرۃ الموتیٰ کی روایت میں "ہر جا کہ خواہند روند" برزخ مراد ہے اور جو کوئی بخاطر مؤلف عموم کو قبول کرے تو اس روایت سے اختیار سیر کا ثابت ہے نہ کہ آنا، کہ آیا کرتے ہیں آگے قیاس سے اثبات ہوگا، اور امورِ آخرت اعتقادیات میں عقل کو دخل نہیں مگر مؤلف محض لاعلم ہے۔ اب مؤلف کا کہنا کہ ان حدیثوں سے سیر دنیا کی ثابت ہوئی کس قدر خبط ہے، کیونکہ ثابت ہوئی سیر برزخ کی اور بیان کرتے ہیں کہ سیر دنیا ثابت ہوئی، پس اب مؤلف کا قیاس دلیل کے اتمام کو شروع ہوا کیونکہ ان روایات سے نفسِ جنبش ثابت ہوئی تو ایک مقدمہ قیاسی لگا کر مطلب تمام ہوتا ہے اور یہ محض جہل ہے کہ قیاس کو ان امور میں دخیل جاننا اور مطلب ثابت کرنا۔ الحاصل یہ دعویٰ و دلیل مؤلف کا سب بے سود ہے، اور اصل ایصال ثواب ہر روز اور ہر شب جائز ہے۔ اور موجب برکت و ثواب کا ہے مگر قید زمان بدون اذنِ شارع لگانا بدعتِ محدثہ ہے۔

اور اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہے کہ اپنے پیر مرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلے وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے اور جو دوسرا کوئی احادیث سے بھی ثابت کرے تو اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اب دیکھئے اسی مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب نے جو "صراط مستقیم" کے آخری ورق میں اپنے پیر و مرشد کی تعریف میں لکھا ہے کہ

ے آنا یہ جس جگہ جاتے ہیں جاتے ہیں تہ اجازت۔

حضرت غوث الثقلین اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ایک مہینہ تک ان میں چھینا جھپٹی رہی، یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد کو اپنی طرف لیں، دوسری کہتی تھی کہ ہم لیں آخر دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کر کے یہ بات ٹھیرائی کہ اچھا سید احمد میں ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا رہا، تب ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور توجہِ قوی ایک پہر تک دی اتنی دیر میں دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔ انتہیٰ کلامہٗ۔ اب دیکھئے کہاں غوثِ اعظم کا مزار بغداد شریف میں اور کہاں خواجہ عالی شان نقشبندی کا مزار بخارا میں، پھر ان کی روحیں خبر نہیں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی؟ اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات مقدس کے مرید دل میں سیکڑوں اولیاء کامل کیا کہوں بلکہ ہزاروں، لاکھوں مقبولین ہوں گے تس پر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحبؒ کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ سید احمدؒ کو اپنی نسبتِ مریدی میں لیجئے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت کو چھوڑ کر وہ روحیں ہندوستان میں اتر آئیں ہم اس کو رد نہیں کرتے لیکن ان دانشمند منصفوں کی دینداری پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر باوجودیکہ از روئے عقل اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں لیکن تم اس کو مسلم رکھتے ہو اور اس عقیدہ کے سبب ان کو بدعتی نہیں کہتے اور ہم روحوں کا آنا اپنے گھروں پر باوجود مقتضائے عقل ہونے کے کہ البتہ اپنا گھر ہر کسی کو مالوف ہوتا ہے اور روح کو بُعد مکانی مانع نہیں کیونکہ وہ مجردات سے ہے اگر ثابت کرتے ہیں اور اس پر حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور روایتِ فقہاء رحمہم اللہ کی سند گذارتے ہیں، اس پر انکار کرتے ہو۔ اور اس اعتقاد کے باعث ہم لوگوں کو بدعتی کہنے لگتے ہو۔ یہ وہی مثل ہے جس طرح فرقہ معتزلہ اپنے کو اصحاب العدل والتوحید نام کرتے ہیں اور اہل سنت وجماعت کو وہ بدعتی اور ارباب الہواء کہتے ہیں۔

قولہٗ اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہے الخ **اقول** یہ بے نصیبی وخسران مؤلف اور اس کے ہم مشربوں کا ہے کہ اولیاء اللہ کی شان میں استہزاء سے شوخ کلامی کریں بطریقہ اولیاء سے اور علمِ شریعت سے بے بہرہ ہونا اس کا ہی ثمرہ اور خبطِ عقل ہونا اور کلام بے ربط

ہونا اس کا ہی نتیجہ ہے۔ اس کے کلماتِ ناشائستہ کا جواب نہیں لکھتا ہوں، حق تعالیٰ خود کافی ہے مگر اس کے جہل حقیقۃ الحال کو ظاہر کرتا ہوں کہ اولیاء کے مثل انبیاء علیہم السلام کے کثرت اتباع کی ہر روز خواہش رہی، حضرت موسیٰ ؑ کے کروڑوں اتباع ہوئے اور پھر کثرت امت فخر عالم علیہ السلام پر غبطہ[1] کر کے روئے۔ بخاری میں یہ قصہ موجود ہے، فخر عالم علیہ السلام کثرت امت پر مباہات[2] فرماویں گے اور ہر روز طالب کثرتِ امت کے رہے اس کی تمنا میں امت کو ولود عورتوں کے نکاح کی تاکید فرمائی۔ پس اسی طرح حضرت غوثِ اعظم ؒ اور خواجہ بہاؤالدین ؒ کو چونکہ معلوم ہوا تھا کہ سید احمد صاحب ؒ کی شان بزرگ ہے اور کثرت سے ان کے مرید واتباع ہوویں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، کہ لاکھوں سے تجاوز کر گئے ہیں اس واسطے ان کی اپنے خاندان میں ہونے کی رغبت تھی حالتِ حیات میں اولیاء ایسے مرید کے طالب رہے ہیں پس یہ امر خلاف عقلِ سلیم کے ہرگز نہیں۔ مؤلف کو عقل نہیں کہ سمجھے اور عالمِ ارواح جو عالمِ غیب ہے نہ ہندوستان میں ہے اور نہ بغداد و بخارا میں سو اجتماع ان ارواح کا عالمِ غیب میں تھا نہ کہ سید صاحب ؒ بغداد و بخارا میں تشریف لے گئے اور نہ یہ حضرات ہندوستان میں تشریف لائے بلکہ اجتماعِ روحانی ہوا جیسا کہ رؤیا[3] میں عوام کی ارواح کو بھی ہوتا ہے۔ عالمِ مثال میں مؤلف اور اس کے مقتدا یا ان کو عقل نہیں، بے سمجھے طعن واستہزاء[4] کر کے اپنی آبرو کھوتے ہیں۔ اور اس قصہ سے مطلب مؤلف کا بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ مقصود مؤلف کا دنیا میں ارواح کا آنا ثابت کرنا تھا وہ خود مفقود ہے، اس کم فہمی سے یہ قصہ لکھا تھا کہ اہلِ ایمان پر یہ قول حجت ہو جاویگا اور ہمارا استہزاء حاصل ہو رہے گا۔ ان حضرات کی روح کا آنا سید صاحب ؒ کے گھر پر قبول کر لیویں گے مگر آفرین ہے ایسی ہی سمجھ چاہیئے باقی کلام کا جواب خود ہو لیا اور دیگر فضول گستاخ کلام کا جواب مطروح ہے کہ علم کی بات نہیں۔

اب قلوبِ قاسیہ کے نرم کرنے کو ایک قصہ نہایت معتبر کتاب ہے جس کے مصنف کو نو سو برس سے زیادہ ہوئے چار واسطہ سے امام ابو یوسف ؒ کے شاگرد ہیں لاکھ حدیث ان کو حفظ تھی

[1] رشک [2] فخر [3] خواب [4] ہنسی اڑانا۔

ان کا خطاب امام المہدی ہے اور نام ان کا نصر بن محمد اور لقب ان کا فقیہ ابو اللیث سمرقندی مشہور ہے وہ اپنی کتاب "سمرقندی" میں " باب فضل جمعہ " میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ پہنچا مجھ کو قصہ صالح مزی کا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں آئے کہ نماز فجر میں آئے راستہ میں ایک مقبرہ ملا دل میں آیا کہ صبح صادق ہو جاویگی اُس وقت مسجد کو چلیں گے، مقبرہ میں ٹھیر گئے، دو رکعت نماز پڑھے اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا، نیند آنکھوں میں بھر آئی دیکھتے کیا ہیں سب اصحاب قبور قبروں سے نکل کر حلقہ حلقہ بیٹھ گئے باتیں کرنے لگے ایک جوان کو دیکھا اس کے کپڑے میلے اداس مغموم بیٹھا ہے اتنے میں بہت خوان ڈھکے ہوئے آئے ان میں سے ہر آدمی اپنا اپنا خوان لیتا گیا آخر وہی بے چارہ جوان رہ گیا اس کے پاس کچھ نہ آیا، اداس غم کا مارا اٹھ کھڑا ہوا جب قبر میں داخل ہونے لگا صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے تو کیوں اداس ہے؟ اس نے کہا تم نے دیکھا کس قدر خوان آئے تھے، میں نے کہا ہاں، وہ بولا یہ تحفہ تحائف تھے جوان کے واسطے خیر خواہوں نے بھیجے تھے، جو وہ صدقہ دعاء وغیرہ کرتے ہیں ان کو پہنچتا ہے جمعہ رات کو اور میں رہنے والا ملک سندھ کا ہوں اپنی ماں کو لیکر واسطے حج کرنے کے آیا تھا جب بصرہ میں پہنچا میں مرگیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہوگئی مجھ کو بھول گئی نہ منھ سے کبھی نام لیتی ہے نہ زبان سے دعاء، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں میرا کوئی نہیں جو یاد کرے۔ تب صالح مزی کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے، اس نے پتہ دیا، پھر صبح ہوگئی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا گیا اس نے اندر سے آواز دی تو کون ہے؟ میں نے کہا صالح مزی، اس نے بلا لیا میں گیا، میں نے کہا بہتر یہ ہے تیری اور میری بات کوئی نہ سنے، تب میں اس سے نزدیک ہوگیا، فقط ایک پردہ بیچ میں رہ گیا، میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے کوئی تیرا بیٹا ہے بولی کہ نہیں، میں نے کہا کبھی ہوا تھا، تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی ایک بیٹا نوجوان تھا مرگیا، تب میں نے اس کا قصہ مقبرہ کا بیان کیا، اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی اے صالح مزی وہ میرا بیٹا میرا کلیجہ تھا پھر اس عورت نے مجھ کو ہزار درہم دیئے اور کہا میرے نور چشم

کی طرف سے خیرات کر دیجیو اور اب سے دعاء وخیرات نہ بھولوں گی جب تک دم میں دم ہے صالح مزی فرماتے ہیں پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کر دیئے، اگلی جمعہ کی رات اس مقبرہ میں گیا دو رکعت پڑھی ایک قبر کے سہارے سے بیٹھ گیا سر جھکا کر پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا سفید کپڑے پہنے نہایت خوش وہ میرے پاس آکر کہنے لگا اے صالح مزی اللہ تیرا بھلا کرے مجھ کو ہدیۂ تحفہ پہنچ گیا، میں نے کہا تم جمعہ کو پہچانتے ہو کہا جانور تک پہچانتے ہیں، یعنی یہ کہا کرتے ہیں سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعۃ انتہیٰ ۔ اے بھائیو اگر ایسے امام الہدیٰ کا نقل کیا ہوا قصۂ درد آمیز تمہارے دل کو خوفِ الٰہی سے نہ ہلا دے تو کمالِ حسرت کی بات ہے، پتھر بھی اللہ کے ڈر سے نرم ہو جاتے ہیں:
وانّ من الحجارۃ لما یتفجّر منہ الانہار ۔ اگلے آدمی جمعرات اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنہ کا مزدور کہ جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی سیر بھر آٹا بال بچوں کے واسطے لاتا اور شام کو پکواتا اس میں نیت کرتا تھا کہ یارب العٰلمین یہ جو بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے، اور ادائے واجبات الٰہی میں آدمی مستحق ثواب ہوتا ہے آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں اس نفقۂ واجبہ میں میری یہ نیت ہے کہ اس میں جو مجھ کو ثواب ہوتا ہے وہ میری طرف سے میرے فلانے عزیز میت کو پہنچے ۔ غرض کہ نادار تنگدست آدمی اسے روز مرّہ کے نفقۂ واجبۂ عیال میں نیت ایصال ثواب کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھ کر بعد ازاں وہ بال بچوں کو وہ کھانا کھلا دیتے تھے، اموات کو محروم نہ رکھتے تھے اور تونگر آدمی تو بہت کچھ یاد کرتے تھے، اب جیسی ہمتیں لوگوں کی پست ہو گئیں اور اس بخیلی کے ساتھ یہ بھی بہانہ ہاتھ آگیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں پس بالکل آدمی چھوڑ بیٹھے، اور نگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ، مثل مشہور ہے۔

اب ہم نے تم کو روایات کتبِ معتبرہ کی سنا دی، چاہیئے کہ اب اس سے سستی نہ کرو اور صدقات وخیرات اور درود وفاتحہ سے اپنے عزیزوں کو یاد رکھو۔ ایک مسئلہ سناتا ہوں کہ جس قدر تم اموات کے نام دو گے یا پڑھ کر بخشو گے اموات کو سب پہنچیگا، اور اسی قدر تم کو بھی ملیگا کچھ تمہارا ثواب کٹ نہ جاویگا، تم اور موتیٰ دونوں کامیاب ثواب سے ہو گے۔

خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی نہیں، وہ دونوں کو دیتا ہے ان ربک واسع المغفرۃ۔ فقط تمہاری نیت کا کھاٹا ہے۔

صالح مزی کا قصہ مانعین کو مضر نہیں، مجوزین کو مفید نہیں اور اس کی حجت میں بھی کلام ہے۔

قولہ اب قلوب قاسیہ کو نرم کرنے کو الخ۔ **اقول** مؤلف نے اس قصہ کو اپنے دعویٰ باطل کی تائید کے خیال سے لکھا تھا مگر غافل کو خبر نہیں یہ اس کے دعویٰ کو برہم کرتا ہے، اول تو دیکھو کہ اس میں یہ نہیں لکھا کہ ارواح اہلِ مقبرہ اپنے اپنے گھر گئے بلکہ قبروں کے پاس جمع ہوئے اور ان کے گھروں سے خوان آئے۔ اور مؤلف کہتا ہے کہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں، دوسرے یہ کہ ایصالِ ثواب اولِ شب میں ہوتا ہے اور یہ وصول قریب صبح کے ہوا حالانکہ ملائکہ فوراً پہنچاتے ہیں ان کو بُعدِ مسافت مانع نہیں کہ سفر کریں اور نہ دیر سے پہنچاویں اور نہ تاخیر کریں، پس یہ دونوں امر خلاف مذہبِ مؤلف کے ہوئے، مگر شاید مؤلف عذر کرے کہ ان اہلِ قبور کو گھر جانے کا حکم نہیں تھا اور بسبب بعدِ مسافت کے دیر میں ثواب پہنچایا، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ تیسرے یہ کہ وہ جوان جس کو ہدیہ نہ آیا اس نے اپنی والدہ کو بددعا نہیں کی ہاں مغموم ہوا تو یہ بھی مؤلف کی روایات کے خلاف ہوا۔ چوتھے ہزار درہم کا صدقہ کر کے پھر دوسرے جمعہ کو حضرت صالح نے مقبرہ والوں کو دیکھا تو اثر ہزار درہم کا جوان پر پایا، مگر اس جمعہ میں قبروں سے نکلتے دیکھا مگر ہدیہ کسیکو نہیں ملا اور نہ اس جوان نے کہا کہ آج مجھ کو ہدیہ ملا بلکہ پہلے ہدیہ کا اثر اور شکر بیان کیا، تو اس جمعہ کو ہدیہ نہ ہونے سے نہ کسی نے بددعا کی اور نہ کوئی ہدیہ لینے کو گھر گیا جس سے معلوم ہوا کہ نہ کوئی گھر جاوے اور نہ عدمِ وصول پر بددعا کرے، ہاں وصول سے ترقی میت کو ہوتی ہے۔ بہرحال یہ قصہ مؤلف کے دعویٰ کا ہادم[1] ہے اور اہلِ سنت کو کچھ مضر نہیں۔ اول تو خواب و رویاء سے حکم شرع کا ثابت نہیں ہوتا اور پھر اس رویاء کی تاویل ہو سکتی ہے اور اگر بلا تاویل ہو جب بھی کوئی حرج نہیں مگر مؤلف کو بجز افسوس و حسرت کے کیا حاصل ہوا۔ یہاں مؤلف متن اور حاشیہ میں کہتا ہے کہ اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے، حاشیہ میں شبہ کیا اور اپنا علم ظاہر کیا اور غلط فہمی کا اظہار فرمایا مگر ایسی شکل میں ثواب طعام صدقہ

[1] ڈھا دینے والا ۱۲۔

کا نہیں ہوتا بلکہ اس فعل کا ثواب پہنچتا ہے، فافہم۔ اب رونا رو کر مؤلف کو اپنے اشکِ رشک پونچھنے چاہئیں کہ عیدین و شب برأت کا لمعہ آیا۔ والحمد للہ۔

لمعہ ثالثہ عیدین اور شب برات اور عشرہ محرم میں فاتحہ

فی خزانۃ الروایات عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشورۃ او لیلۃ نصف من شعبان تأتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احدٍ یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا یامن سکنتم بیوتنا ویامن سعد تم بما شقینا ویامن اقمتم فی اوسع قصورنا ونحن فی ضیق قبورنا ویا من استذللتم ایتامنا ویامن نکحتم نساءنا ھل من احدٍ یتفکر فی غربتنا وفقرنا کتبنا مطویۃ وکتبتم منشورۃ۔ واضح ہو کہ یہ کتاب خزانۃ الروایات پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ چار سو برس سے کسی قدر کم کا لکھا ہوا ہے اب دیکھئے تصنیف کب ہوئی ہوگی۔ صاحبِ کشف الظنون نے اس کے مصنف کا حال یہ لکھا ہے کہ یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور ساکنِ گجرات تھے، تمام عمر فتویٰ دینے اور لکھنے میں گذاری، انتہیٰ کلامہ۔ پس معتبر ہونا اس کا ظاہر ہوگیا اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں بیان فاتحہ رجعرات میں کہ مولوی اسحٰق صاحب نے مأتہ مسائل میں اور مسائلِ اربعین میں اس خزانۃ الروایات کی سند پکڑی ہے، معتمد علیہ ہونا اس کتاب کا اور پورا ہونا معلوم ہو چکا، اب ترجمہ اس کی روایت کا معلوم کرو کہتا ہے صاحب خزانۃ الروایات کہ "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ہوتا ہے دن عید کا یا جمعہ کا یا عاشوراءِ محرم کا یا شب برأت، تب آتی ہیں روحیں موتیٰ کی اور کھڑی ہوتی ہیں اپنے گھر کے دروازہ پر اور کہتی ہیں کہ ہے کوئی ہمارا جو ہم کو یاد کرے اور ہم پر رحم کرے ہماری غربت کو یاد کرے، تم ہمارے گھروں میں رہتے ہو ہمارے مال سے چین کرتے ہو تم کشادہ مکانوں میں بیٹھے ہو ہم تنگ قبروں میں پڑے ہیں ہمارے یتیم بچوں کو تم نے ذلیل کر رکھا ہے اور ہماری بیویوں کو تم نے نکاح میں کر لیا، اب تم میں کوئی ہے جو فکر کرے، دھیان کرے ہماری غربت اور

محتاجی کا ہمارے نامۂ اعمال لپٹ چکے تمہارے نامۂ اعمال کھلے ہوئے ہیں، انتہیٰ۔
اور واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت خزانۃ الروایات میں ہے اسی طرح دقائق الاخبار میں بھی ہے اور دقائق الاخبار منسوب ہے امام غزالی کی طرف۔

عیدین اور شب برأت اور عشرہ کی فاتحہ میں کوئی روایت قابلِ احتجاج نہیں ہے۔

قولہ لمعۂ ثالثۃ الخ

اقول پانچ چھ سو برس کی کتاب ہونا کوئی وجہ اعتبار نہیں ہے یہ تو مؤلف کی کم علمی کی بات ہے، غیر معتبر کتب قرونِ سابقہ میں بھی تھیں، اور مولوی اسحٰق صاحب کی نقلِ روایت سے ہر ہر روایت اس کی معتبر ہوجانا بھی کوئی حجت نہیں پہلے ذکر اس کا ہوچکا، اور مومن کی قبر میں فسحت[1] مدِّ بصر[2] تک ہوتی ہے اور رَوح وریحان جنت کی آتی ہے اور نور ہوتا ہے یہ سب احادیث میں موجود ہے اور دنیا کے گھروں کا حال سب کو معلوم ہے، پس باوجود اس کے ارواح کا یہ کہنا کہ تم کھلے کشادہ گھروں میں اور ہم تنگ قبروں میں خلاف عقل کے ہوا اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو حکم ہوتا ہے نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ، اور اس روایت میں قربت کا رونا ذکر ہے اور اعمالِ صالحہ اور روح جنیتہ سے اُنس مؤمن کا صحاح میں مذکور ہے اور اِس میں غربت و وحشت کا اظہار ہے۔ پس مؤلف ناواقف صحاح کی خلاف اس حدیث کی توثیق میں کس قدر سرگرم ہے کہ کچھ پس وپیش کی ہوش نہیں، اور پہلی روایات میں جو کچھ بحث ہوچکی ہے وہ سب یہاں بھی ہے۔ اور پھر عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ طرز توثیق ہے کہ بے شرمیٔ محض ہے۔

اور تفسیر آیۃ کریمہ تنزل الملائکۃ والروح میں مفسرین کے چند اقوال ہیں بعضوں نے کہا روح ایک فرشتہ ہے اور بعضوں نے کہا جبریلؑ ہیں اور بعضوں نے کہا روح حضرت عیسیٰؑ ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اترتے ہیں اور بعضوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور دقائق الاخبار میں ہے کہ بعضوں نے کہا ارواح بنی آدم مراد ہیں۔

[1] وسعت [2] حدِ نظر۔

عبارت اس کی یہ ہے ویقال روح الاقرباء من اموات المؤمنین یقولون ربنا ائذن لنا بالنزول الی منازلنا حتی نری اولادنا وعیالنا لینزلون فی لیلة القدر۔ انتہی۔

تنزل الملئکۃ والروح سے شب برأت وغیرہ میں ارواح کا گھر آنا ثابت نہیں ہوتا۔

قولہ اور تفسیر کریمہ تنزل الملئکۃ والروح الخ **اقول** مؤلف اقوال باردہ کی نقل سے اپنا دل سرد کرتا ہے، دیکھئے کیا عجب استدلال ہے کہ دعویٰ تو نزولِ ارواح کا عیدین و شب برأت وعشرۂ محرم کا اور دلیل شب قدر کی اور پھر غرض تو اثبات اس کا طلبگار صدقات وخیرات کے آتے ہیں اور دلیل میں یہ کہ زیارتِ اولاد کے واسطے نزول ہوتا ہے کیا عمدہ استدلال ہے پھر جب مؤلف کو تنبیہ ہوا کہ اس کو مدعا سے لگاؤ نہیں تو حاشیہ میں عذر کیا اور جمع کیا کہ شاید اس رات میں زیارت کے واسطے ہی آتے ہوں گے، سبحان اللہ پھر تو اس کا یہاں لانا تطویل ہوا اس سے کیا نفع تھا، مع ہذا ایسے ضعاف اقوال پر مدار اعمال وعقائد مؤلف کا کہ جس کو محدث وفقیہ قبول نہیں کرتے محض سخن پروری ہے، ورنہ پہلے عجالۂ نافعہ سے نقل ہو چکا کہ طبقۂ رابعہ کی کوئی حدیث قابل عمل نہیں چہ جائیکہ عقائد میں معتبر ہوں غرض مؤلف کی کوئی کل درست نہیں۔

اب گوش ہوش سے سننا چاہئے کہ باپ کو اولادِ صالح کی دعاء سے نفع پہنچتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہے ولدٌ صالح یدعو لہٗ، اس حدیث میں تم لوگوں کو اشارہ ہوا کہ تم جن کی اولاد میں ہو ان کے حق میں دعا، کرو فاتحہ درود پڑھو۔ دوسری حدیث بیہقی کی ہے ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او اخ او صدیق فاذا لحقتہٗ کان احب المیت من الدنیا ومافیہا۔ اس حدیث میں اشارہ ہو گیا ماں باپ کو کہ وہ اپنی اولاد کو دعاء خیر سے یاد رکھیں اور بھائی بھائی کو اور دوست دوست کو اس واسطے کہ اس حدیث میں ارشاد ہو گیا کہ مردہ ان سب کی طرف امید آس لگائے رہتا ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سب دوستوں اور اقرباء کو چاہئے کہ اپنے دوست اور اقرباء کو یاد رکھیں۔ اور آدمیوں کا حال یہ ہے کہ

دنیا کے جنجال میں پھنسکر اپنے عزیزوں کو جو کہ مر گئے بالکل بھول جاتے ہیں روز مرہ کی یاد تو کہاں بھلا اگر تیوہاروں کو یعنی عید، بقر عید، شب برأت، محرم میں بھی یاد کرلیں تو غنیمت ہے کیونکہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہے، طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہے، افسوس زندہ آدمیوں کو تحفہ ہدیہ بھیجیں حالانکہ زندہ آدمی خود بھی پکوا کر کھا سکتا ہے اور میت جو کہ بالکل عاجز بے بس، بے کس ایک غارِ تنگ و تاریک میں پڑے ہیں اور اعمال ان کے منقطع ہو چکے اب کچھ نہیں کر سکتے ان کو ذرا بھی یاد نہ کریں کس قدر غفلت کی بات ہے اور جو کوئی عالم ملّا ہو کر لوگوں کو اس کام سے روکے کس قدر مظلمہ موتیٰ کا اپنی گردن پر لیتا ہے۔ یا اللہ ایک پہلے وقتوں کے عالم فاضل تھے کہ خیرات و حسنات کی رغبت دلاتے تھے، مصنف خزانۃ الروایات کا لکھتا ہے کہ "میں شروع بلوغ سے فتاویٰ اور کتب فقہ اور مسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتاء پیش ہوتے تھے جب تک جواب ان کی کتابوں سے نہیں نکالتا تھا چین نہیں آتا تھا اور میں کسی وقت خالی مباحثہ اور مطالعہ کتب سے نہیں رہتا تھا اور مشکلیں حل کیا کرتا تھا، تمام عمر فتویٰ دینے میں گذاری اور جس قدر فتویٰ دیتا وہ سب مسائل اس کتاب میں لکھدیتا، انتہیٰ کلامہ۔" دیکھو یہ شخص ہندوستان کا قاضی سیکڑوں برس کا عالم فقیہ گذرا ہوا ہندوستان میں فتویٰ جاری کرنے والا اپنا فتویٰ اس کتاب میں لکھتا ہے اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں، چنانچہ روایت ان کی بیان کی گئی معلوم ہوا کہ یہ جو قدیم الایام سے عیدین وغیر تیوہاروں میں دستور فاتحہ کا چلا آتا ہے ایسے ہی بزرگوں کا حکم دیا ہوا اور جائز رکھا ہوا اور احادیث سے استنباط کیا ہوا ہے، جاہلوں کا ایجاد کیا ہوا نہیں ہے، جاہل کسی قاعدۂ دینی اور شرعی کا موجد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی جاہل کا اتباع کرے، یہ سب رسوم صالحہ اہلِ اسلام میں علماء صلحاء کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں۔

قولہ اب گوش ہوش سے سننا چاہیئے الخ۔ **اقول** ولد صالح کی دعاء اور صدقہ نفع مسلّم ہے اور ایصال ثواب اموات کو مستحسن مگر مدعا مؤلف کا کہ ایام مقررہ میں

ارواح کا آنا ہے اس کو اس سے کچھ مدد نہیں ملتی، ہر روز ثواب پہنچانا اور عیدین کو اور شب برأت کو بھی درست ہے، مگر مقید کرنا اور زیادہ مؤکد و موجب ثواب کا ہونا غیر مسلّم ہے بہرحال اصل مدعاء مؤلف کا کوئی ثبوت نہیں لھٰذا مؤلف زار زار رو کر افسوس اپنی کم علمی پر کرتا ہے، ہرگاہ کہ کوئی روایت مثبت مدعی کی نہیں اور خزانہ کی روایت خود مخدوش تھی بناچاری اس کی مؤلف نے توثیق شروع کر دی کہ عوام کو اس سے ہی کچھ طمانیت ہوجاوے اور خواص تو جان چکے کہ یہ روایت ہرگز قابلِ اعتماد نہیں اور قبح اس کا واضح ہوگیا اب مؤلف افسوس کئے جاوے۔

ازاں جملہ یہ بات کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں، یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے کلام میں موجود ہے مانعین اس امام کے معتقد ہیں وہ اپنے مکتوبات کی جلد ثالث میں لکھتے ہیں: "بایدکہ ہرگاہ صدقہ بمیت نیت کند اول بایدکہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ جدا سازد بعدِ ازاں تصدق کند کہ حقوقِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگران است ونیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ است بطفیل آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیات، انتہیٰ" سبحان اللہ ایک ایسے ایسے علماء دیندار تھے کہ کیا کیا ہدایت کے طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ بالکل اعمال معمولہ قدیمی اور خیراتِ مستمرہ سلف کو بند کرتے جاتے ہیں، نعوذ باللہ منہا۔

قولہ ازاں جملہ یہ بات الخ: **اقول** مؤلف کیوں اپنے کلام کو طولِ لاحاصل دیتا ہے۔ امام ربانیؒ نے یہ فرمایا کہ مطلقاً جب صدقہ کرد تو فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور یاد رکھو کہ آپ کا حق اقدم ہے اور یہ حکم عمدہ اور ایمان کی بات ہے اس میں کوئی عذر نہیں مگر اسمیں نہ عید نہ شب برأت نہ محرم ہے، پس مؤلف کو اس سے کیا نفع ہے مؤلف کا مدعا اس سے ثابت نہیں پھر کیوں تطویل کرتا ہے؟۔

اور یہ جو مولوی اسحٰق صاحب نے مائۃ مسائل میں تحریر فرمایا ہے کہ " آمدن ارواح درس

شبہا از احادیثِ صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ ۔ اور مسائلِ اربعین میں ان حدیثوں کو لکھا " بعض علماء محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند و بیان غربتِ آں آوردہ اند " انتہیٰ کلامہ ۔ میں کہتا ہوں کہ اس فاضل کے کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں، بعض محدثین نے ان کو ضعیف بھی کہا ہے، سو اصولِ حدیث میں یہ ٹھیر چکا ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث جھوٹ بنائی ہوئی موضوع ہو ۔ چنانچہ ملا علی قاری اور صاحب مجمع البحار اپنے رسائل موضوعاتِ حدیث میں لکھتے ہیں: قال الزرکشی بین قولنا لم یصح و قولنا موضوع بین واضح فان الوضع اثبات الکذب و قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم الخ ۔ ہاں البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ ضعیف ہے ۔

قولہ اور یہ جو مولوی محمد اسحٰق الخ ۔ **اقول** مولوی اسحٰق صاحب نے ان روایات کو ضعاف ہی فرمایا ہے موضوع نہیں فرمایا ۔ گو بعض روایات جن کا ذکر ہوا متروک معلوم ہوئیں مگر یہ بحث مؤلف کی بالکل لغو ہے کیونکہ وضع کی تحقیق بدون اقرار واضع کے دشوار ہے اور بعد اقرار کے بھی قطع نہیں ہوتا مگر طریقِ علم اس کا خلاف قواعدِ مسلّمہ شرعیہ کے ہوتا ہے سو اب ثابت کیا گیا کہ صحاح کے خلاف ان روایت کا مضمون ہے اور یہ دلیل متروک و متہم ہونے کی ہے ، اور پھر بعد اس کے یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے چنانچہ لکھا گیا ، اور مؤلف خود مقر ہے کہ اعتقادیات میں روایاتِ ضعاف معتبر نہیں ۔ بندہ کہتا ہے کہ احادیثِ صحاح بھی معتبر نہیں چنانچہ فنِ اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں ۔

پس حدیثِ ضعیف کا ہم سے حکم سنو ، تفسیر روح البیان کی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۶۲ میں ہے : وإن کانت ضعیفۃ الاسانید فقد اتفق المحدثون علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترھیب ۔ یعنی اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو اتفاق کیا ہے کل اہلِ حدیث نے کہ حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جس مقام میں رغبت

دلاتے ہیں نیک کام پر یا ڈراتے ہوں بُرے کام سے۔ اور نقل کیا اس کلام کو صاحب روح البیان نے امام نوویؒ اور حلبیؒ اور ابن فخر الدین رومیؒ وغیرہم سے۔ اور اسی طرح منقول ہے فتح المبین مؤلفہ علامہ ابن حجرؒ سے اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال۔ اور سرسید شریفؒ اصولِ حدیث میں لکھتے ہیں ویجوز عند العلماء التساھل العملُ فی اسانید الضعیف فی فضائل الاعمال۔ اور اعضاءِ وضوء کے دھونے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں، با ایں ہمہ لکھا صاحب درِ مختار نے فیعمل بہ فی فضائل الاعمال۔ اور نسائیؒ کا یہ طریق تھا کہ جس راوی کو بالاتفاق علماءِ حدیث نے چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث نہ لیتا تھا، باقی سب حدیث ضعیف ہر قسم کی لے لیتا تھا اور ابو داؤد کا مذہب یہ تھا کہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتا تھا اور یہ نسائیؒ اور ابوداؤدؒ مصنفین صحاحِ ستہ کے دو امام ہیں۔ اور شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ کے سب اصحاب متفق ہیں اس بات پر کہ حدیث ضعیف مقدم ہے قیاس اور اجتہاد پر، انتہیٰ۔ پس حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع میں قبول نہ کریں۔ اور رسالہ انتباہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں ورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لا بأس بالعمل بھا فان وجد فی نفسہ قرۃ فلیعمل بھا۔ اور مولوی قطب الدین صاحب نے مظاہر الحق میں چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین کو لکھا ہے اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے، لیکن فضائلِ اعمال میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔ انتہیٰ۔

مسئلہ فاتحہ میں اعتقاد یہ ہے کہ اسمیں ضعاف تو کیا احادیث صحاح بھی قابلِ اعتماد نہیں

قولہ، حدیث ضعیف الخ۔ **اقول** مؤلف سے حدیثِ ضعیف کا حکم سنیں وہ خود ناواقف ہے۔ روح البیان اور فتح المبین اور اصولِ سید شریف وغیرہ کی عبارات جمع کر دی گئیں مگر مطلب نہیں سمجھا ادھچا علم ایسا ہی خراب کرتا ہے، ان سب کا مدعا یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے۔ دیکھو ترغیب و ترہیب یا فضائل اعمال کے الفاظ سب

عبارات میں منقول ہیں بھلا اب کوئی مؤلف سے پوچھے کہ لیلۃ الجمعہ اور شب برأت و عیدین کے صدقہ میں کونسی فضیلت و ثواب عظیم مذکور ہے جس پر عمل کرنا جائز ہوا، ذرا آنکھ کھولو، ہوش کرو۔ ان روایات منقولہ اشعۃ اللمعات وخزانۃ الروایات ودستور القضاۃ میں سے کسی میں کوئی فضیلت و ثواب مذکور نہیں، فقط ارواح کا آنا اور حسرت ناک بات کرنا اور طلب صدقات کرنا ہے، پس یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے۔ ہاں اعلام ان کے آنے کا ہے۔ پھر اس کو کون عاقل فضائلِ اعمال کہیگا، ہاں حدیث صوم رجب اور صلوٰۃ اوابین میں مثلاً فضلِ عمل ہے سو اس کو اس پر قیاس کرنا علم ہے یا جہل وہ اور باب اور یہ اور بحث۔ سبحان اللہ کیا کہنا، اور پھر جو بد دعا دینا مُردوں کا بعض روایت میں ہے اس کو کوئی ترہیب جانے سو یہ بھی غلط، کیونکہ محقق ہو لیا کہ یہ مردوں کا ظلم ہوگا اور خلاف امر حق تعالیٰ کے ہوگا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس غلط بات کو ترہیب کا امر نہیں بنا سکتے کہ مؤلف ترغیب و ترہیب فضائل اعمال کو بھی نہیں سمجھتا کہ کیا ہوتا ہے فقط لفظ یاد کر لئے ہیں اور بدون مطلب اہل اصول کا سمجھے اپنے مدعا پر دلیل غیر مطابق لکھ رہا ہے اور کچھ ہوش نہیں۔

مؤلف کہتا ہے کہ صلوٰۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے جس کی بابت مشکوٰۃ میں ہے لا نعرفہ الامن حدیث عمر بن خشعم، وسمعتُ محمد ابن اسمٰعیل یقول ھومنکر الحدیث وضعیف جداً۔ پس مولوی قطب الدین خاں صاحب نے اس درجہ کی حدیث پر بھی عمل کرنا ثابت کیا ہے شرح ملا علی قاری سے اور مثالیں اس کی یعنی مقبول رکھنا حدیث ضعیف کا اعمال میں بہت مسائلِ فقہیہ میں ثابت ہے، بباعث طول فقط انہی عبارات منقولۂ بالا پر اکتفا کر کے اب قاعدۂ کلیہ جو اصول حدیث اور اصول فقہ میں در باب حدیث ضعیف لکھتے ہیں نقل کرتا ہوں کہ "حدیث ضعیف کو صفاتِ باری تعالیٰ اور تحریم و تحلیل اور اعتقادیات میں نہیں لیتے ۔ البتہ معجزات اور احوالِ قیامت اور موعظت اور فضائل اعمال میں مقبول رکھتے ہیں، اور فضائلِ اعمال کے معنی علامہ شامی شارح درمختار نے یہ لکھے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے حدیث ضعیف کو لے لینا

جائز ہے۔" انتہی کلامہ۔ اور ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک قاعدہ عام شرعی میں داخل ہو اور اس شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ ممکن ہے صادق ہونا اس کا پس اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عند اللہ صحیح تھی تو اس پر عمل ہونا بہت اچھا ہوا اور اگر وہ نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کچھ نقصان نہ لازم آیا کیونکہ وہ قاعدہ کلیہ عام شرعی میں داخل ہے مثلاً یہی دعائیں جو وضوء کے اعضاء دھونے میں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہیں تو حق ان احادیث کا صحیح ہو گیا اور ثواب موعود مل گیا۔ اور اگر یہ حدیثیں عند اللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس نے دعا پڑھی ہے کچھ اور گناہ تو نہیں کیا اور مطلق دعا، کا مانگنا شرع میں ثابت ہے اور ایک حدیث ضعیف میں بھی حضرتؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اس نے اس پر عمل کیا تو اس کو ثواب ملیگا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو۔ چنانچہ یہ مضمون شامیؒ شارح درمختار نے علامہ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے: يعمل بالحديث الضعيف فی فضائل الاعمال لانه ان كان صحيحاً فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل ولم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق الغير وفی حديث ضعيف مَن بلغه عنّی ثواب عمل حصل لهٗ اجره وان لم اكن قُلتهٗ ۔ اور اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو ماہ رجب میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے وہ بھی مبنی اسی قاعدہ پر ہے، یعنی اگرچہ یہ تخصیص دن اور رات کی ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب کو عبادت کرنا تو دین میں ثابت ہے۔ اور اسی طرح چھ رکعتیں اوابین کو قطب الدین خاں صاحب نے جو لکھا ہے اس میں بھی یہی قاعدہ ہے، یعنی اگرچہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکر ہے لیکن کوئی اس تعیین زمان اور تخصیص رکعات پر موافق اس حدیث ضعیف کے عمل کریگا تو کچھ برائی نہ ہوگی کیونکہ مطلق نفل پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے

صاحبِ انوار کا ایک قاعدہ متعلقہ اصول کی تخلیط

قولہ مؤلف کہتا ہے الخ۔
اقول منکر اصطلاح محدثین میں اسکو کہتے ہیں کہ راوی اس کا ایسی بات کہے کہ اپنے اوثق[1] وقوی کے خلاف ہو سو یہ بھی ایک قسم ضعیف کی ہے اس میں کوئی زیادہ درجہ ضعف کا نہیں ہوتا، پس مؤلف کا یہ کہنا کہ صلوٰۃ اوابین کی ایسی ضعیف حدیث ہے کہ جس کو منکر کہا اور مؤلف نے اپنے اصول دانی جتلائے یہ بالکل ناواقفیت ہے، عبث مؤلف نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ان روایات میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور پھر اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف کے عمل کو تسلیم بھی کر لیوے تو فقط عمل ہے نہ کہ فضلِ عمل، مؤلف کی چشم بینا ہو تو دیکھے۔ بعد اس کے جو مؤلف نے لکھا ہے وہ جواب طلب نہیں خواہ مخواہ تطویل کی کہ اس کے مدعیٰ سے کچھ مساس نہیں۔

> اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیئے کہ فقہاء رحمہم اللہ اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے مستحسن لکھا کرتے ہیں، چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوابین کو باوجود حدیث منکر ہونے کے مستحب اور مندوبات میں فقہاء لکھتے ہیں، اور اسی طرح گردن کا مسح وضوء میں ضعیف حدیث سے ثابت ہوا ہے اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں اور ماہ رجب کے روزہ کو فتاویٰ عالمگیری میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا ہے۔ جب یہ قواعد اور فوائد ذہن نشین ہو گئے تو۔

قولہ اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا الخ۔ **اقول** یہ مؤلف کی نہایت غلط فہمی و جہل اور بالکل سرتاپا قاعدہ غلط ہے، کسی نے یہ نہیں کہا محض اجتہاد و ایجادِ ناصواب مؤلف کا ہے کیونکہ مستحب وہ فعل ہے کہ فخرِ عالم علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی ترک کیا یا رغبت اسکی دلائی ہو چنانچہ حد اس کی یہ لکھتے ہیں فَعَلَهٗ مَرَّةً وَتَرَكَهٗ اُخْرٰى اَوْ رَغَّبَهٗ۔ اور مستحب بھی حکم من الاحکام ہے تو اس کا ثبوت بھی حدیث صحیح یا حسن لعینہ یا لغیرہ سے ہوتا ہے ہرگز کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ضعف اس کا نہ ہو جاوے۔ پس

[1] بہت زیادہ قابل اعتماد۔

استحباب ان امور کا جو ثابت ہوا ہے تو آپؐ کے فعل و ترک سے یا رغبت دلانے سے ہوا ہے اور روایاتِ ضعاف کہ ان ابواب میں ہیں وہ تعدّدِ طرق سے حسن لغیرہ ہو گئی ہیں مؤلف ناواقف یہ سمجھ گیا کہ یہ استحباب ضعیف حدیث کے سبب سے ہوا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا علم و اصول دانی ہے۔ قال الدر المختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق قال فی رد المحتار[1] لأنه یقوی بعضها بعضاً فارتقی الی مرتبة الحسن اقول لکن هذا اذا کان ضعفه لسوء ضبط الراوی الصدوق الامین او لارساله او تدلیس او جهالة الحال مالیس لو کان لفسق الراوی أو کذب فلا تؤثر فیه موافقة مثله ولا یرتقی ذلک الی الحسن۔ انتهی۔ پس یہ جسقدر نظائر مؤلف نے لکھی ہیں اور جس قدر کتبِ فقہ میں وارد ہیں سب احادیث حسن لغیرہ سے ثابت ہوئی ہیں اور استحباب ان کا یا ترغیب کے سبب سے ہے یا فعل و ترک کی وجہ سے نہ کہ ضعیف حدیث کے سبب سے جیسا مؤلف الٹا سمجھا۔ تعجب کرتا ہوں کہ آدمی ایسا آنکھ بند کر کے تمام دنیا کے خلاف دین میں قول لکھے اور شرم نہ کرے۔

اب ہم اس قاعدۂ مقررۂ فقہاء و محدثین کو مسئلہ متنازع فیہ یعنی روحوں کے آنے میں جاری کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اول گفتگو ہماری اس بات میں یہ ہے کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے احادیثِ آنے ارواح کو ضعیف کہا ہے، ہم کہتے ہیں کہ بعض محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کُل کے نزدیک ضعیف ہو۔ ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں لاحتمال ان یکون الحدیث موضوعاً من طریق صحیحاً من اٰخر۔ پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں چونکہ صاحبِ خزانۃ الروایات نے جس کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں پکڑی ہے اور فضائل اس کے ہم اور وجوہ سے بھی بیان کر چکے ہیں، یہ حدیثیں آنے ارواح کے اپنے فتاویٰ میں درج فرمائیں، لابدّ یہ بات دلیل ان کی صحت اور قوت اور مفتی یہ ہونے پر ہے۔ مفتیانِ دین کا ایک حدیث کو لے لینا مقلدین کے نزدیک دلیل قوت ہے اور بالفرض والتقدیر اگر ہم موافق قول اس فاضل کے ضعیف ہونا ان احادیث کا تسلیم کریں تو حدیث ضعیف پر عمل کرنا فروعِ مسائل اور فضائلِ اعمال میں اقوالِ فقہاء و محدثین سے

[1] مختلف طریقوں سے۔

بالاتفاق والاجماع ثابت ہے پس جو آدمی ان حدیثوں پر اس بات میں عمل کریگا کہ کچھ صدقہ فاتحہ درود تیوہاروں میں کریگا تو بلا شک امر جائز بلکہ مستحب ہوگا اس لئے اگر واقعی وہ روحیں آئی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش وخرم گئیں یہ آدمی ان کی بددعاء سے بچ گیا اور ان کو ثواب پہنچ گیا۔ اور بالفرض والتقدیر اگر روحیں نہیں آئی تھیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ درود تو ان کو پہنچ ہی جاویگا ان کا پہنچ جانا تو اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے عند اہل السنۃ والجماعۃ، بناءً علیہ تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ درود کرنے کو نہ فقط جائز بلکہ امر مستحب کہنا چاہیئے، چنانچہ ہم اس کی چند نظیریں کلام فقہاء سے صلوٰۃ اوابین اور مسح رقبۃ اور صوم رجب کی بابت لکھ چکے ہیں اور علاوہ اس کے بہت نظیریں اس کی کتب فقہ میں موجود ہیں، جس کی نظر متون وشروح فتاوی پر ہے یہ بات اس سے مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے، آمین یا رب العالمین آمین۔

قولہ اب ہم قاعدہ مقررہ فقہاء الخ۔ **اقول** ہرگز جاری نہیں ہوسکتا، ہرگاہ کہ محدثین نے اس کی تضعیف کردی بلکہ بعض روایت کے اوپر متروک ہونے کا خیال ہے تو جب تک اس کو سندِ صحیح سے ثابت نہ کیا جاوے مجروح ہی رہے گی والجرح[1] مقدم علی التعدیل۔ اور یہ روایات تو بلا سند ہیں، اور مسند میں ان کے خلاف صحاح احادیث کے ہیں یہ بھی دلیل جرح کی ہے اور یہ باب علم کا ہے نہ کہ فضلِ عمل کا پس اس میں ہرگز یہ روایات کارآمد نہیں۔ اور صاحبِ خزانہ کے نقل کردینے سے تعدیل نہیں ہوتی اور یہ احتمال کہ کسی نے توثیق کی ہوگی یہ فنِ حدیث میں معتبر نہیں۔ اگر نسائی، ابن ماجہ مثلاً بلا توثیق ذکر کریں باوجود بیانِ سند کے وہ بھی توثیق نہیں چہ جائیکہ نقلِ خزانہ بلا اسناد و توثیق معتبر ہو جاوے۔ خود بخاری کی تعلیقات باوجود التزامِ صحت کے اور اتفاق اس کی صحت کے مسند کے برابر نہیں۔ پھر خزانہ کا کیا ذکر ہے اور یہ سب اصول فقہ وحدیث میں بدیہی ہے گو جاہل ان علوم سے نہیں جانتا، پس یہ روایات ہرگز کسی کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ان پر عمل درست ہے کیونکہ یہ بابِ علم سے ہے نہ کہ فضلِ عمل سے، پس استحباب تو کیا اباحت

---

[1] تعدیل پر جرح مقدم ہے۔

بھی ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ فعل بدعت ہی رہا اور مؤلف کا جہل با صرح الوجود ثابت ہوگیا۔

لمعہ رابعہ بیان طریق سویم کا، اس عمل میں پانچ چیزیں ہیں: کلمۂ طیبہ پڑھنا، شمار کے لئے دانہ ہائے نخود کا معین کرنا، ختم قرآن کرنا، برادری اور دوست آشناؤں کا واسطے قرآن اور کلمہ پڑھنے کے جمع ہونا، اس کام کے لئے تیسرا دن ٹھیرانا۔

بیان امر اول اختیار کرنا کلمہ طیبہ کا اس لئے ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ مفتاح الجنۃ، اور امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہے انسؓ سے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قیل لہ یا رسول اللہ ھل للجنۃ ثمنٌ قال نعم لا الٰہ الا اللہ، جب معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کنجی ہے جنت کی تو ثواب رسانی ایسی چیز کی نہایت درجہ اَولیٰ و انسب ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور ثواب اس کا میت کو بخشے، اگر وہ قابلِ عذاب ہوگا اس کو عذاب نہ کریں گے اور اگر وہ قابلِ عذاب نہیں تو اس کے درجات بلند کر دیئے جاویں گے۔ اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا الٰہ الا اللہ کا آیا ہے، چنانچہ بزرگانِ دین سے اس پر عمل پایا گیا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں حکم فرماتے ہیں:

"بیاں را دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے، از دوستاں دعا و فاتحہ سوال است"، انتہی۔

اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہے جس کو مولوی محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبوعہ بریلی کے صـ ۴۰ میں لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا، آپ نے سبب پوچھا تو بروئے کاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنیدؒ ایک لاکھ پچہتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخشدیا اور اس کو اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے

ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے، آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں، آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوئی، انتہیٰ کلامہٗ۔ دیکھو ان روایات احادیث اور دستور العمل ہونے سلف صالحین سے وجہ تخصیص کلمۂ طیبہ کی عمدہ طرح پر ظاہر ہوگئی، پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہوگیا۔

سوئم کی بحث

قولہٗ لمعۂ رابعہ الخ۔ **اقول**، بہت پہلے لکھا گیا کہ ایصالِ ثواب کلمہ اور قرآن کو کوئی منع نہیں کرتا مؤلف بے سود تطویل کرتا ہے، مفتیوں نے جواب میں ایصالِ ثواب کو مستحسن لکھا ہے، مگر مؤلف آنکھ نہیں رکھتا اور مؤلف نے یہ قاعدہ ذہن نشین کر لیا ہے کہ جو حکم اجزاء کا ہوتا ہے وہی مجموعہ مرکبہ[1] وہیئتِ ترکیبیہ کا ہوتا ہے اور اس کا پہلے بطلان ہو چکا ہے، پس اب جو فضائل کلمہ کے اور ایصال ثواب اس کا لکھا تھا کسی کو مضر نہیں لھٰذا اس میں کلام کرنا بھی حاجت نہیں مگر یہ قول مؤلف کا کس قدر غفلت اور خیانت ہے پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہوگیا کیونکہ کلمہ کو کس نے بدعت کہا ہے البتہ اس ہیئت کو بدعت کہا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

دوسرا امر تخصیص دانۂ نخود کی وجہ یہ ہے کہ دانہ نخود اگر متوسط ہو نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا پہلے وزن سے کہ وہ اسی روپیہ سے زیادہ تھا، ساڑھے بارہ سیر نخود از روئے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے، اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہے، اور دو شمار جو حدیث میں آئے ہیں ایک میں ستر ہزار، دوسرے میں سو ہزار احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل کیا گیا ہے اور ہر کسی کو قدرت نہ تھی کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے گٹھلیاں کھجور یا جامن وغیرہ کی چنتا ہو اور جا بجا سمیٹتا ہوا پھرتا، نخود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہے جہاں سے چاہا، جس نے چاہا بے تکلف مول لے لئے شمار کی شمار

[1] چند اجزاء سے ترتیب دیا ہوا مجموعہ۔

اس میں قائم رہی اور بعد فراغ وحصول کار ان کو تقسیم کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہوگئی اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا اور اس قسم کی تعینات سے منع اور کرا ہت ثابت نہیں ہوسکتی دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان وحاکم سے یہ حدیث بطولہ ثابت ہے، خلاصہ اس کا یہ کہ آنحضرتؐ نے ایک عورت کو دیکھا تھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لئے ہوئے ذکر اللہ بے شمار کر رہی تھی، آپؐ نے اس کو منع نہ فرمایا، اس قدر ثبوت سے فقہاء رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا لا بأس باتخاذ السبحۃ، یعنی کچھ مضائقہ نہیں تسبیح ہاتھ میں لینے کا حالانکہ کنکریوں یا گٹھلیوں کی گنتی اور تسبیح میں بڑا فرق ہے یعنی دانوں کا گول کرنا اور پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل، زیتون سنگ مقصود و استخوان شتر شیشہ و خاکِ شفاء وغیرہ کے ہوتے ہیں اور ان میں سوراخ کرنا پھر ان کی شمار سَو دانہ پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا، ان میں ایک دانہ کو امام سب دانوں کا مقرر کرنا یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہلِ اسلام کے عمل میں ہیں حالانکہ ثبوت فقط کنکریوں پر شمار کرنا ہوا ہے اور ان فروعاتِ زائدہ کے جواز پر صاحبِ بحر الرائق اور حلیہ اور علامہ شامی شارح درمختار اشارہ کرتے ہیں لا تزید السبحۃ علیٰ مضمون ھٰذا الحدیث الّا بضم النوی فی خیط و مثل ذلک لایظھر تاثیرہ فی المنع۔ اب دیکھئے ضم النوی فی خیط کا لفظ لکھ کر جمع تخصیصات وتعینات تسبیح کی طرف جو اوپر مذکور ہوئیں فقہاء اشارہ کر گئے بقولہم مثل ذٰلک الخ، یعنی ایسی باتوں کی جمع میں کچھ دخل نہیں، تسبیح سے مقصود شمار ذکر ہے سو شمارِ ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا بناءً علیہ دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی بمقتضائے قاعدۂ شرعیہ مستنبط فقہاء رحمہم اللہ جائز ہوا بلکہ دانہ ہائے نخود کے شمار کو واقعہ قصۂ حدیث سے زیادہ تر مشارکت ہے بہ نسبت تسبیح کے کیونکہ تسبیح میں قیود زائدہ بہت ہیں کما ذکرنا۔

قولہ دوسرا امر تخصیص دانۂ نخود الخ۔	سویم کی ہیئتِ ترکیبیہ بدعت ہے نہ کہ کلمہ و دیگر اجزاء

اقول فی الواقع اول میں دانۂ نخود کے اختیار کی یہی وجہ تھی، اور پھر صدقہ کر دیا کرتے تھے، ازاں بعد بریاں کرنا نخود کا تجویز ہوا کہ فقراء کہاں بھناتے پھریں گے

پھر یہ عادت ہوئی کہ جس نے جس قدر پڑھے وا اپنے پڑھے لے گیا پھر یہ تجویز ہو گئی کہ بعد فراغت کے سب کو جمع کر کے تقسیم کیا جاوے تا کہ قرآن خواں بھی محروم نہ رہیں اب یہی دستور ہو گیا ہے۔ اب سنو کہ مؤلف سابقاً خوب وثوق کے ساتھ لکھ چکا ہے کہ جب طعام کا جواز ثابت ہو گیا تو شیرینی بھی طعام ہے اور قلت و کثرت کا اعتبار نہیں، پس جب ایک دو لڈو کی ڈلی ضیافت ہے تو دو مٹھی نخود بدرجۂ اولیٰ طعامِ ضیافت ہے کہ آدمی کو ایک وقت کفایت کر جاتے ہیں، اور اب عرف میں یہ نخود حاضرینِ سیوم کے ہی واسطے تیار ہوتی ہے کہ بعد ختم ان کو دیئے جائیں گے۔ المعروف کالمشروط۔ اہلِ میت بھی اسی واسطے کرتے ہیں اور حاضرین بھی اس کے تناول کی نیت رکھتے ہیں پس ضیافت ہونے میں کیا تأمل رہا اور اجتماع۔ برادری کا میت کے واسطے اہلِ میت کے پاس ہوتا ہے لهٰذا حدیثِ جریر عبداللہ کنا نری الاجتماع الی اهل المیت وضعهم لطعام من النیاحۃ (الحدیث)۔ اس پر برابر صادق آ گئی کیونکہ اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا ہے کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا، خواہ محض تعزیتِ مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے کو اور مطلق کو مقید کرنا بالرای حرام ہے اور طعام بھی مطلق ہے کہ نخود شیرینی کو سب کو شامل ہے اور اس زمانہ میں قطعاً تقسیم نخود میں صدقہ کی نیت نہیں رہی کہ فقیر و غنی جملہ حاضرین کو دیا جاتا ہے گویا سو کلمہ اور قرآن پڑھنے اور حاضر ہونے کا ہے اور یہ سب واضح ہے کہ اس کا انکار ریداہت کا انکار ہے۔ پس مورد اس حدیث کے ہونے میں کوئی تأمل نہیں رہا اور روایت شرح منیہ وغیرہ کی یکرہ اتخاذ الطعام بھی اس پر صادق ہے اور یہ عذر کہ فقراء کے واسطے یہ نخود ہیں لهٰذا یہ صورت داخل اس دوسری روایت شرح منیہ میں ہے کہ کہتا ہے وان اتخذ للفقراء کان حسنا، بالکل لغو ہے اس میں اب فقراء ہرگز مقصود نہیں بلکہ حاضرینِ سیوم مقصود ہیں قرآن خواں و کلمہ خواں کو اور حاضرین کو خواہ غنی ہوں خواہ فقیر تقسیم ہوتے ہیں، اگر صدقہ ہوتا تو اغنیاء کو کیوں دیا جاتا اور اعتراض و نظیر شارح منیہ کی باطل ہو چکی کہ نصِ مطلق کو مقید کرتا ہے۔ چنانچہ در مختار سے منقول ہو لیا، پس بحث سبحہ کی مؤلف نے جو لکھی ہے محض لغو ہو گئی، اسی

واسطے سفر السعادۃ میں کہا کہ عادت نبود[1] کہ برائے میت جمع شوند الخ۔ جس کو مؤلف آگے رد کرتا ہے اور بے فہمی اور بد دیانتی اپنی ظاہر کرتا ہے کیونکہ اس کا رد حدیث کا رد ہے۔ بہر حال اس اجتماع اور تقسیم طعام کا حدیث وفقہ سے کراہیت و معصیت ہونا ثابت ہوگیا پس بایں وجہ نخود اب بدعت وقباحت ہوئی اور خود اجتماع تو نیاحت ہی ہے اور پھر اب عوام کے نزدیک نخود کا ہونا ضروریات میں ہوگیا ہے کہ بدون اس کے سیوم ہوتا ہی نہیں کچھ بھی نہیں تو سیر دو سیر نخود ہو دیں کہ تقسیم کئے جاویں تو یہ دوسری وجہ بدعت ہونے کی ہے جس کو خود مؤلف قبول کر چکا ہے کہ نص مطلق کو مقید کرنا قابل زجر و توبیخ کے ہے ہاں البتہ اگر بچہ خرد سال[2] مرتا ہے تو اراذل قوم میں اس کا سیوم فقط بخانہ اہل میت جمع ہوتا ہے اور جو جوان، بوڑھا مرتا ہے تو جمع ہو کر کلمہ قرآن بھی پڑھتے ہیں اور پھر دروازۂ میت پر جاتے ہیں اور شرفا میں بچہ کا سیوم موقوف[3] ہوگیا اور جوان کے سیوم دروازہ کا جانا موقوف ہوگیا ہے۔ الغرض مقصود اجتماع سے وہی تکرار تعزیت ہے اور قرآن وکلمہ ضمناً ہے چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی مجمع سیوم میں برادری کے آتے ہیں کلمہ وقرآن سے کچھ کام ان کو نہیں محض رفع شکایت برادری کو آتے ہیں تو غرض اصل حاضری ہی ہے اور تعزیت اور اجتماع الی اہل میت مراد ہے اور اس میں تشابہ ہنود کا بھی حاصل ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی یہی دستور جمع ہونے پر برادری کا روز سیوم ہے۔ تو یہ تین وجہ بدعت وکراہت سیوم کی اور تخصیص وتقسیم نخود کی واضح ہیں کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

تیسرا امر پڑھنا قرآن کا ہے جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ کئی ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اس کو نہایت مستحکم جان کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

سیوم کے قرآن خوانی کی بحث مشتمن برفوائد

قولہ تیسرا امر الخ۔ **اقول** کیا صدق و دیانت مؤلف کا کہنا ہے کہ قرآن کو منع کرتے ہیں جیسا اوپر کہا کہ تخصیص کلمہ کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں حالانکہ جواب میں مصرح ہے کہ ایصال ثواب مستحسن ہے۔ منع کرنا علماء کا ہیئت مروجہ

---

[1] میت کیواسطے جمع ہونے کی عادت نہ تھی۔ [2] کم عمر [3] رک جانا۔

کو ہے نہ کہ ایصالِ ثواب کو، مگر بحمد اللہ یہ منع ان کا حدیث و فقہ سے ثابت ہو گیا۔

سندِ اوّل یہ ہے کہ سفر السعادۃ کی عبارت سیف السنۃ کے صفحہ ۱۴۱ میں نقل کی ہے اس طرح کہ " عادتِ نبوی نبود کہ برائے میت جمع شوند و ختمات خوانند نہ بر سرِ گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است " انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضؓ کے جنازہ کی نماز بذاتِ خود پڑھتے تھے یہ نماز نجات کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی تم میں مر جایا کرے مجھ کو ضرور خبر کیا کرو فانّ صلوٰتی علیہ رحمۃ۔ بیشک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہے اور قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَصَلِّ علیھم انّ صلوٰتک سکنٌ لھم۔ تفسیر اس کی ابن عباس نے یہ کی ہے کہ " دعا کر ان لوگوں پر بیشک تیری دعا، ان کے لئے رحمت ہے "۔ اور امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ " روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت قوی نورانی روشن تھی جب آپ دعائے خیر ان کے لئے کرتے تھے تو آپ کی قوتِ روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا اور چمک جاتی تھیں ان پر تَوِ نورانی سے ان کی روحیں، اور ظلمت مٹ کر نورانیت آ جاتی تھی " انتہیٰ کلامہ۔ اور ظاہر ہے کہ نمازِ جنازہ میں دعا ہوتی ہے واسطے میت کے، پس حال حضرت کی دعا کا قرآن اور قولِ صحابی اور تفسیر امام سے نیز حدیث سے معلوم کر چکے کہ کیا کچھ اس میں مقبولیت اور فیضانِ الٰہی ہے۔ ہم اپنے موتیٰ پر جس قدر چاہیں ختم قرآن کریں اور کلمہ، فاتحہ، درود پڑھیں، لیکن اس ایک دعا کی برابری جو لبہائے سراپا رحمت حضرت محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مقبولیت اور محبوبیت کے ساتھ نکلتے تھے نہیں ہوتی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ نماز کے اور طرح پر بھی مشکل کشائی فرماتے تھے، حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضؓ دفنائے گئے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا، ہم بھی آپ کیساتھ دیر تک وہی پڑھتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا، ہم بھی یہی پڑھتے رہے

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو قبر نے دبالیا تھا اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہوگئی، روایت کیا اس کو امام احمدؒ نے کذا فی المشکوٰۃ۔ بھلا جہاں اس طرح پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو اگر ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج ہے۔

قولہ سندِ اوّل الخ۔ **اقول** یہ روایت سفرالسعادۃ بعینہا حدیث جریر کی ہے بس فرق الفاظ کا ہی ہے اور اس حدیث کو تمام فقہاء نے قبول فرمایا، دیکھو کہ حدیث جریر میں دو امر کا ذکر ہے۔ اجتماع الی اہلِ میت اور صنعۃ[1] الطعام۔ جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر کو صحابہؓ تشنیع جانتے تھے اور ہر ہر امر کو بدعت و معصیت فرماتے تھے نہ کہ مجموع من حیث المجموع کو مگر مجموعہ کی کراہت اس سے لازم ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ شرح منیہ اور فتح القدیر میں اتخاذِ ضیافت کو اس حدیث سے قبیح لکھا ہے پس ضیافت کے واسطے حاضر ہونا اجتماع للضیافۃ ہے نہ کہ اجتماع للمیت، اور اجتماع الی اہل المیت[2] خود تعزیت باجتماعِ قوم ہوتا ہے جیساکہ وقت موت اور دفن کے ہوتا ہے پس اس روایت فتح سے کہ کہتا ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ وھی بدعۃ مستقبحۃ لما روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح الخ۔ صاف ظاہر ہے کہ مجموعہ مراد نہیں بلکہ ہر ہر واحد مکروہ ہے اور تکرار تعزیت باجتماع یا انفراد بھی بدعت ہے چنانچہ درمختار وغیرہ میں مصرح ہے، پس اس کو ہی سفرُ السعادہ کہتا ہے کہ اجتماع عادت صحابہ کی نہ تھی تو مؤلف کا اس کو رد کرنا حدیث کا رد کرنا ہے اور افعالِ صحابہ پر طعن کرنا ہے معاذ اللہ۔ اور نہیں سمجھتا کہ ایصالِ ثواب کیواسطے جمع ہونا یہ رسم مروجہ بھی اجتماع الی اہل المیت ہی ہے جو کہ حدیث میں موجود ہے جبکہ وہ قرونِ خیر ثواب کے حریص اور نفع رسانی مسلم کی حیاً[3] و میتاً[4] مشغوف تھے[5] اس کام کو برا جان کر ترک کریں تو کسی دوسرے کو کرنا اگر بدعت نہ ہوگا تو کیا ہوگا، اور مؤلف کا یہ کہنا کہ آپؐ کی صلوٰۃ نجات کو کافی تھی پھر ختمِ قرآن و کلمہ کی حاجت نہ تھی محض خیالِ خام ہے۔ یہ لاریب[6] کہ آپؐ کی نماز نور و رحمت تھی مگر اس پر نجات جان کر کفایت کرنا اور صدقہ و خیرات کا ترک کرنا ہرگز نہیں سعف

---

[1] کھانا تیار کرنا [2] اہل میت کے پاس جمع ہونا [3] زندہ یا مردہ [4] پسندیدہ [5] بے شک

خود فخر عالم علیہ السلام بعد نماز کے ہر روز دعاء و استغفار کرتے رہتے تھے اور بعد دفن کے بھی دعا کرتے تھے اور صحابہؓ بھی اپنی اموات کو باوجود نماز فخر عالم کے ثواب[1] رسانی میں یاد رکھتے تھے سو یہ تقریر مؤلف کی محض ڈھکوسلہ عقلِ ناتمام کا ہے اور جہل ہے حقیقتِ تعامل صحابہؓ سے۔ اور سفر السعادہ یہ کہتا ہے کہ ختم اذکار و قرآن اور اجتماع نہ تھا، نہ یہ کہ ایصالِ ثواب نہ تھا، مؤلف کو فہم سے تو کام ہی نہیں وہ گور[2] پر یا غیر گور پر قرآن و کلمہ پڑھنے کو جمع سب قوم کا ہونا بدعت کہتا ہے نہ کہ انکار ایصالِ ثواب کا مگر فہم نہ ہو تو کیا علاج۔ پھر مؤلف خود کہتا ہے کہ حضرت علیہ السلام سوائے صلوٰۃ کے اور طرح بھی مشکل کشائی[3] کرتے تھے اور وہ کلمہ سبحان اللہ اور اللہ اکبر کا پڑھنا ہے کہ خود مؤلف نے نقل کیا ہے۔ بندہ کہتا ہے کہ ایسا ہی ہر روز دعاء و استغفار سے یاد رکھنا بھی مشکل کشائی ہے۔ پس غور طلب ہے کہ آپ ہی تو مؤلف صلوٰۃِ فخر عالم کو کافی کہہ کر آیا ہے اور اب دوسری مشکل کشائی کا اقرار کر دیا اور نہیں سمجھتا کہ جیسا آپ نے کلمہ اور دعاء سے مشکل کشائی فرمائی اب قرآن و ختم سے مشکل کشائی ہے اور صحابہؓ کے وقت میں یہی کرتے تھے اور جب خود آپؐ نے نماز اپنی کو کافی نجات کیواسطے نہ جانا پھر بھی مشکل کشائی فرماتے رہے صحابہؓ سے لیکر آج تک وہی امر مستحب ہے، تو اب اس وقت اور قرنِ صحابہ میں اور زمانِ فخر عالمؐ میں کوئی فرق باقی نہ رہا نماز بھی پڑھتے ہیں اور ایصالِ ثواب بھی کرتے ہیں مگر میت کے واسطے الی اہلِ میت جمع ہونا نہ جب تھا نہ اب ہونا چاہیئے اور اس امر کو سفر السعادہ بدعت کہتا ہے مؤلف کے فہم کے خلاف پر ہے اور اس کو حضرت جریر نے نیاحت میں شمار فرمایا، علیٰ ہذا۔

مل کر قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرتؐ نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا بس جواز کے واسطے ایک اشارہ عند الفقہاء کافی ہے۔

قولہ ملکر قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرتؐ نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا الخ
اقول محض کم فہمی ہے کیونکہ سفر السعادۃ قصداً ختم میت کیواسطے جمع ہونے کو کہتا

---

[1] ثواب پہنچانا [2] قبر [3] مشکل آسان کرنا

ہے اور وہ اجتماع[1] لدفنِ میت تھا اس میں ضرورت اس ذکر کی ہو گئی تو اس کو فرمایا۔ غرض اجتماع للمیت جو مراد سفر السعادۃ کی ہے اس میں اور اجتماع میں جو میت کے واسطے تھا کہ فرض کفایہ ہے اور اس میں ذکر کر دیا فرق زمین و آسمان کا ہے اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں پس یہ بھی نہ خلاف سفر السعادۃ کے ہے اور نہ حجت جواز اجتماع کی ہوسکے کیونکہ سفر السعادۃ اس اجتماع کو بدعت کہتا ہے کہ بعد دفنِ میت کے دوبارہ ختم و قرآن کے واسطے یا بلغیر اسما کے اہلِ میت کے پاس جمع ہوں، کہیں ہوں گور پر یا غیر گور پر اور اس کو ہی حدیثِ جریر میں نیاحت میں داخل کیا ہے اور حالت اجتماع تجہیز و تکفین میں اگر کچھ پڑھتے رہیں اور ثواب پہنچا دیں تو وہ جائز ہے، نہ اس کو سفر السعادۃ منع کرتا ہے اور نہ حدیثِ جریر سے اس کا منع مفہوم ہے اور خود فعل فخرِ عالم کا قبرِ سعدؓ بن معاذ پر اس کے جواز کی دلیل ہے مگر فہم کی حاجت ہے پس اس فعلِ مرسوم کو بدعت حسنہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضلالہ کہنا واجب ہے۔ مع ہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ فخرِ عالمؐ نے ذکر جہر یہاں کیا ہے نہ کہ ایصالِ ثواب اس کا اور جہر سے دو کلمے فرمائے تھے، ورنہ خفی ذکر تو آپؐ کا ہر حال لازم تھا اس کا بھی خیال رہے۔ اور مؤلف کے استدلال کی خوبی معلوم رہی کہ ایصال ثواب اس روایت سے ہرگز نہیں نکلتا، کاش کہ یہ عوام کالانعام جب دفنِ مردہ کے واسطے جمع ہوتے ہیں ذکر و کلمہ پڑھتے رہا کریں اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دویں اور خرافات بکو اس جو اس وقت کرتے ہیں نہ کیا کریں تو آپ معصیت اور لغو کلام سے محفوظ رہیں اور مردہ کو لاکھ سے زیادہ کلمہ پہنچا دے مگر شیطان کب ہونے دیتا ہے کہ سنت کے موافق کام ہو وہ تو بدعت پر رغبت دلا کر لاتا ہے۔

اور بالفرض اگر عہد نبویؐ میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو بدعت کہیں مثل قول سفر السعادۃ کے اس کا مضائقہ نہیں لیکن وہ حسنہ ہے ناجائز اور مکروہ تو کہنا اس کا ہرگز صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ بہتیرے نیک کام حضرتؐ کے بعد کئے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے اس کا نام علماءِ دین نے بدعتِ حسنہ رکھا ہے، چنانچہ ہم اول تحقیق کر چکے

[1] میت کو دفن کرنے کے لئے جمع ہونا۔

ہیں اور اس مسئلہ میں بھی جزئی خاص پیش کرتے ہیں۔ فتاوی قنیہ میں ہے وضع الید علی القبر بدعة والقرأة علیہ بدعة حسنة۔ اور امام حجۃ الاسلام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے لا بأس بقرأة القرآن علی القبور، اور اس جگہ امام نے ایک قصۂ عجیب لکھا ہے: "علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ تھا ایک جنازہ پر بعد دفن کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمدؒ نے فرمایا او آدمی یہ کام بدعت ہے، جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ تم مبشر بن اسماعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہے، اس نے پوچھا تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے، امام نے فرمایا ہاں، جب معلوم ہوا کہ اقرار ان کے سے کہ وہ استاذ ہیں امام احمدؒ کے، تب وہ محمد بن قدامہ بولا کہ خبر دی مجھ کو مبشر بن اسمٰعیل نے انکو خبر پہنچی عبدالرحمان سے کہ جب ان کے باپ علاء ابن الحجاج کا انتقال ہوا وصیت فرمائی کہ جب دفن کیا جاؤں میرے سرہانے قبر کے پنج آیت اور آمن الرسول پڑھو، اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کو سنا ہے وہ وصیت کرتے تھے اس بات کی اس وقت امام احمدؒ نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہدو کہ قرآن پڑھتا رہے" اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے قرأة القرآن عند القبور عند محمدؒ لاتکرہ ومشائخنا رحمہم اللہ اخذوا بقولہ وھل ینتفع، والمختار انہ ینتفع کذا فی المضمرات۔ اور فتح القدیر میں ہے و اختلف فی اجلاس القارئین لیقرأ عند القبر والمختار عدم الکراھة۔ اور مولوی اسحٰق صاحب نے مأة مسائل کے جواب سوال ہشتاد و سوم میں لکھا ہے: "حافظاں را برائے قرأتِ قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است الخ۔" پس اگرچہ صاحب سفر السعادۃ نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا لیکن امام محمدؒ و امام احمد بن حنبلؒ اور کتب فتاویٰ اور مولوی اسحٰق صاحب سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔

قولہ اور بالفرض اگر عہد نبوی میں الخ۔ **اقول** اجتماع مخصوص میں ختم کرنا بدعت

ضلالۃ ہے نہ کہ بدعتِ حسنہ ، اور یہ ضلالت بوجہ اجتماع کے ہے نہ کہ بوجہ ختم و قرآن کے اور قنیہ کی روایت مؤلف کو مفید ہرگز نہیں کیونکہ وہ قرأتِ الخلق علی القبر[1] کو بدعتِ حسنہ کہتا ہے نہ کہ اجتماعِ مخصوص[2] ممنوع من الحدیث کو جس کو سفر السعادۃ نے نقل کیا ہے۔ علیٰ ہٰذا قولِ احیاء العلوم کا اور اگر اس روایت کے اطلاق سے حجت لاؤ کہ مطلقاً قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے خواہ اس واسطے جمع ہوں یا نہ ہوں تو بھی غلط ہے کیونکہ اطلاق وہاں معتبر ہوتا ہے کہ نص حکم قید کی موجود نہ ہو کیونکہ یہاں قید کا منع ہونا نص سے ثابت ہوگیا تو اب یہ روایت مطلق نہ رہے گی اور مقید ممنوع رہیگا، اور یہ جو قصۂ عجب مؤلف نے لکھا ہے اس کا بھی مدعا یہی ہے کہ قرآن قبر پر پڑھنا درست ہے نہ کہ باجتماعِ مخصوص پڑھنا اگر عقل و فہم ہو تو کچھ خفاء[3] نہیں، علیٰ ہٰذا روایت عالمگیریہ اور فتح القدیر اور مأۃ مسائل کا جواب ہے مگر مؤلف کو کچھ تمیز نہیں کہ اثبات کس چیز کا کرتا ہوں اور دلائل کیا لکھ رہا ہوں، سبحان اللہ اور فتح القدیر میں جو اجلاس قارئین کا لفظ شبہ ڈالے تو اس کا بھی حال سنو کہ مراد حدیث جریر اور سفر السعادۃ سے اجتماعِ قوم کی کراہت ہے کہ الیٰ اہلِ میت ہو اور یہ چند قرائے نے قرآن قبر پر جو پڑھا ہے تو اس اجتماع سے یہ جدا ہے کیونکہ وہ اجتماع قوم کا اہلِ میت کے سبب سے ہے اور یہ اہلِ میت کے واسطے نہیں تا کہ تکرار تعزیت یا خلافِ حدیث اس میں لازم آوے جیسا سیوم مخصوص میں ہے لہٰذا اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں اگرچہ بعض علماء اس کو بھی مکروہ کہتے ہیں مگر صاحب فتح جواز کو راجح کہتا ہے۔ ہم نے تسلیم کیا کہ صاحب سفر السعادۃ کے نزدیک مطلق جمع لقرأۃ القرآن بدعت ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ کا تعامل[4] نہ تھا اور اس نے اجتماع کو عموماً بدعت کہا تو غایت[5] الامر یہ ہوا کہ جو صراحۃً منصوص[6] حدیث جریر سے ہے وہ اتفاقاً بدعت و نیاحت ہوا اور جو سفر السعادۃ نے دوسری فرد لکھی وہ مختلف فیہ[7] ہوئی ، یعنی اس کے نزدیک وہ بھی بدعت ہے ، اور فتح القدیر نے قبر پر جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ تعالیٰ جائز کہا اور بعض دیگر علماء نے جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ کسی وقت غیر معین میں جائز کہا مگر بہرحال اجتماعِ مخصوص الیٰ اہلِ میت تو سب کے نزدیک بدعت ہے۔

---

۱ قبر پر لوگوں کا پڑھنا ۲ مخصوص اجتماع جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو ۳ پوشیدگی ۴ عمل
۵ انجام کار ۶ مدلل ۷ جس میں اختلاف کیا گیا ہو۔

توبہرحال سیوم کا پڑھنا قرآن اور ختم کا تو سب کے نزدیک بدعت ہوگیا جس سے بحث ہے اور جس کو علماء سنت منع کرتے ہیں اور مؤلف جائز کہتا ہے تو دوسری شق مختلف فیہ ہوئی، سفر السعادۃ نے اس کو منع کیا اور بعض علماء نے درست رکھا۔ بہرحال اجتماع مخصوص سیوم کہ جس کی بحث ہے وہ کسی روایت سے جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس میں اجتماع اہلِ میت ہے اگرچہ قرآن وکلمہ بھی پڑھتے ہوں پس روایاتِ منقولہ مؤلف کی سفر السعادۃ کے اصل مطلب کی کوئی خلاف نہیں گو ایک شق خاص میں فتح اور سفر السعادۃ کے خلاف ہو اور وہ خلاف بھی مؤلف کو کچھ مفید نہیں مگر فہم مؤلف کا قاصر ہے، افسوس ہے کہ مؤلف کہیں مطلب نہیں سمجھتا اور اپنے کوتاہ فہم پر علماء پر طعن کرنا سہل جانتا ہے سب اہلِ علم غور کریں پس واضح ہوگیا کہ قرآن وکلمہ کا ثواب پہنچانا بلاتید درست اور اجتماع مخصوص سیوم کا بدعت اور قول سفر السعادۃ کا قولِ صحیح اور موافق حدیثِ جریر کے اور روایات منقولہ مؤلف کے ہے اِلّا فی شقٍّ واحدٍ کہ وہ خلاف مؤلف کو ہرگز مفید نہیں اور توجیہاتِ رکیکہ مؤلف کی سب واہی غلط خلاف واقعہ کے ہیں، فقط۔

> اور آنحضرت ﷺ کے ختمِ قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی اس لئے کہ آپ ﷺ بہت افکار جہاد وغیرہ اور اصلاحِ امت اور تعلیم نو آمیز مسلمانوں میں مصروف رہتے تھے اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے، اور یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ایک دعاء اور صرف نمازِ جنازہ پڑھ دینا ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے نہایت افضل اور اکمل ہوتا تھا اور بعد آپ ﷺ کے انصار نے اموات پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا، چنانچہ عنقریب بیان آتا ہے پس یہ روایتیں تو ہم نے قبر پر قرآن پڑھنے کی بیان کیں، اب سوائے قبر کے ہر جگہ اگر جمع ہو کر پڑھیں اس کا کیا حکم ہے اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے۔

قولہ اور آنحضرت ﷺ کے ختم قرآن نہ کرنے سے الخ۔ **اقول** مؤلف نے اول تو فہم مرادِ سفر السعادۃ میں خطاء کی ہے وہ کہتا ہے "قرآن خوانند وختمات خوانند" ختمات سے مراد

ا؎ صورت ۲؎ اعتراض۔

اذکار ہیں مؤلف ختم قرآن کا سمجھا تو کہتا ہے آنحضرت علیہ السلام کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع لازم نہیں آتا اور یہ محض غلط ہے بلکہ جن لوگوں کے نزدیک قرآن وذکر کا ثواب پہنچانا ہے انہوں نے قرآن کا وصول ثواب احادیث سے ثابت کر دیا ہے پس سارا قرآن اور کم وزیادہ خود ثابت ہو گیا ضروری ہے۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں جیسے شافعیؒ، مالکؒ ان کے نزدیک اب بھی ثابت نہیں پس عذر جہاد کا بالکل لغو ہے مگر مؤلف کو اس عذر ختم کے لکھنے سے شرم نہ آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات دن تو جہاد میں مصروف نہ تھے اور نہ اعدادِ آلاتِ جہاد اس درجہ کو تھے کہ ختم قرآن کی جو دو تین گھنٹہ میں پندرہ بیس آدمی کر سکتے ہیں گا ہے مہلت نہ ملی یہ بداہۃً سفسطہ ہے۔ اور غزوۂ موتہ کی جب خبر آپؐ کو ملی اور زید بن حارثہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ اور جعفر طیارؓ کی شہادت معلوم ہوئی آپؐ مسجد میں حزین بیٹھے رہے اور جماعتِ صحابہؓ حاضر تھی دو ساعت میں ختم قرآن ہو سکتا تھا۔ علیٰ ہٰذا خبر شہداءِ بئر معونہ وغیرہ میں۔ پس یہ عذر کسقدر چر لوز و غلط ہے کہ جس کو کوئی عاقل بھی قبول نہ کریگا۔ الغرض ثواب قرآن شریف کا آپؐ کے زمانہ میں تھا مگر اجتماع مخصوص نہ تھا، مؤلف کا ذہن قاصر ہے۔ اور پھر انصار بھی پڑھتے تھے اور اب تک جاری ہے اور جس کا انکار سفر السعادۃ کو ہے یعنی اجتماع الیٰ اہلِ میت وہ گاہے ہرگز ثابت نہیں ہوا مگر تأمل و فہم درکار ہے۔

سند دوسری مانعین اپنے رسائل میں نصاب الاحتساب کی روایت نقل کرتے ہیں "ان ختم القرآن جہرًا بالجماعۃ ویسمّٰی بالفارسیۃ سیپارہ خواندن مکروہٌ" انتہیٰ جواب اس کا یہ ہے کہ نماز کے اندر قرأت امام کا سننا اور اس وقت چپ ہو جانا تو بالاتفاق فرض ہے لیکن اگر خارج نماز کے کسی مقام پر قرآن پڑھا جاتا ہو اس کے اجتماع میں اور سامعین کے خاموش ہو جانے میں اختلاف ہے، بعضے اس میں بھی فرض کہتے ہیں اور بعضے مستحب، جو علماء مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں، جو لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھیں بلند آواز سے۔ اور جو فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک نہیں جائز ہے۔ فتاویٰ قنیہ میں ہے ویکرہ للقوم ان یقرأ القرآن جملۃ لتضمنھا ترک الاستماع والانصات المامور بھا کذا فی فتاویٰ ابی الفضل الکرمانی وقیل لا بأس بہ کذا روی عن

عین الائمۃ الکرباسی وعن نجم الائمۃ الحکیمی۔ یہ دونوں روایتیں جواز اور عدم جواز کی حلبی نے شرح منیہ میں اور دوسرے فقہاء نے بھی روایت کی ہیں۔ ان روایتوں سے دو فائدے پیدا ہوئے۔

قولہ سند دوسری الخ۔ **اقول** نصاب الاحتساب میں ہے قرآن جماعت کو جہراً پڑھنا مکروہ لکھا ہے، اور یہ امر سیوم کی قرآن میں مشاہد ہے، مؤلف بھی اس کراہت کو قبول کرتا ہے اور کراہت تحریمیہ مراد ہے اور یہی راجح ہے اس واسطے کہ اس کو مدلل بیان کیا ہے اور دلیل مسئلہ کی بیان کرنا وجہ ترجیح کی ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے مقابل کو قیل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ایسے موقعہ میں ایک مسئلہ کو جزما بیان کریں اور اس کے مقابل کو صیغۂ مجہول سے بیان کریں تو اس میں ضعف ہوتا ہے اور یہ قواعد سب اہل علم جانتے ہیں بسبب شہرۃ وبداہۃ کے نقل سند کی حاجت نہیں، اور دوسری روایتِ ضعیف پر بھی کراہتِ تنزیہیہ ثابت ہے کیونکہ لا بأس کا اصل اطلاق کراہتِ تنزیہیہ پر بھی آتا ہے قال فی رد المختار وکلمۃ لا بأس غالب استعمالہ فیما ترکہ اولیٰ، انتہیٰ۔ بہرحال علی الراجح جہراً پڑھنا مکروہ تحریمیہ ہوا اور علی المرجوح کراہتِ تنزیہیہ ہوئی کہ دوسرے امر بدعت سے مل کر موجب قوتِ منع کی ہر حال ہو جاویگی۔

ایک تو یہ کہ جو لوگ علماء سلف میں منع کرتے ہیں انہوں نے یہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضرتؐ کے وقت میں جو جمع ہو کر قرآن نہیں پڑھا گیا اس واسطے منع ہے بلکہ یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض ہے وہ ترک ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جن عالموں نے منع کیا انہوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے، چنانچہ نصاب الاحتساب کی عبارت میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں لفظ جہر صریح موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں یہی فرما دیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تاکہ بالاتفاق جائز ہو اور اگر اسے

پڑھیں گے بعضوں کے نزدیک جائز ہوگا اور بعض کے نزدیک نہیں، چنانچہ صاحب خزانۃ الروایات نے کتاب مفید المستفید سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے "بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یک دیگر نہ شنوانند"۔ اور مولوی اسحٰق صاحب نے سوال ہشتاد وسوم کے جواب میں خاص مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں "حافظاں را برائے قرأۃ قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ بآواز بلند جمع شدہ قرأت نہ کنند"۔ انتہیٰ۔

قولہ ایک تو یہ کہ جو لوگ الخ۔ **اقول** سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے کہ اگر سلف کوئی دلیل بیان نہ کریں اور خلف دلیل بیان کریں تو وہ دلیل معتبر نہ ہو، سب اہلِ علم جانتے ہیں کہ ایک شئی کی تین تین اور چار چار اور زیادہ دلائل ہوتی ہیں، اگر کسی نے ایک حجت بیان تو دیگر حجج[1] کا مرتفع ہونا کہاں سے لازم آگیا بلکہ اگر اولین کو ایک حجت جواز یا حرمت کی معلوم ہو اور متأخرین کو زیادہ دلائل پر اطلاع ہو جاوے تو کون محذور ہے[2]، خود مؤلف نے نورِ چہارم میں ابن جرزی کے طعن کے رفع[3] میں وہ دلائل لکھی ہیں کہ پہلے کسی نے نہیں لکھی تھیں اپنے گھر کی مؤلف کو کچھ خبر نہیں، سب تھوڑی عقل والے بھی جانتے ہیں کہ یہ دعویٰ عدمِ جواز اجتماع کا صحیح اور حدیثِ جریر سے لعومہ ثابت ہے پس اگر نصاب الاحتساب میں ذکر نہ ہو تو یہ دلیل مشاہد ابن ماجہ وغیرہ میں آنکھوں سے نظر آتی ہے اس کا رفع کس طرح ممکن ہے، اگر صاحب نصاب الاحتساب کو اور دیگر علماء کو یہ معلوم نہ ہوا یا انہوں نے نقل نہ کیا تو اس مشاہد امر کا انکار تو محض جنون ہوگا کہ معنی موجود، دلالت موجود، دلیل کیونکر ہو وےگی لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کیا عمدہ فائدہ مؤلف کو ملا نہیں بلکہ یہ فائدہ ملا کہ دوسری علت کراہت کی حاصل ہوگئی اور ہم کو ظہور خوبیٔ فہم مؤلف کا فائدہ حاصل ہوا اور دوسرا فائدہ بھی لغو ہے کیونکہ درصورت خفیہ پڑھنے کے یہ کراہت رفع ہو جاویگی مگر اجتماع مخصوص کا نیاحت ہونا اور تشبہ ہنود پر مثلاً کہاں چلا جاویگا سو یہ فائدہ بھی نتیجہ ذہنِ مؤلف کا ہے کہ ایک علت کی رفع سے تمام علل کا رفع ہو جایا کرے، اور خزانۃ الروایات کا فیصلہ اس قرأۃِ جماعت میں ہے کہ وہ اجتماع بدعت نہ ہو۔

---

[1] حجت کی جمع [2] ممنوع [3] رد کرنا۔

جیسا جمعہ کو جامع مسجد میں لوگ پڑھتے ہیں اس کو فیصلہ کرتا ہے اور ایسا ہی مولانا اسحٰق نے اجتماع جائز میں یہ فرمایا، سوسم کو بھی کچھ عذر نہیں کہ اگر مجمع مباح ہے اس میں آہستہ پڑھنا چاہیے اور مجمع بدعت میں اگر آہستہ پڑھیں گے تو یہ کراہت رفع ہوجاویگی اگرچہ دیگر وجوہ منع کے سبب سے وہ منع ہی رہیگا، مؤلف کو یہ گمان ہوا ہے کہ صاحب نصاب الاحتساب نے ایک یہی وجہ کراہت تسیوم کی لکھی ہے۔ نہیں اس نے بہت سی وجوہ لکھی ہیں ایک یہ بھی لکھی ہے مؤلف ذرا ہوش کرکے بات کرے۔ اس تحریر سے بھی اتنا تو واضح ہوگیا کہ حدیث جریر سے دو کراہت سیوم کی مستفاد ہوئی: اجتماع الی اہل میت اور صنعۃ الطعام۔ چنانچہ محقق ہوا تیسرے عوام کے نزدیک نخود کا ضروری ہونا جس میں تغیر حکم شرعی کا اباحت سے تاکد کی طرف ہے۔ چوتھے تشبہ کفار ہنود، پانچویں بہ جہر خوانی اور سوائے ان کے بھی ہیں صاحب فہم کو تو واضح ہیں مگر سقیم العقل پر مخفی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جمع ہوکر آہستہ اگر قرآن پڑھیں خواہ قبر پر یا غیر قبر پر یہ کسی کے نزدیک منع نہیں، دیکھو جمع ہوکر قرآن کا پڑھنا حدیث صحیح میں وارد ہے، مسلم نے روایت کیا ہے کہ جس گھر میں آدمی جمع ہوتے ہیں اس لئے کہ تلاوت کریں کلام اللہ کی اور پڑھیں آپسمیں اترتا ہے ان کے دلوں میں آرام، وقار وطمانیت اور سب طرف سے لے لیتی ہے ان کو رحمت اور گرداگرد ان کے پھرتے ہیں فرشتے، دیکھو کس قدر فضیلت عظمیٰ ہوئی۔ علاوہ بریں قاضی ثناء اللہ تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں لکھتے ہیں: "حافظ شمس الدین بن عبدالواحد گفتہ از قدیم در شہر مسلمانان جمع می شوند برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ، انتہیٰ" اور کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے: یجتمعون و یقرؤن القرآن لموتٰھم من غیر نکیر فکان ذالک اجماعًا۔ عربی عبارتوں میں من غیر نکیر کا لفظ صاف بول رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اور علی قاری اور سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب لکھتے ہیں عن سفیان قال کان الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ ویقرؤن القرآن، اور علامہ عینی

شرح ہدایہ کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر وزمان ویقرؤن القرآن ویھدون ثوابہ لموتاھم وعلیٰ ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرھم ولا ینکر ذلک منکراً فکان اجماعاً، انتہیٰ مجموع۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ مذاہب اربعہ اہلِ سنت والجماعۃ کے تمام علماء، دین دار، محقق اور صلحاء شہر میں قدیم سے جمع ہوکر قرآن اموات کے واسطے پڑھتے رہتے ہیں اور کوئی ان پر انکار نہیں کرتا تھا، اور مراد یہ ہے کہ کوئی بڑا عالم محقق جس کی سند پکڑی جاوے اور اس کا انکار انکار شمار کیا جاوے ایسا شخص کوئی منع نہیں کرتا تھا، اور کم درجہ کے علماء میں اگر کسی نے انکار کیا وہ رد کیا گیا اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ عمل امتِ محمدی کا اسی پر رہا ہے بالاتفاق والاجماع کہ پڑھنا قرآن کا مجتمع ہوکر قبر پر اور مکانات پر بھی جائز ہے۔

قولہ خلاصہ یہ کہ الخ۔ **اقول** لاریب جمع ہوکر قرآن آہستہ پڑھنا درست مگر وہ جمع ہونا مباح ہونا چاہیئے، سو حدیثِ مسلم میں مذاکرۂ قرآن کے واسطے اجتماع کا کہ مستحب ہے، بلکہ بعض واجب کہ تذکیر و تذکر و وعظ ہی ذکر ہوا ہے اس پر اجتماع مکروہ کو قیاس نہیں کرسکتے یہ کوتاہی فہم مؤلف کی ہے۔ اور قاضی ثناء اللہؒ کی روایت تذکرۃ الموتیٰ کی جو مؤلف کو مفید نہیں ہے سابقاً گذرا کہ یہ اجتماع لوجہ اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ اجتماع الیٰ اہلِ میت۔ اور سیوم مروجہ دوسری قسم ممنوع میں داخل ہے نہ اول میں، بار بار اعادہ تفصیل کا ضروری نہیں۔ اور سفیان کی روایت میں انصار کا اختلاف قبور کی طرف مفید اجتماع کو ہرگز نہیں، انصارؓ کا قبر پر قرآن پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور آنا جانا مجتمع ہوکر جانا اور قرآن پڑھنا جو اس میں بھی مؤلف کی کچھ دلیل نہیں، نفسِ قرأۃ علی القبر میں اوپر خلاف بیان ہوچکا اور اجتماعِ غیر مرسوم[1] میں بھی قرأت کا حال لکھا گیا مگر بہرحال مؤلف کے اجتماعِ مخصوص کو غیر مفیدِ محض ہے۔ علیٰ ہذا روایت عینی شرح ہدایہ سے حال اجتماع مختلف فیہ کا دریافت ہوا، نہ کہ مبحوث عنہ متفق الکراہت

[1] جس کی رسم نہ ہو۔

پس مؤلف کی ترکی تمام ہوئی، اور حسنِ فہم مؤلف کا آشکارا ہوگیا کہ ایک نوع سے جائز دوسری نوع سے بدعت پر استدلال لاتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ ہر نوع دوسری نوع کی مبائن ہوتی ہے کیا خوب ہوتا کہ تہذیب منطق ہی مؤلف پڑھ لیتا تو ایسی خطاء فی الدین کر کے خلق کو گمراہ نہ کرتا۔

چوتھا امر مجتمع ہونا عزیزوں اور دوست آشناؤں کا واسطے پڑھنے کلمہ اور قرآن کے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارثِ میت تو پڑھ نہیں سکتا اور اگر کوئی ہمت بھی کریگا تو مدتوں میں تمام ہوگا، یہاں میت کا ابھی کام تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق میں جلدی چاہیے، پس لابد ہوا کہ دوست آشنا ایسی حالت میں ورثاء میت کی مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر انجام کار فرمادیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ یعنی آپس میں مدد کرو نیک کام اور تقویٰ پر اور یہ بھی ہے کہ جب وارثانِ میت نے یہ جلسہ ذکر کا منعقد کیا تو جس قدر مومنین طالب حسنات ہیں سب کو اس میں شریک ہونا موافق حدیث نبویؐ کے موجب خیر و سعادت ہوگا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا یعنی جب گذرو جنت کے باغ اور سبزہ زار میں تو وہاں چرو۔ چرنے سے مراد یہ کہ وہاں کا ثواب پیٹ بھر کے حاصل کرو، لوگوں نے پوچھا کہ بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا حلق الذکر یعنی جہاں جماعتیں ذکر کرنے والوں کی حلقہ مارے بیٹھی ہیں روایت کیا اس کو ترمذی نے، کذافی المشکوٰۃ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو کہ نہیں تو گل بکاؤلی اور فسانۂ عجائب ذکر اللہ ہوگا، اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ موافق ارشاد مخبر صادقؐ کے یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے پھر اس میں چرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ رسولؐ اللہ فرمادیں ارتعوا، اور تم کہو لا ترتعوا۔ اور اللہ تعالیٰ فرمادے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ اور تم کہو لا تعاونوا۔ کس قدر مقابلہ اللہ اور رسولؐ کا ہے۔

لہ مخالف۔

سیوم میں اجتماع برادری کی بحث

قولہ چوتھا امر جمع ہونا عزیزوں کا الخ۔
اقول اس اجتماع کا حال تو ابھی روشن ہو گیا کہ صحابہؓ کے وقت سے ممنوع چلا آتا ہے اور مطلق اجتماع جس میں کوئی محذورؒ شرعی تشابہ اور نخود اور تعیین وغیرہ نہ ہو خود جائز ہے وہ سیوم مروّجہ کے خلاف ہے مگر یہ مؤلف کا کہنا کہ یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے، بڑی بے شرمی کی بات ہے کیونکہ اگر ایسا میت کا خیال ہے تو قبل دفن اس قدر کلمہ ہو سکتا ہے اس وقت میت کا خیال نہیں ہوتا، اب تیسرے روز جب تمام کام تمام ہو لیا تو ہوش آئی، دفن کے وقت کو حقہ کشی اور غلط کام میں مصروف ہے مگر دروغؒ گو را حافظہ نباشد، یہ مؤلف کی عجب بات ہے، باقی رہی معاونت مؤمن کی اور حلق الذکر کی سو مطلب سے خارج ہے ذکر اللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہے کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو نہ کہ بطور بدعت و معصیت کے پس جو ذکر مرکب بدعت و معصیت سے ہوگا اس کی شرکت بھی ممنوع ہو وےگی، چنانچہ پہلے بھی جواب اس سفسطہؒ کا ہو چکا ہے کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے نہ کہ بوجہ ذکر کے۔

دیکھو ایک وہ لوگ تھے کہ کسی امر کو مکروہ دیکھتے تھے اور اس میں کچھ خیر اور بہتری ہوتی تھی تو اس خیر کے باعث مکروہ سے چشم پوشی کرتے تھے۔ عیدگاہ میں بعد نماز عید نفل پڑھنا ممنوع ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو یہی نفل پڑھتے دیکھا اس کو آپ نے منع نہ فرمایا، لوگوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو خوف آتا ہے، مبادا ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔ یعنی تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ یہ قصہ حضرت علیؓ کا درمختار اور دوسری کتب فقہ میں موجود ہے اب دیکھئے ایک وہ دور صحابہؓ کا تھا کہ حضرت علیؓ نے یہ خیال فرمایا، گو یہ ہیئت کراہت کی اس نماز میں عارض ہے کہ بعد نماز عید عین عیدگاہ میں خلاف طریقہ سنت نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر تو ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کر رہا ہے اللہ کی حضوری میں ہے

ؒ ممنوع ؒ جھوٹ بولنے والے کو حافظہ نہیں ہوتا ؒ مغالطہ۔

منع نہ فرمایا اور منع کرنے میں خوف الٰہی کیا، اور کیوں نہ کرتے وہی لوگ ڈرا کرتے ہیں اللہ سے جن کے دلوں میں خوفِ الٰہی ہوتا ہے، ایک یہ دَور آخری ہے کہ تعیینِ یوم کو اپنے خیال میں مکروہ جان کر کلمہ اور قرآن سے منع کر کے بھی خدا سے نہیں ڈرتے۔

قولہ ایک وہ لوگ تھے کہ کسی مکروہ کو الخ۔ **اقول** حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مجمع البحرین میں اس کے خلاف منقول ہے، یہ عبارت اس کی ہے انّ رجلاً یوم العید اراد اَن یصلی قبل صلوٰۃ العید فنہاہ علیؓ فقال الرجل یا امیر المومنین انی اعلم انّ اللہ لا یعذّب علی الصلوٰۃِ وانّی اعلم انّ اللہ لا یثیب علیٰ فعل حتیٰ یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فیکون صلوٰتک عبث والعبث حرام الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امرِ خیر جو خلاف مشروع طرز کی ہو اس سے منع کرنا چاہئے اور یہ جو درمختار میں منقول ہوا وہ دوسرا امر ہے، اس واقعہ میں نماز پڑھنے کو حالت نماز میں اس واسطے منع نہ کیا تھا کہ اس آیت کے ہونے کی مشابہت تھی ارأیتَ الذی ینہیٰ الآیۃ۔ نہ کہ بوجہ خیر ہونے کے، یہ مؤلف کی محض کم فہمی ہے، اور مجمع البحرین کی روایت میں ارادہ نماز کا کرتا تھا اس واسطے اس کو منع کر دیا سو ہرگز معارضہ نہیں فہم درکار ہے، برے کام سے منع کرنا ضرور ہے، اگر مختلط بخیر ہو۔ ہاں بعض صورت میں جو مسئلہ مجتہد فیہا[1] ہو تو اس میں بھی عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا اس کا شبہ بھی نہ کرنا چاہئے، مؤلف نے نہیں سنا اور کہاں سے سنتے نہ خود پڑھا نہ علماء کی صحبت و محبت نصیب ہوئی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ بعد عصر کے نوافل پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے کہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں، حضرت علیؓ کا عدم منع بدون حقیقت سمجھے ترجمہ درمختار سے یاد کرلیا ہے پس مولوی ہوگئے، اگر علماء عوام کو بدعات سے منع نہ کریں تو مداہن[2] فی الدین ہو دیں گے اور بحکم حدیث شیطانِ اخرس[3] ہو دیں گے۔ اور دین میں فساد ہوگا، سو یہ مؤلف ہی کو مبارک رہے اہل سنت کا کام تو نہی عن المنکر ہے۔

---

[1] جس میں اجتہاد کیا گیا [2] دین کے معاملہ میں فریب کرنے والے۔ [3] گونگے۔

پانچواں امر متعین کرنا روز تیسرا واضح ہو کہ معین کر لینا کسی روز کا واسطے کسی مصلحت کے شرع شریف میں وارد ہے شفیق رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں اور شاگرد ابن عبداللہ مسعودؓ صحابی کے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ وعظ فرماتے تھے، ہر جمعرات کے دن جب لوگوں نے کہا روز وعظ فرمایا کیجئے، جواب دیا کہ مجھ کو پسند نہیں آتا کہ تم کو تنگ کردوں روز کہہ کہہ کر جس طرح پر میں کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم وعظ فرماتے تھے یہ روایت مسلم اور بخاری کی مشکوٰۃ میں موجود ہے اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دن جمعرات کا مقرر کیا تھا وعظ کے واسطے اور یہ ان کے بیان سے سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا حالانکہ کلام سے وعظ کے لئے کوئی قید کسی دن کی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآن شریف میں وارد ہے وذکّر فانّ الذکریٰ تنفع المؤمنین اس میں قید دن کی نہیں، پس ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ نے جو دن معین کیا تھا تو کچھ مصلحت اس وقت کی سمجھ کر دن جمعرات کا مقرر کیا تھا، ہمارے اس وقت میں اکثر علماء نے جمعہ کا دن مقرر کر رکھا ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی مصلحت ہے کہ جمعہ کی نماز کو ہر طرف سے آدمی اطراف وقریات ومواضع سے خواندہ ناخواندہ جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدہ عام ہوتا ہے، جمعرات میں یہ نفع متصور نہیں، جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جاننا چاہئے کہ ایصال ثواب موتیٰ کے لئے علی الدوام جائز اور شرع سے ثابت الاصل، جس طرح وعظ کرنا علی الدوام جائز۔ لیکن تیسرا دن مخصوص کیا گیا واسطے مصلحت کے جس طرح جمعرات کو واسطے وعظ کے خاص کیا ابن مسعودؓ نے۔ اور یہاں مصلحت تعیین میں یہ ہے کہ وارثان میت کو اور جمیع قرآن وکلمہ پڑھنے والوں کو وارثوں کے لئے اس طرح مفید ہے کہ تعیین اور تقرر کی قید میں خوب خیال چڑھا رہتا ہے دل پر، یہ کام کرنا ضروری ہے پس نہیں فوت ہوتا ان سے یہ کام اور جو لوگ معین نہیں کرتے ان کا کام کبھی کا کبھی ہوتا ہے بلکہ بہتیرے آدمیوں سے فوت ہو جاتا ہے، جو لوگ جمعرات کے تعین میں روٹی فاتحہ اموات کی نیت سے کھلا دیتے ہیں

وہ تو کھلا دیتے ہیں اور جنھوں نے تخصیص کو بدعت کہا ان کو ہفتہ کے ہفتے بلکہ مہینے کے مہینے گذر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکالتے، اور نافع ہونا اس تعینِ تاریخ کا دوسر آدمیوں کا اس وجہ سے ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن، کام اسلوب کیساتھ اور جلد نہ ہوتا، دن مقرر ہونے سے عین ایک میعاد پر سب جمع ہوجاتے ہیں اور خوش انجامی سے کام تمام ہوجاتا ہے، اگر کوئی یہ اعتراض کرے اگر تم کو جلدی ایصالِ ثواب اور امداد میت کی منظور رہے تو دفن سے اگلے دن کیوں نہیں ختم کرا لیتے جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن مقرر کرتے اس پر بھی تم اعتراض کرتے کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، علاوہ ازیں مصلحت اس میں یہ دیکھی گئی کہ بروز دفن برادری کے آدمی اور دوست آشنا دیر تک تجہیز و تکفین میں رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کسی میت کی قبر کنی اور غسل و تکفین وغیرہ میں ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر کم و بیش لگ جاتے ہیں اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت واسطے ختم قرآن و کلمہ طیبہ کے دیجاتی تو متواتر پے درپے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لئے ایک دن بیچ میں آسایش دیکر تیسرا دن معین کیا گیا، دوسری مصلحت یہ ہے کہ وارثانِ میّت کی تعزیت کے واسطے شرع شریف میں تین دن مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا بأس لاَھلِ المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلثۃ ایام والناسُ یأتونھم ویعزونھم۔ یعنی کچھ مضائقہ نہیں مصیبت زدوں کو بیٹھنا گھر میں یا مسجد میں تین روز تک اس میں آدمی آویں گے ان کے پاس اور تعزیت یعنی تسلی اور تشفی دیں گے اہلِ ماتم کو،" انتہی۔ پس تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں آمد و رفت اہلِ تعزیت کی رہتی ہے لوگوں کے بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی اجتماعِ مؤمنین سہولت سے ممکن ہوگا اور یہ بھی ہے کہ قرب وجوار کے مواضع و قصبات میں جو ان کے اقرباء اور دوست آشنا رہنے والے ہیں بعد وصول خبر وفات وہ بھی اکثر شریک امداد فاتحہ و ختم قرآن و کلمہ طیبہ کے ہوجاویں گے پس تعیین تیسرے روز کی مبنی اسی مصلحت پر ہے اور جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے کلمہ اور قرآن اس کا

بیان بہت وضاحت سے اوپر ہو چکا۔ اور یہ تعین کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ قدیم الایام سے علماء دین اور مفتیانِ شرح متین کی قرار دی ہوئی ہے، ایک مختصر دلیل اس پر یہ ہے کہ ملا علی قاری اور سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جمیع مذاہب کے علماء و صلحاء کل شہروں میں کل زمانوں میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اس پر اجتماع امت ہے پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں میں اور ملکوں میں ہندوستان تو بڑا ملک ہے اس میں بہت شہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں کے علماء و صلحاء نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں بلاشبہ جاری کیا ہو گا، ہم جو خوب تلاش کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم الایام سے جاری دیکھتے ہیں اور ہم اپنے آباء و اجداد سے اسی طرح سنتے اور دیکھتے آئے ہیں سیکڑوں برس کی پرانی کتابوں میں ان کا ذکر ہے پس یہ لابد قرار دادِ علماء شائقین اور صلحاء قدیم کا ہے البتہ جس وقت عوام اس مجمعِ سیوم میں بعض باتیں خلافِ شرع کرنے لگے اس وقت ایک وجہ خاص کے سبب علماء اس کو منع کرنے لگے۔

قولہ پانچواں امر معین کرنا الخ۔ **اقول** وعظ و درس فرض ہے اس کے واسطے اہتمام کرنا ضروریاتِ دین سے ہے اور تیسرا چوتھا دن مقرر کرنا رفع ملال کے واسطے مناسب ہے۔ مع ہٰذا اگر اس میں بھی ایسی تعیین ہو کہ کسی حال تخلف[1] نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہو جائیگا اور یہ فعل خود صحابہؓ کا بلکہ فخرِ عالمؐ کا ہے سو جس شئی کو وہاں متعین کر دیا وہ معین ہو گیا اگر اس کو بھی کوئی واجب جاننے لگے تو وہ بھی تغیر حکم شرع سے بدعت ہو جاویگا۔

التزام مباح و مستحب کی عجیب بحث جواب بدعات میں اصل کی ہے پس اس پر قیاس کر کے کسی مباحِ مطلق کو معین کرنا درست نہیں کیونکہ وہاں تو فعلِ شارع سے مستحب ہو گیا تھا اب جس شئی کو اطلاق پر شارع چھوڑ گئے اس کے اطلاق کو مقید کرنا خود تغیر ہو جاویگا، چنانچہ خود مؤلف مقر ہو چکا ہے خصوصاً جس امر کو شارع نے بدعت و داخلِ نیاحت کیا اگر کوئی سنت

[1] پیچھے ہٹنا۔

امر پر قیاس کر کے جائز رکھے گا تو سخت مبتدع مقابل شارع کا ہووےگا تو اس کو منع کر گئے اور یہ اس کو سنت امر پر قیاس کر کے جائز رکھیگا، معاذ اللہ۔ اور مؤلف کسقدر رکیک توجیہہ ایک امر ممنوع کے جواز کے واسطے کرتا ہے کہ دور از عقل ہے کہ تقریر یوم ثالث میں تکان رفع ہوگا اور واہیات تقریر اور اتنا نہیں سوچتا کہ حاضرین جنازہ نے کونسے پہاڑ مارے تھے، قبر کنی کی تھی جو تکان ہوگیا، وہ تو بیٹھے حقہ بجانے اور زٹل بکنے میں مشغول رہے تھے جیسا اپنی بیٹھکوں میں ہر روز کرتے ہیں اور کاروبار تجہیز و تکفین کا کرنے والے دو چار آدمی ہوتے ہیں اور باقی سب آرام سے بیٹھے رہتے ہیں، پھر یہ کہ اس پہر دو پہر کی حاضری میں اگر پڑھ دیا کریں کیوں رفع تکان کی ضرورت ہو اور کیوں حرج ہو۔

الغرض ایسی خرافات کہانیوں سے حکم شرعی کا مقابلہ کس بد حواس کا کام ہے ایسی تقریر قابل التفات کے نہیں ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہے اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ ہنود کے تیجے کو دیکھ کر وضع ہوا ہے اب اس کی اصلاح میں مزخرافات لکھے جاؤ نص سے یہ مردود ہو چکا، فقط۔

چنانچہ شیخ عبدالحق کا کلام شرح سفر السعادۃ میں صاف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے " اما ایں اجتماع مخصوص روز سیوم وارتکاب تکلفات و دیگر صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام،، انتہیٰ کلامہٗ۔ اہل انصاف دیکھیں کہ اس کلام شیخ سے جو صاحب سیف السنۃ وغیرہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کا انکار روز سیوم میں نکالتے ہیں کیسی بے منصفی ہے۔ اس سے تو یتیموں کا حق ضائع کرنا اور تکلفات کی ممانعت پائی گئی اور اس عبارت سے پہلے جو سفر السعادۃ کی عبارت بدعت ہونے ختم قرآن میں تھی اس کا جواب ہم بیان امر تیسرے میں دے چکے ہیں البتہ تکلفات موتیٰ ایں ممنوع ہیں چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں نئے نئے تکلفات ایجاد کئے تھے جن کا ذکر نصاب الاحتساب میں ہے یقطعون اوراق الاشجار ویتخذون منہ شیئاً علیٰ صورۃ الاشجار ویزینون بھا حول القبر ویلبسون القبر ثیاب الحریر اذا کان المیت من اھلہ ا ھ

کان یلبس ذٰلك ویحضرون الجامر الصورة بتماثیل ذوات الارواح کالبازی ونحوہٗ وانه مکروہ ویبسطون الفرش ویقوم الشاعر فی مدح المیت بمالم یفعله وانه کذب ویحضرون المصاحف فی المقابر ویصفونها فی المجلس ولا یقرؤن وینتظرون حضور الصدور فان فتح المصحف واخذ الناس فی القرأۃ ثم حضر الصدر یغضب علیهم وھل ھو الا امر النفس الامارۃ بالسوء، انتہی کلامہ تلخیصا۔ وفی حاشیۃ خزانۃ الروایات الناس یھلئون الریحان الورد فی الاطباق وماء الورد فی القماقم۔ یعنی درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ صورت عین درختوں کی اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور گرد قبروں کے ان پتوں کو سجاتے ہیں اور قبر پر ریشمین غلاف ڈالتے ہیں اگر وہ میت پہنتا تھا اپنی زندگی میں ریشم اور لاتے ہیں انگھیٹاں جس میں باز وغیرہ جانوروں کی تصویریں ہوویں اور بچھاتے ہیں فرش یعنی تکلفی اور ڈوم بھاٹ کھڑا ہو کر اس مردہ کی جھوٹی تعریف کرتا ہے اور لیجاتے ہیں گور پر قرآن کو اور رکھدیتے ہیں مگر پڑھتے نہیں جب تک رئیس مجلس نہ آجائے اور اگر اس سے پہلے قرآن کو پڑھنے لگیں تو وہ خفا ہوتا ہے، یہ نفس امارہ کی شامت ہے، یہ نصاب الاحتساب کے چنے ہوئے فقرے ہیں، اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں ہے کہ تیار کرتے ہیں آدمی پھول پھلواری اور گلاب کے پھول طباقوں میں، اور عرق گلاب بھرتے ہیں قمقموں میں، انتہی۔ اب خیال کرنے کا مقام یہ ہے کہ ورثاءِ میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں ان کو سرور کا سامان ایامِ مصیبت میں کرنا اور بعض امور محرمہ اور مکروہہ سے زینت دینا کون عاقل گوارا کریگا چنانچہ مفتیانِ دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اس کو مان لیا اب دیکھیے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک یوم معین میں جمع ہو کر کلمہ، کلام پڑھ دیتے ہیں اب جو بعضے علماء تشدد کرتے ہیں محض تعینِ یوم کے سبب سے کلمہ اور قرآن کو بھی مکروہ کہدیتے ہیں یہ صحیح نہیں اور دلیل ان کی ردّ ہے:

قولہ چنانچہ شیخ عبدالحق کا کلام الخ۔ **اقول**، مؤلف کو آنکھ حق بین نہیں، شیخ عبدالحقؒ صاف لکھتے ہیں کہ "این اجتماع مخصوص سیوم الخ یس جیسا شیخ نے صرف

مالِ یتامیٰ اور تکلفات کو حرام و بدعت کہا ہے ایسا ہی اجتماعِ روزِ سیوم کو حرام و بدعت لکھا ہے مؤلف کو اس قدر غفلت و حق پوشی کہ صاف تین امر کا ذکر کرکے ان کو حرام و بدعت کہا ہے اور مؤلف دو کا ذکر کرتا ہے تیسرے کو ہضم کر گیا حالانکہ عطف کا مسئلہ نحو میر میں پڑھا ہوگا، اور شیخ نے سفر السعادۃ کی روایت کو بھی قبول کر لیا ہے، شیخ عبد الحق کے وقت سے علماء اس اجتماعِ سیوم کو بدعت و حرام کہتے ہیں، اب مؤلف کی چرب زبانی و کذب بیانی خود ظاہر ہوگئی کہ وہ اپنے اجداد سے سنتا چلا آیا ہے اور تکلفات کی ممانعت کا بھی مقر ہے جس کو مؤلف نصاب الاحتساب سے نقل کرتا ہے اور بے سود ایک صفحہ سیاہ کیا مگر اجتماعِ روزِ سیوم کا نام بھی نہیں لیتا۔
اب ناظرین غور سے دیکھیں کہ مؤلف کی یہ جرأت ہے کہ عبارت نقل کرکے بھی کلمات کو ہضم کرکے ترجمہ میں اس کا نام تک نہیں لیتا، ع چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ اور صاف ظاہر ہے کہ شیخ نے تین امر کو ذکر کرکے ہر سہ کو بدعت لکھا ہے پس اس سے اجتماعِ مخصوص روزِ سیوم کا بدعت ہونا ثابت ہو گیا۔

ایک یہ کہ معین کر لینا نماز میں کسی سورہ کا مکروہ ہے تو ایصالِ ثواب کے واسطے بھی تیسرا دن خاص کر لینا مکروہ ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس کہتے ہیں تو تم کہا کرتے ہو قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور خود اپنے مطلب کے لئے قیاس کرتے ہو تو جائز ہے، خیر یہ ہٹ دھرمی تمہاری تم کو مبارک ہم اس سے قطعِ نظر کرکے کہتے ہیں کہ تعیین یوم فاتحہ وغیرہ کو قیاس نماز پر کرنا صحیح نہیں اور یہ دلیل تام نہیں اس لئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو تعیین سورہ مکروہ نہیں پس یہ کراہت اہلِ سنت میں اجماعی نہ ہوئی اور حنفیہ کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجابی وغیرہ محققین کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے یا تو یہ کہ پڑھنے والا اس کو یہ اعتقاد کرے کہ اسی سورۃ کا پڑھنا واجب ہے، دوسری سورۃ پڑھوں گا تو مکروہ ہوگی، دوسرا سبب یہ ہے کہ جاہل لوگ ایسی صورت کو جب پڑھتے دیکھیں گے مبادا وہ لوگ یہ اعتقاد کریں کہ نماز میں بھی ایک سورۃ واجب ہے، دوسری نہیں یہ مضامین فتح القدیر اور شامی اور برہان وغیرہ میں ہیں اور میں کہتا ہوں کہ قوی وجہ کراہت کی وہی سببِ اول ہے یعنی واجب جاننا تعیینِ سورت کا، چنانچہ حدیث صحیح

سے اس کی تصدیق پائی جاتی ہے، صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ھو اللہ ضرور پڑھا کرتا، بخاری کی روایت میں ہے کہ مقتدی لوگ اس سے الجھے اس نے جواب دیا کہ میں تو اس سورۃ کو نہیں چھوڑتا تمہارا جی چاہے مت پڑھو میرے پیچھے نماز، انجام کار یہ مرافعہ آنحضرت ﷺ تک پہونچ گئی آپؐ نے اس سے پوچھا تو کیوں نہیں مانتا ان کی بات اور کیوں التزام کر رکھا ہے اس سورۃ کا اس نے کہا مجھ کو پیاری لگتی ہے یہ سورۃ، آپؐ نے ارشاد فرمایا حبك ایاھا ادخلك الجنۃ- یعنی تو جو اس سورۃ کو دوست رکھتا ہے اس کے دوست رکھنے نے تجھ کو جنت میں داخل کر دیا، اس قصہ سے معلوم ہوا کہ تعین سورۃ کو واجب اعتقاد کرنا ہی موجب کراہت تھا، جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا نہ بیان کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو اس سورۃ سے محبت ہے تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعین کو منع نہ فرمایا، بنا بریں علیہ ہم کہتے ہیں کہ تعینِ سوم میں بھی وہ علتِ کراہت مفقود ہے سب جانتے ہیں کہ اموات کے لئے ایصالِ ثواب کو کہ ایک امرِ مسنون و مستحب ہے فرض و واجب کوئی نہیں جانتا، جب اصلی ایصالِ ثواب واجب و فرض نہ ہوا تو تعین یوم سیوم کو کون نادان فرض و واجب کہدیگا۔ ہاں یہ تخصیص تیسرے دن کی جو جاری ہے وہ مبنی بعض مصلحتوں پر ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اور سہولت سے انجام کار ہو جاتا ہے۔ اور خود فقہ میں بھی تعینِ سورۃ کے باب میں امام طحاوی نے تصریح کی ہے اما اذا لازمہا لسھولتہا علیہ فلا یکرہ بل یکون حسناً کذا فی البرھان- پس موافق اس تعلیل کے تعینِ سوم مکروہ نہ ٹھہرا۔ باقی رہا دوسرا سبب کہ مبادا دوسرے آدمی جاہل اس کو دیکھ کر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصالِ ثواب تیسرے ہی دن ہوتا ہے نہ پہلے اس سے نہ پیچھے اس سے سو یہ علت بھی یہاں مفقود ہے اس لئے کہ جو لوگ فرض و واجب و سنت و مباح کی حقیقت اور رتبہ کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض، فرض کو افضل و اولی، مکروہ کو مفسد اور حرام مباح کو واجب جو چاہتے ہیں کہتے ہیں ان کو ہرگز تمیز نہیں سو ایسے اشد اجہل العوام سے قطعِ نظر کر کے یہ دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ عوام اس درجہ کے ہیں کہ انکو فرضیت

اور اباحت میں فرق معلوم ہے سو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ مثل حج و زکوٰۃ کے فرض تو نہیں ہے، بلکہ واجب بھی نہیں ایصالِ ثواب فی نفسہ مستحب ہے اور تعین ایک مصلحت کیلئے ہے۔ بزرگانِ دین کا قرار دیا ہوا ایک امر متوارث چلا آتا ہے، اور یہ شبہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑ سکتا کہ یوں جانے کہ ثواب آج پہنچیگا پھر نہ پہنچے گا اس لئے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وارثانِ میت سوائے روزِ سوم کے اور دنوں میں بھی فاتحہ درود کرتے ہیں تو کس طرح اعتقاد کریں گے کہ روزِ سوم ہی کو فقط ثواب پہنچا کرتا ہے، پس دونوں سبب کراہت کے مفقود ہوئے تو تعینِ سوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

قولہ ایک یہ کہ معین کر لینا نماز میں الخ۔ **اقول** مؤلف ہر روز فہم مطالب میں ناتمام مطلب سمجھتا ہے یا خلافِ مراد تجویز کر لیتا ہے یہ دلیل بھی ناتمام نقل کی ہے اصل یہ ہے کہ بحکمِ آیات و احادیث مجمع علیہ[1] تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدودِ شرعیہ سے تغیر کرنا نہیں چاہئے اور کسی وصف و حکم کو تبدل کمی و زیادتی وغیرہما سے دینا نہیں چاہئے، مطلق اور مقید کو ضروری اور مباح کو مباح اپنے حالاتِ مشروعہ پر رکھنا واجب ہے، ورنہ تعدی حد اللہ[2] اور احداثِ بدعت میں گرفتار ہو جائیگا، پس بناءً علیہ یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہو گیا کہ مباح اپنے اندازہ سے متجاوز نہ ہو علماً و عملاً، اور مطلق اپنی حالتِ اطلاق سے متغیر نہ ہو علماً و عملاً، اور مقید اپنے انداز سے نہ بدلے علماً و عملاً اور اس پر آیات و احادیث دال ہیں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ سب کا ہے اس کے دلائل کلیہ لکھنے کی حاجت نہیں مگر قدرِ حاجت لکھتا ہوں کہ غافل کو تنبیہ کر دیوے، مسلم نے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم۔ (الحدیث)۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے فضائل جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ، نماز کہ عمدہ عبادات ہیں اس میں نہ کر بیٹھے خود آپ نے نہی فرمادی کہ جس قدر امور جمعہ اور سب جمعہ میں ہم نے فرما دیئے ہیں وہی

---

[1] متفق علیہ [2] حد الٰہی سے تجاوز کرنا۔

اس میں افضل و سنت ہیں اگر کوئی اس پر قیاس و اضافہ کریگا وہ مقبول نہ ہوگا پس اس حدیث
میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم و صلوٰۃ کے واسطے خاص مت کرو. کیونکہ صوم و صلوٰۃ
نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں خصوصیت کسی وقت کی بدون ہمارے حکم کے درست نہیں
پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرمادیا جیسا کہ جس جس امور کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے
مثلاً صلوٰۃ جمعہ مع لوازمہا اس کے اطلاق کو بھی منع فرمادیا ہے کہ صلوٰۃ جمعہ اور کسی دن نہیں
ہوسکتی لھذا صاف واضح ہوگیا کہ یوم شب جمعہ کو مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور مطلق بنانا
جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں پس اس حدیث میں یہ حکم ہوگیا کہ ہمارے ارشاد کے
موافق سب کام کرو اپنی رائے سے تبدیل و تغیر مت کرو، مگر ہاں جس کو خود شارع مستثنیٰ[1] کردیویں
کہ وہ دوسری حدیث سے ثابت ہوجاوے تو وہ خود شارع کا ہی حکم ہے وہ تبدیل تغیر نہیں
اور قولہٗ علیہ السلام "لاتختصوا" یہ بھی مطلق وارد ہوا ہے تخصیص خواہ اعتقاد و علم میں ہو خواہ
عمل میں دونوں ناجائز ہو دیا گی سو یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ تخصیصِ فعلی اگر منصوصِ مطلق میں
واقع ہووےگی وہ بھی بدعت ہے، اور داخل نہیں کی ہے، علیٰ ہٰذا مطلق کرنا مقید کا عام ہے
کہ علماً ہو یا عملاً ہو دونوں منہی[2] عنہ ہیں، چونکہ یہ قاعدہ اس حدیث سے بوضاحت مستنبط
تھا تو امام نووی شرح اس حدیث میں فرماتے ہیں احتج بہ العلماء علیٰ کراھۃ ھٰذہ الصلوٰۃ
المبتدعۃ التی تسمی الرغائب قاتل اللہ واضعہا ومخترعھا فانھا بدعۃ منکرۃ من
البدع التی ھی الضلالۃ والجہالۃ - اب دیکھو کہ نماز رجب موضوع اور عمدہ عبادت ہے
اور سب اوقات مشروعہ میں افضل القربات[3] ہے بسبب تخصیص کے بدعتِ منکرہ ہوگئی کیونکہ
اطلاق مشروع نہ رہا قید وقت وغیرہ کی لگ کر مخصوص ہوگیا تو اس قید کی وجہ سے سارا مقید
بدعت بن گیا اور امام محمد غزالیؒ نے جو احیاء العلوم میں اس کی فضیلت لکھی ہے حالانکہ کلیہ
قاعدہ ان کا بھی مسلم[4] ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو حدیث اس صلوٰۃ کی فضل میں ملی.
انہوں نے اس کو صحیح جان کر عمل کیا اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کو استثناء فرمادیا لھذا
وہ معذور ہیں مگر فقہاءِ حدیث نے اس کا موضوع ہونا تحقیق[5] کردیا، سو فی الحقیقت امام محمد
غزالیؒ نے اس کلیہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ تصحیح حدیث میں غلطی ہوئی اور بشر خطاء سے خالی

---

[1] الگ [2] منوع [3] افضل عبادت [4] تسلیم شدہ [5] ثابت

اور تنقید حدیث ہر ایک کا فن بھی نہیں اس باب میں قول محدثین کا ہی معتبر ہوتا ہے، سو یہ خدشہ بھی رفع ہو گیا، پس بناءً علیٰ ہٰذہ القاعدہ[1] شارح منیہ نے صلوٰۃ الرغائب کی بدعت ہونے میں چند دلائل لکھی ہیں کہ یہاں ان کا نقل کرنا مناسب ہے، بقولہ منہا فعلہا بالجماعۃ وھی نافلۃ لم یرد بہ الشرع، جماعت کو شارع نے خاص فرائض کے ساتھ کیا ہے سو نوافل میں قید جماعت کی مشروع ہوئی مگر جس کی اجازت شرع سے ثابت ہو گئی جیسے تراویح و استسقاء و کسوف اور بلا تداعی نوافل مطلقہ میں تو جماعت جائز ہو گی باقی اپنی حالت کراہت پر رہی تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں بلکہ فرائض کے ساتھ مخصوص تھی سو نوافل میں جماعۃ کا کرنا تخصیص شارع کا توڑنا ہوا لھٰذا لم یرد بہ الشرع کہا اور اس کا ہی نام بدعت ہے پھر کہا ومنہا تخصیص سورۃ الاخلاص والقدر لم یرد بہ الشرع، شارع علیہ السلام نے فرمایا تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ تو کسی صورت کو خاص نہیں کیا تھا بلکہ مطلق سورۃ کا حکم فرمایا تھا سو کسی صلوٰۃ میں کسی سورہ کو مخصوص کرنا اطلاق شارع کے خلاف ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہو گئی جیسا کہ سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون صلوٰۃ جمعہ میں مثلاً اس واسطے کہا لم یرد بہ الشرع اور یہی بدعت ہے، ومنہا تخصیص لیلۃ الجمعۃ دون غیرہا وقد ورد النہی عنہ۔ اس کا حاصل بھی ظاہر ہے تکرار میں تطویل ہے، ومنہا ان العامۃ یعتقد ونہا سنۃ اس کی وجہ یہی ہوئی کہ جس امر مباح مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو اس کا ایسی طرح کرنا ممنوع ہے کہ اس کو تغیر حکم شرعی کا لازم ہو جاوے عند العوام اور رفع فتنۂ عوام کا حتی الامکان واجب ہے، ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من المجتہدین لم ینقل عنہم یہ خود روشن ہے کہ جس کی اصل قرونِ ثلٰثہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت و مردود ہو دیگا سو یہ تعینات و تقیدات خلاف ان قرون[2] کے کرنا خود باطل ہوا اب غور درکار ہے کہ اس صلوٰۃ کے امتناع پر شارح منیہ نے اس قاعدۂ کلیہ سے کہ عدم تجاوز حدود شرعیہ کا ہے یہ چند قواعد استخراج کئے ہیں کہ یہ قواعد مثل انواع کے ہیں ماتحت جنس کلی کے اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل ہوتا ہے، ایک یہ کہ شارع نے جس کا اہتمام و تداعی کے ساتھ حکم فرمادیا وہ تو اس طرح ہووے اور جس کو مطلق فرمادیا اس میں تداعی کا

---

[1] اس قاعدہ کی بنیاد پر [2] قرن کی جمع یعنی زمانہ۔

اضافہ نہ ہونا چاہئے ورنہ تبدیل حکم شرعی و بدعت ہو جاویگا۔ دوسرے یہ کہ جس شیٔ کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرمایا وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہوویگی ورنہ تخصیص بدعت ہی ہوویگی تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانہ کو مقرر کر دیا ہے وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے ورنہ بدعت ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر اس کی تداعی یا دوام سے عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے اگر وہ امر استحباب کے درجہ میں ہو نہ کہ سنتِ مؤکدہ اور واجب کے۔ پانچویں یہ کہ جس شیٔ کی اصل قرونِ ثلٰثہ سے نہ ملے وہ بدعت ہے اور ان سب جگہ علماً و عملاً یہ حکم ہے۔ اور شیٔ اگرچہ فی نفسہ[1] جائز ہو مگر ان قیود وجوہ سے بدعت ہو جاتی ہے۔ پس یہ پانچ قاعدۂ کلیہ شرعیہ ہیں کہ شارح منیہ نے استفادہ فرمائی اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں اور ان ہی قواعد سے فاتحہ مرسومہ[2] اور سیوم و چہلم وغیرہ اور تعین جمعرات وغیرہ کی اور محفل میلاد مرجبہ سب کی سب بدعت ہو گئی ہیں اور تمام رسالہ مؤلف کا رد ہو گیا۔ بعد اس تمہید کے ناظرین پر واضح ہو کہ علماء سنت کی یہ دلیل تھی جس کو مؤلف نے دلیلِ اول لکھا ہے، مؤلف نے اپنی کم فہمی سے اس دلیل و قاعدۂ کلیہ کی ایک فرد لیکر ناتمام طرح پر بیان کیا، اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ مقید کرنا کسی مطلق کا شرعاً بدعت و مکروہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس قاعدہ کے سبب سے لکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی سورۃ کو موقت[3] نہ کرے اگر ایسا کریگا تو مکروہ و بدعت ہو گا، پس جب صلوٰۃ میں حسبِ قاعدہ کے تعینِ سورہ مکروہ ہوا ایصالِ ثواب میں بھی حسب اس قاعدہ کلیہ کے تعین وقت اور ہیئت کی بدعت ہو ویگی۔
خلاصہ دلیل مانعینِ بدعت کا یہ تھا جس کو مؤلف نے اپنے حوصلۂ فہم کے موافق نقل کی اب چونکہ مؤلف نے اس مسئلہ تعینِ سورہ میں اپنے حوصلۂ علم کو ظاہر کیا تو اس کو سنو کہ ہدایہ میں لکھا ہے ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوٰۃ لأنّ فیہ ھجران الباقی وایھام التفضیل، انتہی۔ سو یہ جزئیہ ایک کلیہ کا ہے کہ اس میں تمام عبادات، عاداتِ مطلقہ کا تقید کرنا شارع نے ممنوع کر دیا، ایک جزئی اس کی تعینِ سورۃ بھی ہے جیسا اوپر سے واضح ہو لیا تو مؤلف اس جزئیہ کو مقیس علیہ[4] اور سیوم کے مسئلہ کو مقیس محض رائے سمجھ گیا کیا فہم ہے، یہ نہیں جانتا کہ جب کلی امر کا ارشاد ہوا تو اس کے جملہ جزئیات محکوم ہو گئے گویا ہر فرد کا نام لے دیا اور جب یا ایھا الناس تو زید، عمر، بکر، عبد السمیع سب کو نام بنام حکم ہو گیا کسی جزئی کو مقیس نہیں کہہ

---

[1] بذاتِ خود [2] جس کی رسم ہو [3] متعین [4] جس پر کوئی چیز قیاس کی جائے۔

سکتے، اسی طرح جب تقیید اطلاق کو منع فرمادیا تو سب جزئیات اس کی خواہ تعین سورۃ ہو خواہ تعیین روز سیوم خواہ تعیین نخود ہو سب ممنوع بالنص الکلی ہو گئے، مانعین بدعت کی کلام قیاس نہیں بلکہ جو جزئی اس کلیہ میں مشہور اور ظاہر متفق علیہ ہے اس کی نظیر دیگر اور مثال سے فہمائش کر کے دوسرے جزئیہ مندرجہ اس کلیہ کو ظاہر اور التزام کرنا ہے کہ مبتدعین نے اس کا اندراج تحت ہذہ الکلیہ نہیں سمجھا تھا پس قیاس کہاں ہے، مؤلف کو عقل نہیں کہ کلیہ کو اور قیاس کو امتیاز کر سکے بسبب تطویل کے فرق دونوں کا یہاں نہیں لکھا کتب اصول میں جو چاہے دیکھ لے۔

پس اصل مسئلہ جزئیہ کو سنو کہ نماز میں کوئی سورہ مقرر نہیں سب برابر ہیں مگر جہاں شارع سے کوئی سورۃ تخصیص ثابت ہوئی وہ مستحب ہے جیسا روزِ جمعہ کی نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر مثلاً، پس جو سورۃ کہ شارع سے ثابت ہوئی اس میں امام شافعیؒ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ احیاناً[1] کہ مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں اور جس میں استحباب ثابت نہیں اس میں بالاتفاق دوام مکروہ ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحب مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے اور دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے تو تغیر حکم شرع کی ہوئی تو مکروہ ہو گیا پھر اس کی کراہت میں ہدایہ نے دو دلیل کا اشارہ کیا ہے کہ جب شرع میں سب سُوَر[2] جائز ہیں تو ایک کے دوام میں باقی سُوَر کا ترک ہوگا پھر ان[3] باقی قرآن کا ہوا وہی تقیید مطلق ہوئی اور تغیر حکم شرعی کا لازم آیا ہے کہ مستحب واجب ہوا، یا مباح واجب ہوا، دوسرے یہ کہ ایک سورۃ کے تقرر سے عوام جانیں گے کہ یہ سورہ سب سے افضل ہے یا ایہام اس بات کا ہو دیگا مِنَ القاری والسامع[4]، اور یہ بھی حکم شرع کا ہے تو اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا تھا کہ کراہت تحریمہ جب ہے کہ اس سورہ میں اعتقاد وجوب کا کرے اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبرک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں بشرطیکہ کبھی اور سورۃ کو بھی پڑھ دیا کرے اس سے بھی یہی واضح ہوا کہ اعتقادِ وجوب تو مکروہ تحریمہ ہی ہے اور دوام بلا اعتقادِ وجوب کے بھی مکروہ ہے جہلاء کے واجب گمان کرنے کی وجہ سے۔ اور جو احیاناً ترک کر دیوے جس سے دوام نہ رہا تو پھر کچھ حرج نہیں پس اس صورت میں قید وجوب اعتقاد کی لغو ہو گئی کیونکہ جب دوام مطلقاً مکروہ ہے تو پھر قیدِ اعتقاد سے کیا نفع نکلا۔

---

[1] سمجھا کر [2] کبھی کبھی [3] سورۃ کی جمع [4] ترک [5] کون قاری ہے اور کون سننے والا۔

اسی واسطے فتح القدیر نے اعتراض کیا اور کہا والحق ان المداومۃ مطلقاً مکروہ سواء رآہ
حتماً، انتہی۔ پس سب علماء کا اتفاق اس پر ہوا کہ دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی موجب کراہت
کا ہے۔ انتہی ہدایہ اور فتح القدیر اور طحاوی اور اسبیجابی وغیرہم کا، مگر مؤلف کہتا ہے کہ
"میں کہتا ہوں کہ قوی وجہ کراہت کی سبب اول ہے الخ"، غور کی جگہ ہے کہ جس علت کو
تمام اکمل علماء وفقہاء قبول کریں مؤلف اس کو ضعیف بتلاوے بھلا اس نخوت کا کیا ٹھکانا
ہے اور ایسے محققین پر طعن کرنا اس فخر کی کوئی نہایت ہے، خیر اب مؤلف کا استدلال ترجیح
سنو کہ ایک صحابیؓ نے جو قل ہو اللہ کا التزام ہر رکعت میں کیا تھا تو صحابہؓ نے ان کو اس
واسطے منع کیا تھا کہ یہ فعل فخر عالم علیہ السلام کا نہیں تھا اس کو خلاف حکم شرع کے جانا
تھا، جب انہوں نے نہ مانا آپؐ کی خدمت میں شکایت ہوئی آپؐ نے بھی صحابیؓ کو نہ روکا
کیوں منع کرتے ہو یہ اس واسطے ہوا کہ آپؐ کے قواعد وفعل کے خلاف تھا ان کو بلا کر
پوچھا تو انہوں نے اپنی حب[1] اس سورہ سے عرض کی تو آپؐ نے حب صفۃ الرحمٰن کے سبب سے
بشارت[2] تو دیدی مگر یہ کہ اس فعل کو تو کیا کر یہ ہرگز حدیث میں نہیں آیا فقط حب قل ہو اللہ
کے سبب سے کہ صفت حق تعالیٰ کی ہے بشارت جنت کی فرمائی، مؤلف نے اجازت دوام تکرار
قل ہو اللہ کی اپنے ذہن سے تراش لی بھلا اس سے اس فعل کا جواز کس طرح نکلا؟ اور ایک
صحابیؓ نے ادراک[3] رکعت کیواسطے قبل وصول[4] صف کی نیت کر کے رکوع میں شریک ہو کر دو
قدم چل کر رکوع کی حالت میں صف کی برابر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا زادک اللہ حرصا ولا تعد دیکھو یہ فعل مکروہ تھا مگر اس پر آپ نے مدح فرمادی کہ
حرص امر خیر کی تھی، آگے لا تعد اور ایک روایت میں یہ فعل نصر ینصر سے ہے کہ پھر یہ کام
مت کرنا، دوسری روایت میں لا تعد باب افعال سے ہے کہ اعادۂ صلوٰۃ مت کر اس
دوسری روایت میں باوجودیکہ یہ فعل مذموم تھا طریقہ تلقین اور خشوع کیخلاف تھا اس
کے صراحۃً منع کی ضرورت نہ ہوئی اشارۃً منع فرمادیا تھا مگر اس حب کی وجہ سے بشارت بھی
ہو گئی پس مؤلف کے حسن فہم کو دیکھو کہ کیا اجتہاد کیا کہ اپنے شکم سے ایسا مقدمہ تجویز کر لیا
کہ حدیث میں کہیں اس کا نشان بھی نہیں اور خلاف تمام علماء کے مرجع بن گئی، چلو تسلیم کیا

---

[1] محبت [2] خوشخبری [3] پانا [4] صف میں پہونچنے سے پہلے۔

کہ اجازت دیدی تھی مگر یہاں ہجر آن باقی کا نہیں کیونکہ وہ ہر رکعت میں دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے اور افضلیت کا ایہام بھی نہیں کیونکہ فضل قل ہو اللہ کا خود فخر عالم فرما چکے تھے کہ ثلث قرآن ہے تو فضل منصوص میں ایہام سے کیا علاقہ تھا اور پھر وہ ایسا وقت تھا کہ وہاں کوئی بھی عام نہ تھا سب اخص الخواص فقہاء تھے اور وجہ اجازت سب کو معلوم ہو گئی تھی اس قرن میں یہ دلیل کراہت کی موجود ہی نہ تھی جواب ہے اور سب کے بعد یہ واقعہ خاص تھا نہ کہ حکم عام اور ایسے امر خلاف قواعد سے کہ کسی کو کسی خصوصیت سے اجازت ہووے قابل قیاس کے نہیں ہوتا بلکہ قیاس مسائل عامہ پر کیا جاتا ہے، پس مؤلف اپنے علم و فخر کو غور کرے کہ کس فہم پر خلاف علماء فقہاء کے کلام کرتا ہے، نہیں جانتا کہ علم مجتہدین کا مؤلف کی طرح مشکوٰۃ میں حصر نہیں تھا، انہوں نے تمام روایات کو پیش نظر کر کے اجتہاد کئے ہیں یہ روایت بھی ان کو معلوم تھی دیدہ و دانستہ وفہمیدہ وضع مسائل کیا ہے مؤلف کی طرح آنکھ بند کر کے مجتہد نہیں ہو گئے تھے اور مؤلف کی ترجیح کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی مؤلف اپنے علم و فہم کو اندازہ کرے کہ ابتدائے رسالہ سے آخر تک کوئی فہم کی سیدھی بات نہیں کہی پھر اس پر یہ ناز و نخوت اور اپنے علم کوتاہ پر یہ اعتماد و غرور لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ الغرض بناءً علیٰ ہذہ القاعدہ سیوم وغیرہ رسوم سب بدعۃ ضلالہ ہوئی اور یہ ایک دلیل کراہت ان امور کی نہیں بلکہ پانچ دلائل ہیں جنکو شارح منیہ نے بسط کیا ہے اور اوپر مذکور ہو لیا پس بعد اس کے سوائے مؤلف کے کوئی عاقل انکو جائز نہیں کہہ سکتا۔

اب ناظرین مؤلف کی خیانت دیکھیں کہ طحاوی نے روایت دوام سورہ بلا اعتقاد میں شرط کی ہے کہ اگر گاہ گاہ ترک کیا کرے تو مکروہ نہیں مؤلف نے اس شرط کو حذف کر کے نقل کیا ہے اور جہلاء کے اعتقاد کے فساد کی وجہ سے شرح منیہ اور طحاوی اور فتح القدیر نے سب تصریح کی ہے۔ اب مؤلف کی توجیہات واہیہ لیکر ہرگز قابل التفات نہیں کہ اپنی رائے ناتمام سے بمقابلہ فقہاء کے کلام کرتا ہے۔ تصریحات فقہاء سے کراہت دوام مستحب کی بسبب فساد عقیدۂ عوام محقق ہو چکی اور جہل مرکب مؤلف کا روشن ہو لیا، وہو المرام۔

ترک قرآن کا تصریح شدہ سمجھتے ہوئے سمجھ اس قاعدہ کی بناء پر تفصیل اور یہی مقصود ہے۔

دوسری دلیل مانعین کی یہ ہے کہ سیوم میں مشابہت ہے کفار ہنود کی اور حدیث میں
مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سو اس کا جواب یہ
ہے کہ تشبہ مصدر ہے، ماخذ اس کا لفظ شِبہ بالکسر ہے شِبہ کے معنی مانند پس تشبہ کے معنی مانند
کسی کے ہو جانا، جب معنی تشبہ کے معلوم ہوئے اب ان منصفوں کی زبان زوری سمجھنی چاہیے
کہ سیوم کرنے والے کس بات میں مانند ہندؤں کے ہو جاتے ہیں، ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ
قرآن نہیں پڑھتے، ہم کلمۂ طیبہ پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے وہ کلمہ نہیں پڑھتے۔ سبحان اللہ کیا
عقلِ سلیم ہے کہ کلمۂ قاطع کفر کا پڑھنا مشابہ رسم اہلِ کفر کے قرار دیتے ہیں، ہمارے احباب
اور برادری جمع ہو کر کلمہ پڑھتے ہیں ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتے فقط وارثِ میت سے
دوکان اسکی کھلوا دیتے ہیں اور قلم سیاہی، کتاب وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کراتے ہیں
اور کچھ ان کے یہاں اگر پڑھتا ہے تو فقط ایک طرف کوئی پنڈت برہمن پڑھتا ہے، وارثانِ
میت اور بھائی برادری اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے، اور وہ لوگ تیسرے دن میّت کی
ہڈیاں جلی ہوئی جمع کراتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں ہمارے یہاں ان میں سے کچھ بھی
نہیں کرتے، پھر کس بات میں مانند ہنود کے ہو گئے اور کیا تشبہ پیدا ہو گیا؟ اور اگر کوئی مشابہت
اس کا نام رکھے کہ ان کے یہاں تیسرے دن رسوم کفر کی ہوتی ہیں تمہارے یہاں رسمِ اسلام یعنی کلمہ
و قرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی یعنی ہم وہ
کام کرتے ہیں جو مخالفِ کفار ہے کافر وہ کام کرتے ہیں جو مخالفِ اسلام ہے وہ اپنا کام کرتے
ہیں ہم اپنا، مثلاً مغرب کے وقت اور عشاء اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان
کہی اور نماز پڑھی، انہوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا پوجا کیا اب کوئی
بے ہودہ اس کو مشابہت قرار دینے لگے کہ ان تین وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی
انہوں نے اپنے طور کی پس اتحادِ اوقات سے تشبہ پیدا ہو گیا تو سب عقلاء اس کو سرزہ درائی
اور کم عقلی پر قہقہہ ماریں گے، اور اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً سے
واپس ہوتے وقت آب زم زم لادیں تو کوئی یاوہ کہنے لگے کہ یہ تشبہ ہنود کا ہو گیا وہ بھی
اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں تم پانی زم زم شریف کا لائے

تو سمجھنا چاہئے کہ یہ خرافات بیہودہ تشبیہیں نکالنی ان بدحواسوں کی سخت بے عقلی کی دلیل ہے اور تماشا یہ ہے کہ فقط تیسرے دن کی مشارکت میں بھی مشابہت قوم ہنود کی نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض قومیں مثل سراؤگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں سو ان کے ساتھ تو کچھ بھی مشابہت نہ ہوئی ان کے یہاں تیجا عبادت فقط اس امر سے ہے کہ تیسرے دن کار بار کرنے لگیں سوگ میت کا رفع کریں سو تعزیت کے واسطے اور رفع سوگ کے لئے شرع میں بھی تین دن معیّن ہیں اور بعض قومیں ہنود کی مثل لشنی اگروال جو سیوم کو مانتی ہیں اور اموات کیلئے ثواب رسانی کا کام کرتے ہیں اگر اہلِ اسلام کو مشابہت لازم آتی تو ان کے ساتھ لازم آتی سو غور سے دیکھئے تو ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کے قوانینِ دین متعلق گردشِ کواکب ہیں، پس تیسرے دن تیجا وہ لوگ جب کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر پنچک کی گرہ جو پانچ نچھتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا، پھر کبھی چار دن میں کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں، پس حکم تشبہ کا بباعث لازم آنے مشارکتِ یومی کے بھی ٹوٹ گیا اور یہ مسئلہ شرعی ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکمِ تشبہ باطل ہو جاتا ہے حدیث وفقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود ونصاریٰ صومِ عاشوراء رکھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو اور مشابہت یہود ونصاریٰ سے جو لازم آتی تھی اس کی مخالفت میں اس قدر کافی ہو گیا کہ آپؐ نے ایک روزہ اول اور آخر رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر میں باقی رہا تو اگلے سال حکم دونگا ایک روزہ اس کے اول، ایک روزہ اس کے بعد کو۔ رواہ البیہقی ۔ اب دیکھئے وہ اصل روزہ عاشوراء جس کو یہود ونصاریٰ رکھتے ہیں اس عین فعل میں مسلمان ان کے شریک رہے لیکن ایک روزہ اول اور ایک روزہ بعد۔ اس میں ملانے سے حکمِ تشبہ باطل ہو گیا۔ بالفرض اگر تیسرے دن کی مشابہت ہوتی ہنود سے تو ہمارے یہاں جو کام اسلامی اس میں مندرج ہیں ان کے

سبب بالکل متشابہت کا حکم باطل ہوجاتا چہ جائے این امر بالکل تیسرے دن میں بھی مشارکت نہیں پائی جاتی، ہم کو معلوم نہیں ان صاحبوں کا کیسا تفقہ اور کیسا فہم و ذکاء ہے کہ ہرگز ژرف نگاہی اور موشگافی علل احکام میں نہیں فرماتے، مفتی قاطع السنۃ یعنی صاحب سیف السنۃ اور ان کے آبا، اولین اور اخوان معاصرین سب کے سب اس مسئلہ میں بے سمجھے بوجھے حکم تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیث نبوی مَن تَشَبَّہَ بقومٍ فھو منھم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں فمالِ ھٰؤلاءِ القومِ لا یکادون یفقھون حدیثاً، یہ لوگ تشبہ کے معنیٔ لغوی جانیں نہ اصطلاحی شرعی۔ اس لئے کہ لغوی معنی تشبہ کے ہیں مانند ہوجانا اب تم دیکھ چکے اور سن چکے کہ ہنود کا تیجا مشتمل کن امور پر ہے اور اہل اسلام کا شامل کن امور پر، پھر مانند ہونا دونوں فریق کا سوم یکدیگر میں کہاں ہے۔ اب معنیٔ شرعی سُنئے صاحب بحر الرائق شرح صغیر قاضی خان سے نقل کرتا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں فانا ناکل ونشرب کما یفعلون یعنی اس لئے کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے۔ اور درمختار میں قید لگائی ہے کہ اگر ارادہ کرے آدمی ان کے ساتھ مشابہت کا اور جس چیز میں مشابہت کرتا ہے وہ شرع میں مذموم بھی ہو اس وقت تشبہ مکروہ ہے، عبارت اس کی یہ ہے ان قصدہ فان تشبّہ بھم لا یکرہ فی کل شیئ بل فی المذموم فیما یقصد بہ التشبّہ۔ اور مسلّم رکھا اس حکم کو شامی نے۔ اب دیکھئے کہ سوم میں مسلمانوں کی غرض مشابہت و ارادۂ موافقتِ ہنود ہے اور نہ تیسرے روز پڑھنا قرآن وکلمہ حدیث وقرآن سے ممنوع و مذموم ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی تحریر سے بھی رسالہ اثبات رفع یدین میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے، یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں تشبہ روافض کے ساتھ لازم آتا ہے اس کے جواب میں لکھتے ہیں لا نتحری تشبہ الفرقِ الضالۃ بل اتفقت الموافقۃ یعنی ہم رفع یدین میں ارادہ تشبہ فرقِ گمراہ کا نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے، انتہیٰ۔

اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں انا ممنوعونَ مِن التشبہِ بالکفرۃِ

واهل البدعة المنكرة فی شعارهم لا منهیون عن کل بدعة ولو کانت۔ یعنی ہم کو مشابہت کافروں اور بدعتیوں کے ساتھ اسی بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص تمغہ اور بحتہ علامت ان کے فریق کی ہے اور انہیں منع مشابہت ہر مباح بدعتوں میں اگرچہ وہ بدعتیں افعال اہل سنت والجماعت سے ہوں یا کافروں سے یا اہل بدعت سے، انتہیٰ۔ اب خیال کرنے کا مقام ہے کہ تشبہ جو حدیث میں منع ہے اس کے یہ معنی ہیں شرعاً، پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں نہ قرآن پڑھنے میں نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کی تعین میں بھی شرکت نہیں کیونکہ ان کی تعین بدلتی رہتی ہے بباعث پیش آنے گروہِ مذکور کے پس تشبہ لغوی و شرعی کسی طرح کا ہم کو انکے ساتھ نہیں والحمد للہ علیٰ ذٰلک

تشبہ کی عجیب بحث جو بدعت کی قلع قمع کرنے والی ہے اور معنیٔ حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

قولہ دوسری دلیل مانعین کی یہ ہے الخ

اقول یہ بھی ایک نہایت اصل قوی اور قاعدہ کلیہ بہت احادیث سے ثابت اور تمام امت کا مسلّمہ ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر کسی جزئی خاص میں باین وجہ اگر خلاف ہو جاوے کہ یہ داخل کلیہ میں ہے یا نہیں اس کو دوسرے روایاتِ معتبرہ نے استثنا کر دیا ہے یا نہیں یہ دوسری بات ہے مگر اصلی کلی میں سب کا اتفاق ہے مثل اصولِ اول کے چونکہ یہ قاعدہ مسلم الثبوت تمام امت کا ہے لہٰذا اس کے اثبات میں بسط کی ضرورت نہیں مگر مؤلف نے تین غلطیٔ فاحش کر کے سوم کو اس کلیہ سے خارج کیا ہے لہٰذا کچھ لکھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ مؤلف حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ میں تشبہ بجمیع اجزائہ من کل الوجوہ سمجھا ہے سب اجزاء و ہیئت مشابہ ہو جاوے تو اس وقت تشبہ محذور[1] ہے ورنہ درست ہے۔ اسی وجہ[2] سے لکھتا ہے کہ "کس بات میں تشبہ ہنود کی ہو گئی" اور بدون معنی حدیث کے اور تشبہ کے سیکھے سمجھے صفحہ سیاہ کیا پس سنو کہ حدیث میں لفظ تشبہ کا مطلق آیا ہے کہ کوئی قید کل یا بعض کی، قلیل و کثیر کی نہیں اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ مطلق جس فرد میں پایا جاوے حکم مطلق کا اس پر جاری ہوتا ہے اور کوئی قید اس کے ساتھ لگانی درست نہیں ہر ہر فرد میں حکم ثابت ہو گا المطلق[3]

---

[1] اس وجہ سے [2] ممنوع [3] مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے۔

بجری علیٰ الاطلاقہ کہا گیا ہے لھذا مطلق تشبہ کی کوئی فرد ہو مصداق حدیث کا ہو جاویگا اگرچہ ایک جزو مرکب میں پایا جاوے سب مرکب مجموعہ مکروہ ہو جاویگا کہ لفظ حدیث کے صاف دلالت اس پر کرتے ہیں، نظیر اس کی سنو کہ ہدایہ میں ہے اذا قرأ الامام من مصحف فسدت صلوٰتہ عند ابی حنیفۃ وقال ھی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ تشبہ اھل الکتاب، انتھیٰ قال فی النھایۃ فانھم یصلون ھٰکذا فیکرہ للتشبہ لانا نھینا عن التشبہ بھم فیمالنا بد منہ انتھیٰ ایضاً۔ ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یقوم الامام فی الطاق لو انہ یشبہ صنیع اھل الکتاب، انتھیٰ۔ پس دونوں روایت کو دیکھو کہ تمام ارکان صلوٰۃ وجماعت میں ایک جزو قرآن کھول کر پڑھنا اور مکان مرتفع پر کھڑا ہونا اہل کتاب سے تھا تو ساری نماز مکروہ ہوگئی اور مثل مؤلف کے کسی محشی نے نہ کہا کہ اس قدر اجزاء میں ایک جزو کی مشابہت سے کراہت نہیں ہوتی تمام فقہاء عالم کے بھول گئے ایک مؤلف کو سوجھی، معاذ اللہ تو مؤلف کہتا ہے کس بات میں مانند ہو گیا اگر کہیں کہ دیگر ارکان صلوٰۃ بھی یہود کی صلوٰۃ میں تھے، تو سنو کہ سب ارکان ان کی صلوٰۃ میں نہیں از انجملہ ایک رکوع ہی نہیں ہوتا، مع ہذا جو جزو ہم کو مامور ہے اس میں تشبہ کا اعتبار ہی نہیں پس سنو کہ مؤلف اقرار کرتا ہے کہ سیوم پانچ جزو سے مرکب ہے کلمہ، قرآن، بخود ان تین میں تشبہ نہیں اور اجتماع تو میت کیواسطے اور تخصیص روز سیوم کی ان دو میں تشبہ ہنود کے ساتھ ہے مؤلف بھی مقر ہے کہ سراؤگی تیسرے روز جمع ہو کر سوگ کھلواتے ہیں اور شبنی بھی، بہرحال ہنود میں روز سیوم جمع ہونا ہے اور یہ شعار ان کا ہے تو دو جزو میں تشبہ ہوا پس مجموعہ سیوم کا بدعت ہو گیا اور تشبہ ہنود کا ثابت ہو گیا حدیث سے بھی اور صریح جزئیات فقہ سے بھی، رہا خدشہ اتحاد وقت مغرب وغیر کا تو سنو کہ وقت شارع کا فرض کیا ہوا ہے اور فرائض وواجبات شارع میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے کیونکہ تشبہ باب تفعّل کی ماضی ہے اور بعد موصول کے واقع ہے، اول تو باب تفعل میں اخذ بہ تکلف ہوتا ہے وضعاً جس سے معلوم ہوا کہ مرتکب نے بہ تکلف امر تشبہ کر لیا ہے شرع یا طبع کی طرف سے الزام نہیں تھا، دوسرے فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے یعنی اول شارع کا الزام اس پر نہ تھا خود مرتکب اور محدث ہوا پس تشبہ کے لفظ سے شارع

نے فرض و واجب و سنت مؤکدہ کو اور امور طبعیہ کو خارج کر دیا ہے، گویا حکما اس میں تشبہ نہیں ہوتا پس اب دیکھو کہ کس کی عقل پر قہقہہ لگا۔ علیٰ ہٰذا پانی زم زم کا لانا اور گنگا کا مشابہ نہیں کہ پانی کا لانا عادی طبعی امر ہے اور شعار بھی نہیں ہاں اگر اس ہیئت و شعار سے لاویگا تو مشابہت حاصل ہوویگی اور حرام ہوگا، اب سوچو کہ یہ سیوم ہنود کے تیجے سے بوجہ کامل مشابہ ہے اور فرق بعض وجوہ کا محل تشبہ کو نہیں، زید کو اسد سے تشبیہ دیتے ہیں وجہ شبہ فقط شجاعت ایک امر ہوتا ہے باقی سر تا پا کوئی مشابہت نہیں ہوتی پس کسی نے یہ نہیں کہا کہ بالکل مشابہت من کل الوجوہ ہو تو تشبہ ہوویگی ورنہ نہیں تو یہ قول مؤلف کا شرع اور عقل اور عرف سب کے خلاف ہے اب تماشا دیکھو کہ باعتراف مؤلف سراوگی کے یہاں تیسرے روز جمع ہو کر دوکان کھلواتے ہیں اور وہ سیوم نہیں عجب کلام ہے تیسرے روز کا نام سیوم ہے عرف ہنود میں تیجا اور مسلمانان میں سیوم دونوں کے ایک معنیٰ ہیں، علیٰ ہٰذا البشنی سیوم تو کرتے ہیں مگر گاہ نحوست کے دن کے سبب تاخیر بھی کر دیتے ہیں تو سیوم تو موجود مگر مشابہت نہیں، کیا عجب تقریر مؤلف کی ہے ماشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ خبط عقل اثر اس گستاخ کلام کا ہے کہ علماء سنت کو بدحواسی کی نسبت مؤلف کرتا ہے۔ اب دوسری خطاء فہم مؤلف کی سنو کہ حکم کلی لکھتا ہے کہ اگر فعل مسلم و کفار میں کچھ امتیاز ہو جائے تو تشبہ نہیں اور فی الواقع یہ بھی فرع پہلی ہی خطاء کی ہے۔ مؤلف صوم عاسورا کی نظیر[۱] دیتا ہے کہ نہم کے سوم سے تشبہ رفع ہو گیا کیا عجب حکم ہے کہ قبل و بعد کی کچھ خبر نہیں۔ دو نظیر مسئلہ ہدایہ کی جو مسلم سب فقہاء کے ہیں اس میں تو ما بہ الامتیاز[۲] سب کچھ موجود ہے فقط ارتفاع و امتیاز مکان ایک مسئلہ میں اور نظیر مصحف دوسرے میں مشابہ کا امر ہے پس کیوں مکروہ ہو گیا، سو یہ روایات اور دیگر روایات اس تقریر مؤلف کو رد کرتے ہیں اور حدیث نے بھی اس فہم مؤلف کو باطل کر دیا کہ مطلق تشبہ کو کہ احداث کسی متکلف کا ہے محظور[۵] فرمایا پس غلط سنت سے وہ امر محدث جائز نہیں ہو سکتا بلکہ مجموعہ مکروہ ہو جاویگا اور یہ نظیر سوم کی سو معلوم ہو چکا کہ اس باب سے نہیں مؤلف کی فہم ہے۔ صوم عاشورا حق تعالیٰ کا فرض کردہ تھا اور فرض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا کیونکہ کسی متکلف کا احداث نہیں بلکہ من اللہ تعالیٰ اس کا الزام

---

۱ فرق ۲ حقیقت میں ۳ مثال ۴ وجہ فرق ۵ ممنوع۔

ہوا ہے، پس اس حدیث سے وہ اول ہی خارج ہو چکا اسی واسطے اب تنہا روزہ عاشورا، کا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں، مع ہذا جو اول آخر روزہ فخر عالم ؐ نے لگا دیا اس وجہ سے ہے کہ ابعد من التشبہ ہو جاوے اسی واسطے لکھا ہے کہ جو عبادت ملتین میں مشترک ہو اس میں تشبہ نہیں ہوتا کیوں شعار نہیں رہا۔ مع ہذا تغیر وصفی اس میں کر دیتے ہیں تا کہ ابعد عن التشبہ ہو جاوے استحبابا، پس مؤلف محض بے خبر قواعد شرعیہ سے ہے فقط دعوی ہی دعوی ہے علم و فہم سے ہرگز بہرہ نہیں، اور علماء نکتہ دان تفقہ کو جاہل بتلاتا ہے اور پھر وہی اپنی تحقیق شروع کی کہ لغت میں معنی تشبہ کے "مانند ہو جانا" ہے یعنی من کل الوجوہ مماثل ہو جاوے اسکی تردید اوپر ہو چکی اور پھر معنی تشبہ کے شرعا لکھتا ہے" اور یہ تیسری خطاء فہمی ہے بحر الرائق کی عبارت سے جس کو درمختار نے اور شامی نے اور طحاوی نے نقل کیا ہے یہ مستفاد ہوا کہ تشبہ ہر چیز میں حرام و مکروہ نہیں بلکہ فعل مذموم میں نہ کہ محمود میں اور بقصد تشبہ کے ارتکاب کرنے میں نہ بلا قصد تشبہ کے" تو اس سے مؤلف نے ثابت کیا کہ سویم مروجہ مذموم نہیں اور قصد تشبہ کا کوئی نہیں کرتا اب خطاء مؤلف کی سنو کہ وہی دو روایت ہدایہ کی جو منقول ہوئیں اس میں تو قرآن دیکھکر پڑھتا ہے جو مکروہ ہو گیا، قرآن دیکھ کر پڑھنا مذموم نہیں بلکہ محمود ہے عمدہ عبادت، علی ہذا امتیاز امام کے مقام کی محمود ہے نہ کہ مذموم، علی ہذا خود صوم عاشوراء میں غور کرے کہ نفس صوم محمود ہے نہ کہ مذموم، ابھی مؤلف لکھ کر بھول گیا، پھر بزعم مؤلف کیوں بزعم صوم فہم مشابہت کو رفع کیا اور آگ کا مصلی کے مواجہ ہونا بموجب تشبہ مجوس کا ہے حالانکہ قصد مسلم کا تشبہ بالمجوس ہرگز نہیں اور اشتمال صحاح مکروہ ہے حالانکہ قصد تشبہ یہود کا مسلم کو ہرگز نہیں ہوتا، علی ہذا بہت مسائل ہیں مگر مؤلف کو تمیز نہیں، مع ہذا مؤلف کو گنجائش کہاں کلام کی ہے کہ سویم تو خود امر مذموم ہے اولاً اجتماع الی اہل المیت کا جس حدیث سے نیاحت ہونا ثابت ہو گیا پھر ہنود کا فعل اور تعین مطلق پھر بھی مذموم نہیں عجب ہے۔ اور قرآن و کلمہ پڑھنا فی حد ذاتہ عبادت ہے، مگر نہ اسمیں تشبہ اور نہ اس پر حکم کراہت کا بلکہ مجموعہ پر حکم کراہت کا ہے پس قیاس مؤلف کا بالکل لغو بے محل ہے اور قول بحر الرائق کا فانا نا کل ونشرب الخ سو پہلے اس کی وضاحت ہو چکی کہ امور طبعیہ میں تشبہ معتبر نہیں جیسا تھا یہ شرح ہدایہ میں قید لگائی قولہ فیما لنا منہ الخ کیونکہ یہ امور اقتضائے طبع سے

۱؎ تشبہ سے دور ۲؎ وصف کے اعتبار سے تبدیلی ۳؎ واقف ۴؎ قابل مذمت ۵؎ مقابل

ہے احداث متکلف کا نہیں اور عبادات بھی بالتزام شرع ہیں نہ بتکلف محدث، اور قول بحرالرائق کا کہ امر مذموم میں تشبہ مراد ہے سو سابق معلوم ہو چکا کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا امر مذموم نہیں اور حدیث میں مطلق تشبہ ہے مگر اس کی وجہ سنو یہ ہے کہ جو امر محدث کسی متکلف کا بدون اذنِ شارع کے ہوگا وہ مذموم ہی ہوگا اگرچہ بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہو کیونکہ سب بدعات ایسی ہیں اور یہ مراد بحر کی ہے پس قرآن دیکھ کر پڑھنا فی حدِّ ذاتہٖ محمود ہے لیکن صلوٰۃ میں مذموم ہے مگر مؤلف اپنی کوتاہ فہمی سے مذموم فی اصل وضعہٖ[۱] سمجھ گیا اس فہم پر تو معصیت میں تشبہ ہونا چاہیئے ورنہ کہیں بھی نہیں ہوگا اور مسائل منہدم ہو جائیں گے۔ الحاصل امر محمود بالزام شرع ہے یا تقاضائے طبع سے مجاز شرع ہے اس کو شرع نے خارج اس حدیث و حکم سے فرما دیا ہے خلاف اجتماع مخصوص سویم کے کہ اوّلاً خود ممنوع شرعی اب تشابہ اس پر زائد ہو گیا پس بحر کی عبارت کو مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور دیگر علماء کو کم فہم بتلاتا ہے تماشہ ہے، اور مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کا فقرہ "بل اتفقتِ الموافقۃ" کے معنی بھی یہی ہیں کہ فعل دراصل مسنون تھا بعد میں روافض نے بھی ایک حرکت ایجاد کی کہ موافق اس کے ہو گئی تو یہ امر الزام شارع کا ہے ترک نہیں ہو سکتا اور تشبہ معتبر نہیں اور یہی معنی قاری کی عبارت کے ہیں انا ممنوعون من التشبّہ بالکفرۃ واھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم الخ۔ کیونکہ جو شعار ان کا ہوگا خواہ فی حدِ ذاتہٖ حسن ہو اور وہ ان کا فعل ہو گیا اور تشبہ ناجائز ہوا جیسا جیسا صلوٰۃ قرآن دیکھ کر پڑھنا کہ شعار ان کا ہے اور فی حدِ ذاتہٖ حسن ہے مگر صلوٰۃ میں دیکھ کر پڑھنا ہماری ملت میں مذموم ہے اور جو متفق دونوں ملت سوائے ان من افعال اھل السنۃ ومن افعال الکفرۃ واھل البدعۃ کا ہوگا وہ شعار نہ ہوگا مامور اس امت پر بھی ہوگا مگر مؤلف کو فہم ہی نہ ہو تو کیا کرے ظاہری لفظ کو دیکھ لیتا ہے اور حکم خلاف شرع لکھتا ہے اور جو بدعت مباح ہو وے گی اور افعالِ اہلِ سنت سے ہووے گی وہ خود مامورِ شرعی اور سنت ہے جیسا کہ بحث بدعت میں گذرا۔ غرض عبارتِ قاری، بحر اور مولوی اسمٰعیل کی یہ سب دیگر روایات سے متفق ہیں مگر فہم مؤلف کا مخالفت حق سے کر رہا ہے اور سویم جو شعار مذموم ہنود کا ہے نہ اس میں کوئی امر محمود ہے نہ اس کی اجازت بلکہ ممانعتِ شرعیہ اس میں ثابت ہو چکی

---

[۱] مذموم اپنی اصل وضع کے اعتبار سے۔

کہ اس کو اباحت سے کیا علاقہ ہے فہم سلیم خدا تعالیٰ دیوے تو سب کچھ ہو ورنہ ضلّوا و اضلّوا کا مضمون ہوتا ہے اب رہی بحث کہ بحر میں تشبہ حرام اس کو لکھا ہے کہ بقصد تشابہ ہووے سو اول تو کہا جاتا ہے کہ حدیث میں مطلق تشبہ آیا ہے تخصیص حدیث کی بالرائے درست نہیں اور سب محققین نے مطلق تشبہ لکھا ہے پس قول بحر کا حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا، حدیث میں ہے کہ والشیب لا تشبهوا بالیهود الخ تطفوا افنیتکم ولا تشبهوا بالیهود الخ۔ اور ظاہر ہے کہ شیب میں اور تلطخ افنیہ میں کسی نے قصد تشابہ یہود کا نہیں کیا تھا بلکہ خلقی اور عادی امر تھا، صوم عاشورا میں کسی نے تشبہ یہود کا نہ کیا تھا بزعم مؤلف بلکہ باذن شارع کے تھا مگر اس کی توجیہہ بھی کرتا ہوں کہ مراد بحر کی یہ ہے کہ تشبہ کے لفظ میں اخذ بہ تکلف ہے، سو قصد اور فعل مؤلف کا اس میں ہونا چاہیئے، پس اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ کرے ورنہ اب بعد علم کے تشبہ ہوگا پہلے متشبہ بہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا، اب قصد جو کرتا ہے تو تشبہ ہوا علیٰ ہٰذا جو امر ایسا ہے کہ اس کا ازالہ کر سکتا ہے مگر قصداً ازالہ نہ کیا جیسا ریش کا خضاب تو ترک خضاب قصداً کرتا ہے کیونکہ ازالہ پر قادر ہے اور نہیں کرتا، بہرحال سب جگہ معصیت کے واسطے فعل مکلف کا ضرور ہے تو معنی یہ ہوئے کہ قصد اس فعل تشبہ کا کرے نہ یہ کہ اس فعل کو کفار کے تشبہ کی نیت سے کرے پس دونوں میں فرق زمین و آسمان کا ہے، اگر عقل ہو اور رجوع تسلیم کریں کہ یہ دوسرے معنی ہی ہیں تو چونکہ تشبہ کو شارع نے کفر فرمایا بقولہ "فهو منهم" اور کفر بدون قصد قلب کے نہیں ہوتا لہٰذا یہ قید اضافہ کی کہ کافر جب ہوگا کہ دل میں نیت تشبہ کفار کی کرے ورنہ کافر نہ ہوگا گو عاصی ہوگا یہ بھی حق ہے۔ علی قاری شرح اکبر میں لکھتے ہیں ولو تشبه نفسه بالیهود والنصاریٰ صورة او سیرةً علی طریق المزاح والهزال الے ولو علی هٰذہ المنوال کفروا فی الخلاصة من وضع قلنسوة المجوس علی رأسه قال بعضهم یکفر الخ غرض یہ کہ قصد تشبہ کفار کا کیا اگرچہ ہزلاً ہو تو قصد و نیت تشبہ کفار سے لاریب کافر ہوگا اور معصیت ہونے کو قصد فعل کا چاہیئے کہ جس میں مشابہت ہوئی گو بقصد ہے بلکہ خود بھی خبر نہ ہو کہ یہ شعار کفار کا ہے اور پھر خبر ہو اور بعد خبر کے ازالہ

۱؎ گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا ۲؎ ختم

نہ کرے تاہم عاصی ہوویگا۔ بہر حال احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ بلا قصد بھی تشبہ ممنوع حاصل ہوتا ہے اور بحر الرائق کے بھی یہی معنی ہیں گو مؤلف اپنے فہم سے عاجز و قاصر ہو کر عبارتِ بحر کو مخالف حدیث کے بتاتا ہے، پس الحمدللہ کہ دلائلِ واضحات نص و فقہ سے بدعت و کراہت رسوم مروجہ کی ثابت ہوئی اور رسوم کے تشبہ کو مؤلف خود قبول کر چکا گو اپنی کم علمی سے اس کو حدِ تشابہ سے نکالتا ہے مگر یہ فہم اس کا باطل ہو گیا اب اگر انصاف ہو تو یہی دو اصل تمام رسالہ مؤلف کے قلع و قمع کو کافی و وافی ہے مگر چونکہ ہر ہر بحث کر مؤلف کج فہمی سے بحث کرتا ہے لہٰذا اس پر تنبیہ ناظرین کو کر دینا ضروری ہوا کہ کم علمی اور کوتاہ فہمی مؤلف کی اور جہلِ مرکب اور دعویٰ بے مغز اس کا سب پر روشن ہو جاوے کہ کس حوصلہ پر کتاب لکھ کر کمر برا ضلالِ خلق اللہ تعالیٰ باندھی تھی۔

لمعۂ خامسہ فاتحہ، چہلم و سِیُّم و دَہُم و سبو قبرستان در مساجد۔ پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جبرا کہتے ہیں میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے نہ فقط ایک گھڑا بلکہ چند گھڑے علاوہ ان گھڑوں سے جن سے غسلِ میت ہوتا تھا بھیجتے تھے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ مرگئیں انہوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی تب انہوں نے ایک کنواں یعنی چاہ تیار کرایا اور کہا ہٰذہٖ لِاُمِّ سعدؓ یعنی یہ چاہ سعدؓ کی والدہ کا ہے اس کو ثواب پہنچے، یہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے، پھر ہر کوئی تو کنواں یعنی چاہ کھدوانے کا بنانے کا مقدور نہیں رکھتا اس لئے مسلمانوں میں یہ قاعدہ ٹھیر گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضرت نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے اگر کنواں نہ بنوایا ہمارا گھڑا بھرا ہوا مسجد میں رہیگا کوئی اس سے پیاسا پانی پئے گا کوئی وضوء و غسل وغیرہ کے خرچ میں لا دیگا، یہ اصل ہے گھڑا بھیجنے کی۔

مسجد میں گھڑا بھیجنے کی بحث

قولہٗ لمعۂ خامسہ الخ۔ **اقول** گھڑے مسجد میں پہلے دیا کرتے تھے وہ متروک ہو گئے تو مؤلف کو افسوس ہے کہ یہ بدعت کیوں مرتفع ہو گئی، اصل اس کی یہ تھی کہ ہنود بارہویں روز گھڑا اس جگہ جہاں مردہ جلاتے ہیں رکھ کر چلے آتے ہیں مسلمانوں نے بھی اس کو دیکھ کر شروع کیا کہ مسجد میں پانی کا گھڑا بھر کر بھیجدیا کریں کیوں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسجد میں گھڑا بوریا لوٹا چراغ وغیرہ سب دینا موجب اجر ہے مگر بطور رسم دینا کہ جس میں تشبہ لازم آئے اور خاص گھڑا ہی ضروری جان کر دینا اگرچہ ضرورت اس کی مسجد میں نہ ہو یہ بدعت تھا اور ملاؤں کو بھی دقت ہوتی تھی کہ گھڑوں کو فروخت کرتے پھرتے تھے یہ رسم ترک ہو گئی ہے، مگر چہلم کا گھڑا اب بھی اکثر عوام میں ہے خیر یہ تو ہوا مگر جولانیٔ طبع مؤلف کی قابل داد ہے کہ حدیث میں تو صدقہ پانی کا آیا ہے کہ پانی کو صدقۂ جاریہ کرے مؤلف اس سے ظرف اور ٹھیکرے کا صدقہ سمجھ گیا پانی سے گھڑا مراد لینا مؤلف کا ہی فہم عالی ہے، پانی اور مٹی دو ضدیں ہیں اس کو اس سے کیا علاقہ، یہ مقرر کہ گھڑا دینا بلکہ مٹی کا ڈھیلا بھی دینا موجب ثواب کا ہے مگر پانی کے صدقہ سے گھڑے کا صدقہ کیسے نکالا چاہ کا گھڑا تو مقصود نہ تھا پانی کی ذات سے۔ مقصود پانی ہی کا صدقہ مراد ہے، ہاں اگر فرماتے کہ صہریج و حوض بنوا دے کہ صہریج میں کوئی پانی بھرتا ہے گھڑے میں بھی کوئی پانی بھر دیگا اور رجوبوجہ تناسب ظرف کے یہ استخراج ہے کہ ماء اعانت ملیگی تو پھر اس پر کیا حصر ہے کل کو مؤلف ٹوکرا چکنی مٹی کا بھی حکم دیگا کہ صدقہ کرو مسجد میں ڈال آؤ اور ٹوکرا اپلوں کا کہ اس سے گھڑا بن کر اعانت پانی کو ہو وے گی، اور مؤلف حدیث سعدؓ سے استخراج کرنا دلیل کا بیان کر لگا یہ نہ سمجھا کہ پانی کا صدقہ گھڑے کی صورت میں پانی گھڑے بھرنے والے کی طرف سے ہوگا نہ کہ گھڑے والے کی طرف سے، غرض ایسی ایسی تقریراتِ واہیہ اور استخراجاتِ قبیحہ کام مؤلف کا ہے اگر ایسا احیاء اس بدعت کا مقصود تھا سیدھا کہدیتا کہ مسجد میں گھڑے کام آتے ہیں نہ یہ کہ چاہ کو اصل بنا کر اپنی خوبیٔ فہم ظاہر کرتا اور پھر یہ کہ فقط اصل نکل آنا

تو جواز کے لئے کافی نہیں اس کے سب عوارض بھی رفع ہونے ضروری ہیں کہ تشبہ نہ ہو اور تعینِ مطلق نہ ہو اور اس کو مؤکد و واجب جانتا نہ ہو اور فخر و ریا سے نہ ہو ورنہ یہی اگر مؤلف کا علم و فہم ہے تو دھوتی کفار کی اصل تہمد ہے اور من کل الوجوہ مشابہت بھی نہیں حسبِ زعمِ مؤلف کے پس سنت ہوا اور حضرت عثمانؓ سے منقول ہے کہ ایک طفل کے چہرے پر سیاہ ٹیکہ نظرِ بد کے واسطے لگایا تھا سو تلک کی اصل نکل آئی تو یہ بھی جاری کرے اور سوت کا بنا کرتہ ثابت ہے سو زنار کی اصل بھی نکل آئی، پھول سونگھنے درست ہیں پھولوں کے سہرہ کی اصل نکل آئی، علیٰ ہٰذا صدہا مسائل کی اصل نکلتی ہے اور مؤلف سب کو جائز کہیگا اگرچہ کفر ہی ہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ، مؤلف کو اپنی کم فہمی ہانکنی ہے نہ کہ رسمِ جاہلیت کا اندیشہ نہ ریاء و رفع بدنامگی کی وجہ سے کرنے کا خدشہ نہ منع تعین بالرائے کا کھٹکا نہ تشبہ کفار کا خطرہ نہ اپنی عاقبت و ایمان اور ضلالِ خلق کی پرواہ اپنی منھ زوری کرنی خواہ کچھ ہو، فقط۔

اور چالیس روز تک کھانا بھیجنے کی اصل یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے یستحب ان یتصدق عن المیت الی ثلاثۃ ایام یعنی مستحب ہے کہ صدقہ دیا جائے میت کی طرف سے تین دن۔ اور بعضوں نے لکھا ہے الی سبعۃ ایام یعنی سات دن تک، اور بعضوں نے اربعین یعنی چالیس دن لکھے ہیں، یہ روایتیں خزانۃ الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ملیں گی، غرض ان سب روایات کے سبب آدمی چالیس دن تک برابر روٹی محتاج کو میت کی طرف سے دیتے ہیں۔ باقی رہا چہلم وغیرہ تو صورت اس کی یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں ان کی چند دلیلیں ہیں۔

چالیس روز تک کھانا بھیجنے کا بیان | **قولہ** چالیس روز تک الخ۔

اقول ابتدائے موت کے وقت صدقہ خیرات عمدہ امر ہے، ایصالِ ثواب کا انکار نہیں بارہا ذکر ہو چکا ہفتہ تک، چلّے تک دو ماہ تک، کم زیادہ حسبِ مقدور خالصًا لوجہ اللہ

تعالیٰ کرو جس میں کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو جائے، مؤلف خواہ مخواہ اہلِ سنت کو مانعِ صدقہ کہتا ہے اور وہ ہرگز صدقہ کو منع نہیں کرتے ہیں اس کو منع کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے اعنی تشبہ بکفار لازم نہ آوے اور مؤلف بھی اس کو قبول کرتا ہے، یا تعیین بالرائے کہ تغیر حد شرع ہے اور اس کو بھی مؤلف قبول کرتا ہے، پس اگر کسی نے طعام للفقراء خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ کیا اور ان دو امر میں سے ایک یا دونوں اس میں پائے گئے تھے تو ثواب پہنچیگا مگر اس فعل سے گنہگار ہوگا اس امر کو ہر ناظر خوب محفوظ رکھے کہ مؤلف کو اس کوتاہ نظری نے خراب کیا ہے کہ بدون سمجھے لڑنے کو آمادہ ہوا ہے، یا تخصیص طعام اور اس کو بھی مؤلف مانتا ہے کہ تغیر حکم شرع کا ہے پس اس قسم کی ہے چالیس روز کی روٹی کہ اگرچہ گھر میں روٹی گوشت کھادیں مگر مردہ کے روٹی گھی سے مل کر شکر ڈال کر مسجد ہی میں خاص کر دیویں نہ کسی بیوہ قریب کو نہ کسی حاجتمند کو اور نہ عمدہ کھانا اس میں غالب رسم محض ہے اور شاید ایصال ثواب بھی ہو سو قبول خالص ہوتا ہے نہ کہ مخلوط یا رسم ضروری جانتا کہ خواہ مخواہ کرے اگرچہ مقدور نہ ہو اور یہ بھی مؤلف جائز نہیں لکھتا کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ایصال کیواسطے شکم پروری کرتا ہے نہ کہ رسوم کیواسطے یہ وہ طعام ہے جس کو بزازیہ وغیرہ لکھتے ہیں اور بدعت مستقبحہ کہتے ہیں، یا فخر و ریاء سے کرنا یا شرم برادری سے کرنا اس کو بھی مؤلف نصائح میں منع کرتا ہے اور یہ سب جگہ حرام ہے غمی ہو یا شادی اور کھانا اس کا درست نہیں سو فی الواقع مؤلف اصول میں مخالف نہیں مگر اپنی کج فہمی اور کم علمی سے اور نفس سخن پروری سے مخالفت جزئیات میں کر کے اوراق سیاہ کرتا ہے اور ادعائے بے سود کر کے اپنی حقیقت علماء پر ظاہر کرتا ہے اور فی الواقع یہ سب نزاع کم فہمی اور نفسانیت سے بنے ہے۔ خوب محقق ہے کہ چہلم رسم کرنے میں ایصالِ ثواب مقصود نہیں گو کوئی تاویلات کرے، اور پھر فرق ہے چالیس روز صدقہ کرنے میں اور چالیسویں روز چہلم کرنے میں کما لایخفیٰ۔ چونکہ مؤلف یہاں مجمل چھوڑ گیا اس طرف سے بھی اس پر کچھ تعرض نہیں کیا جاتا ایصالِ ثواب کو کوئی منع نہیں کرتا اور تعینات لاریب سب بدعت ہیں۔

انکی چند دلیلیں ہیں انکا حال معلوم کرنا چاہیے بعد ازاں وجہ جواز سننی چاہیے۔

چہلم وغیرہ کی تحقیق

قولہ ان کی چند دلیلیں ہیں الخ۔ **اقول** دلیلیں یا تعین بدعت کی وہی ہیں جو کلیاتِ احادیث وفقہ سے ثابت ہولیں اور دیگر روایاتِ جزئیہ فروع ہیں نہ ان کی ضرورت ہے نہ ان پر کوئی امر موقوف ہے مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے ان کو ہی بناءِ منع جان رہا ہے سو یہ سخت خطاء ہے، ان روایات کی بحث میں مؤلف اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور ہم کو اس کی ان روایات کے جواب دینے کی ضرورت نہیں مگر مؤلف کو چونکہ اپنا علم جتلانا ہے تو ہم کو بھی اظہار اس کی کم فہمی کا کرنا پڑا۔

دلیلِ اوّل عبارت شرح منہاج نووی شافعی کی ہے جو سیف السنۃ کے ص۱۴ و ص۴۲ میں ہے الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ جواب اس کا یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو امر کا ذکر ہے، ایک تو جمع ہونا تیسرے دن مردہ کی قبر پر اور وہاں جاکر گلاب کے پھول اور عود یعنی اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا سو اس کا ذکر تو بیانِ سوم میں گذر چکا نصاب الاحتساب سے کہ لوگوں نے نہایت تکلفات بے ہودہ ایجاد کئے تھے اور وہ تکلفات بھی کرتے تھے گورمیت پر پس ممنوع ہونا اس کا صحیح ہے چنانچہ ہم خود اس کی ممانعت پر تصریح کر چکے اور بعد ممانعت علماء کے جن بعض آدمیوں نے یہ رسمیں ایجاد کی تھیں چھوڑ دیں اب یہ رسم کہیں نہیں دوسری بات شرح منہاج سے یہ نکلی کہ کھانا کھلانا تیسرے دن اور پانچویں دن اور نویں دسویں، بیسویں، چالیسویں دن اور چھٹے مہینے، برسویں دن بدعتِ ممنوعہ ہے، سو یہ ظاہر ہے کہ کھانا ان ایام میں قبروں پر جاکر کھلاتے تھے، تقسیم الورد اور اطعام کا معطوف ہونا لفظ الاجتماع پر دلیلِ ظاہر ہے اس بات پر کہ قبر پر جمع ہوتے تھے اور وہاں تقسیم خوشبو کرتے تھے اور وہاں یہ کھانا ایامِ مخصوصہ میں کھلاتے تھے اور علاوہ قرینہ عبارت کے خود فتاویٰ بزازیہ میں تصریح قبر پر کھانا لیجانے کی مکروہ ای الطعام الی القبر

فی المواسم، لفظ مواسم جمع ہے موسم کی اور موسم لغت میں کہتے ہیں ایک چیز کے وقت کو اور جمع ہونے کی جگہ کو، کذا فی المنتخب وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ مکروہ ہے کھانا لیجانا قبر مردہ ایام مقررہ میں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے، نویں، دسویں دن اور چھ ماہی اور برسی اور ایام عید و شب برات وغیرہ میں جو کہ ایام واسطے فاتحہ اموات کے معین ہیں اہل اسلام میں بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں کھانا قبر پر لیجانا اور اس جگہ جاکر کھانا رسم کر لیا تھا اس کو اہلِ فتویٰ نے منع کیا اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق پہنچتی ہے کہ لکھا ہے ویشربون الشربۃ عند القبور وفی الحدیث الاکل فی المقابر یقسی القلب یعنی پیتے ہیں شربت قبروں کے پاس حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ کھانا قبرستان میں سخت کر دیتا ہے دلوں کو پس علماء دین نے وجہ ممنوع اور مکروہ ہونے کی ممانعت حدیث شریف کی بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر کھانا پینا منع ہے۔

دلیلِ اول شرح منہاج کی عبارت اور اسمیں مؤلف کی تشریح

قولہ دلیل اول الخ۔

اقول شرح منہاج میں تین چیز کا ذکر ہے: قبر پر تیسرے دن جمع ہونا اور عود اور ورد کی تقسیم مطلقاً قبر پر ہو نا یا غیر قبر پر کسی روز ہو اور کھانا کھلانا ایام مخصوصہ میں اور ہر سہ کو وہ بدعت کہتا ہے اور اصل یہ ہے کہ حدیث جریر میں اجتماع الی اہل المیت کو منع فرمایا ہے اور اس میں کوئی تعیین یوم کی نہیں اور نہ تعیین قبر کی پس مطلق جمع ہونا بدعت ہے اور قبر پر روز سیوم جمع ہونا بھی فرد اس اجتماع کی ہے تو ہر چند مطلق اجتماع تو ممنوع ہے مگر ہر شخص اپنے ملک کی رسم کو منع کرتا ہے صراحۃً تو شارحِ منہاج کے بلاد میں اجتماع القبر یوم ثالث ہوتا تھا اس نے اس کی تصریح کی حالانکہ یہ قید واقعی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ حدیث جریر میں عموماً سب کو منع لکھا ہے مگر مؤلف اپنی تیزی فہم سے قید کو احترازی سمجھ گیا اور حدیثِ جریر کو ذہن مؤلف میں خدانخواستہ عبور ہی نہیں جو مطلع ہوتا اور ہمارے ملک میں اجتماع روز سیوم ہے مگر قبر پر نہیں، پس منہاج کی قید سے اس کا جواز نہیں ہو سکتا

جیساکہ مؤلف کو دھوکہ ہوا ہے ہاں بعد ختم کے دستور تھا کہ شرفاء مکانِ میت پر جاتے تھے اب متروک ہوگیا ہے اطرافِ قوم میں اب بھی جاری ہے۔ بہرحال اجتماع خواہ روز سوئم ہو یا پس[1] و پیش قبر پر ہو حدیثِ جریر سے ممنوع ہے اور ہمارے ملک میں روز سوئم کی قید ہے اور شارحِ منہاج کے یہاں قبر کی بھی قید تھی سو سب ممنوع ہیں اور یہ قید شرح منہاج کی احترازی نہیں اور تقسیمِ وَرد و عود بھی ہر روز بوجہ میت کے بدعت ہے اس میں بھی کوئی قید یوم و قبر کی نہیں اسی واسطے شارح منہاج مطلق کہتا ہے یہ مؤلف کی خوش فہمی ہے کہ دونوں کو جمع کرکے ایک بناتا ہے بلکہ یہ مستقل رسم ہے ہمارے ملک میں اب بھی اکثر جگہ ہے کہ بعد ختم کے مثلاً گلاب کٹورہ میں لیکر سب حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہیں یہاں گلاب کا قطرہ تقسیم ہوتا ہے وہاں عود[2] اور ورد[3] تقسیم ہوتا تھا پس اس میں قید قبر کی اور سوئم کی کچھ نہیں مطلقاً بدعت ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ حضرت امّ حبیبہ رض کو جو خبر اپنے والد یعنی حضرت ابوسفیان رض کی موت کی پہنچی تو انھوں نے خوشبو اپنے عارض کو لگائی اور فرمایا مجھ کو حاجت نہ تھی اس کی مگر میں نے سنا کہ فخر عالم ص فرماتے تھے کہ نہیں حلال کسی عورت مومن کو کہ سوگ[4] کرے تین روز سے زیادہ مگر زوج پر دس روز چار ماہ، سو اصل خوشبو کی یہ تھی رفتہ رفتہ تقسیم تک نوبت پہنچی اور بدعت ہوگئی کہ سب حاضرین برادری سوگی بن گئے، اگر بعض بلاد میں قبر پر جاکر تقسیم ہوتا ہو تو یہ بھی داخل اس میں ہی ہوا بہرحال تقسیمِ وَرد مطلقاً بدعت ہے، خواہ روز سوئم ہو یا کسی اور دن خواہ غیر پر تو یہ شارحِ منہاج نے عموماً بیان کیا ہے اپنے بلاد کی رسم پر اور اگر قیود روز اور قبر کی زائد بھی ہو دیں تو احترازی نہیں تاکہ بلا قیود کے جواز ہو جاوے اگر یہ مباح ہے تو اہلِ میت کے واسطے مباح ہے، اگر درجہ اباحت سے نہ بڑھے پس اس کو خواہ مخواہ مقید قبر یوم ثالث سے کرنا کم فہمی مؤلف کی ہے بلکہ یہ مستقل بدعت ہے اور بہرحال مذموم پس بحث عطف کی مؤلف نے جو لکھی بالکل لغو و غلط ہے، متعلقات معطوف علیہ کے معطوف میں ہونے خواہ مخواہ کوئی قاعدہ نہیں اگر قرآن بھی مؤلف پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات نہ کہتا ھدیً للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ الخ یؤمنون میں بالغیب کی قید ہے اور یقیمون اور یؤتون میں نہیں، ایسا ہی صدہا[5] امثلہ موجود ہیں مگر ایک مشکل ہوگئی کہ خوشبو کی اصل حدیث امّ حبیبہ رض سے مؤلف نے سن لی ہے تو ہرگاہ کہ چاہ سے گھڑا ثابت ہوگیا

---

[1] مردہ کی تدفین کے تیسرے روز جمع ہونا، یا آگے پیچھے [2] اگربتی [3] لوبان [4] ماتم [5] ...

تھا یہ تو بعینہ وہی ہے پس اب شرح منہاج پر جا ہے ضعف روایت کا حکم دیگر یا یہ کہ انکو حدیث نہیں پہنچی یا یہ کہ وہ شافعی ہیں اس رسم کو بھی مؤلف جاری کر دیوے، استغفر اللہ، اور طعام ایام مخصوصہ بھی مطلق ہے اس میں بھی کوئی قید قبر یا غیر قبر کی نہیں بلکہ قیدوں کی بھی نہیں اور یہ وہ طعام ہے کہ حدیث جریر میں فرمایا کہ "وصنعهم الطعام الخ" پس یہ طعام بھی مطلقاً ممنوع ہے خواہ کبھی ہو خواہ کہیں ہو. شارح منہاج نے ایام کی قید لگا لی اپنے ملک کی عادت پر، اور بزازیہ نے قید علی القبر لگائی اپنے بلاد کے عرف پر، پس بہر حال یہ طعام مکروہ ہے مطلقاً بنص مگر جو فقراء کے واسطے ہو بطور صدقہ تو نفس طعام مباح ہے فقراء کو اگرچہ یہ تعین یوم کی بدعت ہے جس میں بہت کچھ بحث ہو چکی ہے، پس شارح منہاج اطعام الطعام کو مکروہ کہتا ہے اس طعام کو مکروہ نہیں کہتا تو یہ بعموم سب مسائل کو شامل ہو گیا، پس مؤلف کا علی القبر اضافہ اپنے فہم سے کرنا ثمرہ کم فہمی کا ہے ورنہ مسئلہ صاف ہے اور اس کی شرح کرنا بزازیہ کی روایت سے اس وقت ضرور تھی جو مطلق کے معنی میں کچھ تردد ہوتا، ہرگاہ کہ حدیث جریر نے مطلقاً سب کو منع کر دیا تو مطلق منع ہو گیا عبارت یہ ہے کہ بزازیہ میں خود اس طعام ایام مخصوصہ کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ دوسری دلیل میں مؤلف نقل کرتا ہے اور نقل طعام کو بزازیہ نے دوسرا مسئلہ بنایا ہے، قولہ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث بعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم الخ اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا یوم اول، یوم ثالث اور ایک ہفتہ کے بعد اور خاص مہینوں مہینوں میں قبر پر کھانا لیجانا، پس اس عبارت میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ نقل الطعام دوسرا مسئلہ ہے مگر مؤلف کو تمیز نہیں اور صدقہ کھانا ہر روز مستحق کو حلال ہے مگر یہ تعین مکروہ ہے اور فقیر کو بھی بوجہ اعانت مکروہ ہے کہ اس کی اجابت نہ چاہیے کہ مکروہ جیسا دعوۃ المتباریین میں نہی قبول ضیافت کی وارد ہوئی ہے پس مؤلف کی یہ سب توجیہات محض ناواقفیت قواعدِ دین سے ہے اور شرح منہاج سے کراہت جہلم، دہم وغیرہ کی سب ظاہر ہے. الغرض استدلال مانع بدعت کا تو اس روایتِ منہاج سے یہ تھا کہ ایام مخصوصہ کی ضیافت کو بدعتِ ممنوعہ لکھا ہے سو اگر یہ طعام بوجہ رسم ہے تو ایک وجہ بدعت کی رسم ہو گی اور یہ جہلم ہمارے ملک کا بھی رسم ہوتا ہے ایصالِ ثواب مقصود

---

[۱] سیکڑوں مثالیں [۲] کھانا کھلانا [۳] نتیجہ۔

نہیں ہوتا اور دوسری وجہ اس میں تعین وقت کی ہے کہ اس کو بھی شارح نے منع کیا ہے تو دو وجہ بدعت ہونے کی پائی گئی اور جو لوجہ اللہ تعالیٰ ایصالِ ثواب کا طعام ہے تو تعینِ وقت کی وجہ سے بدعت ہو گیا گو طعام میں جواز ہو مگر بہر حال تعین وقت منع اور بدعت رہا ہر حال بس ہمارے ملک میں بھی اگر کسی کی نیت ایصالِ ثواب کی ہی ہو ویگی تاہم یہ وجہ تعین وقت کی بدعت ہونے کی بہر حال موجود ہو ویگی ورنہ اصل چہلم ہمارے میں بھی دونوں وجہ موجود ہیں اور مؤلف اس کو ہرگز نہ سمجھا اور فہم مطلب میں یہ خطائیں کی کہ اجتماع کو کہ مطلق الیٰ اہل المیت حدیث جریر سے ممنوع تھا مقید بہ یوم الثالث اور علی القبر کیا اور خلاف حدیث کے بنایا اور اس قید کو احترازی ٹھیرایا حالانکہ واقعی تھی اور تقسیم الورد[1] کو بھی مقید کیا حالانکہ وہ مطلقاً بدعت ہے، اور اطعامِ طعام[2] کو جو حدیث جریر سے ممنوع مطلقاً ہو گیا تھا مقید علی القبر اور خلاف حدیث و فقہ کے بنا دیا اور تعینِ وقت جو ممنوع تھا اس کے منع سے محض انکار کیا اور تین مسئلوں کو دو بنا دیئے اور استدلال کو بالکل نہ سمجھا اور عطف کی بحث بے معنی لکھدی پس اب حسنِ علم و فہم مؤلف کا سب پر روشن ہو جاویگا کچھ بھی تو مس اس فہم کتب سے نہیں اور تکبر و دعویٰ کی کوئی نہایت ہی نہیں۔

> یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا باعث خاص کر لینے دن کے مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں جو فاتحہ دسویں، بیسویں، چالیسویں وغیرہ کی کرتے ہیں مقابر پر نہیں کرتے تو وہ جائز ہوئی۔

قولہ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا پینا بباعث الخ **اقول** مؤلف کی چشم و فہم حق بین بند ہے، شارحِ منہاج نے تو یہ لکھا ہے کہ ایامِ مخصوصہ میں اطعام[2] بدعت ہے نہ کہ یہ لکھا کہ قبروں پر لیجانے کی وجہ سے بدعت ہے نہ یہ لکھا کہ تعینِ یوم کے سبب سے بدعت ہے، مؤلف دوسری روایت سے قبر پر لیجانا ثابت کرتا ہے حالانکہ وہ دوسرا مسئلہ ہے چنانچہ بزازیہ سے واضح ہے ایسا ہی تعین یوم کی بدعت ہے پہلے محقق ہو چکی اور مؤلف بھی تخصیص کے بدعت ہونے

---

[1] گلاب تقسیم کرنا [2] کھانا کھلانا۔

میں معترف ہولیا ہے، پس ہوش کرے تو سب کچھ لکھا ہے اور خواب غفلت میں رہے تو اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں لکھا، اور مقابر پر لیجانا دوسری بدعت ہے، ایک دوسرے سے کیا علاقہ ہے تامل درکار ہے، اگر ہمارے بلاد میں قبور پر نہیں جاتے تو تعین یوم کی ہی بدعت کراہت کو کافی ہے چہ جائیکہ دوسری وجوہ بھی موجود ہوں۔

دوسری دلیل فتاویٰ بزازیہ کی عبارت ہے، جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلے میں منقول ہے ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقرأۃ القرآن وجمع صلحاء القراء للختم او قرأۃ سورۃ الانعام او الاخلاص، اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے: ایک یہ کہ مکروہ ہے کھانا تیار کرنا میت کا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتے کے بعد یعنی آٹھویں دن۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں دسویں، بیسویں، چالیسویں کا نام بھی نہیں پھر یہ عبارت کس چہلم وغیرہ کی ممانعت پر دلیل ہو سکتی ہے، اور اگر اجتہاد کر کے قیاس قائم کر دکہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا ہے اِن ایام میں منع کرتے ہیں تو اس کو بھی ہم رد کرتے ہیں دو وجہ سے ایک وجہ یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ کی نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلّم نہیں کہا اور یہ لکھا ہے ولا یخلوا عن نظر لانہ لا دلیل علی الکراھۃ یعنی مکروہ کہنا اس کھانے کو خالی بحث سے نہیں اس واسطے کہ کوئی دلیل کراہت پر نہیں الخ پس جبکہ خود شارح منیۃ المصلی نے کراہت کو مسلّم نہیں رکھا ہم بھی مسلّم نہیں رکھتے، معلوم نہیں جن حضرات نے یہ عبارت بزازیہ کی شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ میں اس پر اعتراض لکھا تھا کہ کیوں نقل نہ فرمایا۔ دوسری وجہ رد استدلال مانعین کیلئے یہ ہے کہ اگر طعام ایام مخصوصہ کی کراہت موافق کلام بزازیہ کے مسلّم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لئے ہو سکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں سان اور فخر کے ساتھ کھانا کھلانے

۱؎ اصطلاح۔

کا دستور تھا اسی طرح میت کا کھانا تکلف اور زینت سے اغنیاء اور امیروں اور عزیزوں قریبوں کنبہ والوں کو کھلاتے تھے جس طرح محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے عنقریب دلیل تیسری میں نقل کیا جاویگا لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت سے سمجھ لو جو سمجھو۔

دوسری دلیل عبارت بزازیہ کی اور مؤلف کی خوش فہمی

قولہ دوسری دلیل الخ۔

اقول مؤلف کے فہم پر آفرین ہے عبارت بزازیہ میں یوم اول و ثالث و بعد اسبوع کے طعام کو مکروہ صاف کہا ہے غرض یہ کہ ایام معینہ کر کے طعام پکانا درست نہیں جب ان ایام میں درست نہیں تو دسویں بیسویں، چہلم میں بھی درست نہیں وہ بھی تعینِ یوم ان ایام میں ہے، ان کے عرف[1] میں اول و ثالث کو پکتا تھا ہمارے عرف میں دسویں و بیسویں کو مثلاً ایسے جزئیات سے خاص نام مدلول کا کہاں ہوتا ہے جو یہاں مؤلف طالب ہے یہ نہایتِ فہم مؤلف کا ہے ایک جزئیہ سے دوسرے جزئیہ پر اشتراک کلیہ و علت کی وجہ سے دلیل لائی جاتی ہے یہ معنی کہ دونوں جزئیہ ایک کلیہ میں درج ہیں مثلاً نبیذ سے بھنگ کی حرمت پر بوجہ سکر کے مؤلف صاحب کا فہم قاصر ہے اب وجہِ ردِ مؤلف کے اس قیاس کو سنو! ایک یہ کہ شرح منیہ نے اس کو نہیں مانا سو پہلے ہم لکھ چکے کہ ردمختار نے شرح منیہ کا قول رد کر دیا ہے تو بزازیہ کا یہ قول و بیان درست رہا اور قیاس بھی صحیح رہا اس کی بحث پہلے بھی ہو چکی ہے۔ دوسری وجہ اس کے رد کی یہ کہ مراد اس طعام سے طعام فخر و ریاء کا ہے سو یہ تاویل مؤلف کی بالکل غلط ہے کیونکہ مطلق کو مقید کرنا بلا قرینہ، تو یہ بلا وجہ درست نہیں طعام فخر کا مطلقاً حرام ہے یہاں میت کے طعام میں اس کا ذکر کرنا خصوصاً کیا محل تھا حالانکہ جیسا فخر کا کھانا یہاں مکروہ ہے بلا فخر بھی برادری کو کھانا مکروہ ہے، بروایۃ جریر، پس قید فخر کی لغو ہے، اور مؤلف جو دلیل اس کی بیان کرتا ہے کہ بزازیہ نے خود کہا ہے "وَاِن اتخذ طعاماً للفقراء الخ" یہ دلیل محض سفسطہ[1] مؤلف کا ہے، کیونکہ یہ

---

[1] بے وقوفی

روایت اگر پہلی روایت سے متصل ہوتی تو مضائقہ نہیں تھا، یہاں بزازیہ میں پہلی روایت
تو کتاب الجنائز کی ہے اور یہ دوسری روایت بزازیہ کی کتاب الاستحسان کی ہے اسواسطے
کہ شارح منیہ پہلی روایت کو نقل کر کے کہتا ہے کہ بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں یہ دوسری
روایت منقول ہے اگر کتاب الجنائز میں ہوتی تو کیوں دوسرے باب کو اس سے نقل کرتا
تھوڑی سی عقل درکار ہے پس کس طرح استثناء درست ہوگا عجب فہم مؤلف کا ہے ایک
روایت شرق میں دوسری غرب میں اور استثنا رجائز ہوا نہیں بلکہ یہ روایت جدی ہے
بہرحال اس روایتِ بزازیہ واقعہ کتاب الاستحسان سے کوئی قرینہ فخر کا درست نہیں ہوسکتا
یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے یہاں یہ بات لاریب ہے کہ یہ حرمت طعام برادری کے اطعام[1]
کی ہے اور تعینِ وقت کا مسئلہ یومِ اول، ثالث سے اور بعد الاسبوع سے نکالا گیا ہے
پس اگر طعام برادری کا ہے تو قطعاً مکروہ ہے دو وجہ سے: ایک صنعۃِ طعام من اھلِ
المیت، جیسا حدیثِ جریر سے معلوم ہوا، دوسرے تعین تقییدِ اطلاق مستفاد ہوا اور
اگر خالص نیت سے فقراء کے واسطے ان ایام میں ہو تو کراہت تعینِ وقت کے سبب سے
لازم ہوگی گو طعام کا ثواب پہنچے، بہرحال تعینِ وقت مکروہ ہوا جیسا اوپر ذکر ہوچکا
مگر یہاں مؤلف کے علم و فہم میں کلام ہے کہ کہاں رکھا رہتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی جلد خامس باب الہدایا والضیافات میں لکھا ہے لایباح اتخاذ
الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لاباس بالاکل منہ۔ بعض علماء اس میں تشدد
زیادہ کرتے ہیں بعض کم۔ اور صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے اسی طرح کے کھانے کو منع کیا ہے
کہ جو شادی کی طرح ہو دلیل اس کی خود کلام صاحب بزازیہ جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام
پر مذموم ہے وان اتخذوا طعاما للفقراء کان حسنا یعنی اگر غریب آدمیوں کے لئے
کھانا تیار کریں اچھی بات ہے، اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت طعام مذکو بباعث
تعینِ ایام ہوتی تو یوں لکھتا وان اتخذوا الطعام فی غیر ھذہ الایام کان حسنا پس صاف
معلوم ہوگیا کہ صاحبِ بزازیہ کے نزدیک کراہت بباعث تخصیصِ ایام نہیں بلکہ اسلئے

---

[1] بے وقوفی کو کھانا کھلانا

کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے، اپنے دوست آشنا اغنیار کو کھلاتے تھے اس واسطے کہا صاحب بزازیہ نے کہ اگر کھانا تیار واسطے غریبوں کرے اچھی بات ہے۔ اب مردِ منصف کو چاہئے کہ خدا سے ڈر کر اس دلیل پر نظر کرے اور زبان زوری، سخن پروری سے تائب ہو، وما علینا الا البلاغ۔ دوسرا مسئلہ منجملہ تین مسئلوں سے عبارتِ بزازیہ سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا میت کی قبر پر لیجانا مکروہ ہے یہ بات ہم پر حجت نہیں اس لئے کہ اس کو خود مکروہ کہتے ہیں اور یہاں ان ملکوں میں یہ رسم بھی نہیں۔ تیسرا مسئلہ یہ نکلا کہ قاریوں حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر قرآن پڑھیں برائے خدا اور میت کو بخشدیں اس کا حکم ائمہ مجتہدین اور علمار محققین اور اجماع مومنین سے اور مولوی اسحق صاحب کے کلام سے ہم ثابت کر چکے کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں پس بالضرور مراد صاحبِ بزازیہ کی یہ ہے کہ موافق رسم بعض ملکوں کے اگر حافظوں کو مزدوری دیکر قرآن پر پڑھوادیں یہ البتہ مکروہ ہے، اس کی تصدیق کتبِ فقہ میں موجود ہے شامی نے باب الاجارۃ میں لکھا ہے قال تاج الشریعۃ فی شرح الہدایۃ ان قرء القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری۔ وعن شیخ الاسلام ان القاری اذا قرء القرآن باجل المال فلا ثواب لہ فای شئ یہدیہ الی المیت۔ انتہیٰ کلام الشامی ملخصاً۔

جو یہ لشکروں اور چھاؤنیوں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپئے کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے کچھ سی پارہ کا روزمرہ ٹھیرا کر اس کا ٹھیکہ کر دیتے ہیں اس میں مراد وہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا ہے اس لئے کہ اس وقت میں بعض ملکوں میں یہی دستور تھا اور خود طریقۂ محمدیہ کی عبارت سیف السنۃ میں ہے والماخوذ منہا حرام للاخذ و ھو عاص بالتلاوۃ والذکر لاجل الدنیا اور بعض علماء نے جو قبر پر قرآن پڑھوانے کی اجرت جائز رکھی ہے انہوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا ہے اجرت قرآن کی نہیں وہ گویا ہدیہ ہے قاریوں کی طرف سے۔ پس فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے کراہت ان باتوں کی ثابت ہوتی ہے قرآن مزدوری دیکر ختم کرانا، مردہ کی قبر پر کھانا لیجانا پہلے، تیسرے، آٹھویں دن ضیافتِ اغنیار واحباب کیلئے کھانا پکانا مکروہ ہے۔

اور جس طرح ہمارے ملکوں میں رائج ہے کہ طعام دسویں، بیسویں اور چالیسویں کے حق میں جو خالصاً للہ پکا کر مصیبتوں اور ملانوں کو اپنے گھر بلا کر کھلاویں ہرگز ہرگز کراہت یا حرمت اس کی عبارتِ بزازیہ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہو گئی ہے کیونکہ اس نے لکھدیا وان اتخذ واطعاماً للفقراء کان حسناً اور صاحبِ سیف السنۃ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ چونکہ حضرت کی مخالف مطلب تھا نقل نہ کیا لاتقربوا الصلوٰۃ پڑھکر وانتم سکاریٰ پر زبان بند کر لی۔

قولہ فتاوی عالمگیری جلد خامس الخ۔ **اقول** اس روایت سے غرض مؤلف یہ ہے کہ کچھ ایسی شدید کراہت طعامِ میت میں بھی نہیں چاہیے کھالیوے مگر یہ سراسر کم فہمی مؤلف کی ہے اول تو حدیثِ جریر میں نیاحت سے اس کو شمار کیا ہے اور نیاحت حرام شدید ہے تو یہ طعام سخت مکروہ تحریمیہ ہوا، پھر بزازیہ و فتح القدیر اس کو بدعتِ مستقبحہ کہہ رہے ہیں اور حدیث لاتقبلوا دعوۃ اعتبار ثنا میں فخر کھانے کو حرام فرما رہی ہے کہ مؤلف بھی اس کو قبول کرتا ہے پس فخر کے طعام میت کو لابأس کے درجہ میں رکھنا محض غلط فہمی ہے اور عالمگیریہ کی تمام روایات یہ ہیں حمل الطعام الی اهل المیت والاکل معهم فی الیوم الاول جائز وبعده یکره کذا فی التاتارخانیۃ۔ ولا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لابأس بالاکل منه کذا فی خزانۃ المفتین وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً الخ۔ پس پہلی روایت میں ضیافت اہلِ میت کی بعد ایک دن کے مکروہ لکھی ہے اور پھر خزانہ کی روایت لایا ہے جس سے مراد ہے کہ ہر چند تین روز تک ان کو کھانا دینا مکروہ ہے مگر جو کوئی دیوے تو اہل میت کو کھانا درست ہے قرینہ اس کا یہ ہے کہ یہاں ثلثۃ ایام کہا ہے جس کے معنی تین روز ہے نہ کہ تیسرے روز، پس پہلے کہا کہ ایک روز کے بعد ضیافت مکروہ ہے پھر یہاں یہ کہا کہ اگرچہ طعام دینا مکروہ ہے مگر اہلِ میت کھاویں تو حرام نہیں اور جو مراد اس سے یہ ہو کہ اہلِ میت کی ضیافت کو کھانا لابأس میں ہے جیسا کہ مؤلف نے جزم کرلیا ہے تو اگر یہ فخر کا کھانا ہے تو کس طرح مباح ہوگا یہ تو حرام ثابت ہو گیا ہے بحدیث لاتقبلوا دعوۃ المتبارئین جس کو مؤلف بھی قبول کرتا ہے اور جو اہل میت کا بلا فخر ہے تو جریر کی حدیث سے تحریم ہو چکی۔ بہرحال فخر کا کھانا اور لابأس سے خفتِ کراہت کا ہونا مؤلف کا ہی فہم عالی ہے

اور بس، پس صاف معلوم ہوا کہ عالمگیریہ کی روایت سے فخر کا کھانا ہر گز مراد نہیں ہے اور روایت بزازیہ واقعہ کتاب الاستحسان مطلق ہے وان اتخذ واللفقراء کان حسنا پس اس میں کوئی تعین وقت نہیں کہ جواز تعین طعام فقراء کا معلوم ہو ہاں پہلی روایت سے تعین کا بدعت ہونا معلوم ہو گیا اب مؤلف کو چاہیئے کہ ہماری تحریر کو سوچ کر انصاف کر کے ہٹ دھرمی سے باز آوے اور شرم کرے اور روایات کتب کو غور سے سوچا کرے یا کسی عالم سے تحقیق کر لیا کرے اپنی عقل خام وفہم ناکام پر معتمد نہ ہوا کرے۔ اب سنو کہ روایت بزازیہ میں چار مسئلے ہیں مؤلف کو تین نظر آئے اول یہ کہ حبس پر بحث ہے دوسرا نقل طعام الی المقابر وہ خود بدعت ہے پہلی دلیل میں ذکر ہو لیا اس کو مؤلف بھی قبول کرتا ہے تیسرا مسئلہ اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن یہ بھی گذر چکا اور سوم کی کراہت اس سے ثابت ہوئی اور چہلم کی شب کو بھی قرآن پڑھواتے ہیں اس کی کراہت بھی اس سے صاف نکلی۔ چوتھا مسئلہ یہ کہ جمع القراء والصلحاء للختم[1]، اس کو مؤلف نے تیسرا مسئلہ کہا ہے، یہاں مؤلف کو سخت مصیبت پیش آئی کہ مجمع سوم اور چہلم کا ہاتھ سے چلا تو اس کو ناچار رائے ناقص سے یہ ٹھیرایا کہ اجرت پر قرآن پڑھوانا مراد ہے سبحان اللہ جیسا مؤلف اور اس کی برادری اجرت پر قرآن وکلمہ پڑھتے ہیں اعنی نخود وشیرینی وحلوا پر یا ضیافت پر تو بزازیہ کے وقت کے صلحاء کو ایسا ہی گمان کر لیا یہ سوچ کر شرم نہ آئی کہ جو اجرت پر قرآن پڑھنے آویگا صالح کہاں ہوگا، دوسرے بزازیہ مطلقاً کہتا ہے مؤلف نے کس قرینہ سے مقید کیا خواہ مخواہ بھلا یہاں کیا قرینہ ہے، پہلی روایت میں تو کتاب الاستحسان سے کھینچ کر دوسری روایت لایا تھا مگر ہاں یہاں بھی قرینہ ہے کہ آخر بزازیہ کی کتاب الاجارہ میں تو یہ مسئلہ لکھا ہے سبحان اللہ، پس یہ صفحہ اجرت قرآن کے باب سے سیاہ کرنا کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے، مع ہذا تمام اعراس اور ضیافات اموات حلوا شیرینی ہوتا ہے بنانے والا حافظوں اور سب حاضرین کی نیت سے کرتا ہے اور جانے والے حافظ پنج آیت خواں وغیرہ اسی نیت سے جاتے ہیں المعروف کالمشروط[2] پس قرآن کی اجرت کا طعام کھانا اور لینا ثابت ہو گیا قلیل، کثیر، کچی پکی، شیریں نمکیں کا فرق خود ہی اٹھا دیا ہے اس کو یاد نہیں رہا شرح سوال میں لکھ چکا ہے ذرا غور کرے۔ اب آخر میں بعض علماء کا فتویٰ قبر پر آنے جانے کی مزدوری کے حیلہ سے نقل کرتا ہے کہ جیسے سوم کے

---

[1] ختم کے لئے قراء اور صلحاء کو جمع کرنا [2] مشہور چیز مشروط کی طرح ہوتی ہے۔

اور حلوا و فاتحہ و ختم کے کھانے کا حیلہ نکل آوے، اور پہلے مولوی عبد الخالق کی نصیحت میں اس کو خود ہی منع لکھ آیا ہے یہاں وہ منسوخ ہوگیا، افسوس کہ مؤلف کو اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا تو وجہ یہ ہے کہ فہم و علم سے کوئی بات لکھتا ہی نہیں، اناپ شناپ جو چاہا دوسروں کا قول لکھدیا پھر بھول گیا بس باقی کلام کا جواب ضروری نہیں پہلے لکھا گیا اور فہم مؤلف کا بالکل خلاف کتاب کے ہے اور حقیقتِ مسئلہ اور طعام کی اول تحریر ہوئی مؤلف کی خوش کی خوش فہمی کا اظہار مقصود ہے تعداد اغلاطِ مؤلف نہیں کہ اہلِ فہم خود جان سکتے ہیں۔

تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم وغیرہ یہ عبارت ہے کہ سیف السنۃ کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے کہ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے مقالۃ الوصیۃ یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے "دیگر از عادات شنیعہ مردم اسراف است در ماتم و چہلم و ششماہی و فاتحہ و سالینہ الخ"۔ میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے تو شاہ ولی اللہؒ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لئے کہ اس میں چہلم وغیرہ کے کھانے للّٰہی کو نہیں منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو عادتِ شنیعہ سے لکھا ہے، اسراف کہتے ہیں بے اندازہ خرچ کرنے کو اور قرآن شریف میں وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ، اسراف کو کون دوست رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا منشا اس کے بند کرنے میں بند کرنا اسراف کا ہے، چنانچہ اس کی برائی انہوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو برا کہتے ہیں اور اسراف لوگوں میں طرح طرح کے مختلف مقاموں میں پیدا ہوگئے تھے۔ علامہ شامی نے ضیافتِ اموات کی شناعت میں لکھا ہے يحصل عند ذلك غالبًا من المنكرات الكثيرة كايقاد الشموع والقناديل التي لا توجد في الافراح وكدق الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرة على الذكر وقراءة القرآن الخ۔ دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موتیٰ کی رسوم میں قندیل اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں اس طرح کہ محافلِ شادی میں بھی نہ ہوں اور طبلے بجتے ہیں اور گانا خوش آوازی سے ہوتا ہے عورتیں اور بے ریش لڑکے آتے ہیں جو کچھ قرآن پڑھتے ہیں اس کی مزدوری لیتے ہیں۔ یہ

یہ عبارت شامی نے باب الجنائز میں لکھی ہے معلوم ہوا کہ بعض جگہ ایسے اسراف بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح جو خاص اپنے احباب اور برادران اغنیاء میں حصص بطور تورہ بندی تقسیم کرتے ہیں غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خودنمائی میں داخل ہے چنانچہ شیخ عبدالحق کی عبارت جو مولوی اسحٰق صاحب نے مسائل اربعین کے سوال سی ودوشتم میں جامع البرکات سے نقل کی ہے "وآنکہ بعد از سالے وششماہی یا چہل روز دریں دیار پزندہ درمیان برادران بخش کنند آں را بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آں است کہ نخورند۔ انتہیٰ" واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو لکھا کہ ششماہی وسالیانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے اس میں ایک یہ بھی سبب ہے کہ جو مستحق اس کھانے کے ہیں ان کو نہیں کھلاتے اور کھانا اس طرح کا تکلفی پکاتے اور اس میں طرح طرح کی زینتیں کرتے ہیں شادی عروسی کے کھانے میں دستور ہے اور احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں ایسے کھانے کو فقہاء منع کرتے ہیں، فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لافی الشرور یعنی الحزن وھی بدعۃ مستقبحۃ الخ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے ولاضیافۃ فی بیوت الموتی وھم فی اللحود یعنی احباب کی ضیافت تکلف اور زینت کے ساتھ اہل میت سے لینا اور رکھانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات سرور میں جائز ہے موت میں سرور کہاں یہاں تو شرور یعنی غم ہیں اور موتیٰ کے گھروں میں ضیافت کیسی؟ حال یہ کہ وہ قبروں میں پڑے ہیں۔ واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام ممانعت ہے وہ ایسی قسم کے کھانے کی ممانعت ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ صریح بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے وان اتخذوا طعاما للفقراء کان حسنا اور جو لوگ تعینات کے ساتھ ان فاتحات کو جائز رکھتے ہیں وہ سب شرط کرتے ہیں کہ اغنیاء کو کھلا دینا ثواب میں معتبر نہیں چنانچہ تحفۃ النصائح میں ہے، ع

سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہل ؛ باید دہی درویش را ورنہ نباشد معتبر

قولہ تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم الخ

تیسری دلیل عبارت شاہ ولی اللہ صاحب اور اسمیں مؤلف کی تحریف

اقول مؤلف شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت کو بھی نہیں سمجھا، افسوس کہ فارسی عبارت کو بھی نہیں سمجھا، تمام عبارت وصیت نامہ کی یہ ہے "از عادات شنیعہ ما مردم اسرافست در ماتمہا دچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ ایں ہمہ را در عرب اولی وجود نبود مصلحت آنست کہ غیر تعزیت وارثان میت تاسہ روز واطعام ایشاں یک شباں روز رسمے نباشد الخ" اب دیکھو اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو جان لیتا کہ شاہ صاحب خود سوم اور چہلم وغیرہ کو اسراف میں داخل کرتے ہیں اور وجہ منع کی عرب اول میں نہ ہونا انکار فرماتے ہیں پس جب عرب اول میں نہ تھا تو خود ذات ان رسوم کی ممنوع ہوئی نہ یہ کہ ان کو کرو مگر اسراف ان میں نہ کرو، وہ صاف فرماتے ہیں کہ بجز تعزیت واطعام مسنون رسمے نہ باشد۔ ان سب کو رسوم میں داخل کیا اور اسراف ٹھیرایا پس بدعت اور ممنوع ہوگیا، ادنیٰ شعور والا بھی جان سکتا ہے اور وہ عبارت شامی کی یہ ہے جس میں اعتراض شارح منیہ کا رد کر دیا ہے مؤلف نے اس اعتراض کو خیانت سے اخفاء کیا ہے اور شاہ صاحب کو یہ بھی محقق تھا کہ چہلم وغیرہ سب رسوم بطور رسم ہی کرتے ہیں ایصال ثواب مقصود نہیں اسی واسطے اسراف اور رسوم میں داخل کیا ہے اور اگر محض ایصال ہو اور وقت کی قید ہو تو کراہت و بدعت تعین وقت کی ہو ویگی اور تمام اسراف شادی اور غمی کے سب حرام ہیں مگر اس کی حرمت سے جواز دہم وغیرہ رسوم کا ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ چہلم وغیرہ رسوم ہر حال ممنوع ہے اور سب چہلم وغیرہ بوجہ ایصال بھی بدعت تعین سے خالی نہیں، پس ان روایات کا تکرار و اعادہ ہرگز مفید مؤلف کے مدعیٰ کو نہیں اور پہلے سب کا جواب ہولیا اور معلوم ہو چکا کہ روایت کتاب استحسان بزازیہ کی مطلق ہے اس میں کسی وقت معین کا ذکر ایصال ثواب کے استحسان میں نہیں اور وقت ذکر دوسری روایت کتاب الجنائز میں تھا اس کا وقت یہاں نہیں آسکتا کہ دونوں میں ہر طرح مبائنۃ[1] ہے۔ اگر ایصال میں تعین ہوگا وہ بھی بدعت ہوگا اس روایت کے استدلال کو از خطاء فہم مؤلف کو سب جان سکتے ہیں۔

چوتھی دلیل منع چہلم وغیرہ پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا یہ قول جو وصیت نامہ میں فرماتے ہیں "وبعدہ مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی

[1] مخالفت، تضاد۔

دبرسینی ہیچ نہ کند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ اند الخ"۔ واضح ہو کہ کھانا للہ کھلانا امورِ دین سے ہے اور قاضی صاحب نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے وہ یہ کہ عورتیں جمع ہوکر ان ایام میں رویا پیٹا کرتی ہیں اور یہ ہم خود اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منھ بول رہی ہے، یعنی منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا پس اس سے ثابت ہوا کہ چھ ماہی، برسی چہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں مولوی اسماعیل صاحب نے بھی تذکیر الاخوان میں لکھا ہے "جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے، پھر کسی کے یہاں تین دن کسی کے سات دن، کسی کے دس دن کسی کے چالیس دن کسی کے چھ مہینے تک، کسی برس روز تک کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے جتنے دنوں جس قدر یہ توجہ زیادہ ہو اسی قدر آپس میں ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلاں کے یہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی، اور مرد جو جاتے ہیں تو صرف دستور رواج کے موافق ان لوگوں کو دکھلانے کے لئے کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور اس فاتحہ سے مردہ کے واسطے ثواب منظور نہیں ہوتا"۔ یہ عبارت ملخص تذکیر الاخوان کی ہے۔ پس قاضی صاحب کا اشارہ ان امور کی طرف ہے، ورنہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں " واز کلمہ و درود و ختم قرآن و استغفار و از مال حلال صدقہ بفقراء باخفاء امداد فرمایند، انتہیٰ"۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ختم کلمہ قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے، اور صدقہ کو جو پوشیدہ فرمایا وہ اس لئے کہ اپنے ورثاء میں کچھ طریقِ نمود اور نمائش وغیرہ کا دیکھا ہو گا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس واسطے اخفاء کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کرنا شرع میں درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان تبدوا الصدقات فنعما ھیَ۔ شاہ عبد القادر صاحب نے اس روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے " اگر کھلی دو خیرات کیا اچھی بات ہے" اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یہ کیا ہے " اگر آشکارا کنید خیرات را پس نیکو چیز است" اور ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے تاکہ اور آدمیوں کو ہدایت ہو وہ بھی صدقہ کریں۔

چوتھی دلیل عبارت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ

قولہ: چوتھی دلیل الخ

اقول وائے برفہم مؤلف۔ قاضی صاحب تو صاف لکھتے ہیں کہ "رسوم دنیوی مثل دہم و بستم الخ" کھول کر رسوم دنیوی میں ان کو داخل کرتے ہیں مؤلف کچھ اور ہی سمجھ گئے اس سے معلوم ہوا کہ دہم وغیرہ رسوم دین تھی اور قاضی صاحب ان کو رسوم دنیا جانتے تھے ایصال لوجہ اللہ نہیں تھا یہی مدعی ہے مستدل کا کہ یہ رسوم دنیا ہیں مت کرو باقی ایصال لوجہ اللہ تعالیٰ سو اس کو بلا قید کرو تعین پہلے نصوص سے ثابت ہو گیا کہ بدعت ہے، اور قاضی صاحب کی دلیل مُنہ سے بول رہی ہے کہ ایصال کو بھی چہلم دہم کی طرح مت کرو کیونکہ لکھتے ہیں " وازمال حلال صدقہ بفقراء باخفا، مدد فرمایند" اگر ایصال ثواب کو بطور دہم وغیرہ جائز فرماتے تو وصیت اخفاء کی کیوں کرتے؟ مگر فہم ہو تو سب کچھ ہے آپ مؤلف اس کو نقل کرتا اور نہیں بوجھتا اور صدقہ خیرات کو تو کوئی منع نہیں کرتا یا دہم وغیرہ رسوم کو منع کرتے ہیں یا ایصالِ ثواب کے تعین کو منع کرتے ہیں بہرحال قید دہم وغیرہ بدعت ہے اس کا ثبوت کسی وجہ سے مؤلف نہیں کرسکتا۔ اور تذکرۃ الاخوان سے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سب امور رسمی ہیں اور ایصالِ ثواب مقصود نہیں، اور قاضی صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریر سے بھی واضح ہو گیا اور اب تمام عرف عوام کا ظاہر ہے مگر مؤلف کی چشم حق بین اور تحقیق داں نہیں۔

پانچویں دلیل منع چہلم وغیرہ کے لئے یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا طعام المیت یمیت القلب وطعام المریض یمرض القلب و در نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ است اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشد، یعنی میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کردیتا ہے۔ اور نوادر ہشام میں آیا ہے کہ مکروہ ہے قبول کرنا اس کھانیکا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہووے، انتہیٰ کلامہ۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیث جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہے اور باجماعِ امت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دو گے اور اس حدیث کی اسناد بھی معلوم نہیں نہ صحابی کا نام کہ کس صحابیؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور نہ مابعد صحابیؓ کے اور راویوں

لہ خدا کے لئے پہنچانا۔

کا حال معلوم کہ پھر صحابی رضؓ سے کن راویوں نے اس کو روایت کیا اور نہ کتاب حدیث کا نام مرقوم کہ صحاح ستہ میں یا کسی اور کتاب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے اور قطع نظر ان امور مروجہ اس ملک کی ہرگز صحیح نہیں اس لئے کہ اس حدیث میں لفظ چہلم و بستم کے کہاں ہیں اس میں تو مطلق لفظ ہے کہ طعام المیت یعنی میت کا کھانا بلا قید تاریخ مار دیتا ہے دل کو، ہم کہتے ہیں کہ جب اس کھانے نے دل کو مردہ کر دیا تو اس کو کون کھانا کھاوے گا وہ منع ٹھیرا اور جب وہ منع ٹھیرا تو وہ جو حکم صدقہ کا میت کی طرف سے تمام حدیثوں اور فقہ کی کتابوں میں ہے اور خود مانعین بھی یہ لکھتے ہیں کہ اگر بلا تعین کریگا تو ہے پس اس صدقہ اور طعام کے واسطے کون آدمی پیدا کئے جاویں گے جن کو وہ کھانا میت کا کھلا کر دل ان کا رویا جائے۔

پانچویں دلیل نوادر الفتاویٰ کی عبارت اور اسمیں مؤلف کی خیانت دتحقیق مسئلہ

قولہ پانچویں دلیل منع چہلم الخ۔ **اقول** مؤلف کی دیانت کو سب عقلاء غور فرماویں کہ خزانہ اور دستور القضاۃ کی روایت ارواح آنے کے باب میں اطلاق نصوص کی مخالف اور بے سند تھی مؤلف نے مؤید اپنی بدعت کی دیکھ کر سر پر رکھی نہ صحابی راوی کو پوچھا نہ سند تحقیق کی نہ مضامین خلاف نصوص کی پرواہ ہوئی، چنانچہ مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یہ حدیث اربعین میں جو کہ نوادر الفتاویٰ سے نقل ہوئی تو بزعم خود خلاف اپنی مراد کے جان کر سند کا مطالبہ اور صحابی راوی کا نام اور کتاب حدیث کا نشان دریافت ہوتا ہے پس ایمانداری مؤلف کی اس سے معلوم ہوگئی اگر فقط کسی فقیہ کا نقل کرنا کافی جانتا تھا تو یہاں کیوں تامل ہوا اور جو سند کی ضرورت ہے اور حق بھی یہی ہے تو پہلی روایات میں کیوں کوتاہی ہوئی اور جو خلاف صحاح کے ہونے کی وجہ ہے تو وہ احادیث صریح صحاح کی مخالف ہیں چنانچہ بیان ہوا اور یہ کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں کیونکہ مسلم اور بخاری اور مؤطا میں صریح ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات اوساخ الناس[۱] ہوتے ہیں اسی واسطے بنی ہاشم کو بسبب ان کے فضل کے اور اغنیاء کو بسبب ان کی عدم حاجت کے حرام اور مکروہ ہوئی اور فقراء کو بسبب حاجت وضرورت کے درست رہی کہ الضرورات تبیح المحظورات کہا گیا ہے اور صدقات میں جو صدقہ دفع وازالہ مرض کے واسطے ہو وہ ممرض[۲]

---

[۱] لوگوں کا میل کچیل [۲] قلب کو مریض بنانے والا۔

قلب ہے اور جو ایصال ثواب میت اور ازالہ اس کی تقصیرات کی ہو وہ ممیت قلب ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا سو یہ بھی امر معقول ہے کہ غسالۂ مرض میں مرض کا اثر قلبِ آکل پر ہوویگا اور غسالۂ معاصی میت میں موت کا اثر ہوویگا جب مطلق صدقہ میں غسالہ تھا یہاں بھی وہی ہے پس ایسے طعام کی فقراء غیر بنی ہاشم کو اجازت ہے مگر علماء کو گو مکروہ نہیں مگر لائق بھی نہیں کہ انکا قلب لطیف رہنا مناسب ہے بوجہ شرافتِ علم کے کہ فکر میں تکدر نہ ہو جیسا نظافت ظاہری علماء کو زیادہ لائق ہے۔ پس اس سے نہ صدقہ کرنا منع ہوا اور نہ صدقہ کے کھانے کی حرمت نکلی مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے حیران ہوا اور اس حدیث کو خلاف احادیث ترغیب صدقہ کی سمجھ گیا اور بوجہ اس کے کہ ممیت و ممرض قلب ہے اس طعام کو بھی حرام سمجھ لیا ہے پس اس کو رد کرنے لگا۔ حالانکہ یہ حرکت ہرگز حلال نہیں کہ اگر کسی جاہل کے فہم میں کوئی حدیث نہ آوے تو خود بخود اس کو معارض سمجھ کر رد کرنے لگے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پس ظاہر ہوگیا کہ مؤلف کا یہ نقض و اعتراض کہ اس حدیث سے تو مطلق صدقہ کی ممانعت ثابت ہوئی تو کون آدمی پیدا کئے جاویں گے کہ ان کا دل مار دیا جاویگا محض کم فہمی ہے کہ مغز کلام کو نہ سمجھ کر ایسی شوخ چشمی حدیث میں کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو لیا کہ حدیث نوادر الفتاوی کی ہے اور مؤلف خود کہہ چکا کہ حدیثِ ضعیف پر بھی عمل کرنا جائز ہے مگر یہاں آکر گستاخی کلام شروع ہوئی اور معنی روایت نوادرِ ہشام کے یہ ہیں کہ جو طعام مردہ کے واسطے رسماً کیا جاوے اس کی اجابت کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ طعام مکروہ ہے کہ روایتِ جریر میں اس کو نیاحت کہا ہے۔ پس حاصل استدلال یہ تھا کہ اطعمہ دہم و چہلم وغیرہ سب رسمی ہوتے ہیں صدقہ مراد نہیں ہوتا لھذا اس کی اجابت مکروہ ہے اور مانعین بدعت ان رسوم کو اسی واسطے منع کرتے ہیں کہ صدقہ مقصود نہیں ہوتا مگر مؤلف نہ مراد کو سمجھے نہ فہم روایت سے کام اپنی زٹل مارے جاتا ہے اور اربعین کی عبارت میں جو تصرف مؤلف نے کیا وہ اب لکھا جاویگا۔ الغرض صدقہ کا غسالۂ اوساخ کا ہونا ثابت ہوا اور فقراء کو اس کا کھانا حلال رہا مگر علماء کو اس سے احتراز اولی ہے خصوصاً جو صدقہ مریض اور میت کے واسطے ہو کیونکہ اس میں تکدر ہوتا ہے اور تکدر گو کوئی وجہ کراہت و حرمت کی نہیں شرعاً جیسا شکم سیر کھانا زیادہ سونا زیادہ کلام کرنا موجب تکدر قلب کا ہے

لہ قلب کو مردہ بنانے والا۔

مگر حرام نہیں ایسا ہی یہ طعام صدقہ ہے پس علماء کو حرام نہیں مگر احتراز اَولیٰ ہے یہ مفہوم حدیث کا ہوا، اب سنو کہ طعام میت وہ ہے کہ میت کے واسطے پکایا جاوے اگر بطور رسم کے ہے تو لاریب مکروہ ہے اور اگر صدقہ کی نیت سے ہے اور تعین وقت اس میں کیا گیا تو بوجہ اس کراہت کے اس میں کراہت ہوویگی اور اگر دونوں بات نہ ہوں تو اس صدقہ میں کراہت تو نہیں مگر صدقہ کے وسخ کا اثر تاہم ہوتا ہے پس اس صدقہ کی نسبت یہ مضمون ہے جو حدیث نوادر میں وارد ہے اسی واسطے مشائخ صوفیاء اس قسم کے صدقات کو نہیں تناول فرماتے اگرچہ محل زکوٰۃ و صدقہ کے ہوتے ہیں، اس کے بعد سنو کہ مؤلف نے عجیب کاریگری کی ہے کہ اصل عبارت اربعین کی یہ تھی " در نوادر الفتاویٰ آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ وآں طعام مر علماء و فضلاء را مکروہ ہست قال علیہ السلام طعام المیت یمیت القلب وطعام المریض یمرض القلب ودر نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشند، انتہیٰ " اب غور کرو کہ یہاں تک نوادر الفتاویٰ کی روایت تھی مؤلف نے حدیث کو اور نوادر ہشام کی عبارت کو کہ آخر اس روایت نوادر کا تھا جدا کرکے ایک مستقل دلیل پنجم بنالیا اور اول اس عبارت کو دلیل ششم ٹھیرایا یہ محض خطاء فہم کی ہے ورنہ یہ سب نوادر الفتاویٰ کی عبارت تھی سو خیر جو اس نے کیا اپنی کم فہمی سے کیا کسی کو ضرر نہیں پس اس نقص اور کم فہمی مؤلف کا جواب تو ہو لیا اب دلیل ششم میں باقی سنو۔

چھٹی دلیل منع کی یہ کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے " در نوادر الفتاویٰ آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ وآں طعام علماء و فضلاء را مکروہ ہست، انتہیٰ " اس عبارت سے معلوم ہوا کہ برسی اور تیجہ اور چہلم وغیرہ کا کھانا مکروہ علماء و فضلاء کیواسطے ہے اور وں کو مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا کیا ضرور تھا خیر اگر یہ لوگ اسی قدر لکھ دیویں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ علماء و فضلاء تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اور آدمی کھاتے ہیں اگر اوروں کو جائز ہوا یہ بھی غنیمت ہے اور صحیح یہی ہے اس مسئلہ میں بڑی شہرت مولوی اسمٰعیل صاحب کی ہے کہ

وہ رئیس المانعین ہیں ان تعینات کو مکروہ و حرام کہتے ہیں صورت اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک محض باعث ممانعت کا یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصًا للہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کو دکھانے کو کرتے ہیں اور جبراً کرتے ہیں، چنانچہ صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں "در تقسیم طعام سیوم و چہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت و کشادگی می کنند، انتہیٰ" اور صفحہ ۷۳ میں ہے "و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل غرض آں ست کہ مقید برسم نباشد بے تعین تاریخ در جنس و قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف براطعام نہ گذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است و در تعین تاریخ ورد زوقسم و وضع طعام ضیق پیش می آید انسان راخواہ نخواہ آں چہ کردن دشوار می بود سرانجام آں ضروری افتد الخ"

چھٹی دلیل نیز عبارت نوادر الفتاویٰ اور اس عبارت کا مطلب

قولہ دلیل ششم منع کی یہ کہ مسائل اربعین الخ۔ **اقول** اس طعام کی شرح تو پہلی دلیل میں گذرلی، اور نوادر الفتاویٰ کا مطلب اب سنو، وہ کہتا ہے کہ جس طعام میت میں محض رسم اور تعین ہو اور طعام میت میں کہ ایصال ثواب صدقہ اور تعین ان دونوں طعام کی اجابت کرنا مکروہ ہے، چنانچہ فخر کے طعام کی اور طعام فساق کی اجابت مکروہ لکھی ہے سو اس میں بھی کراہتِ تعین کے سبب اجابت مکروہ ہے سب کو۔ پھر کہا "و آں طعام مر علماء و فضلاء را مکروہ ہست" یعنی اگر سب کو مکروہ اس کی اجابت ہے مگر علماء و فضلاء کو خصوصًا مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں جب طعام میت و مریض کو میت دمرضِ قلب فرمایا ہے تو علماء کو خصوصًا ایسے اطعمہ سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ علم و فضل کی شان کے خلاف ہے کہ اوساخ کو استعمال کریں مگر صاحب فہم مراد سے بعید یہ سمجھ گئے کہ خاص علماء کو مکروہ ہے اوروں کو درست ہے اور یہ خطاء فاحش محض غفلت الفاظ سے ہے دیکھو کہ عوام کو تو کہا کہ "اجابت کردن ایں طعام مکروہ کہ اعانت فعل مکروہ کی اور شرکت فعل مکروہ کی ہے اور علماء کو کہا کہ یہ طعام مکروہ ہے یعنی اگر اس قسم کا کھانا

ہدیہ بھی کوئی دیوے تو نہ لیویں کہ اس طعام سے تکدر ہوتا ہے صدقہ نافلہ میں تکدر رہے مگر خاص میت اور مریض کے صدقہ میں زیادہ تدنس ہے اور تعین کی کراہت ہے، تو عوام کی اجابت مکروہ ہوئی مع ہٰذا اگر وہ طعام صدقہ ہی ہے تو کھانا درست ہے اور علماء کو خود صدقہ بھی اولیٰ نہ تھا اب جو یہ معصیت اس کے ساتھ ہوئی تو اجابت تو مکروہ ہی ہے اس طعام کا کھانا بھی نہیں چاہئے یہ مراد ہے نوادر الفتاویٰ کی مگر مؤلف کے فہم نے وفا نہ کی اور عوام کو اجابت جائز کہنے لگا، سبحان اللہ، اب پھر کہتا ہوں کہ سب علماء شاہ ولی اللہ سے لیکر بلکہ بزازیہ کے وقت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ بعد اموات کے جو طعام کرتے ہیں رسم کا کھانا ہے اور مکروہ ہے اور اب بھی دہم چہلم سب طعام رسم کے ہیں اور مکروہ ہیں اور اگر صدقہ خالص اور بلا تعین وقت کے ہو تو ہر گونہ درست مگر صدقہ کی وجہ سے علماء کو لائق نہیں اور جو کراہت تعین کی اس کے ساتھ ہو جاوےگی تو اگرچہ طعام صدقہ ہے اور ثواب پہونچیگا مگر اس فعل تعین کی وجہ سے مکروہ ہوگا اور اجابت بھی مکروہ ہوگی مگر افسوس کہ مؤلف نہیں سمجھتا اور یہی مولوی اسمٰعیل صاحبؒ فرماتے ہیں اور یہی واقعی امر ہے ۔

> اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ سیوم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علماء فی زماننا خیال کرتے ہیں بلکہ اس میں قباحت مولوی اسمٰعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہووے یا نہ ہووے پابندی تواریخ ایام سے خواہمخواہ اس کو کرنا پڑتا ہے اس میں تنگی اور مصیبت پیش آتی ہے، پھر اگر کسی کو یہی بات پیش آوے اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے اے بھائی تو اپنے مقدور کے موافق کر دے حوصلہ سے زیادہ نام آوری کے طور پر جس کا سنبھالنا تجھ کو مشکل ہو اس طرح مت کر خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ پڑھ دے ۔

قولہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا الخ۔ **اقول** یہ ہر روز صاف ظاہر تھا مگر مؤلف کے فہم میں تکدر تھا اب بھی ذہن مؤلف کا صاف نہیں ہوا کہ یہ جانتا ہے کہ مانعین بدعت تعینِ یوم کے سبب طعام کو مکروہ کہتے ہیں نہیں بلکہ اس فعل تعین کو ہر حال مکروہ کہتے ہیں ،

بسبب نصوص کے اور طعام اہلِ میت کو اگر ضیافت برادری ہے تو مکروہ کہتے ہیں اور جو صدقہ لوجہ اللہ تعالیٰ ہے اس کو جائز بتلاتے ہیں مؤلف نہیں سمجھتا حالانکہ بار بار کھول کر کہا جاتا ہے اجابت طعام دیگر ہے اور خود شئی دیگر ہے۔ "در خانہ اگر کس ست حرفے ہم بس ست"۔ بس اب خاتمہ کلام کا مؤلف نے حق بات کہہ کر رد کر دیا مگر ہنوز فہم سے دور ہے کہ تعین کی خرابی اس کے دل سے نہیں نکلی حق تعالیٰ اس کو ہدایت کرے۔

> سوال تعینِ ایام کی حاجت کیا ہے؟، جواب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں خود شوق تھا کسبِ خیرات وحسنات کا وہ اپنے دلولۂ عشقِ دلی سے امورِ صالحہ کرتے تھے ان کو نہ کسی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی نہ یاد دلانے کی جب وہ دور گذر چکا لوگوں کے دلوں میں بے رغبتی امور صالحہ کی پیدا ہوگئی اس کے لئے علماء دین نے بہ نظر اصلاحِ دین فتویٰ اور احکام پیدا کئے۔

تعین ایام فاتحہ

قولہٗ سوال تعینِ ایام کی کیا حاجت ہے؟ جواب الخ۔

اقول کلیاتِ نصوص اور جزئیات وکلیات فقہ سے ثابت ہولیا کہ یہ تعین اوقات کا بدعت ہے اور تغیر کرنا حکم شرع کا ہے اور مؤلف بھی اس قول کو قبول کر چکا ہے اور بعض ان رسوم مروجہ میں تشبہ کفار کا بھی ہوتا ہے اور یہ بھی مؤلف کے نزدیک مسلّم ہے کہ تشبہ کفار کا ممنوع ہے تو ہر گاہ کہ شرع سے ضلالت اور مکروہ ہونا ان کا ثابت ہولیا اب اس کے جواز واباحۃ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی اور ہرگز کسی عالم کو اجازت نہیں کہ اس کو جائز رکھے اور ہرگز کسی عالم نے ان ان تعینات کو جاری نہیں بلکہ ہر روز ممانعت کرتے چلے آئے ہیں۔ بزازیہ اور منہاج اور فتح القدیر اور دیگر کتب سے صاف معلوم ہوتا ہے تعینات کو منع کرتے رہے چنانچہ روایات ان کتب کی اس رسالہ میں ہی مکتوب ہیں مگر مؤلف کو فہم نہ ہو تو کیا علاج کیا جاوے؟ اور بوجہ بے رغبتی عوام کی خیرات سے ہرگز بدعت کا اجراء یا اجازت مکروہاتِ شرعیہ کی درست نہیں مؤلف اپنے بدعت کے جواز کے لئے علماء کو بدنام کرتا ہے اور مؤلف محض نابلد

قواعد شرعیہ سے ہے ایجاد بدعت کی ہرگز رغبت دلانی امر مستحب کیلئے حلال نہیں، خود فخر عالم علیہ السلام اس سے تحذیر فرما چکے ہیں بقولہٖ ایاکم ومحدثات الامور۔ اور دیگر بہت احادیث جو بدعت کی تقبیح اور امتناع میں وارد ہے اور یہ مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب فقط مستحسن اور مندوب ہے، سنت مؤکدہ نہ واجب پس ترغیب مستحب کے واسطے احداث بدعت کس عاقل متدین کا کام ہے اور کون عالم ذی فہم اس کو جائز کہہ سکتا ہے، ہاں جاہل جو چاہے کہے خود فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی سنت کی ادا سے بدعت لازم آوے تو سنت بھی ترک کر دیوے، شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے لانه اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجح علی فعل البدعة، انتہی۔ اور طریقہ محمدیہ میں ہے ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضرراً عن ترك السنة بدليل ان الفقهاء قالوا اذا تردد فی شیء بین کونه سنة وبدعة فتركه لازم واما ترك الواجب هل هو اشد من فعل البدعة او علی العكس ففيه اشتباه حيث صرح فيمن تردد بين كونه بدعةً وواجباً انه يفعله وفی الخلاصة مسئلة تدل علی خلاف الخ۔ پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً وجزماً بدعت کے اندیشہ سے سنت مؤکدہ کو ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض ترک واجب کو مرجح تبلاتے ہیں اور مؤلف کی یہ جرأت کہ امر مندوب کیواسطے علماء پر تہمت ایجاد بدعت کی لگاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے نہیں شرماتا اور پھر دیکھو کہ فقہاء تو احیاناً وقوع بدعت میں یہ حکم ترک سنت کا دیتے ہیں اور مؤلف مندوب کے احیاء کے واسطے بدعت کو طریقہ بنانا اور اجراء دوام کو کرنا جائز کہہ رہا ہے نہایت جہل مرکب ہے اور غفلت قواعد شرعیہ واحکام وضعیہ سے ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

اب دیکھو کہ جن مسائل سے مؤلف کو اپنے جہل کے سبب دھوکہ ہوا ہے وہ ہرگز بدعات نہیں کہ اس پر قیاس کر سکے۔

مثلاً قرآن شریف کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا اس وقت میں لوگوں کے دل راغب تھے، اللہ کے واسطے تعلیم کرتے تھے جب دور قرون صالحہ کا تمام ہو گیا لوگوں کے دل ویسے نہ رہے قرآن شریف کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علماء دین

رحمہم اللہ نے حکم دیا جواز کا یعنی تعلیم قرآن پر دینا اجرت کا جائز ہے اور لینا بھی جائز ہے چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں اولم یفتح لہم باب الاجر لذہب القرآن۔ اور ہدایہ میں ہے لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ۔

تحقیق مسئلہ اجرت تعلیم القرآن اور اس کو رسوم مروجہ کا مقیس علیہ نہیں بنا سکتے

قولہ قرآن شریف کی تعلیم الخ

اقول قرآن اور علم دین کے معلمین کو بیت المال سے کفاف[1] ملتا تھا، آخر وقت میں وہ بند ہوگیا اور عوام کو علم کی ایسی رغبت نہ تھی کہ معلم کے ہدیہ کی طرح خدمت گذاری کریں، تو اگر معلم للہ تعلیم کرے تو ما یحتاج[2] سے پریشان ہوتا ہے اور جو کسب معیشت میں مشغول ہو تو علم مفقود ہوتا ہے اس واسطے اجرت کی اجازت دی سو یہ بے رغبتی عوام کی وجہ سے ہوئی نہ کہ علماء کی طرف سے جیسا معلم سمجھا اور اس اجرت کی ضرورت ہوئی کہ کفاف فرض ہے سو اجرت تعلیم پر لینا بوجہ عبادت کے ممنوع تھا اب اجرت کا لینا بھی بوجہ ادائے فرض معیشت کے ضروری ہو کر ممنوع نہ رہا تو اس میں اس امر کا کہ مکروہ لغیرہ تھا جائز کر دینا ہے نہ کہ احداث بدعت کا کہ کسی حال درست نہیں، مؤلف کو کچھ بھی فہم ہوتا تو ایسے کلام بے معنی نہ کرتا اور پھر اجرت علی التعلیم مسئلۂ مجتہد فیہ ہے کہ شافعیؒ اس کو جائز فرماتے ہیں کہ اس کی اصل شرع سے ان کے نزدیک ثابت ہے تو اس کی کراہت بھی مختلف فیہ ہوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہوتا ہے پس کس قدر بے علمی ہے۔ استغفر اللہ تعالیٰ۔

اور اذان کے بعد تثویب یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تا کہ نمازی آدمی آ کر جلد جماعت میں شریک ہوں متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا چنانچہ کتاب ہدایہ میں ہے والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوٰۃ کلہا لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ یہ مسئلہ تثویب کا فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے اس قسم کی بہت نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں جو ڈھونڈیگا وہ پاویگا اور یہی معنی ہیں اس کے جو مجمع البحار اور شامی اور فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ چند کتب معتبرہ مقبولہ میں یہ بات مندرج ہے کہ

[1] وظیفہ [2] ضروریات

تحقیق مسئلہ تثویب اور مسئلہ تثویب کو رسوم سے کچھ مس نہیں | **قولہ** اور اذان کے بعد تثویب الخ۔

اقول تثویب کو جو متأخرین نے مستحسن رکھا ہے تو اس کو بدعت حسنہ کہا ہے اور معلوم ہو چکا کہ بدعت حسنہ ملحق بالسنۃ ہے اور فی الواقع وہ بدعت ہی نہیں پس اس کے احداث کے یہ معنی نہیں کہ بعد قرونِ ثلٰثہ کے کسی نے ایجاد کیا بلکہ وہ موجد اس قرون میں تھے اب اس کو رواج ہو گیا کیوں کہ بعد اذان کے قبل امامت حضرت بلال رضؓ فخر عالم علیہ السلام کو اطلاع کرتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ نے بروز جمعہ کے دوسری اذان قائم کی تھی سو تثویب فی الواقع سنت ہوئی مگر یہ اس وقت سنت تھی کہ توانی کی رافع تھی اور جب اس سے اور کاہلی بڑھی جیسے اس زمانہ میں کہ اذان کا کچھ اعتبار ہی نہیں تثویب پر طلب سمجھتے ہیں اور تثویب کے بعد قصد صلوٰۃ کا ہوتا ہے تو پھر یہ بدعت ضلالہ ہوگئی، بہر حال یہ نظیر مؤلف کی بھی لغو ہے کیونکہ کلام ایجاد و اجراء اس بدعت میں ہے کہ منصوص ہوا اور بدعتِ ضلالہ اور یہاں تثویب میں جو نظیر ہے تو اس امر کی ہے کہ اصل اس کی ثابت ہے اور سنت ہے سو اس نظیر کو یہاں لانا خود دلیل کم فہمی کی ہے۔

> كَمْ مِنْ أَحكام يختلف باختلاف الزمان یعنی بہتیرے احکام بدل جاتے ہیں زمانہ کے بدل جانے سے ۔

کم من احکام یختلف باختلاف الزمان کی تحقیق | **قولہ** کم من احکامٍ یختلف الخ۔

اقول جس حکم میں کراہت[1] یا استحباب لغیرہ ہوتا ہے اس غیر کے رفع سے حکم بدل جاتا ہے اس کو اصطلاح شرع میں ارتفاعِ حکم بارتفاع العلت[2] بولتے ہیں۔ پس وہ امور در اصل مباح ہوتے ہیں عروض کسی حکم سے وہ مکروہ یا غیر اس کے ہو جاتے ہیں اور بعد رفع اس عارض کے وہ حکم بدل جاتا ہے جیسا عورتوں کا مساجد اور عید گاہ میں حاضر ہونا کہ قرنِ فخر عالم علیہ السلام میں جائز تھا اور پھر اسی قرنِ صحابہ میں منکر ہو گیا بسبب فتنہ کے مگر بدعت کا احداث ہر گز جائز نہیں ہوتا کسی وجہ سے یہ بھی لاعلمی مؤلف کی ہے

---

[1] سستی [2] علت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم کا ختم ہو جانا۔

قواعد دینیہ سے ۔

ایک وہ وقت تھا کہ قرآن کے اندر زیر وزبر جائز مطلق وقف لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں رکھتے تھے مکروہ کہتے تھے چنانچہ متقدمین کی کتابوں میں مندرج ہے۔ اور ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا جہالت طاری ہوگئی تب علماء نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیر وزبر وغیرہ لکھنا واجب ہے، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کجا مکروہ کجا واجب ع "ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا"

قولہ ایک وقت وہ تھا کہ الخ۔ **اقول** قرآن کی حفاظت وبقاء فرض تھی پس اس کے حفظ کی یہی سبیل تھی اس واسطے ضرور ہوئی اس میں بھی کسی بدعت کا ایجاد نہیں بلکہ پہلے کراہت بسبب اس کے تھی کہ مصحف کو سب شئی غیر قرآن سے خالی رکھنا چاہئے بقول ابن مسعودؓ جردوا القرآن الخ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں کچھ اور شئی مخلوط نہ ہو جاوے ہر گاہ کہ یہ خدشہ رفع ہوگیا کہ حفظ وتسہیل تعلیم بدون ان امور کے دشوار ہوا تو حکم کراہت کا بسبب ارتفاع علت کے رفع ہوگیا اور بسبب ضرورت کے واجب ہوگیا۔ بہرحال ایجاد وبدعت یہاں بھی ہرگز نہیں کاش مؤلف کو کچھ علم ہوتا۔

اور اسی طرح مساجد کی زینت اور بلند کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے لیکن علماء بباعث مصلحت کے مستحب فرماتے ہیں، چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے اپنے گھر بہت عمدہ بنانے لگے اب مسجد کو کچی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنادیں گے اور بہتیرے گھر کافروں کے بھی اس کے پاس بلند ہوتے ہیں تو البتہ مسجد نظروں میں حقیر ٹھیرےگی م انتہی کلامہ۔ مجموع ان امثال وروایات سے معلوم ہوا کہ اگر زمان ومکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں بباعث کسی مصلحت کے کسی قسم کی تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہے۔

تزئین مساجد اور بیان اس کا کہ ان مسائل پر رسوم مروجہ کو قیاس نہیں کر سکتے

قولہ اور اسی طرح مساجد کی زینت الخ۔
اقول اس رائے پر زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین[1] اسلام کے ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے اس میں بھی کوئی ایجاد بدعت کا نہیں مگر ایصالِ ثواب مستحب ہے اس کے رفع سے کوئی اسلام و دین میں نقصان نہ تھا اور تعین مطلق کی اور تحدید اوقات غیر محدودہ کی تعدی حدود اللہ تعالیٰ ہے اور بدعت ضلالہ ہے اقامتِ مندوب کیو اسطے یہ ہرگز حلال نہیں کاش مؤلف کو کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسے نااہل کلام نہ کرتا۔ اور مؤلف مولوی عبد الخالق پر کثرت بروج جو ایک زینت کی ہیئت ہے طعن کرتا تھا اب بوجہ ضرورت وہی امور جائز ہو گئے مگر درست ہے کہ یہ مخالفت بسبب تبدل وقت کے سرزد ہوئی ہے وہاں مؤلف کو اعتراض کی ضرورت تھی یہاں جواز کی حاجت ہو گئی یہ سبب تھا فتنہ اقوال[2] کا ہوا کہ مؤلف کو شرم نہ ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب رسالۂ انتباہ کے شروع میں فرماتے ہیں " اگرچہ اوائل امت را باواخر امت در بعض امور اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور صحیح است در اختلاف صور را اثرے نیست ، انتہیٰ کلامہ تلخیصا " ان عبارتوں سے یہ فائدہ نہایت اہتمام سے محفوظ رکھنے کے قابل ہوا کہ اگر علماء متاخرین میں کسی قسم کا تعین مخالف وضع علماء متقدمین کے پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کیا جاوے اس لئے کہ مصلحت زمانہ متقدمین میں وہ تھی جو انہوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں بباعث تغیر اوضاع و طبائع امت کی دوسری طرح پر استحسان ظاہر ہوا در حقیقت یہ اختلاف نہیں کہ دونوں فرقہ متقدمہ و متاخرہ اصلاح دین پر متفق ہیں اُن کے وقت میں اصلاح اسمیں تھی ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح چنانچہ یہی وجہ مولوی اسمٰعیل کے مرشدِ برحق سید احمد صاحب کو پیش آئی کہ صراط مستقیم میں انہوں نے ایک باب جدا واسطے بتجدید اشغال کے مقرر کیا، صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں مصلحتِ وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود ، انتہیٰ " اور اسی کتاب کے آخر میں مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے پیر کا حال

[1] شعار [2] بکواس

لکھتے ہیں " بعد ازاں در تلقین تعلیم طریقہ چشتیہ بازدی ہمت کشادند و تجدید اشتغالیکہ ایں کتاب مستطاب برآں محتوی گردد فرمودند ، انتہی کلامہ ،، یہ عاجز مؤلف اس انوار ساطعہ کا کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ ثانی الحال الزام دیا جاوے بلکہ جو کچھ خلاصۂ کلام ہے وہ عطر چھانٹا ہوا انہیں حضرات مانعین کی مسلم الثبوت کتابوں سے ہے ، جب یہ مسئلہ محقق ہوگیا تو سمجھنا چاہئے کہ صحابہ سابقین بالخیرات تھے ان کے لئے تعین زمان ایصال ثواب وغیرہ کے لئے کچھ حاجت نہ تھی بلکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر خیرات اپنے اقرباء کی کیا کرتے تھے چنانچہ قصہ سعدؓ کا گذرا اب اگر کسی کو ثواب کا راستہ بتاتے ہیں تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے ، غرض کہ لوگوں میں سستی واقع ہوئی تب فرق پڑنے لگا خیرات میں اور موتیٰ کا حال دیکھا تو وہی جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا ہے کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑے ، کوئی رسی کوئی چیز آجاوے کہ اس کو پکڑ کے بچ جاؤں اسی طرح میت آسرا کرتا ہے اپنے زندہ اقرباء کا اور اقرباء کا یہ حال ہوگیا کہ ان کے حق فراموش کرنے لگے تب کھڑے ہوگئے بزرگان دین تعیین ایام پر اور معین کیا اس کو متفرق وقتوں پر مثلاً دسواں ، بیسواں وغیرہ معین کر دیا ، تاکہ وارثوں کو بھی بتدریج انتظام سہل ہو اور موتیٰ کو یہ فائدہ ہو کہ مدد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کچھ آج فائدہ پہنچا کچھ پھر اس کے بعد ، کچھ پھر اس کے بعد اور یہ بڑا فائدہ ہے کہ تعین کے سبب یاد رہتا ہے آدمیوں کو اور خیال دل پر چڑھا رہتا ہے چنانچہ جو لوگ مصلحتِ تعین کے پابند ہیں ان کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر ہو جاتی ہے اور طرف ثانی جو بعضے وقت ان لوگوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اس تعین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا اس میں ان کو نمود منظور ہوتی ہے سو یہ کہنا ان کا صحیح نہیں اس لئے کہ ہر کوئی نموداری کے واسطے نہیں کرتا اور اگر کوئی نمود کے واسطے کرتا ہوگا تو اس کو ہم بھی منع نہ کریں گے اگر اس کے حق میں نمود ہے تو کسی غریب کا ایک وقت پیٹ بھریگا یہ تو کام اچھا ہے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ ریاء اور نموداری کے واسطے کیا کریں حاشا وکلا عمل وہی بہتر ہوتا ہے جو اخلاص سے ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمود کے طور پر عمل کیا اس کے سبب سے منکرین سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں ، ان کے جواب میں بطریق ولو سلمنا کہا جاتا ہے

کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لا یترک
العمل لاجل الریاء یقال فی المثل ان الدنیا خربت منذ مات المرائن لانھم کانون یعملون
الاعمال البر مثل الرباطات والقناطیر والمساجد فکان للناس فیہا منفعۃ وان
کانت للریاء فربما ینفعہ دعاء احد من المسلمین یعنی عمل خیر کو ریاء کے سبب چھوڑنا
چاہیئے کہتے ہیں جب سے نمود داری کے کام کرنے والے مر گئے ہیں دنیا اجڑ گئی اس لئے کہ وہ بھلے
کام کرتے تھے سرائے، پل، مسجدیں بنواتے تھے لوگوں کا اس میں بھلا تھا اگرچہ کام ریا
کا اس کرنے والے کو نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی مسلمان اس ریاء کی چیز سے نفع پاکر دعاء
دیتا ہے تو اس کو اسی دعاء سے نفع ہو جاتا ہے، انتہیٰ۔ غرض کہ فعل خیر کا نتیجہ خیر ہو جاتا
ہے، اب حاصل بیان پر آویں کہ جب بباعث بے رغبتی اور سستی آدمیوں کے تعین کی حاجت
ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحا سالیانہ کا یعنی برسویں دن ٹھیرا اور ایک نصف اس کا یعنی
ششماہی پھر اس کا نصف یعنی سہ ماہی پھر اس کا نصف یعنی پینتالیس دن، لیکن چونکہ اکثر
امور میں عدد چلّہ کا اختیار کیا گیا ہے اس لئے پینتالیس میں سے پانچ کم کرکے چالیسواں دن
کر دیا گیا اور عدد چہل کی شمار جو شرع میں وارد ہے اس کے چند مقامات ذکر کئے جاتے
ہیں۔ اول جب خمیر حضرت آدمؑ کا ہوا چالیس برس تک وہ خمیر اسی حالت میں پڑا رہا پھر
اس کا سڑنا شروع ہوا تو چالیس برس تک وہ سڑا جس طرح گارا لیپنے مکانات کا سڑایا جاتا
ہے پھر خشک ہونا شروع ہوا تو چالیس برس میں خشک ہوا جس طرح وہ ٹھیکرا مٹی کا بجانے
سے ٹن ٹن بجتا ہے بجنے لگا، اسی طرح آدمی کی پیدائش میں بھی چالیس دن وہ نطفہ
رہتا ہے اور پھر چالیس دن خون بستہ اور پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں
بن جاتی ہیں۔ غرضیکہ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس دن میں حال بدل جاتا ہے، اسی غرض سے
صوفیاء کرام نے عدد چلّہ اپنی ریاضتوں میں مقرر کیا کہ اتنے دنوں کی ریاضت میں حالتِ
نفس بدل جاوے گی، اور حدیث میں آیا جو چالیس دن اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھیگا
اس کے دل میں سے چشمے رحمت کے پھوٹ کر زبان سے جاری ہوں گے، یہ حدیث تفسیر
عزیزی میں ہے اور نقل کیا امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہ جو کوئی چالیس دن تکبیر اولیٰ

امام کے ساتھ پاویگا اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بَری کردیگا، ایک نفاق سے دوسرے عذاب نار سے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ چالیس رات اعتکاف کرو اس وقت ہم تم کو شریعت یعنی توریت عنایت کریں گے اتنے دنوں میں حالات نفس و قلب وغیرہ بدلجاویں گے، قال تعالیٰ واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃً۔ اور بیہقی نے حضرت انسؓ سے بابت ارواح انبیا علیہم السلام کے یہ روایت کی ہے ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور معنی اس حدیث کے زرقانی نے یہ لکھے ہیں کہ چالیس روز تک اس جسدِ مدفون فی القبر سے روح بہت پیوستہ رہتی ہے بعدازاں وہ روح قربِ الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور متشکل بشکل جسد ہوکر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے، انتہیٰ؛ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے یہ حدیث شاید کہیں آئی ہوگی ارواح انبیاءؑ کی بہ نسبت تو وہ حدیث بیہقی کی دیکھی عام ارواح کی نسبت نظر سے نہیں گذری لیکن ہم لوگ بہ نسبت علماء سابقین کے کم مایہ اور سامان کتب علم کا قلیل ہماری نظر سے نہ گذرنا دلیل اس کی نہیں کہ درحقیقت یہ حدیث آئی نہیں، البتہ ہم نے دقائق الاخبار میں جو امام غزالیؒ کی طرف منسوب ہے یہ حدیث تو دیکھی ہے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا مات المومن یدور روحہ حول دارہ شھراً یعنی جب مرجاتا ہے مومن پھرتی ہے روح اسکی گھر کے اردگرد ایک مہینے وینظر الی ماخلفہ من مالہ کیف یقسم مالہ وکیف یودی دَینہٗ یعنی دیکھتی ہے وہ روح کس طرح تقسیم ہوتا ہے مال اس کا کس طرح ادا کیا جاتا ہے قرض اسکا فاذا تم شھرا ینظر الی جسدہ ویدور حول قبرہ سنۃً فینظر مَن یدعولہ ومن یعزن علیہ جب مہینہ پورا ہوتا ہے دیکھتی ہے اپنے بدن کو اور پھرتی ہے گرد قبر کے ایک برس تک دیکھتی ہے کون میرے لئے دعا کرتا ہے کس کو میرا غم ہے فاذا تمت سنۃً رفعت روحہ الی حیث یجتمع فی الارواح الی یوم ینفخ فی الصور یعنی جب پورا برس ہوجاتا ہے اٹھائی جاتی ہے روح جس جگہ دوسری روحیں جمع ہوں وہ وہاں رہتی ہے قیامت تک، انتہیٰ۔

لیکن یہ یاد رہے کہ روحیں انبیاءؑ اور مومنین کی کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے سب کو ایسا

علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود رہیں یہ اتفاق ہے اہل سنت والجماعت کا، گفتگو
مسلسل کہیں سے کہیں پہونچی، کلام اس میں تھا کہ عدد چالیس کا اکثر مقامات میں آیا ہے
اور اس عدد میں یہ دلالت کل مقامات میں پائی گئی کہ پچھلا حال بدل جاتا ہے۔ چنانچہ خمیر آدمؑ
اور خمیر نطفۂ انسانی اور چلہ صوفیہ وغیرہ امثلۂ مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہے پس لابد ہے کہ چالیس
روز میں میت کی بھی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں جو دنیا کے ساتھ ہے کچھ فرق وتغیر ہوا ہوگا،
جیسا کہ ارواح انبیاءؑ میں صریح وارد ہوا ہے پس اس تغیر کے وقت بھی امداد شائستہ کا دستور ٹھیر گیا
فاتحۂ چہلم کو مقرر کیا گیا پھر وہی قاعدہ تنفیف کا جو سالیانہ سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی
میں جاری کیا گیا چہلم میں کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسویں کا نصف دسواں غرض
کہ اسی دستور پر قاعدہ فاتحات کا ٹھیر گیا، اور حاشیۂ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں اس
عاجز کی نظر سے یہ روایت مجمع الروایات سے گذری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت امیر حمزہؓ کے لئے تیسرے دن اور دسویں دن اور چالیسویں روز اور چھٹے مہینے اور برسویں
دن صدقہ دیا، اگر یہ حدیث کسی قدر قابلِ اعتماد ہے یہ سمجھیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت ہوگئیں، یہ مجموع الروایات پرانی کتاب سیکڑوں برس کی ہے، خزانۃ الروایات میں بھی
اس مجموع الروایات سے بعضے مسائل اخذ کئے ہیں پس یہ جو قدیم الایام سے بزرگان دین
میں تعین فاتحات سے متفرق ایام میں ایک امر متوارث چلا آتا ہے بلاشبہ یا تو اس حدیث
یا کسی اور حدیث سے انہوں نے استخراج کیا ہوگا یا بناء بر مصلحت یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا
بہرکیف اگر انہوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے، حدیث شریف میں آیا ہے مَن
سَنَّ فی الاسلام سنۃً حسنۃً فلہٗ اجرہا. علامہ شامیؒ نے درِّ مختار میں اس حدیث
کے معنی لکھے ہیں، یعنی جو کوئی دین میں نیا طریقہ نیک نکالے گا اس کو اس کا اجر اور ثواب
ملیگا۔ واضح ہو کہ امرِ دین میں جو طریقہ نیک ایجاد ہو اور مخالف قرآن وحدیث کے نہ ہو
درست ہے، نماز کی نیت زبان سے کرنے کو جو ایجادِ علماء ہے اور درمختار اور اس کے شارح
شامی نے اس کو سنت العلماء قرار دی ہے اور جائز لکھی ہے اس کی بحث سابق میں گذر چکی
اور معلوم رہے کہ یہ بھی ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالح کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ

کریں بلکہ اس کا اتباع کریں یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر دور والا اپنے پہلے دور کی
چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی کتاب المیزان میں لکھتے ہیں فکما ان الشارع بیّن لنا
السنۃ ما اَجملَ فی القرآن فکذٰلک الائمۃ المجتہدون بیّنوا لنا ما اجمل فی احادیث
الشریعۃ ولولا بیانہم لنا ذٰلک لبقیت الشریعۃ علیٰ اجمالہا وھٰکذا القول فی اھل
کل دور بالنسبۃ للدور الذی قبلھم الیٰ یوم القیٰمۃ فان الاجمال لم یزل ساریا
فی کلام علماء الامۃ الیٰ یوم القیٰمۃ ولولا ذٰلک ما شرحتِ الکتبُ ولا عمل فی الشروح
حواشی، انتہیٰ۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کی گفتگو بھی قریب قریب اس کے ہے
کہ شروع پارہ سیقول میں فرماتے ہیں " پیغمبر برکمالِ شما گواہی دہد و شما برکمالِ تابعین ھلمّ
جرّاً الیٰ یومنا ھٰذا پس صدر اول ایں امت مرتبہ متوسطہ دارند درمیان نبوت و امت محض
کہ من وجہ کار پیغمبری می کنند و من وجہ کار امتثال وھٰکذا الیٰ یوم القیٰمۃ فی کل طبقۃ
متقدمۃ بالنسبۃ الی الطبقۃ المتاخرۃ، انتہیٰ۔ اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کا
ایک کلام جامع بظاہر مختصر اور فی الواقع اس میں یہ سب تفصیلات مروجہ اہلِ اسلام داخل ہیں
لکھتے ہیں، اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں ہیں۔ تفسیر پارہ عم والقمر و
اذا اتسق کی تفسیر میں لکھتے ہیں، بطور خلاصہ ان کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتا ہوں " اوّل
حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن
و دیگر معروفان از ابنای جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں
طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگاں بمردگاں دریں حالت زودتر می رسد مردگاں منتظر
الحقوق مدد ازیں طرف می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار می آید و ازیں
است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش
تمام می نمایند، انتہیٰ " جس کا دل چاہے تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھے یہ مضمون
مع بعض مضامینِ زائد اس میں پاویگا۔ اب اربابِ انصاف جانب داری کو برطرف کرکے
خیال فرماویں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ان ایام مروجہ کی امداد طعام وغیرہ کے
لیے کیا علت صحیح شرعی پیدا کی کہ مردہ کا دل ان ایام میں کچھ ادھر ہوتا ہے کچھ ادھر اور

زندوں کی مدد ان ایام میں جلد پہنچتی ہے، پھر اس علتِ صحیحہ پر مرتب کیا یہ حکم کہ اسی سبب سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنی اموات کی ایک برس تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کرتے رہیں۔ دیکھئے برس دن تک کی امداد میں یہ رسمیں سب مروجہ اہلِ اسلام یعنی سیوم و دہم و بستم و چہلم و ششماہی و سالینہ سب داخل ہیں پھر شاہ صاحب نے اس رواج اسلامی کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی، یعنی اپنے مدعٰی پر اس مروّجہ کو دلیل لائے پس بطور لانا شاہ صاحب کا اس امر معین مقررہ رواجی کو اور نہ رد کرنا اس کو کسی وجہ سے دلیل صریح اس پر ہے کہ یہ فعل عام طور پر طوائف بنی آدم میں رائج ہے حق اور صحیح ہے لمعۂ سادسہ اور رباب اموات نصیحت جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاوے تو چاہیئے کہ صبر کرے اس کی موت پر تاکہ مستحقِ اجر و ثواب ہو، طبرانی اور ابن مندہ نے ایک حدیث طویل بیان کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ ملک الموت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے لواحق رونے لگتے ہیں میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہوں اس روح کو لئے ہوئے اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو! قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا ہے وقت سے پہلے جلدی نہیں اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو ثواب پاؤ گے، برا مانو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے اور ہم کو تمہاری طرف پھر آنا ہے ہشیار ہو الخ۔ **نصیحت** آدمی کو چاہیئے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے درجہ میں کوئی اور بھی ہوگا فرمایا ہاں جو کوئی موت کو بیس مرتبہ ہر روز یاد کیا کریگا۔ **نصیحت** آدمی کو چاہیئے کہ موت کے لئے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہو اور جو کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کاغذ میں لکھ دے اس لئے کہ کیا خبر ہے موت اس کی کس وقت آجاوے اور مرتے وقت زبان سے وصیت نکلے یا نہ نکلے اس کاغذ کو دیکھ کر وارثان میت تعمیل کردیں گے۔ **نصیحت**: جب کوئی آدمی مر جاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز قریب اپنے مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ محدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا طعام اگر اس مال میں صرف کرنے لگیں تو

اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے وارثوں کا ہو جاتا ہے پس اگر وارث بالغ ہوں تو وہ مال ان کا ہو گیا، اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دیدی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکۂ میت سب ان کی ملک ہو گیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں نہ کھانا نہ کپڑا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیریہ جلد خامس میں ہے وان اتخذ واطعامًا للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثة بالغین فان کان فی الورثة صغیر لم یتخذوا ذلك من الترکة۔ کذا فی التاتارخانیة۔ اور یہ حکم کچھ طعام فاتحہ کیواسطے ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا طعام یا نقد نہ مسجد میں دیجاوے نہ کسی مدرسہ میں نہ کسی فقیر کو نہ عالم کو ہاں البتہ اگر موافق قاعدۂ شریعت کے تقسیم واقع ہو جاوے اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دیکر ورثۂ بالغین اپنے حصہ سے خرچ کر دیویں یا عورت اپنے مہر کے دعویٰ میں وارث ہو کر اپنے حصۂ مملوکہ سے صرف کر دیوے یہ جائز ہے خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلاویں یہ مسئلہ بہت ضروری اہتمام سے یاد رکھنے کا ہے۔ **نصیحت**، جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلاوے نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لئے نہ کرے حدیث شریف میں آیا ہے من سمع سمع اللّٰہ یعنی جو کوئی سنوادے لوگوں کو اپنی تعریف سخاوت اور داد و دہش کی یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے اللّٰہ تعالیٰ اس آدمی کو ذلیل کریگا سب کے سامنے پس اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچانا تو کیا ممکن وہ شخص خود عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوگا وہی مثل ہو جاویگی "محنت برباد گناہ لازم" اور کھانے والوں کو بھی چاہئے، اگر یہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں کھانا فخریہ کرتا ہے فلاں شخص نے کیا کھانا کیا میں اس سے بڑھ کر کرتا ہوں تو ایسی دعوت قبول نہ کریں خواہ وہ کھانا غمی اور ماتم کا ہووے یا شادی اور خوشی کا۔ امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کو کھانا زیادہ کرے

اگر وہ دعوت کریں تو قبول نہ کیجاوے انکی دعوت اور نہ کھایا جاوے ان کا کھانا، کذافی المشکوٰۃ۔

نصیحت، یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ قرضدار آدمی کو صدقات کا کرنا خواہ اپنے لئے کرے خواہ میت کے لئے شرع میں مستحسن نہیں۔ صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں لکھتے ہیں خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی پھر دو سطر کے بعد لکھتے ہیں ولا صدقۃ کاملۃ عن ظہر غنی وھو رد علیہ الی الشیئ المتصدق بہ غیر مقبول لان قضاء الدین واجب پس معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں علی الخصوص جبکہ قرض سود دیکر بہم پہنچاوے یہ نہایت قبیح وشنیع ہے، ایسا آدمی محض الحمد اور سورتیں پڑھ کر بخشدیا کرے۔

نصیحت اگر وارثان میت بشروط مذکورہ کھانا کھلادیں تو مناسب یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں اور ہمسایوں اور اہلِ محلہ کو مقدم رکھیں، فقہا، باب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں لاتقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویہ حتی یبدأ بھم فیسد حاجتہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثل مشہور "اول خویش بعدہ درویش" اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفا میں جو رواج ہے کہ برادری کے آدمی بھی کھانا میت کا فاتحہ، چہلم و بستم وغیرہ میں کھاتے ہیں وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار اور ہمسایہ اور اہلِ محلہ مقدم ہیں دوسرے آدمیوں پر، اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفا میں فراغت اور وسعت کم ہے اکثر لوگ غریب ہیں وہ آدمی کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو یا یہ کہ اپنے مکان اور نفقہ اہل و عیال سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت زائد فاضل رہے ایسے آدمی کم ہیں، بہت ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے، پس شریعت میں ایسے آدمی داخلِ فقرا ہیں بناء علیہ بزرگوں نے ان کو کھلانا بہ نسبت اور سائلوں کو چہ گرد کے مقدم سمجھا کہ حقِ ہمسائگی اور محلہ داری اور قرابت بھی ادا ہوجاوے اور ہر چیز اپنے موقعہ پر بھی صرف ہوجاوے پس اگر یہی نیت اب بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر اہلِ محلہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلاویں کہ آج میں اس کو کھلادوں تو کل یہ مجھکو کھلاویگا اس صورت میں ثواب نہ وارد ہوگا اس لئے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں فلیکن ھٰذا آخر ما اردنا یرادہ فی ھٰذا الباب واللہ ھو الہادی للصدق والصواب۔

قولہ رسالہ انتباہ کے شروع میں الخ۔

مطلب عبارت شاہ ولی اللہ صاحب دربارۂ جدید اشغال و بیان امر اس کا کہ تجدید اشغال مقیس علیہ رسوم مروجہ کا نہیں بن سکتے۔

اقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ طرز اشغال گو متقدمین سے لیکر آج تک بدلتے چلے آرہے ہیں اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے لہذا تسلسل میں فرق نہیں آیا پس وہ سب طرز اشغال اور کیفیت مسنونہ طریقہ تھا اس میں کوئی تعین و تجدید بدعت نہ تھی سو اس سے حجت لانا نہایت بُعد ہے فہم مطلب شاہ صاحب سے معاذ اللہ وہ تعین کہ بدعت ہو ہرگز مراد نہیں اور نہ کسی اہل دین سے اس کی اجازت ممکن ہے مگر مؤلف کے فہم کا تقاصر ہے پس یہ قاعدہ خوب محفوظ رہے کہ اگر کوئی تجدید و تعیین وضع سنت ہی میں واقع ہوئے جائز ہے اور جو تجدید حادث ہو جاویگی جس کو شرع میں بدعت کہتے ہیں وہ ہرگز درست نہ ہو دیگی اگرچہ کوئی کرے صراط مستقیم کے اشغال کی تجدید بھی اس ہی قسم کی سنت تھی کہ پہلے اشغال بھی مسنونہ تھے اور اب بھی بطرز مسنونہ ہی ہیں، پس مؤلف انوار ساطعہ کا ہر چند اقوال پہلوں کے نقل کرتا ہے مگر بالکل بے معنی و بے محل بلا فہم لکھتا ہے کہ ہرگز مطلب نہیں سمجھتا محض ناواقف ہے اور اس کی یہ سب کلام لایعنی لغو ہے اور اپنے جہل مرکب کا عطر نکال کر خلق کو فتن ضلالت میں ڈالتا ہے حق تعالیٰ اس کو فہم دیوے تاکہ صورت ہدایت کی دیکھے۔

قولہ جب یہ مسئلہ محقق ہو گیا الخ۔ **اقول** اب یہاں سے مؤلف نے اپنی عقل خام کی تقریر نا تمام شروع کی ہے، اس کے فقرہ فقرہ کے ابطال میں عبث دردسری اور وقت ضائع کرنا ہے کیونکہ اثبات مدعیٰ شرعی کا دلیل شرعی سے ہوتا ہے نہ کہ ہر کلام لاغی۔ سے سو جو رعایات و عبارات مؤلف نے اپنے اس رسالہ میں معتبرین سے نقل کی ہیں اپنے زعم میں اپنے معین مدعیٰ جان کر تو اس کا رد ہو چکا۔

رسوم مروجہ میں مؤلف کے قیاسات لایعنی سب مطرود مردود ہیں اور عبارات سلف سے بالکل اس کا جواز ثابت نہیں

اور یہ کلام بے سروپا نتیجہ ذکر مؤلف کا ہے مسائل شرعیہ ایسے کلمات فضول سے ثابت نہیں ہوتے اس کا جواب بالفعل فضول ہے، یہ امر محقق ہے کہ نص و فقہاء کے مقابلہ میں ایسی عقلیات زٹل

۱؎ مصروفیت، ۲؎ دوری ۳؎ کوتاہی۔

نا بل التفات نہیں اور بدعت کا ایجاد ایسے متوہمات ہزلیات سے درست نہیں فقیہ ابواللیث رح کا مدعیٰ اس عبارت سے یہ ہے کہ اگر کوئی عمل صالح کرتا ہو اور اس کو اندیشہ ریا، کا ہو تو تاہم ترک کرے کہ اگر کچھ ریاء سے ہو جاویگا تو وہ خالی نفع سے نہ ہوگا مؤلف نہیں سمجھا اور یہ تجویز اپنے دل سے کرلیا کہ مراد یہ ہے کہ عمل ریاء سے بھی کرلیا کرے تو فائدہ سے خالی نہیں معاذ اللہ الرّیاءُ شرکٌ[1] وارد ہے، اس کی اجازت مؤلف ہی کا کام ہے نہ کہ ابواللیث رح کا اور فرق ہے اس میں کہ خالصًا لوجہ اللہ شروع کرے اور ریاء کا اندیشہ وخطرہ ڈال کر شیطان ترک کرانا چاہے تو اس کو کیئے جاوے چھوڑے اور اس میں کہ ریاء ہی سے شروع کرے، سو فقیہ نے قسم اول کو کہا ہے کہ خدشۂ ریاء کے خطرہ سے ترک نہ کرنا چاہیئے اور پھر نظیر[2] دیدی کہ آخر امراؤں کے کام میں بھی خلق کو نفع ہوا مؤلف کو فہم مراد سے کام ہوتا ہی نہیں اپنے فہم پر بنا رباندھ کر خوش ہونے لگتا ہے اور تقریر مسلسل جان کر تبختر کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اہل فہم کے نزدیک مضحکہ بنتا ہے، بہر حال ایصالِ ثواب تا یکسال اور جب تک چاہے جائز اور یہ تعینات بدعت ہیں چنانچہ سب کچھ لکھا گیا اور اس کی تقریر مسلسل لاجواب ضرور نہیں کہ خود مثل ہے علی المعۂ سادسہ نصائح کا کہ اس میں کوئی بات بیہودہ نہیں لکھی جو کچھ اشارہ جوازِ دہم چہلم وغیرہ کا کیا ہے وہ صراحۃً رد ہی ہو چکا زیادہ کچھ حاجت نہیں، مگر ہاں اس تقریر مسلسل میں اتنا غور کرلینا ضروری ہے کہ جو کچھ مؤلف نے اس عبارت طویل میں لکھا ہے یہ ہے کہ عدد اربعین[3] کو تبدلِ حال میں ایک مناسبت ہے پس اس میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ایصال ثواب بعد تبدلِ حال کے یا وقت تبدل حال کے مناسب ہے یا اس زمانہ تعلق میت میں پس ہر عاقل کہیگا کہ جس وقت میت کو علاقہ اس طرف ہے اس وقت امداد صدقہ سے چاہیئے اور جب تبدیل ہونے کا دن ہے تو چنداں مفید نہ ہو ویگا گو فائدہ سے خالی نہیں۔ علیٰ ہذا سال کے تعلق کا جواب ہے اور تنصیفات سال اور چہل یوم کی محض بیکار ہیں ان کی کوئی دلیل عقلی بھی مؤلف کو نہ ملی اور جو کچھ مجموعہ روایت چہلم حضرت حمزہ رض میں نقل کی ہے وہ باطل لا اصل لہ ہے اور سلف کا اتباع اور عدم اعتراض جب ہی واجب ہے کہ حسب قواعدِ شرعیہ کے ہو اگر کسی سلف سے ایجاد بدعت کا ہوا ہو وہ ہر روز قابل رد کے ہے۔ چنانچہ صلوٰۃ رغائب کا رد کرنا اور دیگر امور بدعیہ کا خود کتب میں درج ہے کہ علماءِ خلف نے زمانہ

---

[1] ریاء شرک ہے [2] مثال [3] چالیس

سلف کے ایجادات کو رد کیا ہے علما سلف تو بری ہیں ایسی حرکات سے عوام اس زمانہ کے ایجاد کر کے باعثِ فتنہ ہوئے ہیں سو علما خلف کو ہر روز اس کو رد کرنا لازم رہا اور اب بھی یہی واجب ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے کلام سے بھی سال بھر تک ایصال معلوم ہوتا ہے اس کا کوئی منکر نہیں تعینات ایام میں کلام ہے سو وہ بدعت ہے اور بس للہ تعالیٰ کہ باذنہ تعالیٰ براہانِ ثالث نے کشفِ تدلیسات[1] نورِ ثالث کا کر کے اخماد[2] اس کا کر دیا اور انظلام[3] بدع مندرجہ اس کا ہے پر واضح ہو گیا۔

نورِ چہارم میں آٹھ لمعے ہیں۔
لمعۂ اولیٰ اثبات محفلِ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

قولہ نورِ چہارم میں آٹھ لمعے ہیں۔ لمعۂ اولیٰ اثباتِ محفلِ مولود الخ۔

اقول یہ نور اصل مقصودِ تالیف اس رسالہ کا ہے اور مرادِ خاص اور مطلوبِ اعلیٰ مؤلف کا یہی نور ہے پہلے دو نور اس کی ہی تمہید اور اس کی تحقیق کیواسطے تھے اور نورِ ثالث میں بھی اس کا ہی اثبات مدِ نظر اصلی تھا پس مایۂ علم و عمل سرمایۂ تمام عمر و سعی غایتِ قصوائے مؤلف کا یہی ہے، چونکہ مؤلف نے اپنے نزدیک کوئی تحقیق نہیں کہ اس میں نہ لکھی اور کوئی اعتراض نہیں جو اس میں اس کا جواب نہ لکھا ہو اور فتوی جو ورقہ جو تھا اس کو مؤلف نے سب اس رسالہ میں نقل کر دیا ہے مگر دوسرا فتوی جس کو مؤلف نے چوبیس صفحہ نام رکھا ہے اس میں درج نہیں کیا مگر اس کی عبارات پر جواب و اعتراض ہیں لہٰذا مناسب یہ جانا کہ اول ان فتاوی کو بھی نقل کر دیا جاوے تاکہ ناظر اس کو دیکھ کر اعتراض و جواب مؤلف کا خوب سمجھ لیوے اور پھر اس کی رد کی کیفیت سے مطلع ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ **سوال** مجلس میلاد شریف بکدام طریق جائز است و بکدام صورت ناجائز، بلا روی و ریا بیان باید کرد۔ **جواب** ذکرِ ولادت شریف پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بروایتِ صحیحہ در اوقاتیکہ از وظائف واجبہ خالی باشد

---

[1] فریب [2] بجھا دینا ٹھنڈا کر دینا [3] تاریکی

بکیفاتیکہ خلاف طریقہ صحابہؓ و اہل قرون ثلاثہ نباشد و بہ قاعدۂ کہ توہم شرک و بدعت را دراں گنجائش نباشد و باآوابیکہ مخالف سیرۃ صحابہؓ کہ از مصداق ماآنا علیہ واصحابیؓ بیروں نہ رود و بمجلسے کہ خالی باشد از مکروہاتِ شرعیہ باعثِ خیر موجب برکت است بشرطیکہ بصدق نیت اخلاص باشد و در عقیدہ از جملہ اذکار حسنہ مندوبہ غیر مقید بوقت من الاوقات باشد پس کس را از اہلِ اسلام نمی دانم کہ ایں چنیں ذکر را غیر مشروع و یا بدعت پندارد واللہ تعالیٰ اعلم، آرے بعض اوقات التزام بعض امر مستحب چناں کردہ می شود کہ عملاً بصورتِ واجب می نماید و بایں ہمہ اگر اعتقاد فاعلش بوجوب آں نیست در حق او بدعت نہ خواہد شد لیکن ہر گاہ کہ ایں چنیں امر بوجہ اصرار و تکرار بار بار باعثِ لزوم در اعتقام عوام می گردد پس اکنوں ترک آں مستحب است چہ جائیکہ اکثر عوام و بعض علماء علوم الدنیا کہ از حقیقت سنت و بدعت حظے وافر ندارند آں مستحب را مثل واجب در عمل آرند بلکہ تارکش زود اعتقاد بدتر ازاں شمارند کہ تارک جماعت صلوٰۃ باشد و پس و پیش یلو ملوم و مذموم شرعی دانند دریں وقت لازم است کہ ایں مستحب را ترک کنند بجائے آں بدیگر وظیفہ مستحبہ و عملے از اعمالِ شرعیہ و بہ مثل صلوٰۃ و سلام بر نبی علیہ السلام و تسبیح و تقدیس و تہلیل وغیرہ از نوافلِ صلوٰۃ و صوم و اذکار بخلوت مشغول شوند چنانچہ در حدیثِ صحیحین وغیرہ از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ از اجلۂ صحابہ و ملازم صحبت و خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در حضر و سفر و پیشوائے قراء صحابہؓ کبارؓ اند و در مذہب حنفیہ استدلال بقول و فعل او شاں اکثر ست مرویست لایجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یری ان حقا علیہ ان لاینصرف الا عن یمینہ لقد رأیتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ متفق علیہ اوردہٗ فی المشکوٰۃ فی باب الدعاء فی التشہد قال صاحب المجمع فی صفحۃ ۲۴۴ واستنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروھًا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ، قال الطیبی شارح المشکوٰۃ فی شرح الحدیث المذکور ان من اصرّ علیٰ امر مندوب وجعل عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف مَن اصرّ علیٰ بدعۃٍ او منکرٍ، انتہیٰ۔ یعنی فعل مستحب را واجب دانستن بدعتِ سیئہ است و اگر لازم بجا آوردن مستحب در عقیدۂ

عوام وجوب متصور گردد ترکِ آں مستحب است و ایں ہمہ در صورتیکہ کدام تقیید غیر مشروعہ یعنی قیدیکہ از طرفِ شارع مقید بآں نباشد زائد کردہ نہ شود واگر زائد کردہ شود یعنی مطلق را مقید کردہ آید یا مقید را مطلق کنند یا چیزیکہ بالائی حدیکہ در شرع ثابت نہ گشتہ افزوں نمایند گو زیادہ فی نفسہ مستحب باشد یا مباح ایں ہم از بدعات است چنانچہ در مشکوٰۃ فی باب العطاس آوردہ عن نافع ان رجلاً عطس الیٰ جنب ابن عمر قال الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ قال ابن عمر وانا اقول الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علیٰ کل حال، رواہ الترمذی پس کلمہ والسلام علیٰ رسول اللہ ہمجملہ مستحبات مقصودہ واعمال فاضلہ ہست لیکن چونکہ با وظیفہ عطس زائد کرد عبد اللہ ابن عمر برآں انکار کرد پس انعقاد مجلس میلاد بایں ہیئتِ کذائیہ متعارفہ اعنی حاضر آوردن شیرینی وارتکاب تکلفات از فرش وبساط چراغ وقنادیل وغیرہ آلاتِ روشنئ زائد علی الحاجۃ واجتماع صغار وکبار بلکہ زنان وامارد وخواندن اشعار بسرود وتغنی و روایتہائے بے اصل موضوعہ ومبالغہ در جہر وقت خواندن صلوٰۃ وتسلیم وتداعی ہر کس وناکس بلباسہائے غیر مشروعہ وریشہائے بے محلوقہ وبایں ہمہ منکرات آں را مجلسِ رسول نام نہادن بلکہ محفل نزول روحِ پُرفتوح حضرت علیہ السلام پنداشتن مشابہت حرکات ناشائستہ (فضہ فسقہ) کہ تمثال روضہ وقبہ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساختن وآں را مہبط ارواح امامین مرحومین تصور کردن وزیارت تعزیہ را زیارت حضرت حسنینؓ قرار دادن ومثل مرثیہ خوانان جوابی وسلامی مقرر نمودن مستبعد از طریقہ سنت سنیہ است وبکید شیطان مخترع بودن اما ذکر خالص احوال برکت اشتمال آں حضرت علیہ السلام بطریق مشروع ودرود فرستادن بروح پاک آنحضرت ودریافتن صفات وکمالات آں سرور کائنات موجب کثرت وبرکت و فراواں رحمت مثمر خیراتِ دارین ومتبع رفعتِ درجات نشأتین است رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع المومنین ببرکت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ اجمعین آمین۔

وقیام عند ذکر الولادت ثبوت آں بزمانۂ صحابہؓ وتابعینؒ وائمہ مجتہدینؒ اصلاً نہ شدہ ودر زمان حیاۃ آں سرور علیہ السلام صحابہؓ برائے آنحضرت قیام نمی کردند بوجہ آنکہ حضرت

راخوش نمی آمد چنانچہ ترمذی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۱۲ وارد است عن انسؓ قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راؤہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھتہ لذلک وقال ھذا حدیث حسن غریب وبعد وفات آنحضرت ؐ وجود قیام وقت ولادت شریف در قرون ثلثہ ثابت نیست پس قیام کردن وقت ذکر ولادت شریف امر محدث است لا اصل لہٗ۔ در سیرۃ شامی آوردہ جرت عادۃ کثیرۃ من المحبین اذا سمعوا ذکروا وضعہ علیہ السلام ان یقوموا لہ تعظیما وھذا القیام بدعۃ لا اصل لہ، انتھی۔ ونیز باید دانست کہ آں کہ قیام می نمایند برائے تعظیم سید المرسلین ؐ نمی کنند بلکہ یکے از لوازمات وشعار مجلس معہودہ محدثہ است چہ اگر برائے تعظیم آں حضرت می کردند موقوف بذکر ولادت نبوے بلکہ ہرگاہ کہ ذکر تشریف آوردن حضرت در مسجد ویا در کدام مجلس ویا کہ وقت قدم شریف از سفر غزوہ وحج وغیرہ آمدے قیام می کردند چہ زمان نبوت افضل تر از زمان ولادت بود علاوہ ازیں قیام وقت ذکر ولادت ہم مطلقاً معمول بہ نیست بلکہ مقید است بآنکہ مجلسے باشد کہ آں را مجلس مولود نامند ولوازمات وہیئت مجلس دراں مرعی وملحوظ باشند آں وقت قیام ضروری است والا لا مثلاً واعظے بر منبر نشستہ در مجلس وعظ ذکر ولادت شریف بیان کند کسی را از سامعین خیال قیام ہم بخاطر نخواہد گذشت چہ جائے قیام پس ہویدا ست کہ قیام بنا بر اعظام خیر الانام نیست بلکہ از شعار ولوازم مجلس است فقط۔ واہتمام مجلس زائد تر اہتمام نماز جماعت بلکہ نماز جماعت راو بعض ایشاں صلوٰۃ را ہم گذارند لکن حضور مجلس مذکور را واجب تر از نماز دانند ایں ہمہ از خواہشاتہائے نفسانیہ سرزد می شوند الا ما شاء اللہ تعالیٰ وحضور صبیان ونسیان وفساق تارک صوم وصلوٰۃ تماشا گاہ از کثرت قنادیل وغیرہ آلات روشنی وفروش نفیسہ وگلدستہائے عجیبہ ساختن وتلاش خوانندہ خوش آواز گو امرد حسین باشد وغزلہا واشعار بسرود ونغمہ خواندن ایں چنیں مجالس در زمان صحابہؓ وتابعینؒ وائمہ مجتہدینؒ گاہے یافتہ نشدہ حاشا وکلا بلکہ بر چنیں مجالس صادق می آید الذین اتخذوا دینہم لعبًا

ل یعنی انسؓ سے روایت ہے کہ کوئی شخص صحابہؓ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب تھا مگر تاہم وہ آنحضرت ؐ کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تعظیم کے واسطے کھڑے نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس طرح تعظیم کو ناپسند

ولهوا وغرتهم الحيوٰة الدنيا، نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا اللهم اجعلنا من التوابين ومن المتطهرين الذين لاخوف عليهم ولاهم يحزنون بحرمة النبی المعجد والاٰلہ الامجد بیدك الخير وكنت علیٰ كل شئ قدير، اللهم ارنا الحق حقًا والباطل باطلاً، آمین ۔ حررہٗ احمد علی سہارنپور

نقل فتویٰ جناب مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی وتشریح عبارت شرح منیہ مؤید مانعین وتحقیق بحث مابہ النزاع

استفتاء :۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے دربابت عدم جواز قیام مجلس میلاد شریف کے لیا گیا، اس کی نقل بعینہٖ مع سوال کے کی جاتی ہے۔

سوال :۔ مجلس مولود میں وقت ذکر پیدائش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیماً کھڑے ہونے کا رواج اس وقت میں جو رہا ہے اس کھڑے ہونے کو واجب سمجھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں ہے تو واجب کا فتویٰ دینے والا گنہگار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس درجہ کا ہے؟

الجواب :۔ وقت ذکر میلاد کے کھڑا ہونا قرون ثلٰثہ میں کہیں ثابت نہیں ہوتا جناب فخر عالم علیہ السلام کی سیر اور حالات ان قرون میں بطریق وعظ وتدریس مذاکرہ وتحدیث ہزارہا بار ہوتا تھا مگر کسی روایت میں ثابت نہیں کہ بوقت ذکر ولادت کے کوئی کبھی کھڑا ہوا ہو، یا کہیں فخر عالم علیہ السلام نے اس کا استحباب یا ادب کچھ کسی طرح ارشاد فرمایا ہو یہ بات کہ خود جناب فخر عالم علیہ السلام کے واسطے کوئی کھڑا ہوا خارج بحث ہے اور اس کا قیاس اس پر محض جہالت ہے کلام اس میں ہے کہ آپ کی ذکر ولادت پر جیسا معمول سفہاء زمانہ کا ہے کہیں ثابت ہوئے سو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا پس اوّلاً تو یہی حجت اس کی بدعت غیر اصل ہونے کو کافی ہے اور جب اس پر اس قدر غلو ہے کہ عوام جہال اس کو واجب جاننے لگیں اور تارک پر ملامت کریں تو خواہ مخواہ منکر اور بدعت سیئہ ہو جاوے یہ ایک امر محدث ہے اگر کسی امر ثابت جائز کو بھی عوام واجب سمجھنے لگیں وہ بھی ناجائز منکر ہو جاتا ہے عن عبد الله ابن مسعود رضـ لا يجعل احدكم للشيطان شيئاً من صلوٰته يرىٰ ان حق عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره، متفق عليه۔

وقال علی القاری فی شرح المشکوٰۃ فی شرح ھذا الحدیث من اصرّ علی امر مندوب وجعله عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصرّ علی بدعة ومنکر، انتہیٰ ۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے ومایفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجہّال یعتقد ونہا سُنّةً وواجبةً وکل مباح یؤدی الیه فمکروہ، انتہیٰ ۔ پس اوّلاً تو یہی ثابت ہو گیا کہ اس قیام کا ثبوت ہی کہیں احادیث یا آثار صحابہؓ سے قولاً و تقریراً و فعلاً ہرگز نہیں ہو سکتا تو یہ امر محدث ہے۔ ثانیاً اگر فرضاً کچھ ہو بھی جاوے تو واجب و سنت و مستحب تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب وہ عمل ہے کہ نص قطعی الثبوت ظنی الدلالت سے ثابت ہو، یا ظنی الثبوت قطعی الدلالت سے ثابت ہووے اور یہاں قیام کے باب میں کوئی نص ہی نہیں نہ قوی نہ ضعیف ۔ اور سنت اس حکم کو کہتے ہیں کہ مواظبة علیہ السلام کی یا خلفاء راشدینؓ کی اس پر ثابت ہووے اور قیام کے باب میں جب کچھ ثبوت ہی نہیں اور فعل اس کا ایک بار بھی نہیں تو سنت تو کیا مندوب و مستحب بھی نہیں ہو سکتا، نہایت الامر اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آویگی مگر مباح کو سنت، واجب جاننے سے پھر منکر و بدعت ہو جاویگا جیسا کہ قول ابن مسعودؓ اور ملّا علی قاریؒ اور روایت عالمگیریہ سے واضح ہو گیا، بہرحال اس قیام کو واجب رکھنا حرام ہے، اور کہنے والا فاسق مرتکب کبیرہ کا ہے کیونکہ جس فعل کو شارع منع فرماوے وہ اس کو واجب کہتا ہے تو محض مخالفت شریعتِ غرا کی ہوئی قال اللہ تعالیٰ وَمَن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدیٰ واتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی ونصله جهنّم وساءت مصیرا، الآیة ۔ الحاصل قیام وقت ذکر ولادت کی یا یہ وجہ ہے کہ لوگ کسی روایت موضوعہ کو سندِ جواز کرتے ہیں یا کسی قول یا فعل یا کسی بزرگ سے متمسک ہوتے ہیں سو معلوم ہو چکا کہ موضوعات اور اقوال و افعالِ بزرگان سے ندب و جواز ثابت نہیں ہوتا جب تک کوئی دلیل شرعی نہ ہووے، تو ایسی صورت میں ہرگز ندب وغیرہ کا ثبوت نہیں اور جو بزعم خود وہ ثابت جان رہے ہیں تو تاہم درصورت واجب و مؤکد جاننے کے بدعت ہو جاویگا یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی عالم ارواح سے عالم شہادۃ میں تشریف لائے اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادۃ

شریعت کے ہونا چاہیئے اب ہر روز کونسی ولادت مکرر ہوتی ہے پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے ہے کہ سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں معاذ اللہ سانگ آپؐ کی ولادت کا ٹھیرا اور خود یہ حرکتِ قبیحہ قابلِ لوم حرام وفسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں اِن کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہے یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر ہی نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھیرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں حرام ہے لہذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہوا اور موجب تشابہ بکفار فساق کا ٹھیرا۔

یا یہ وجہ ہے کہ ان مبتدعین کے زعم فاسد میں روح پُرفتوح اس مجلس پُر اشرار و معاصی اور غیر مشروعات اور مجمع فساق وفجار و محضر بدعات و شرور میں تشریف لاتے ہیں معاذ اللہ، تو اگر یہ عقیدہ ہے کہ آپؐ عالم غیب ہیں تو یہ عقیدہ خود شرک ہے، قرآن میں ہے وعندہٗ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔ الآیۃ ۔ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ الآیۃ پس بایں عقیدہ قیام کرنا خود شرک ہوگیا، اور جو عالم الغیب نہیں کہتے مگر دوسری دلیل وحجت تشریف آوری کی ہے تو خوب سمجھ لو کہ باب عقائد میں نصِ قطعی واجب ہے احاد وظنیات پر عقیدہ کا ثبوت ہر گز نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ضعاف موضوعات سے، تو باب تشریف آوری میں کونسی روایت قطعی ہے جس پر یہ عقیدہ کیا جاوے تو بس یہ عقیدہ محض اتباعِ ہویٰ وکیدِ شیطان ہے ایسی صورت میں یہ قیام بایں زعم گناہ کبیرہ ہوویگا۔ الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت ومنکر اور دوسری صورت میں حرام وفسق اور تیسری صورت میں کفر وشرک اور چوتھی صورت میں اتباع ہویٰ وگناہ کبیرہ ہوتا ہے، پس کسی وجہ سے مشروع وجائز نہیں پھر اس کو واجب کہنا صریح مخالفت شارع کی کرکے کافر وفاسق ہونا ہے، نجانا اللہ تعالیٰ منہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ضمن تقریر سے اہل فہم کو یہ بھی واضح ہوگیا کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانہ کی بدعت ومنکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کی نہیں ہو سکتی۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

اب بعد نقل ہر دو فتاویٰ کے ناظرین غور سے ملاحظہ فرماویں کہ مولوی احمد علی صاحب

مرحوم نے اصل ذکر مولود کو مستحسن فرمایا ہے کلام قیود میں ہے، کہ ان قیود کی ضم سے مجموعہ مکروہ و بدعت ہوجاتا ہے۔ اور فتویٰ مولوی رشید احمد صاحبؒ میں بھی مجلس مروجہ کو بدعت و منکر لکھا ہے لہذا اس کا خیال ہے کہ جو روایت مؤلف استحسان مولود کی لکھیگا وہ ہرگز مانعین کا جواب اور مؤلف کے مقصود کو نافع نہ ہوویگی اور جو ان قیود کے اثبات میں کچھ نقل کریگا وہ البتہ قابل التفات ہوویگی، کیونکہ مؤلف کی عادت اول رسالہ سے یہاں تک خوب معلوم و محقق ہوچکی ہے کہ وہ نہ سوال سائل کو غور کرتا ہے کہ کس چیز کا وہ سائل ہے اور نہ مجیب کے جواب میں خوض کرتا ہے کہ کیا حاصل جواب ہے، اور نہ جواب روایات و عبارات علماء کو فکر کرکے سمجھتا ہے کہ کیا مراد اس کی ہے اور نہ یہ تأمل کرتا ہے کہ مجھ کو کس شئی کا اثبات مقصود ہے، اس روایت و عبارت سے اس کو مناسبت ہے یا نہیں کیا اثبات کرنا چاہئے تھا اور کیا اثبات کرتا ہوں، اور یہ نہایت کم فہمی کی بات ہے، لہذا ناظرین غور فرماویں کہ قیود کے اثبات میں جو کچھ لکھیگا وہ تو قابل نظر و کلام کے ہوویگا کہ اس کو رد کیا جاویگا ورنہ اصل ذکر مولود کو کوئی مانع نہیں اس کے جواب کی راقم کو ضرورت نہیں کو اس کی خطا فہمی میں کلام کی جاویگی، غرض یہ امر مدنظر رہے اور قبل شروع رد کلام مؤلف کے بندۂ راقم ایک عبارت شرح منیہ کی جس کی نقل پہلے بھی بحث سیوم میں ہوچکی نقل کرتا ہے کہ اس کو نہایت مناسبت اس محفل مولود سے ہے اور اس سے کراہت اس مجلس کی واضح ہوجاتی ہے لکھے دیتا ہے، وہ بھی مؤید ان فتاویٰ مندرجۂ بالا کے ہے، صلوٰۃ الرغائب ایک نماز نفل ہے کہ بعد چار سو برس کے حادث ہوئی، اور ایسا ہی صلوٰۃ شب برأت، ان کی کراہت میں شارح منیہ بعد بیان کرنے نوافل مستحبہ کے لکھتا ہے وبعد ذلك فالصلوٰة خير موضوع مالم يلزم منها ارتكاب كراهة اعلم ان النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه على ماتقدم ماعد التراويح وصلوٰة الكسوف وصلوٰة الاستسقاء فعلم ان كلا من صلوٰة الرغائب ليلة اول جمعة من رجب وصلوٰة البراءة ليلة النصف من شعبان وصلوٰة ليلة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بدعة مكروهة وقال ابو الفرج بن الجوزى و ابوبكر الطرطوسى صلوٰة الرغائب موضوعة على رسول الله صلى الله عليه وسلم وكذب عليه وقد ذكروا لكراهتها وجوهًا منها فعلها بالجماعة وهى نافلة ولم يرد به الشرع ومنها تخصيص سورة الاخلاص والقدر ولم يرد به الشرع ومنها

تخصیص لیلۃ الجمعۃ دون غیرھا وقدورد النہی عن تخصیص یوم الجمعۃ بصیام ولیلۃ الصیام ومنہا ان العامۃ یعتقد ومنہا انہا سنۃ من سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکون فعلہا سببا لکذبہم علیہ علیہ السلام قلت بل کثیر من العوام ببلاد الروم یعتقد ونہا فرض وکثیر امنہم یترکون الفرائض ولا یترکونہا وھو المصیبۃ العظمیٰ ومنہا ان فعلہا یغری قاصد وضع الاحادیث بالوضع والافتراء علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہا ان الاشتغال بعد السورۃ مما یخل بالخشوع والتدبر وھو مخالف السنۃ ومنہا ان فی الصلوٰۃ الرغائب مخالفۃ السنۃ فی تعجیل الفجر ومنہا ان سجدتیہا مکروھتان اذ لم یشرع التقرب بسجدۃ منفردۃ بلارکوع غیر سجدۃ تلاوۃ عند ابی حنیفۃ و مالک وعند غیرھما غیرھا وغیر سجدۃ الشکر ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من الائمۃ والمجتہدین لم ینقل عنہم ھاتان الصلوٰتان فلو کانتا مشروعتین لما فاتتا عن السلف وانما حدثتا بعد الاربع مائۃ ولیس لاحد ان یستدل علیٰ شرعیتہما بما روی عنہ علیہ السلام انہ قال الصلوٰۃ خیر موضوع فان ذلک یختص بصلوٰۃ لا تخالف الشرع بوجہ من الوجوہ وقد صح النہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروھۃ، انتہیٰ

پس غور کرنا چاہئے کہ نفس ذکر مولود مندوب و مستحسن ہے مگر صلوٰۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہے مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی واہتمام کے کہ یہ اسمیں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں، یہاں ذکر مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی واہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں، بدعت ہو ویگا البتہ وعظ ودرس میں تداعی ثابت ہے، کیونکہ وہ فرض ہے جیسا فرائض صلوٰۃ میں تداعی ضروری ہے اور تعیین سور کا اس صلوٰۃ میں بدون ورود نص کے بدعت لکھا ہے سو مولود میں بھی تعیین ہیئات مباح کا جو معلوم ہے بدعت ہوویگا گو فی حد ذاتہ وہ امور مباح مستحب ہوں مگر تعیین اس ذکر مولود کے ساتھ کہ تغیر ان کے بغیر مولود نہ ہو بدعت ہوویگا جیسا کہ تعیین سورۂ اخلاص کی اور تعیین وقت کی اس صلوٰۃ میں مکروہ ہے بسبب تعین وقت کے شارع کی طرف سے پس شہر ربیع الاول کی کوئی تاریخ مقرر کرنا التزاماً یہاں بھی مکروہ ہوویگا اور علیٰ ہذا کوئی امر مکروہ جیسا روشنی زائد از قدر حاجت

مثلاً اور سب ممنوع امر کا مضموم ہونا اس مجلس میں ممنوع ہو ویگا اور جیسا عوام کو اس صلوٰۃ کو سنت اعتقاد کر لینا باعث کراہت کا ہوا ہے ایسا ہی اس مولود کی مجلس کو ضروری جاننا عوام کا موجب کراہت کا ہے اور جس طرح وضاع احادیث کی اغراء اس صلوٰۃ میں ہے اسی طرح وضاعین روایت مجلسِ مولود کے یہاں اغراء حاصل و موجود ہے اور جیسا کہ رفع خشوع بسبب عدد سور کے اس صلوٰۃ میں موجود ہے شب بیداری مجلس سے صلوٰۃِ فجر میں بسبب کاہلی نوم کے رفع خشوع چند گونہ زائد موجود ہے اور جس طرح اس صلوٰۃ میں تعجیل صلوٰۃ فجر سے سنت وقت کی فوت ہوتی ہے اس مجلس کے اکثر حاضرین کی خود صلوٰۃِ فجر ہی فوت ہو جاتی ہے اور اس صلوٰۃ میں جس طرح بسبب سجدہ خارج صلوٰۃ کے جو مکروہ ہے کراہت حاصل ہوئی اس مجلس مولود میں بسبب بساط غیر مشروع اور لباس ممنوع اور اسرافِ روشنی کے کراہت موجود ہے اور دیگر امور جو اس مجلس میں زائد ہیں اور فتوئ مولانا احمد علی صاحب سے معلوم ہوتے ہیں زائد رہے اور جیسا کہ شارح منیہ نے سلف صالح میں اس صلوٰۃ کا نہ ہونا علت کراہت کی قرار دی ہے، حالانکہ نفس صلوٰۃ نوافل بکثرت ان قرون میں موجود تھا ایسا ہی اس مجلس کی ہیئت کذائیہ کا ان قرون میں نہ پایا جانا اگرچہ نفس ذکر ولادت تھا باعث بدعت و کراہت کا ہونا ظاہر ہو گیا پس اہلِ علم و فہم دین غور سے ملاحظہ کریں یہ مجلس مولود مروجہ اس صلوٰۃ کے ساتھ بالکل مطابق ہے مع شئی زائد فی وجوہ المنع پس کون عاقل متدین اس کو مستحسن کہدیو یگا ہاں نفس ذکر ولادت مستحب ہے، اور اس میں کلام نہیں پس حاصل یہ ہوا کہ نفس ذکر مستحب اور قیود اس کی ممنوع اور مجموع مقید بھی ممنوع ۔ اب مؤلف کے اقوال کو دیکھنا چاہئے کہ نزع تو قیود اور مقید میں ہے اور مؤلف صاحب نفسِ ذکر کا اثبات کرتا ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ ورفعنالك ذكرك . یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو " تحقیق بلند کیا ہم نے تیرا ذکر " یعنی ہم نے تم کو نبی بنایا اور مشہور کیا زمین و آسمان میں اور پھیلایا ذکر تمہارا دنیا کے انتہائی کناروں تک اور تمہارا ذکر دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا ۔ امام رازی نے یہ سب مطالب لکھ کر بعد اس کے یہ لکھا :

کانّ اللّٰہ تعالیٰ یقول املأُ العالم من اتباعك کلهم یثنون علیك ویصلّون علیك یعنی جو یہ اللہ تعالیٰ نے ورفعنالك ذکرك فرمایا اس کے یہ معنی ہیں گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے ہم بھر دیں گے عالم کو تمہارے فرماں برداروں سے وہ سب تمہاری تعریف کیا کریں گے اور درود پڑھا کریں گے۔ انتہیٰ مافی التفسیر الکبیر۔

آیۃ "ورفعنالک ذکرک" مذاکرۂ رسول اللہ میں الخ

قولہ قال اللہ تعالیٰ ورفعنا الخ

اقول راست ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا ایسا مرتبہ بلند ہے کہ نہ کسی کا ہوا نہ ہوگا، جس قدر توصیف آپؐ کی کریں تھوڑی ہے مگر اس ذکر مبارک کا پاک مکان اور پاکیزہ ہیئت میں اور الواث بدعات و منکرات سے اس کا صاف کرنا اور حضور فساق مبتدعین سے اس کا منزہ رکھنا بھی رفعۃ شان ذکر کو لائق و واجب ہے پس اس آیت بیان رفعت شان صاحب المعراج سے یہ بدیہۃً ظاہر ہے کہ اس میں کوئی تکدر غیر مشروع کا نہ ہو کہ جس سے سب قیود مروجہ کا خلاف امرِ حق تعالیٰ اور مخالف امر و رضاء صاحبِ ذکر رفیع کے ہیں اس ذکر کیساتھ ہونا ممنوع و محظور ہونا محقق ہوگیا پس یہ آیت اول دلیل مانعین ہیئت مجلس کی ہے کہ جس کو مؤلف نے سمجھا ہی نہیں لہذا جو لوگ کہ اس ذکر میں ان مبتدعہ امور اور منکرہ کو ضم کرتے ہیں جسمیں نزع ہے تو وہ خلافِ حکم اس آیت کے مستحق پستی اور ذلت اس ذکر کرنے والے ہوئے اور ضد حکم حق تعالیٰ کے عامل بنے اب غور طلب ہے کہ مؤلف کو مقصود اثبات قیود ذکر مولد ہے اور آیت ان کی حرمت ثابت کرتی ہے آیت سے خوبی نفس ذکر کی کہ خالی از شوائب نامرضیات ہو مفہوم ہوتی ہے اور مؤلف کس قدر غافل ہے کہ نامرضیات کا اثبات اس سے کرتا ہے کاش مؤلف کو کچھ بھی فہم ہوتا۔

خیال کرنا چاہئے کہ یہ معنی بخوبی صادق آتے ہیں محفل میلاد پر بیشک یہ محفل قدس منزل مضمون آیۃ ورفعنالك ذکرك میں داخل ہے اس لئے کہ اس محفل میں کثرت ہوتی ہے درود شریف کی اس قدر کہ نہیں ہوتی اور کسی مجالس وعظ و تدریس میں اور بیان ہوتا ہے حضرتؐ کے نور کا اور ظہور معجزات و کرامات کا جو وقت ولادت اور رضاع اور قبل نبوت اور بعد نبوت ظاہر ہوئی

اور یہاں بیان ہوتا ہے حلیہ شریف کا یہ سب ثنا، وصفت ہے حضرت صلعم کی، پس مضمون یثنون علیک ویصلون علیک خوب صادق آیا اس پر اور آواز بلند اور پاکیزہ سے ایک مقام بلند مثل منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنے سے اور ایک ہی شان رفعت ورفعنا لک ذکرک کی ظاہر ہوتی ہے اور جو کچھ روایات و معجزات و فضائل حضرت سید الکائنات بیان کئے جاتے ہیں وہ روایتیں ہیں کہ ان کو صحابہؓ نے مجالسِ تابعینؒ میں اور تابعینؒ نے مجالسِ تبع تابعینؒ میں بیان فرمایا اسی طرح طبقۃً بعد طبقۃٍ ذکر ہوتا ہوتا ہم تک پہونچا، اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا صحابہؓ اولِ طبقہ میں زبان اس سے بند کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے نہ ہم مجالس اور محافظ میں ان مدائح اور مناقب کو بفحوائے آیۂ کریمہ " ورفعنا لک ذکرک " آفاق میں منتشر اور مشتہر کرتے۔

قولہٗ خیال کرنا چاہئے کہ ۔ **اقول** مؤلف کو بالکل ہوش نہیں کہ سمجھے اگر کثرت درود شریف اور ذکرِ خیر اس میں ہے تو تلوّث بدعت و مکروہات اور حضور اعداء اللہ بھی تو یہاں موجود ہے، ابھی معلوم ہوا کہ عمدہ عبادت تلوثِ مکروہات سے مکروہ و بدعت ٹھیرائی گئی اور خود آیت سے پاکیزہ کرنا اس ذکر کا تلوث و نجاساتِ ظاہریہ و باطنیہ سے محقق ہولیا۔ اب فقط کثرت درود ذکرِ خیر سے کس طرح باوصف ان ندنسات معلومہ کے یہ مجلس داخل مفہوم آیت کے ہو سکتی ہے بلکہ قطعاً و یقیناً اس آیت سے یہ محفل خارج ہے بوجہ ان قیودِ غیر مشروعہ کے اگرچہ اس میں خیرات و مبرات بھی ہوں، ہاں اگر یہ سب قیود امور غیر مشروعہ کے رفع ہو جاویں تو بیشک داخل آیت کے ہے اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا سو مؤلف کے حسنِ فہم پر آفرین ہے کہ ثبوت نفس ذکر کا کرتا ہے اور کلام قیود غیر مشروعہ میں ہو رہی ہے سبحان اللہ، علیٰ ہذا منبر چوکی پر بیٹھنے سے رفعت نہیں ہوتی بلکہ مینار پر چڑھ جانے سے بھی کچھ نہیں ہوتا البتہ محفلِ ذکر کو نظیف خباثاتِ ظاہریہ و باطنیہ سے کرنے سے رفعت ہو جاتی ہے۔ ردمحتار میں مولود مروجہ کو لکھتا ہے واقبح منہ النذر بقراءۃ المولد فی المنائر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایہاب ثواب ذٰلک الی حضرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو کہ منارہ پر چڑھنا مولود کا مفید رفعت کو نہ ہوا بلکہ اقبح ہو گیا اس واسطے کہ مشتمل لعب و غناء پر تھا پس مؤلف کا مولود کیونکہ رفعت میں داخل ہے مبتدعین و فجار کے وہاں

توقیر ہوتی ہے اور قنادیل تبذیر سے وہ محفل مظلم ہوتی ہے اور دونوں امر کی مذمت نصوص میں موجود ہے، وہ کوئی عاقل ہے کہ مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑھے اور عصیان اور امر رسول اللہ سے اس مجلس کو مظلم بنادے اور پھر اس کو داخل آیت مذکورہ کے تصور کرے اگر اس کو استہزاء کہا جاوے تو بجا ہے اور ایسے فعل کے مجوز کو جاہل کہنا سزا ہے۔

قولہ معجزات وفضائل الخ۔ **اقول** روایات احوال فخر عالم علیہ السلام صحابہؓ نے جو کچھ بطریق درس و مذاکرہ کے تعلیم فرمائے اور اسی طرح آج تک چلے آتے ہیں نہ انہوں نے مجلس مولود گاہے کی اور نہ ان سے اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت ہوا، چنانچہ خود مؤلف آگے اقرار کریگا کہ یہ مجلس چھ سو کے آخر میں ہوئی، پس کلام اس ہیئت میں ہے نہ کہ ذکر احوال فخر عالمؑ میں اور اس ہیئت کا ممنوع و بدعت ہونا بھی ہم کو صحابہؓ سے ہی منقول ہوکر معلوم ہوا ہے۔ اب مؤلف کی عقل ناتمام کو دیکھنا ہے کہ جواز درس ذکر فخر عالمؑ کو یہاں ثابت کرتا ہے اور مانعین کی مراد سے بالکل بے خبر ہے کہ وہ انہیں امور کی ممانعت کرتے ہیں کہ جس کی ممانعت منصوص ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے عہد صحابہؓ میں تقاضا کرکے وصف حضرتؐ کل سنتے تھے اور اس میں دل لگاتے تھے ترمذیؒ نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا ہند ابن ابی ہالہ سے وکان وصافا عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ بہت کیا کرتا تھا حلیہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وانا اشتھی ان یصف لی شیئا اتعلق بہ اور میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ کو وصف سنادے کچھ صورت مبارک کا اور دل لگاؤں میں اس سے الخ۔ اب دیکھئے یہ حضرت امام حسنؓ نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت وفات حضرتؐ سات برس کے تھے اتنی عمر والا اپنے اقرباء کی صورت نہیں بھولا کرتا حالانکہ یہ صاحبزادہؓ تو کمال کے ذہین اور متین اور قوی الحافظہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حفظ کرکے روایت فرماتے تھے، چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمۂ حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے، اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے پس ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جانؐ کی صورت

جو ہردم گود میں رکھتے تھے، کندھے پر چڑھا لیتے تھے نہیں بھولے تھے بلکہ مزہ لینے کیلئے کہ تذکرہ حضرت صلعم کا موجب سرور قلب ہو اور خوب سن کر دل میں اچھی طرح منضبط کریں اس لئے ہند ابن ابی ہالہ سے سوال کیا کہ سناؤ مجھ کو وصف شکل مبارک کا پس بیان کیا ہند ابن ابی ہالہ نے وہ حدیث طویل ہے شمائل میں مذکور ہے اور ہند بن ابی ہالہ کی نسبت جو یہ لفظ آیا کان وصافا عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ وصافاً صیغہ مبالغہ کا ہے اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ وہ کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے حلیہ شریف کا اور اسی طرح دارمی وغیرہ محدثین ابو عبیدہؒ سے کہ وہ تابعی ہیں مقبول ہیں المحدثین روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہؒ نے پوچھا مسماۃ ربیع صحابیہؓ سے کہ وصف سناؤ مجھ کو رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بولی لو رأیتہ لقلت الشمس طالعۃ اور اسی طرح بیہقی نے روایت کی ہے کہ ابو اسحٰق جو ایک تابعی جلیل القدر ہے اس نے ایک عورت صحابیہؓ سے پوچھا کہ بیان کر مجھ سے کہ کیسے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کالبدر لیلۃ القمر لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غرض اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں بہت تذکرہ آپؐ کے اوصاف کا رہتا تھا۔

قولہ خلاصہ یہ کہ ذکر ثابت الاصل ہے الیٰ قولہ غرض اس قسم کی بہت روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر آپؐ کا صحابہؓ اور تابعینؒ میں بہت رہتا تھا۔

اقول اصل ذکر اور کثرت اس ذکر کا کسی کو انکار نہیں من احب شیئاً اکثر ذکرہ ثابت ہے مگر مؤلف کی مراد کا کہیں اس میں نام ونشان نہیں کیونکہ نفس ذکر کا کوئی مانع نہیں قیود میں کلام ہے نہ کہ ذکر میں یہ مؤلف کی فقط کم فہمی ہے، ہاں ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ عاشق فخر عالمؐ کا تھا بار بار ذکر آپؐ کا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ عاشق خلافِ امرورضا محبوب کے ہرگز نہیں کرتا تو جو کچھ ان کا ذکر تھا وہ عین محبت تھی اور جس کو انہوں نے اس ذکر میں خلط نہ کیا بلکہ اس کی ذم فرمائی وہ ممنوع تھا پس اس طبقہ کی متروکات و مذمومات

حملہ شنیع ہوئی سو قیودِ مروجہ مجلس ہمارے وقت کی مذموم ہوئی مگر مؤلف کو فہم نہیں۔

عہدِ صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں بس اسی قدر فرق ہے کہ اس وقت میں مختصر طور پر روایتیں بیان ہوتی تھیں اب تفصیل اور تطویل سے ہوتی ہیں جس طرح علم حدیث کا حال ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ انتباہ میں لکھتے ہیں کہ صدرِ اول میں حدیث لکھنے کا دستور نہ تھا یعنی صحابہؓ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی بعد ان کے حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد بہت اہتمام کتابت کا ہوا پھر دوسری صدی کے بعد پوری طرح پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں، انتہیٰ۔

غرضیکہ یہ جو کتب احادیث میں اے [illegible] م کی حدیثوں کا باب الگ، نماز کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ جمع کردیں اور زکوٰۃ کی ایک جگہ یہ بات پہلے نہ تھی، پس اسی طرح وہ جو روایتیں حضرت صلعم کے حلیہ شریف کی بابت اور وقائع میلاد و رضاع وغیرہ کی بابت صحابہؓ میں منتشر متفرق تھیں ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں آیا ان کو ایک جگہ جمع کردیجئے تب محدثین نے ان کو جمع کیا وہ رسالے بن گئے سیکڑوں رسائلِ میلادیہ تصنیف ہوگئے از انجملہ مولد شریف حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا ہے "مورد الصاوی فی مورد الہادی" اور لکھا محمد بن عثمان لولوی دمشقی نے الدر المنظم فی مولد النبی الاعظم، اور لکھا امام القراء والمحدثین ابن جزری "حرف التعریف فی مولد شریف" اور لکھا مجد دین صاحبِ قاموس نے نفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ، سب کا نام لکھنا طول کو پہنچاتا ہے غرض کہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین ہر کسی نے شریک ہونا اس خیر میں اور جمع کردینا اس قسم کی روایات کا ایک الفاظ پاکیزہ اور ترکیب نفیس میں نظماً و نثراً اپنی مایۂ سعادت سمجھا اور پڑھے جانے لگے وہ رسائل محافل میں، پھر فارسی داں نے فارسی زبان میں اور بلادِ یورپیہ میں ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہوکر پڑھے جانے لگے۔

قولہ عہدِ صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں الخ۔ **اقول** یہ شرح و بسط روایات کی اور تالیف ہونا سنن و مسندات کا اور جمع ہونا جوامع و رسائل کا سب حق ہے مگر مؤلف کی

غرض کسی سے حاصل نہیں ہوتی ۔

اور یہ ذکر پاک بس کہ موجب فرحت و سُرور تھا اس میں بعض سامانِ سرور مثل زینت مجلس اور استعمال بخور وعطریات اور اطعام طعام وشیرینی واجتماع اخوان وخلال بھی داخل اور شامل ہوگئے ان امور کے شامل ہونے کو علماءِ دین نے جائز رکھا ۔

قولہٗ اور یہ ذکر پاک بسکہ موجب فرحت وسرور تھا الخ ۔ **اقول** یہ تو مؤلف بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ سامانِ سرور قرون ثلثہ میں نہیں ہوئے بلکہ چھ سو کے آخر میں ہوئے، پس اگر اس پر وہ قول شرح منیہ کا جو صلوٰۃِ رغائب میں ہے پیش کیا جاوے کہ ائمۂ مجتہدین تک کبھی اس کا وجود نہ ہوا اور یہ علامت بدعت ہونے اسکی کے ہے تو حجت کافی ہے مگر ہم اس سے درگذر کر کے کہتے ہیں کہ ان سامانِ سرور کا ادخال اس ذکرِ مبارک میں اگر کسی نص سے ثابت تھا تو مؤلف کو پیش کرنا اس کا واجب تھا کہ محل اثبات ہے اور اگر محض قیاس ہے تو قیاس خلاف نصوص کے مردود ہوتا ہے، پس ہرگاہ کہ بموجب تقریر بالا محقق ہو لیا کہ یہ قید و تعیین خلاف ماورد بہ الشرع ہے بدعت ہوتی ہے تو مجوزین علماءِ دین کی تجویز بزعم مؤلف خلاف نص کے ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی لہٰذا بالضرور اپنے حسنِ ظن سے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں یہ امورِ مباحہ اتفاقاً سرزد ہوتے تھے اور اباحت کے درجہ سے نہ بڑھتے تھے اور عوام کے اعتقاد کے فساد تک نوبت نہ پہنچتی تھی لہٰذا اس وقت میں علماء نے انکار نہیں کیا تھا مگر اس وقت میں وہ امر نہیں رہا معاملہ قلب ہوگیا یہ سب بدعت ومکروہ بن گیا چنانچہ شرح منیہ کی روایت ہم نقل کر چکے ہیں اور شرح منیہ کے قول کے جملہ علماء مقر ہیں اور جو امورِ منکرات اِس وقت میں پیدا ہوگئے، مثلاً اسراف روشنی اور لباس ممنوع وغیرہ وہ اُس وقت میں مطلقاً نہ تھا پس مؤلف کو کوئی حجت باقی نہیں محض سفسطہ زبانی ہے اور بس ۔

اور وہ جو چند فتوی مجتمع قریب چوبیس[۲۴] صفحہ کے مطبع ہاشمی میں اب مطبوع ہوئے ہیں

لہ الشاء ۔

اس کے صفحہ تیسرے میں ایک عالم محدث نے ان امور زائدہ کی منع پر دلیل قائم کی ہے عن نافع ان رجلا عطس الیٰ جنب ابن عمر قال الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ قال ابن عمر وانا اقول الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ ولیس ھٰکذا علّمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علّمنا ان نقول الحمد للہ علیٰ کلّ حال (رواہ الترمذی) یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب العطاس میں ہے، اور غرض اس محدث کی اس حدیث سے یہ ہے کہ السلام علیٰ رسول اللہ ایک امر مستحب ہے لیکن چونکہ وظیفۂ عطاس برخلاف اس شخص نے یہ کلمہ زائد کردیا اس لئے عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر انکار کیا، بناءً علیہ مولد شریف میں بھی جو چیزیں زائد ہیں وہ بدعتیں قابلِ انکار ہیں۔ **جواب** اس کا یہ ہے کہ مشکوٰۃ المصابیح میں یہ حدیث مذکور نقل کرکے لکھا ہے ہٰذا حدیث غریب۔ شیخ محدث دہلویؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے ھو من اقسام الطعن فی الحدیث وھٰذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح ھٰذا حدیث غریب اور بعضی حدیث غریب صحیح بھی ہوتی ہے اور بعضی حسن بھی ہوتی ہے سو عادت ترمذی کی ہے کہ اس کو کھول کر کہہ دیتا ہے ہٰذا حدیث صحیح یا حسن غریب، اور جب نہ بیان کرے لفظ حسن اور صحیح کا تو مراد اس سے وہی مطعون ہونا اس حدیث کا رہ گیا اور اس حدیث کو ترمذیؒ نے بھی یہی لکھا کہ ہٰذا حدیث غریب، پس حدیث مطعون فیہ حجت نہ ٹھیری اور بالفرض والتقدیر اگر مطعون فیہ کو بھی مسلم رکھیں تو جائز ہے کہ یہ بات حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس شخص پر انکار السلام علیٰ رسول اللہ کہنے سے اس لئے کیا ہوگا کہ اس باب میں صیغۂ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ درمختار کی کتاب الذبائح میں ہے قال علیہ السلام موطنان لاذکر فیھما عند العطاس وعند الذبح اور نہیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو چیز ایجاد ہوگی اس کو بھی ہم منع کرتے ہیں کیونکہ وہ خلافِ شرع ایجاد ہوئی اور جس مقام پر نہیٔ شرع وارد نہیں ہوئی وہاں زیادہ کرنا ایسی چیز کا جو مستحسن اور مباح ہوتی ہے فقہا منع نہیں فرماتے، اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں باقی جس شخص کی نظر فتاویٰ پر ہوگی وہ اور بھی نظیریں نکال لیگا۔ ایک یہ کہ صحاح ستہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود تعلیم فرمایا ہوا واسطے جلسۂ التحیات کے یہ ہے اللھمّ صلّ علیٰ محمد الخ لیکن اگر کوئی آدمی اس میں لفظ سیدنا زائد کردے واسطے آداب و تعظیم کے

یعنی یوں کہے اللھم صل علیٰ سیدنا محمد الخ اس کو صاحب درمختار نے افضل اور مندوب لکھاہے وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھوافضل من ترکہ ۔ دوسری نظیر یہ کہ فقہاء زیارت مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً یوں لکھتے ہیں د کل ما کان داخل فی الادب والاجلال کان حسنا اس عبارت سے یہی معلوم ہوا کہ رعایت اس بات کی کرنی جو سلف سے منقول ہے وہی ہووے اور ایک بات بھی زیادہ نہ ہو یہ کچھ ضروری نہیں بلکہ اپنی طرف سے جو حرکات وسکنات مؤدبانہ کریگا سب بہترین ہیں ان تعظیمات میں زائد مخیر ہے ۔

قولہ اور وہ جو چند فتویٰ المجتمع قریب ۴۲ صفحہ الخ۔ **اقول** اول مؤلف نے قرآن کی آیت لکھی اور پھر روایات ۔ بیانِ حلیہ کی لکھی اور پھر بیانِ تدوین رسائلِ حالات وسیرِ فخرِ عالم ؐ کا لکھا اور پھر تراجم اس کے زبانہائے مختلفہ میں ہونا لکھا تو چونکہ یہ سب امور متفق علیہا تھے اور اس سے کچھ بھی مدعا مؤلف کا ثابت نہ ہوتا تھا تو ناچار فعل لک ارب کا اپنے مدعا کیواسطے نقل کیا کہ امور سرور اس ذکر میں داخل ہووے اور معلوم ہے کہ ایسے افعال سے کوئی حکم کس طرح ثابت ہو جاوے چنانچہ اوپر کے قول میں اس احقر نے لکھدیا ہے اول تو یہ قول خود مؤلف کے نزدیک بھی قابل حجت نہ تھا مگر کیا کرے جب کوئی دلیل نہ ہو تو ایسے ہی اقوالِ ساقط سے نفس پروری ہووے گی پھر بعد اس کے یہ مؤلف نے سوچا کہ مولانا احمد علی صاحب اس ادخالِ سرور کو اپنے جواب میں باطل فرما چکے ہیں مباحات کا ضم تو ایک طرف وہ خود ضم مستحب کو بھی بغیر اذن شرع کے بدعت بنا چکے تو مؤلف کو اس کے جواب کی فکر ہوئی کیونکہ جب تک وہ قول رد نہ ہو لیوے تو مجلس مولود مؤلف کی ہرگز درست نہیں ہو سکتی لہذا مؤلف نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا ہے اور حاشیہ پر مولوی صاحب کی نسبت شرکت مجلس مروجہ اور قیام کی تہمت اور تکذیب اس کی کر یہ ان کا فتویٰ ہے اور شہادت حافظ عبد الکریم خاں کی لکھتا ہے اس کا جواب بجز اس کے نہیں دیتا ہوں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔ مولانا مرحوم ہر ہر بار اس مجلس کو بدعت فرماتے رہے اور مولانا کا مہری دستخطی یہ فتویٰ موجود ہے پس بندہ اس کے کذب و اتہام مندرجہ حاشیہ سے اعراض کر کے اول یہ کہتا ہے

ناظرین بغور سنیں کہ سابقاً کلیہ شرعیہ ممہد ہو چکا ہے کہ مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے، اور شارح منیہ نے بھی صلوٰۃ رغائب میں اس کلیہ کو مسلم کر کے اس کلیہ سے کراہت و بدعت ہونا صلوٰۃ رغائب کا ثابت کیا ہے، اب بندہ یہاں کچھ اور بھی مطلب لکھتا ہے، بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مسجد میں لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بدعت ہے حالانکہ صلوٰۃ ضحیٰ سنت مستحب ہے اور مسجد میں جانا بھی مستحب ہے مگر چونکہ بایں اجتماع اس صلوٰۃ کا مسجد میں پڑھنا نہ تھا تو اس کو بدعت فرمایا اور اس پر انکار کیا اور حضرت عبداللہ بن مغفل صحابیؓ نے جہر بسم اللہ کو فاتحہ کے ساتھ نماز میں بدعت منکر فرمایا حالانکہ بسم اللہ ذکر ہے اور جہر بذکر ممنوع نہیں مگر چونکہ یہاں جہر منقول نہ تھا اس کو بدعت فرمایا، یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے، امام صاحب کے نزدیک عید الفطر میں تکبیر بجہر راہ مصلیٰ میں بدعت ہے اس واسطے کہ یہاں ان کے نزدیک یہ تکبیر خفیہ ثابت ہوئی ہے سو جہر غیر مورد شرع میں بدعت ہوا حالانکہ جہر بالتکبیر والذکر مستحسن ہے، امر مستحسن مستحب بہیئۃ مالم یرد بہ الشرع بدعت ہے اور بحر الرائق میں کہتا ہے لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشئ دون شئ لم یکن مشروعا مالم یرد بہ الشرع۔ عالمگیریہ کہتا ہے یکرہ للانسان ان یختص لنفسہ مکانا فی المسجد یصلی، غرض ان سب سے یہی ثابت ہے کہ کسی اطلاق شارع کو قید زمان و مکان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے بدون اذن شارع کے پس اس کلیہ سے جو مسئلہ تمام امت کا ہے اور ان احادیث اور روایات فقہا مجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے تبدیل تغیر نہیں چاہیئے نہ کمی سے نہ زیادۃ سے نہ تبدیل وصف سے، پس مولوی صاحب نے بھی حدیث صحیح ترمذی کی اس اثبات میں تحریر فرمائی تھی تو مؤلف نے اول تو بحث تنقید حدیث میں لکھی اور پھر معنیٰ حدیث میں کلام کی ماشاء اللہ تعالیٰ یہ سلیقہ اور یہ بحث اگرچہ بندہ کی عادت شعر اشعار یا امثال کے لکھنے بوجہ اختصار کے نہیں مگر یہاں بے ساختہ طبع یہ شعر لکھا ہے

ظہور حشر نہ ہو کیوں کہ کلچڑی کہنی ٭ حضور بلبل بوستاں کرے نوا سنجی

سبحان اللہ مولانا احمد علی صاحب	مولانا احمد علی صاحب کا استدلال حدیث عطاس پر مولف کے کلام بے سر و پا کا رد

مرحوم محدث کی حدیث نقل کردہ اور اس کی تنقید میں عبدالسمیع کلام کرے قیامت آئی صدق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " اذا توسّد الامر الی غیر اھلہ فانتظروا الساعۃ " (رواہ البخاری) خیر اب سب لوگ مؤلف کے علم کو بغور ملاحظہ فرماویں مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مگر شرم نہیں کرتا کہ خود ضعاف بلکہ موضوعات سے حجت اپنی بدعت جہلم و فاتحہ وغیرہ پر لاتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب کی منقولہ حدیث صحیح کو محض اپنے جہل سے ضعیف بتاتا ہے اور حق تعالیٰ سے نہیں شرماتا مؤلف وجہ ضعف کی لکھتا ہے کہ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے اور جہاں غریب مطلق ہو بلا قید صحیح یا حسن کے وہ ضعیف ہوتی ہے مگر یہ قول مؤلف کا محض غلط اور مطلق جہل فن حدیث سے ہے اس واسطے کہ غریب اصطلاحِ ترمذی وغیرہ جملہ محدثین میں وہ ہے کہ اس کی سند میں کسی جگہ راوی منفرد ہو جاوے چنانچہ خود مقدمہ شیخ میں جو مؤلف کی نظر میں ہے یہ لکھا ہے الحدیث الصحیح ان کان روایۃ واحد یسمّٰی غریبا الخ اگر چند سطر پڑھ کر مؤلف دیکھ لیتا تو شاید سمجھ جاتا اور جو کچھ سلیقہ رکھتا تو خود علل ترمذی کو کسی عالم سے پڑھ کر سمجھ لیتا مگر اس کو علم سے تو مساس و بحث ہی نہیں پس یہ حدیث ترمذی کی موافق اصطلاحِ ترمذی کے غریب اور صحیح ہے کیونکہ مشکوٰۃ میں ترمذی کے لفظ نقل کرتا ہے ترمذی نے اپنی کتاب میں اس کو غریب کہا ہے اور خود وجہ غربت کی بیان کر دی ہے کہ زیاد بن الربیع منفرد ہے حالانکہ زیاد بن الربیع بخاری کے رواۃ میں ہے پس بہر حال لفظ غریب کا دیکھ کر آنکھ بند کر کے مؤلف کا حکم ضعف کا کرنا کس قدر جرأۃ و سفاہت ہے، دوسرے یہ کہ تمام راوی اس حدیث کے ثقہ اور مقبول ہیں کوئی بھی ضعیف نہیں پس اس کو ضعیف اپنی رائے سے کہہ دینا جرح ثقات علماء پر کرنا اور طعن ضعف کا مقبولوں پر کرنا کس قدر بد دیانتی ہے، تیسرے یہ کہ شیخ نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے والغریب قد یقع بمعنی الشاذ شذوذا ھو من اقسام الطعن وھٰذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح الخ تو مؤلف اس کو نہ سمجھا اور رجماً بالغیب[1] ضعف کا حکم دینے لگا۔ اول تو خود شیخ بلفظ قد یقع لکھتا ہے کہ جو ندرتِ اطلاق پر دال ہے، مؤلف نے اس کو قاعدہ کلیہ سمجھ لیا، دوسرے یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ کہ دیگر محدثین اور ترمذی کی پس مشکوٰۃ اگرچہ مستخرج ہے مگر صاحب مشکوٰۃ نے یہ لفظ غریب کا تو مصابیح سے نقل نہیں کیا یہ نہیں کہا قال محی السنۃ ھٰذا حدیث غریب جو مؤلف اس اصطلاح

---

[1] اٹکل

پر حدیث کو ضعیف کہدے بلکہ صاحب مشکوٰۃ تو صاف کہتا ہے رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب جس کو اندھا آدمی بھی جان جاوے کہ قال ترمذی ہے نہ کہ صاحب مصابیح ، اور یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ کہ ترمذی کی اور یہ قاعدہ کہ اطلاق غریب کا ضعیف پر ہوئے ترمذی کا قاعدہ نہیں ۔ غرض مؤلف کو خود مقدمۂ شیخ کی بھی فہم نہ ہوئی اور خواہ مخواہ حدیث کو ضعیف لکھدیا اور کچھ غیرت نہ آئی نہ رواۃ کو دیکھا نہ اصطلاح کو سمجھا نہ مقدمۂ شیخ کو خوب دیکھ لیا نہ خود ترمذی کو دیکھا ، الحاصل یہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں اور حجت اس سے نہایت قوی ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

سب ناظرین کو مؤلف کی تنقید کا حال تو واضح ہو لیا اور علم کا مایہ جو جہل مرکب ہے بھی محقق ہو گیا کہ علم مؤلف کا طاق میں رکھا ہے نہ کہ سینہ میں ۔ اب بحثِ معنوی سنو مؤلف کہتا ہے کہ بالفرض اگر اس حدیثِ مطعون فیہ کو مسلم بھی رکھیں تو جائز ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے بسبب نہی کے طعن کیا ہے کیا خوب فہم مؤلف پر ہزار آفرین ، اول تو ترمذی میں دوسری حدیث اس کی ہے بابِ متصل میں ہے عن سالم ابن عبید انه کان مع القوم فی سفر فعطس رجل من القوم فقال السلام علیکم فقال علیك وعلیٰ امك فکان الرجل وجد فی نفسه فقال اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی اللہ علیه وسلم عطس رجل عند النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم وعلیٰ امك اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ رب العالمین (الحدیث) تو اب مؤلف بتادے کہ وہاں تو احتمال نہی صریح کا تھا السلام علیکم کے لفظ میں کونسی نہی وارد تھی جو خود فخر عالمؐ نے اعتراض کیا اور خود وظیفہ اس محل کا تلقین فرمایا یہ صاف اس حدیث کی تائید ہو گئی کہ جس مقام میں جو ذکر وارد ہے وہی رہے اس جگہ تبدل تغیر نہ چاہئے جیسا تبدل میں تغیر ہے تقیید میں بھی تغیر ہے دونوں ناجائز ہوئے خواہ زیادہ سے ہو خواہ تبدیل سے ہو ۔ دوسرے یہ احتمال نکالنا مؤلف کا کہ بسبب نہی کے یہ اعتراض حضرت ابن عمر کا ہوا ہو اس وقت درست ہو سکتا ہے کہ تقیید مطلق کا قاعدہ شرع میں کچھ مخفی ہو ، ہرگاہ کہ یہ امر فخر عالمؐ سے لیکر تمام مجتہدین تک مسلم رہا تو پھر ایسا ضعیف احتمال نکالنا کس عقل کا کام ہے حالانکہ ابن عمرؓ خود حدیث میں اس احتمال کو رفع فرما رہے ہیں لیس ھٰکذا

علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ کہ یوں تعلیم یہاں نہیں فرمایا بلکہ یہ تعلیم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نہانا ان نصلی فی ھذا الوطن جس سے ہر اہلِ علم دریافت کرلیتا ہے کہ وجہ اعتراض کی زیادۃ بالرّائی تھی مگر مؤلف کو چشمِ حق بیں کہاں ہے، جو سمجھتا اور دیکھتا اس کو تو احتمال خلافِ عقل فرض کرلینا اور منہ سے نکالدینا اور اپنا علم مشکوک ظاہر کردینا ہی آتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مولوی صاحب نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ حد مقرر شارع پر بدون اذن کے زیادۃ بدعت ہے اور خوب واضح ہے کہ بدعت منہی عنہ ہے بقولہ علیہ السلام ایاکم ومحدثات الامور جب آپؐ نے ایاکم کا لفظ فرمایا تو یہ غایت درجہ کی نہی مؤکد ہے تو بہرحال بدعت بھی منہی ہوئی، پس مولوی صاحب بھی یہاں نہی کا اقرار فرماتے ہیں مؤلف نے کیا خاک جواب دیا اور کیا مقصد حاصل کیا مؤلف خود کہتا ہے کہ نہی کے مقابل جو چیز ایجاد ہوگی ہم بھی اس کو منع کرتے ہیں تو بدعت بھی منہی ہے اگر کوئی بدعت ایجاد کرے گا نہی کا مقابلہ یہاں بھی موجود ہے، نہایت الامر یہ ہے کہ اس کی صراحۃً نہی نہیں بلکہ احادیث کی نہی کے ضمن میں وہ بدعت ہے اور جس کی صراحۃً نہی ہے وہ منتہی ہے پھر اس فرق سے کیا نفع مؤلف کو حاصل ہوتا ہے کل بدعۃ حرام ومنہی رہی، اور زیادۃ علیٰ وظیفۃ یشرع منہی عنہ اور بدعت ہوا مؤلف بھی اس کو منع ہی کریگا تو اس جواب کا حاصل ہی کیا نکلا؟ سوائے الفاظ کے کوئی معنی بھی اس کے ہیں بلکہ اور تاکید ہوگئی کہ مولوی صاحب نے نہی دلالۃً فرمائی تھی مؤلف نے صراحۃً نہی کا اس میں اقرار کرلیا، آگے یہ کہ دلالۃً نہی کا اعتبار نہیں اور بدعت کا ایجاد درست ہے یہ امر مؤلف تو کیا کوئی بھی مسلمان نہیں کہیگا پس تو حاصل تقریرِ مؤلف کا یہ ہوا کہ اگرچہ بدعات زیادہ وغیرہ کی حرام ہیں مگر یہاں نہی صریح ہے بدعت مت کہو پس یہ اصلاح مؤلف کی محض بے سود تطویل ہوئی اور پھر وہ بھی احتمال کے ساتھ اور تردّد سے کہتا ہے کیونکہ لکھتا ہے کہ جائز ہے کہ اس لئے انکار کیا ہوگا، تو دوسرا احتمال بھی مؤلف کے نزدیک مسلم ہے اور دوسری حدیث اور خود اس حدیث کے لفظ اس احتمالِ مؤلف کو رد کرتے ہیں، بہرحال زائد کرنا بھی مقید کرنا ہی ہے پس وہی تقیید مطلق کا حاصل ہوا اور اعتقاد اور عمل بلا اعتقاد اس تقیید کا دونوں منکر ہوئے اس واسطے کہ شارع نے یہاں ایک صیغہ مقرر فرمادیا تھا اب اس کی جگہ دوسرا صیغہ بولنا بھی بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاداً ہو خواہ بلا اعتقاد اور اس پر زیادۃ بھی بدعت اور

بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاد ہو یا نہ ہو ہاں بزعم مؤلف کے فقط صیغہ السلام علیٰ رسول
اللہ کے زیادہ الحمد پر بدعت نہیں بلکہ منہی عنہ ہے مگر بدیدۂ غور دیکھئے کہ ما احدث علیٰ خلاف الحق
الملتبق من الشارع میں جیسا بدعت داخل ہے منہیات صریحہ بھی داخل ہیں احداث کے واسطے
قرن فخر عالم کا انقضاء ضروری نہیں سو ایسی جہل کی بات سے مؤلف کی غرض یہ تھی کہ اگر نہی صریح نہ ہو
تو زیادہ درست ہے اور یہ بالکل غلط محض ہے کیونکہ جس کی نہی صراحۃً دلالۃً کسی وجہ سے نہ ہو وہ زیادہ
درست ہے اور اگر نہی دلالۃً ہوویگی وہ زیادہ ہرگز ہرگز جائز نہ ہوویگی۔

لفظ سیدنا درود شریف میں ثابت ہے

غرض کلیات سے تو مؤلف کو کچھ علاقہ فہم کا ہوتا ہی نہیں
مدار چند جزئیات پر اس کا ہے، یہاں دو جزئیہ نے اس
کا راہ مارا ہے اول زیادۃ لفظ سیدنا کی صیغۂ درود شریف میں، مگر یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں اجازت
زیادۃ یا تبدیل کی صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے وہاں نہی کہاں ہو سکتی ہے وہ تو خود مامور بہ الشرع
میں داخل ہے سو اجازت زیادۃ لفظ سیادۃ کی خود لفظ یٰایھا الذین آمنوا صلّوا علیہ الآیۃ
میں موجود ہے کیونکہ معنی صلوٰۃ کے تعظیم کے ہیں اور صلّوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں اور دعا کے
اگر معنی ہوں اس کو بھی تعظیم لازم ہے کہ جس کے واسطے دعا کیجاویگی اس کی توقیر و تعظیم لازم
ہوویگی تھوڑی سی عقل کی حاجت ہے سو ہر گاہ کہ تعظیم فخر عالم کی اپنے بندگان سے حق تعالیٰ
طلب فرماتے ہیں تو جو لفظ و صیغہ کہ تعظیم کے معنی دیویگا وہ خود مطلوب ہوویگا جب تک کہ اس
کی نہی وارد نہ ہو سو یہ نظیر مؤلف کی کس قدر بے علمی پر شاہد ہے۔

معنی قول فقہاء کل ما کان ادخل فی التعظیم الخ اور یہ قول مفید مؤلف نہیں

دوسرا جزئیہ قول الفقہاء کل ما کان کذا
دخل فی التعظیم الخ اور یہ بھی مناسب اس
آیہ کے اور آیت توقیر کے ہے کہ حق تعالیٰ
توقیر اپنی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرض کرتے ہیں پس توقیر مشروع جس قدر ہو مطلوب
ہے اگرچہ درجہ فرضیت کا کسی حد سے حاصل ہو جاوے مگر زیادۃ توقیر مشروع سے استحباب کا
حاصل کرنا مجوزہ مطلوب شرع کا ہے ہاں جو اس درجہ کی توقیر و تعظیم ہو کہ شرع سے ممنوع ہو جاوے
مثلاً رکوع و سجدہ یا جیسا کفار ہند کا امر تعظیم تنکا منہ میں لینا ہے البتہ یہ ممنوع ہووے گا

بہر حال ہر دو نظیر مؤلف کی وہ ہیں کہ نصِ قطعی سے مطلوب ہیں منہی ان میں کوئی نہیں۔ اور مولوی صاحب نے نہی بدعت کی نظیر لکھی تھی اور مؤلف زیادۃ اپنی طرف سے کرنے کو کہتا ہے مگر معنی در بطن شارع سمجھتا نہیں زیادۃ اپنی طرف سے بدون اذنِ شارع کے خلاف دلالت نصوص کے مراد ہے اور جو زیادۃ موافقِ نصوص اور حسب اجازتِ نص کے ہو وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتی سو زیادہ سیدنا کی اور افعال واقوال داخل فی التعظیم اپنی طرف سے نہیں بلکہ باذن شارع ہے اور زیادۃ السلام علیٰ رسول اللہ کی عطس کے جواب میں اپنی طرف سے ہے علیٰ ہٰذا تمام مسائل میں اور جزئیات میں یہی ہے مگر مؤلف فہم کس کا مانگ لیوے جو سمجھے، واہ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا کہ جس کا سر ہے نہ پاؤں، مطلب مولوی صاحب کا مؤلف اقرار کرتا ہے اور اپنے زعم میں رہ کر رہا ہے۔ اب آگے تصریح مقصود مؤلف کی سنو۔

> خلاصہ یہ کہ حدیث عطاس میں اس شخص کا زائد کرنا لفظ "السلام علی رسول اللہ" مقابل نہیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا اس لئے ابن عمرؓ نے اس کو منع کیا اور مولد شریف میں جو بعض امور ملحقہ ہیں ان کی نہی شرع میں وارد نہیں پس قیاس امورِ غیر منہیہ پر صحیح نہیں، الحاصل محققان بالغ نظر نے ان امور ملحقہ کو محفلِ مولد شریف میں جائز رکھا اور وہ جو اعتراض شمول ان امور میں کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے مطلق کو مقید کر دیا اس کا جواب لمعۂ سابعہ اعتراضات متفرقہ میں. بیان کریں گے۔

قولہ، خلاصہ یہ کہ حدیث عطاس الخ۔ **اقول** پہلے تو مؤلف اس کو احتمال و تردّد سے کہتا تھا یہاں اس کو تعین ہو گیا کہ نہیٔ صریح کے مقابلہ کی وجہ سے رد حضرت ابن عمرؓ کا تھا مگر اوپر واضح ہو لیا کہ یہاں بدعت ہونے کی وجہ سے رد تھا اور نہیٔ صریح بھی اگر ہو تو یہی حاصل زیادہ بدون اذن شارع کے درست نہیں اور نہی خواہ صریح ہو خواہ دلالۃً ہو مانع زیادۃ ہے اس تغیر سے مؤلف کو کچھ نفع نہیں ملا محض لغو تحریر کی ہے اور یہ سب لغو حرکت ادخال زیب و زینت کے واسطے کرتا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں لایا اس حدیث کی توجیہ

کی وہ بھی خلاف مراد مؤلف کے کچھ نافع نہ ہوئی اور جو تضعیف حدیث کی کرتا تھا اس سے بھی محروم بے نیل رہا اب اس کی زیب و زینت بدعتِ محضہ رہ گئی۔ سنو کہ زیب و زینت و شیرینی کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب منہی عنہ نصوص سے اور بدعتِ منکرہ ہیں اور جو محققان نابالغ نظر مؤلف کے مجوز منہیات شرعیہ کے ہیں اگرچہ نہی دلالۃً ہی ہو وہ اور ان کا قول بمقابلہ نصوص اور روایت مجتہدین کے ہرگز معتبر نہیں اور تفصیل منہیات کی جو مولود کی مجلس ان کو مشتمل ہے کچھ شرح سوال میں گذر چکی اور کچھ مؤلف کے لمعات باطلات میں ذکر اس کا ہو جاویگا پس مؤلف کا یہ قول کہ امور ملحقہ کی نہی شرع میں وارد نہیں کس قدر جہل شرع سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مانعین علماء تو کلیاتِ نصوص و جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت کرتے ہیں اور مؤلف بجز اس کے کہ علماء دین نے جائز نہ رکھا محققان بالغ نظر نے درست جانا فلاں شریک ہوا، فلاں کرتے رہے اور کچھ حجت نہیں اور یہ قول بعد ثبوت ہرگز حجتِ شرعیہ نہیں ہو سکتا اپنا دل خوش کر لو مگر اہلِ فہم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں اور طرفہ تماشا ہے کہ مولوی احمد علی صاحب نے نفسِ ذکر کو مندوب فرما کر کسی امر مباح سے اس کا مقید کرنا اور اس کے لئے اطلاق کو تخصیص لگانا حسب دلائل شرعیہ بدعت فرمایا ہے اور خود مؤلف بھی صفحہ ۶۸ میں بحث فاتحہ میں تقیید اطلاق شارع کو بدعت اور قابل زجر و توبیخ کہہ آیا ہے اور پھر یہاں بھول گیا اور راہ مخالفت کی چلا حالانکہ عقیدہ عوام کا یہاں بھی تقیدات کے ضروری ہونے کا ہے۔ الحاصل قیود محفلِ میلاد کے اثبات میں مؤلف حجتِ شرعیہ سے تو عاجز ہے ہاتھ پاؤں مار کر ناچار اقوالِ علماء پر قناعت کرتا ہے اور بے نیل مراد لوٹ آتا ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

> خلاصہ یہ کہ ان امورِ مستحسنہ کا جواز کلام علماء ربانی میں موجود ہے، از انجملہ عبارت ملا علی قاریؒ کی جو ان کی کتاب "مورد الروی فی مولد النبی ﷺ" ہے لکھی جاتی ہے وامّا ما یتبع من السماع واللّھو وغیرھا فینبغی ان یقال ما کان من ذٰلک مباحًا بحیث یعین السرور بذٰلک الیوم فلا بأس بالحاقہ وما کان حرامًا او مکروھًا فیمنع۔

قولہ، خلاصہ یہ کہ ان امورِ مستحسنہ کا جواز الیٰ قولہ عبارت ملا علی قاریؒ۔

اقول مؤلف عاجز ہو کر جب سب نصوص سے بدعت ہونا امور ملحقہ کا معلوم ہوا تو قول مورد الردی کا لایا جس سے عوام کو دھوکہ جواز امور ملحقہ ہو جاوے، پس اوّلاً تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب نصوص واقوال مجتہدین سے بوجہ تقید وتعین کے بدعت سیۂ ہونا ان امور کا ثابت ہوگیا تو بمقابلہ اس کے ملا علی قاری کا قول یا کسی کا قابل تاویل نہیں سب فضول ہے مگر چونکہ مؤلف اس قول کے ذریعہ سے اضلال خلق اپنی کج فہمی سے کرنا چاہتا ہے تو اصل مطلب اس کا لکھنا مناسب ہوا پس سنو کہ امور ملحقہ ذکر مولود کے ساتھ دو قسم کے ہیں، یا وہ کہ اول سے ہی حرام ومکروہ شرعی ہیں وہ تو خود ہر حال ممنوع ہیں، جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ اسراف اور حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین الآیۃ اور حضور امارد کا خصوصاً صبیح الوجہ مجمع شباب وفسقہ میں اور لباس حسن کیساتھ حرام ہے الأمرد کان صبیحاً نحکمہ حکم النسآء وھو عورۃ من فرقہ الی قدمہ لایحل النظر الیہ عن شہوۃ، انتھیٰ کلامہ عالمگیریہ، درمختار ۔ اور حضور فساق بلباس خلاف اور ترک نہی عن المنکر کہ یہ سب حرام ہیں اور دیگر امور پس ایسے امور کا ہونا تو ہر حال اس محفل کو منکر بناتا ہے اور حاضر ہونا اس میں ممنوع ہے اور بعض امور وہ ہیں کہ اصل ان کی مباح ہے مگر بسبب کسی عارض کے کراہت ان پر عارض ہوگئی جیسا شیرینی مباح تھی مگر بسبب تأکد کے یا عوام کے ضروری جاننے کے بدعت اور بساط وقنادیل وغیرہ جائز تھے مگر بوجہ اس ہی تاکید واہتمام کے بدعت ہوگئی، پس ملا علی قاری یہ کہتے ہیں کہ جو شئی من کل الوجوہ اوّلاً وآخراً مباح ہے وہ تو مباح ہے اور جو شئی دراصل مکروہ ہو یا مباح تھی اور مکروہ ہوگئی وہ ممنوع ہے پس ہر گاہ کہ اس زمانہ کے سب قیودات بدعت ومکروہ ہوگئی تو اس عبارت ملا علی قاری سے کس طرح انکار جواز ثابت ہوتا ہے وہ تو مطلقاً مکروہ کو خواہ اصلی ہو خواہ عارضی ہو ممنوع فرماتے ہیں سو جو اشیاء ان کے وقت میں داخل ہوئی تھیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت میں اباحت کے درجہ سے نہیں بڑھتی تھیں اور دوام بھی ان کا نہ تھا خلاف اس زمانہ کے کہ اب جملہ مباحات اصلیہ بھی اس مجلس میں عوام کے نزدیک مؤکد اور بدعت ہو چکی ہیں پس مؤلف کا استدلال اس عبارت سے محض سفسطہ ہے ہاں البتہ جو امر کہ اس میں نہ کراہت اصلیہ ہو نہ عارضیہ اور مجمع صلحاء کا ہو جیسا کہ مولوی احمد علی صاحب نے تحریر فرمایا وہ جائز ومندوب

ہوگا جیسا ملا علی قاری لکھتے ہیں مگر مؤلف اپنی بدعت کی طرف اس عبارت کو کم فہمی سے لیجاتا ہے خود ملا علی قاری حدیث ابن مسعودؓ میں فرماتے ہیں مَن اصرّ علیٰ امر مندوب وجعلہ عزمًا ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف مَن اصرّ علیٰ بدعۃ و منکر، انتہیٰ، بھلا جب ملا علی قاری مندوب کے اصرار کو بدعت کہے مباحات کے اصرار کو کس طرح بدعت نہ کہیں گے پس ملا علی قاری کی عبارت دلیل واضح ہے کہ قولہ ماکان حرامًا مکروہًا سے عام ہے کہ کراہت اصلیہ ہو یا عارضیہ دونوں مکروہ ہیں اور لحوق مباح کا اس وقت تک درست ہے کہ اباحت کے درجہ میں رہے اور جہاں اصرار تاکد کا درجہ ہوا مکروہ و بدعت وحظِ شیطان بنا پس اب اس زمانہ کی شیرینی اور روشنی سب ملا علی قاری نے مکروہ فرمادی اور یہ سب سامانِ سرور مؤلف کے بدعت ہو گئے اور یہ عبارت ملا علی قاری کی شاہد مانعین کی بن گئی، سبحان اللہ کیا فہم مؤلف کا ہے اور کیا عمدہ دلائل پیش کرتا ہے کہ باید و شاید۔

اور اس عمل کو تخصیص دی گئی ساتھ مہینہ مبارک ربیع الاول کے ہر چند وہ تذکرہ رواں آتا تو قدیم سے یعنی وقتِ صحابہؓ سے چلا آتا تھا لیکن یہ سامانِ فرحت و سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں بھی خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمر جو صلحاء روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا، یہ جو لوگوں میں مشہور رہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے اس کے یہ معنی کہ بعض خصوصیات کے ساتھ اتنے دنوں سے ہے ورنہ اصل تذکرہ مولد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آتا ہے اور بادشاہوں میں اول بادشاہ ابو سعید مظفر نے مولد شریف تخصیص و تعیین کے ساتھ ربیع الاول میں کیا، غرض کہ اس بادشاہ نے عمر مذکور کی پیروی اس فعل میں کی، ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتا تھا، اس کے زمانہ میں ایک عالم ابو الخطاب بن دحیہ جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد میں تھا جس کی بابت شرح علامہ زرقانی

اور دوسری تواریخ عربی میں لکھتے ہیں کہ وہ علم حدیث میں بڑا مبصر پختہ کار تھا علم نحو اور لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھا بہت ملکوں میں پھر کے اس نے علم حاصل کیا تھا اکثر شہروں ملک اندلس میں اور مراکش اور افریقہ اور دیار مصر اور ملک شام و دیار شرقیہ وغربیہ و عراق و خراسان و ماژندران وغیرہ میں خود علم حدیث حاصل کرتا اور دوسروں کو فائدہ دیتا پھر انجام کار ۶۰۴ھ چھ سو چار ہجری میں وہ شہر اربل میں آیا یہاں سلطان ابوسعید مظفر کیلئے مولود شریف تصنیف کیا اس کا نام رکھا "کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر" اور خاص آپ اس کے سامنے پڑھا ایکہزار اشرفی انعام میں سلطان سے پائی منکرین لوگ اس عالم محدث کو بباعث مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کے دشمن جانتے ہیں اور انکی برائی لکھتے ہیں حالانکہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے، اور اسی طرح سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں کہ اسکی پلٹنوں میں باجا بجتا تھا اس بات سے منکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا حالانکہ وہ پلٹن کا باجا تھا مثل طبل غازی آلات تہیہ جہاد میں داخل تھا اس کے طبل وغیرہ چیز دیگر ہیں اور مزامیر لہو و لعب چیز دیگر اور محفل میں مدائح مصطفویہ سن کر شدت سرور سے اس کو وجد ہوتا تھا اس کا نام ان بھلے مانسوں نے رکھا کہ وہ محفل میں ناچتا تھا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے یہ خاکہ اڑایا اس کا کہ اشعار نعت پڑھے جاتے تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں پس کہاں تو یہ خیال کہاں وہ ٹپہ اور خیال ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد ؎ عیب نماید ہنرش در نظر

خلاصہ یہ کہ یہ صاحبان صافی طینت بباعث مولد شریف کرنے کے لاکھ برائی کریں مگر چاند پر خاک نہیں پڑتی دیکھو تواریخ عربی میں طومار کے طومار اس کی تعریف میں بھرے ہوئے ہیں، یہ موقع طول کا نہیں اس لئے ایک مختصر عبارت علامہ زرقانی شارح مواہب کی لکھتا ہوں کہ انہوں نے علامہ ابن کثیر کی تاریخ سے نقل فرمائی ہے کان شہماً شجاعاً بطلاً عاقلاً عادلاً ولا محمود السریرۃ۔

قولہ اور اس عمل کو تخصیص الخ **اقول** اب مؤلف نے دلیل ادخال سرور کی شروع کی ہے بعد نقل قول ملا علی قاری کے اور ابتداء حال ادخال سرور کا بیان کرتا ہے پس سنو کہ

زمانہ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعین اور چھ سو سال تک ذکر فخر عالمؐ کی ولادت اور وقائع قبل ولادت کا اور بعد ولادت کے حالات اور شرح صدور نبوت اور بیان احکام و قصص وغیرہا کا تعلیم و تعلم کی طرح ہوتا تھا جیسا درس تدریس علوم کا ہوتا ہے نہ اس میں عقد مجلس تھا نہ اطعام طعام نہ کوئی امر جیسا کہ خود فخر عالمؐ کے وقت میں تعلیم ہوتی تھی بعد چھ سو کے سن چار میں ملک مظفر نے جو محفل مولد ایجاد کیا یہ تھا کہ روز ولادت آپؐ کے مجمع علماء و صلحاء کا ہوتا اور ذکر ولادت وغیرہ معجزات کا کرکے کھانا کھلا کر رخصت کرتا، چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھتے ہیں عندی انّ اصل المولد الذی ھو اجتماع الناس وقرأۃ ماتیسّر من القرآن وروایۃ الاخبار الواردۃ فی مبدأ امر النبی علیہ السلام وما وقع فی مولدہ من الآیۃ ثم یمد لھم سماطاً یاکلونہ وینصرفون من غیر زیادۃ علیٰ ذٰلک من البدع الحسنۃ الخ پس اس ایجاد میں تعین تاریخ اور اجتماع اور اطعام طعام کی قید اس ذکر کے ساتھ اضافہ ہوئی اور بظاہر مطلق ذکر کو مقید کیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ سیوطی تک یہی رہا بلکہ بعد بھی یہی ہوتا رہا اور اس سلطان مظفر اور ابن دحیہ کے حال میں مختلف اقوال ہیں کسی نے ان کو عادل ثقہ کہا کسی نے ان کو فاسق کذاب لکھا مگر بندہ کو اس تحقیق سے کچھ کام نہیں اصل مطلب غرض سے ہے پس اس وقت ایجاد میں علامہ فاکہانی اور ان کے ہم مشربوں نے اس پر اعتراض کیا اور اس کو بدعت قرار دیا اور ثابت کر دیا کہ اس کی اصل کہیں شرع میں نہیں کہ یوم حدوث نعمت کو ہر روز یوم سرور ٹھیرایا جاوے اور مطلق امر کو مقید کیا جاوے زمانہ اور ہیئت کے ساتھ کہ اس کی اصل کہیں کتاب و سنت سے نہیں بلکہ منع اس کا موجود ہے پس یہ بدعت ضلالہ ہوا اور دیگر جماعت نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا ہر چند کہ یہ عاجز بخیف مس قول علماء کے بدعت حسنہ ہونے کی توجیہ بسبب حسن ظن کے کر سکتا ہے اور آخر لمعہ میں لکھی جاویگی مگر ظاہر حال وہی ہے جو علامہ فاکہانی نے فرمایا ہے لہٰذا اس کی تحقیق کرتا ہے۔ الغرض اس وقت ایجاد میں ہی علماء نے اس پر رد کیا اور پھر ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں مانعین برابر رد کرتے رہے اور اس کو بدعت کہتے رہے آج تک کہ سات سو سال گذرے کسی نے کوئی آیت یا حدیث صحیح جواز ہیئت میں پیش نہ کی مطلق ذکر ولادت کے فضائل بیان کرتے رہے مؤلف کے بہت سے رسائل جمع کر کے مجتہد العصر ہونے کا مدعی

ہے اس نے بھی مطلق ذکر میں ایک آیت اور تین حدیث لکھ کر پس آئیں شائیں بتانے لگا اور خلاصہ
دلیل مؤلف کا یہ ہے کہ تمام علماء کرتے رہے ہیں فلاں نے یہ لکھا ہے اول مجہول دعویٰ کیا کہ علماء
بالغ نظر نے ان قیود کو جائز فرمایا ہے پھر مورد الروی کی ایک عبارت نقل کی کہ جس کا حال معلوم
ہوا کہ مؤلف کے مفید مطلب نہیں، اب سلطان مظفر کا قصہ اپنے استدلال میں لایا ہے اور محض
تطویل بے سود ہے اپنا ورق سیاہ کیا ہے کوئی مطلب کی بات نے۔ خلاصۂ دلیل اور حاصل
غرض اس سے یہ ہے کہ صدہا علماء نے جب اس ہیئت موجدہ اس سلطان کو جائز و بدعتِ
حسنہ کہا تو اجماع جواز پر ہو گیا گویا ایک حجت قطعیہ اجماع کی ہو گئی اور بہت خوش ہوئے کہ بڑی
قطعی حجت مل گئی پس اب ناظرین پر اس کی حجت کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے پس بغور سنو کہ شریعت
میں چار چیزیں ہیں جس سے جواز اور حلت ثابت ہوتی ہے اول کتاب اللہ تعالیٰ دوسرے سنتِ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے اجماع امت چوتھے قیاس صحیح مجتہدین کا۔ سوائے ان کے کوئی
دلیل شرعی ہرگز نہیں پس آیت اور حدیث سو ان دونوں میں اس ہیئت اور تعیین اور اعادۂ سرور
کی کوئی دلیل نہیں، ہاں نفس ذکر کی دلیل استحباب کی ہے مگر ان قیود کی دلیل کوئی نہیں بلکہ پہلے
ثابت ہو چکا کہ قرآن و حدیث میں ممانعت تعیین و قیود اور تشابہ کفار اور اختلاط فساق اور سب
امور مناکیر کی موجود ہے پس یہ دو حجتِ شرعیہ تو ہرگز مثبت قیودِ مروجہ کے جواز کی نہیں بلکہ نافی اور
ناہی ہیں، تیسرا اجماع امت وہ بھی یہاں ہرگز موجود نہیں، جلال الدین سیوطی حسن المقصد میں
لکھتے ہیں ولیس فیہ نص ولکن فیہ قیاس علی الاصلین پس ہرگاہ بلکہ خود سیوطی باین وسعتِ
نظر انکار نص کا کرتا ہے تو کس کا حوصلہ ہے کہ نص جواز کی دیوے، اور اس قول سیوطی سے
جیسا قرآن و حدیث سے نص جواز کا ہونا ثابت ہوا اجماع کا بھی انکار لازم ہے کیونکہ وہ بھی حجتِ
قطعیہ ہے اور خبر واحد احادیث سے اقویٰ و اقدم ہے جب اس سے بھی انکار ہوا جب ہی تو قیاس پر
جو ظنی ہے سہارا پکڑا ورنہ اجماع کے ہوتے کیا ضرورت قیاس کی تھی اور محل اجماع میں قیاس
کب درست ہے پس صاف سیوطی نے انکار وجود ہر سہ حجت کا جواز ان قیود میں کر دیا اور حال اصلین
کا بعد اتمام اس تقریر کے واضح ہو جاویگا۔ اب اور سنو کہ سیوطی نے جو انکار وجود اجماع کا جواز
ان قیود اور اس ہیئت میں کیا ہے اس واسطے کیا ہے کہ اجماع کی تعریف شرع میں یہ ہے

اتفاق مجتہدین صالحین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم فی عصر واحد علیٰ امر قولٍ اوفعلٍ، انتہیٰ من نور الانوار۔ والشرط اجتماع العدد خلاف الواحد مانع لخلاف الاکثر، انتہیٰ، منار۔ پس ہر گاہ کہ خود اس وقت حدوث میں فاکہانی اور ان کے توابع علماء نے انکار اس پر کیا اور بدعت ہونا اس کا ثابت کردیا تو اجماع کا وجود کہاں ہوسکتا ہے شرعًا تو اجماع کے وجود کو ایک فرد بھی خلاف مانع ہے اور پھر ہر قرن میں علماء خلاف کرتے رہے اور اس کے بدعت ہونے کے مقرر رہے لہٰذا وجود اجماع کا ہرگز نہیں ہوسکتا اہل علم تو جانتے ہیں گو جہلاء ظاہری کثرت کو دیکھ کر اجماع سمجھ جاویں جیسا مؤلف سمجھ رہا ہے پس شرعًا یہ مسئلہ قیاسی رہا اور ظنی ٹھیر گیا اجماع شرعی ہرگز ممکن نہیں اور پھر سند اجماع کی بھی ضروری ہے علی المختار قال التوضیح وسند الاجماع خبر الواحد والقیاس عندنا والجمھور علیٰ انہ لایجوز الاجماع الّا عند سند۔

لانّ عدم السند یستلزم الخطأ والحکم فی الدین بلادلیل خطأ، انتہیٰ من تلویح۔

پس یہاں سند کیواسطے آیت وحدیث تو پہلے ہی سے مرتفع ہے اجماع کس شئی پر ہو، ہاں اگر ان دو اصل پر جو ابن حجر وسیوطی نے استخراج کی ہیں ہو جاتا تو ممکن تھا مگر نہیں ہوا جیسے پہلے معلوم ہو لیا کہ کسی قرون میں اتفاق سب کا نہ ہوا اور پھر وہ دونوں اصل فاسد بھی ہیں لہٰذا ان کو علماء نے قبول نہ کیا بہرحال اجماع کا نہ ہونا جواز اس ہیئت پر ثابت ہوگیا، چوتھے حجت ظنی قیاس صحیح ہے اور وہی بزعم مجوزین اس ہیئت میں پائی جاتی ہے چنانچہ سیوطی خود اقرار کرتے ہیں اگرچہ بے علم لوگ کچھ کہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں قیاس بھی صحیح نہیں اس واسطے کہ منجملہ شرائط صحتِ قیاس کے یہ بھی شرط ہے کہ فرع میں کوئی نص مخالف حکم قیاس کے موجود نہ ہو اگر ایسی نص موجود ہووے گی تو قیاس باطل ہو جاویگا اور یہ بھی شرط ہے کہ قیاس فرع میں حکم نص کو متغیر نہ کرے یعنی مطلق کو مقید مثلاً قال فی التوضیح ولا یصح القیاس ان کان فی الفرع نص لانہ ان کان موافقا للنص فلا حاجۃ الیہ وان کان مخالفا یبطل وان لا یغیر القیاس حکم النص فلا یصح شرط التملیک فی طعام الکفارۃ قیاسًا علی الکسوۃ لانہا تغیر حکم قولہ تعالیٰ "فکفّارتہ اطعام عشرۃ مساکین"۔ وکذا شرط الایمان فی کفارۃ الیمین قیاسًا علیٰ کفارۃ القتل یخالف اطلاق النص، انتہیٰ۔ پس اب سنو کہ سابقًا محقق ہو چکا کہ

احادیث سے ثابت ہو لیا کہ مطلق کو مقید کرنا ممنوع ہے کہ تغیر حکم شرع کا ہے اور اس پر اجماع تمام امت کا ہے، شرح منیہ سے بھی اس کو خوب واضح اسی واسطے لکھا تھا اور ذکر فخر عالم ؐ کا اور شکر آپ ؐ کے وجود کا نصوص میں مطلق وارد ہوا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "واما بنعمۃ ربک فحدث" الآیۃ و المشکر نعمۃ اللہ الآیۃ پس مطلق نصوص مندوب ذکر فخر عالم ؐ کو قیاس بغیر کسی ہیئت میں کرنا کس طرح درست ہوگا کہ یہ قیاس خلاف حکم نص کے ہے اور مغیر حکم نص کو ہے پس یہ قیاس ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا اور حسب قاعدۂ اصول شرع کے یہ قیاس باطل ہے کہ مغیر اور مخالف حکم نص کے ہے پس معلوم ہو لیا کہ یہاں کوئی قیاس بھی صحیح نہیں جیسا تین حجت سابق نہیں تھی، پس ہر چہار حجت شرعیہ اس امر میں موجود نہیں پس ایجاد اس ہیئت و تعین کا ہرگز جائز نہیں بلکہ بدعۃ ضلالہ ہے بغور ملاحظہ فرماویں۔ اب ان دو اصل کو دیکھو جن کو سیوطی فرماتے ہیں اصل سیوطی کی تو حدیث عقیقہ کی ہے کہ آپ ؐ نے اپنا عقیقہ بعد نبوت کے کیا تو سیوطی کہتے ہیں آپ ؐ کا عقیقہ تو عبد المطلب نے کیا تھا اور عقیقہ مکرر نہیں ہوتا تو یہ ذبح شکریہ اپنے وجود پر وجود کا کیا تھا اور اس ذبح کو اس پر حمل کیا جاویگا اور تشریح امت کیواسطے یہ شکریہ کیا تھا پس بریں قیاس ہم کو بھی آپ ؐ کے وجود کا شکریہ باجتماع و اطعام کرنا مستحب ہوا پس اول تو سنو کہ سیوطی نے اس اصل سے نفس شکر مالی کو قیاس سے نکالا ہے کیونکہ اس میں ذبح کا ذکر ہے تاریخ کوئی مذکور ہی نہیں اور اجتماع و اطعام کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں پس سوائے شکر کے باقی قیود سب کی سب ان کے نزدیک بھی اصل بدعت و کراہت پر اور حرمت و انکار پر باقی ہیں اس امر کو خوب غور کریویں مثلاً تعین و تقید مطلق کا اور تشبہ کفار کا اور مداہنت مبتدعہ اور فسقہ کے ساتھ اور اسراف روشنی کا اور دیگر مکروہات کہ اصل اس سے انکو کوئی بوئے جواز بھی نہیں ملی اور نصوص قطعیہ سے ممانعت ان کی ثابت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے وقت میں استحباب کو درجہ تاکد کا بھی نہ تھا اور مباح کو اپنی اصلی حالت سے تغیر بھی نہیں تھا، بہرحال اس اصل سے اعادہ سرور و استحباب قربات مالی و بدنی کا معلوم ہوا اور بس۔ پس مولد مروج اس زمانہ کو کوئی فائدہ اس سے نہیں ہوا اور دوسرے یہ کہ حدیث ضعیف ہے، چنانچہ سفر السعادۃ میں اور اس کی شرح میں شیخ عبد الحق ؒ نے فرمایا " واسناد آں ضعیفی است و خالی از بعدے ہم نیست " انتہی

اور بعض نے اس کو موضوع بھی کہا ہے، بہر حال حدیث ضعیف موجب عمل کے نہیں ہوتی پس قیاس اس سے کرنا بھی لائق اعتماد کے نہ ہوگا، تیسرے عقیقہ کے معنی لغوی و شرعی دونوں کو سیوطی نے ترک کرکے ایک معنی مجازی لئے کہ دم شکریہ ہے سو بلا دلیل قوی محض احتمال سے ثبوت حکم ندب کا اس سے نہیں ہوسکتا، چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ نے ایجاد و بعثۃ فخر عالم علیہ السلام منّۃ اور احسان عباد پر فرمایا ہے بقولہ تعالیٰ لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم الآیۃ اور اس منّت کا شکر عباد پر واجب کہا ہے بقولہ تعالیٰ "واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم" الآیۃ اور دیگر آیات سے بھی یہ ثابت ہے پس طلب شکر کو حق تعالیٰ نے مطلق رکھا ہے کسی وقت و ہیئت میں مقید نہیں کیا پس اب قید کسی وقت و ہیئت کی مغیر اس نص کی ہودیگی تو بھی قیاس باطل ہوا اور جو محل نص میں قیاس ہوا تو بھی لغو ٹھیرا اور خلاف حکم نص کے تقیید ہوئی تو بھی باطل ہوگیا ہاں مطلق شکر مطلق اوقات میں فرض منصوص ہے سو اس میں کلام ہی نہیں، جو کچھ بحث ہے تو قیود و تعینات میں ہے اور پھر یاد دلاتا ہوں کہ سوائے افعال شکریہ کے دیگر قیود اپنے حال پر ہیں کہ اس غیر صحیح سے بھی ان کو کچھ علاقہ نہیں پانچویں اس حدیث ضعیف میں کوئی قید زمانہ کی نہیں کہ کس تاریخ و ماہ میں کیا تھا پھر اس سے ماہ ربیع الاول اور تاریخ ولادت ثابت بھی نہیں ہوتی کہ ایک امر منکر اس ہیئت کا ہے نفس ذبح ثابت ہوتا ہے کہ اراقہ دم ہے نہ کہ صدقہ نہ کچھ پھر اس سے کوئی قید بھی ثابت نہ ہوئی نہ اطعام نہ سرور با جتماع فقط نسک اراقہ دم ثابت ہے اور بس اور کلام اعادۂ سرور میں ہے نہ کہ شکر میں اور تاریخ معین پر اجتماع و ہیئت معینہ میں نہ کہ مطلق شکر میں پس اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا پس قیاس بھی اس سے درست نہ ہوگا اور اس ہیئت شکریہ پر کسی صحابی رضی اور تابعین رح سے عملدر درآمد نہ ہوا اگر یہ فعل تشریع کیواسطے تھا تو کیوں ان قرون میں بالکل متروک ہوا اور اب بعد چھ سو کے اس پر عمل ہوا یہ اول دلیل اس کی ہے کہ یہ کچھ اصل نہیں رکھتا پس یہ اعتراض فاکہانی کا کہ اس اطلاق حکم شکر کو زمان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے کس طرح رفع ہوا اور کیا امر اس قیاس سے ثابت ہوا، اس اثبات سیوطی سے تعجب ہوتا ہے نہیں بلکہ فاکہانی کا اعتراض قائم ہے اور یہ قیاس خود باطل ہے اس سے کوئی قید ثابت نہیں ہوتی کما لا یخفی۔ پس صاف ظاہر ہوگیا کہ ہر سہ نصوص کا تو خود سیوطی اقرار کرتے تھے کہ یہاں موجود نہیں اصل رابع جو سیوطی نے پیدا کئے

تھے وہ بھی لاشئی محض ہے خصوصاً ہمارے زمانہ کے مولود کو تو کسی وجہ سے بھی مفید نہیں چنانچہ ہر ذی عقل پر روشن ہے، دوسری اصل شیخ ابن حجرؒ کی سنو کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو یوم عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھ کر پوچھا کہ تم کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ یہود نے کہا کہ اس روز میں فرعون غرق ہوا اور حضرت موسیٰؑ کو نجات ہوئی تو حضرت موسیٰؑ نے شکراً روزہ رکھا تھا تو ہم بھی رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم احق ہیں ساتھ موسیٰؑ کے تم سے پس آپؐ نے روزہ رکھا اس سے معلوم ہوا کہ روزہ منت و احسان کے اعادہ سرور کا شکر کرنا درست ہے۔ اب سنو کہ قیاس بھی درست نہیں، اول تو وہی تقریر سابق یہاں بھی ہے جو کہ شکر وجود بوجود آپ کا نص مطلق سے مطلق ثابت ہوا ہے پس قیاس لغو ہے اور بسبب تغیر حکم نص کے اطلاق سے تقیید کی طرف یہ قیاس باطل ہے اور اس اصل سے فقط جواز اعادہ شکر کا یوم ورود نعمت میں ابن حجرؒ نے ثابت کیا ہے کہ اس کی حقیقت بھی اب معلوم ہو جاتی ہے اور سوائے اس کے کوئی قید قیود مولود مروجہ کی اس سے ثابت نہیں ہوتی پس مؤلف کو کیا نافع ہوا اور خود ہیئت اجتماع جو فاکہانی کا اعتراض ہے قائم ہے۔ اب تحقیق اس واقعہ کی سنو، بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس روزہ کو قبل ہجرت مکہ میں رکھتے تھے عن عائشۃ قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاهلیۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصومہ فلما قدم المدینۃ صامہ علی عادۃ (قسطلانی) و امر الناس بصیام فلما فرض رمضان فی السنۃ الثانیۃ ترك یوم عاشوراء فمن شاء صامہ و من شاء ترکہ، انتہیٰ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم عاشورا اول میں آپؐ نے حسب عادت رکھا تھا کہ قسطلانی خود علیٰ عادۃ لکھ رہا ہے اور خود ابن حجرؒ عسقلانی بھی شرح بخاری میں بھی اقرار کرتے ہیں اور لوگوں کو امر فرمانا بھی بامر اللہ تعالیٰ تھا کیونکہ افراض صوم کا بدون امر حق تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا پس یہ روزہ علیٰ عادۃ رکھا مگر فریضہ کا حکم اب زائد ہو گیا پھر دوسرے سال فرضیت منسوخ ہو گئی تو صاف ظاہر ہے کہ شکر نجات حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے یہ روزہ نہ ہوا تھا بلکہ بعادتہ افراض اللہ تعالیٰ تھا۔ دوسرے حدیث ابن حجر کی اصل یہ ہے عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاما یوم عاشوراء فقال لهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماھذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا ھذا یوم عظیم

انجی اللہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکراً فنحن نصومہ فقال رسول علیہ السلام فنحن احق بموسیٰ منکم فصامہ وامر الناس بصیامہ (الحدیث)۔

پس اس حدیث میں اول کلام تو یہ ہے کہ یہود کا کہنا کہ فنحن نصومہ ای اتباعاً لموسیٰ خود یہود کا روزہ باتباع سنت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھا بوجہ شکر کے کیونکہ شکر روزہ نجات کے تھا اور پھر جو شکر نعمت کا مثل نعماء کے ہر دم رہتا ہے اس سے بحث نہیں پس فخر عالم ؐ کا روزہ بھی شکر کا نہ ہوا بلکہ اتباع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت کا ہوا اور اگر تسلیم کریں اس کو کہ یہود کے کہنے پر روزہ رکھا تھا سو یہود دو کام کرتے تھے ایک صوم کہ وہ سنت حضرت موسیٰ ؑ کی تھی یا ان پر فرض ہو گیا تھا تو مفروض من اللہ تھا، دوسرے سرور عید یوم النجاۃ سو اس کو خود فخر عالم ؐ نے رد کر دیا تھا چنانچہ حدیث مسلم میں مصرح ہے تو اس صورت میں اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اسمیں اعادۂ شکر ہرگز نہیں اور جس فعل میں اعادہ شکر سرور کا ہے وہ شارع نے بوجہ مخالفتِ یہود کے چھوڑ ہی دیا تھا، دوسرے یہ کہ فصامہ، میں کوئی نص نہیں کہ یہود کے کہنے سے آپ نے روزہ رکھا تھا اور بوجہ نجات حضرت موسیٰ ؑ کے رکھا تھا بلکہ اس قدر معلوم ہوتا ہے بعد سوال وجواب یہود کے آپ ؐ نے روزہ رکھا سو پہلے حدیث صاف کہہ رہی ہے کہ بفرض اللہ تعالیٰ وعلیٰ عادۃ تھا پس یہ احتمال رفع ہو گیا اور احق بموسیٰ منکم ای اتباعاً لا سروراً و شکراً، کیونکہ سرور کا امر تو آپ نے ترک ہی کر دیا وعن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوماً یعظمہ الیہود وتتخذہ عیداً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم دوسری روایت ہے خالفوا الیہود پس آپ یہود کی عید کی مخالفت کا حکم فرما چکے کہ صوم عید کے خلاف ہوتا ہے، اور یہ قول احق بموسیٰ منکم بطریق الزام کے تھا کہ تم کس امر میں متبع موسیٰ کے ہو تم تو ہر امر میں اپنے ہویٰ کے تابع اور مخالف شرع وحکم موسیٰ ؑ کے پھر دعویٰ اتباع تمہارا بے محل ہے ہاں ہم متبع موسیٰ ؑ کے ہیں پس یہ الزام تھا نہ وجہ صوم کی پس بہر حال یہ صوم اعادہ شکر وسرور کا نہ ہوا اور نہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا پھر قیاس کس خبر پر کیا جاتا ہے، عجب ہے کہ ابن حجر جیسا ایسی بات فرمادے اور پھر اس سے اگر کوئی تسلیم بھی کرتا تو اعادہ نفسِ شکر یوم معین کا نکلتا، فاکہانی کے دو اعتراض تھے سو ہیئت اجتماعی کرتے ہونا تو اب بھی رفع نہ ہوتا۔ بہر حال اول اس حدیث کے اصل

ہونے میں ہی کلام ہے کہ ہر گز اس سے اعادہ شکر و سرور کا یوم معین میں نہیں نکلتا اگر معلوم بھی ہووے تاہم قیاس کے بطلان کی وجہ معلوم ہو چکی اور مولود مروجہ کو کسی وجہ سے بھی نہیں پس محقق ہو گیا کہ جواز قیود میں حجت قیاس سے بھی کچھ ثبوت نہیں لھٰذا حجج اربعہ سے بدعت ہونا اس مروجہ کا محقق ہو گیا فللّٰہ الحمد۔ اب مؤلف کے اقوالِ بے معنی کو دیکھنا چاہیئے۔

الحاصل اس بادشاہ کے وقت میں جب دھوم سے محفلِ میلاد شریف ہونے لگی ایک مولوی نے اس میں یہ عذر کیا کہ یہ تخصیص کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ ہی کو محفل ہوا کرے فرض واجب یا سنتِ مؤکدہ تو کسی کے نزدیک نہیں باقی رہی یہ کہ مستحب یا مباح ہووے سو یہ بھی نہیں اس لئے کہ بدعت دین میں درست نہیں پس لابد اس کو یا مکروہ کہیئے یا حرام اور سوا اس ایک عالم کے جس قدر علماء تھے سب نے اس کے قول کو رد کیا اور فتویٰ دیا کہ یہ مستحسن اور مستحب ہے اور وہ بدعت اور منع ہے جو سیئہ ہو یہ تو حسنہ ہے پس اسی فتویٰ پر عمل ہو گیا، تمام اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ صوفیہ مولد شریف میں حاضر ہوتے تھے، چنانچہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ اور رائج ہو گیا یہ عمل مقبول تمام شہروں اور ملکوں میں ہو گیا، چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی قسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں کلام حافظ ابو الخیر سخاوی کا سے ثم لا زال اھل الاسلام فی سائر الاقطار و المدن الکبار یختلفون فی شھر مولدہ ویعتنون بقرأۃ مولدہ الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم اور ملا علی قاری نے کل ملکوں میں مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کے رسالہ میں دیکھے کہ وہ لکھتے ہیں یہ بات کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً اور ملک مصر اور ملک اندلس اور ممالک مغربی اور ملک روم اور ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمالِ اہتمام و احتشام سے ہوتی ہیں محفلیں مولد شریف کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ ومن تعظیم مشائخھم وعلمائھم ھٰذا المولد المعظم والمجلس المکرم انہ لا یأباہ احد احد فی حضورہ رجاء ادراک نورہ ضمیر غائب لفظ ھم راجع جمیع مذکورین یا دیار و امصار مذکورہ بالا کی طرف پس معنی یہ ہوئے کہ اس محفل اور مجلس کی تعظیم ان سب ملکوں کے

مشائخ طریقت اور علماء شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ کوئی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا، انتہیٰ کلامہ۔ پس مقبولیت اور شہرت اور کثرت اس عمل پاک کی کلام ملا علی قاری اور سخاوی سے ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور مشائخ میں کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔

قولہٗ الحاصل اس بادشاہ کے وقت میں جب الخ۔ **اقول** تسلیم کیا کہ ایک علامہ عالم نے ہی انکار کیا مگر اس کے انکار کا آج تک کسی سے جواب نہیں دیا اور فقط اسکے انکار نے اجماع کو جو مرغوب مؤلف کا ہے باطل کر دیا اور قیاس کی کیفیت معلوم ہو چکی کہ یہاں کسی کام کا نہیں قرآن و حدیث سے کچھ ثبوت ہی نہیں پس سب آپکے علماء کا فتویٰ لا یُعبأ بہا ہو گا اور بدعت ہونا مقرر ہو گیا اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت جواز کی نہ ہوئی اگر کروڑوں علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم و عقل ہو تو ظاہر ہے پس قول سبط ابن الجوزی کا کہ یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ بمقابلہ نصوص کے ہرگز ملتفت نہیں اور تمام بلاد میں اشتہار اس کا کوئی دلیل شرعی نہیں، صلوٰۃ لیلۃ البرأۃ اور رغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت بھی رہی پس اشتہار امر غیر مشروع کا موجب جواز کا نہیں ہوتا پس سخاوی کے اس قول میں کوئی حجت شرعیہ نہیں، علیٰ ہٰذا ملا علی قاری کا لکھنا کہ تمام ملکوں میں یہ رائج ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک دو آدمی ادھر ادھر انکار کرتا رہا وہ مخالف ہزاروں بلکہ لاکھوں کے اور خلاف سواد اعظم سمجھ کر ہر دورہ اور ہر عہد میں وہ منکر اپنے علماء معاصرین میں غیر مقبول اور متروک العمل رہا، چنانچہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں زمانۂ قدیم سے اب تک ملک روم شام و اندلس اور ممالک مغربی وغیرہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک اسی استحباب اور استحسان محفل مولد شریف پر عمل ہے سوائے اس خطۂ پاک حضرت ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہو گئے اور زمانۂ قدیم میں بھی علماء ہند کے مقبولین معتمدین متقدمین مثل شیخ عبدالحق محدث دہلوی

اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار استحباب عمل مولد کے قائل تھے اور نیز لبعض قصص و حکایات ہمایوں وغیرہ بادشاہان دہلی سے اور نیز کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے ملک ہندوستان میں رائج ہونا اس عمل پاک کا یقینی طور پر معلوم ہے، انتہا یہ کہ اس وقت میں جو حکام فرماں روا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم و آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں با ایں ہمہ انہوں نے بھی اپنی کچہری اور محکمہ میں جا بجا اہل اسلام کیلئے مثل عید اور بقر عید اور شب براۃ کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے، افسوس صد افسوس کہ حکام انگریز اپنے کاروبار ضروری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگذاری کو اس روز کے واسطے بجا آوری مراسم فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں یہ لوگ اس کے مقابل میں زبان مبارک سے فرماویں معاذ اللہ منہا کہ یہ فعل بدعت ہے اور ضلالت ہے اس دینداری اور خوش عقیدگی پر افسوس کیا خوب قدر پہچانی حضرت شفیع محشر کی صلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ ومحبیہ اجمعین۔ خیر انکار کرنے والے انکار کریں اگر ان کو کبھی توفیق ہو کنارہ کریں محفل پاک ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر ہم اس وقت تک کا ثبوت کامل دے چکے، مشرق سے مغرب تک کل ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام اس عمل پاک کو محمود اور مستحسن جانتے ہیں۔

قولہ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی الخ۔ **اقول** جو ایک دو عالم موافق نصوص شرعیہ کے فرمادے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو ہی عالم مظفر منصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین لا یضرھم من خالفھم حتی یأتی امر اللہ طائفۃ خود قطعیہ شئ کا ہوتا ہے اور قلت پر دلالت کرتا ہے پس خود ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب و سنت کے کہے وہ طائفۂ قلیلہ اگرچہ رجل واحد بھی ہو وہ علی الحق اور اس کی مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے اور یہاں خود مبرہن ہو لیا کہ یہ مجلس مروج اول ر

اربعہ شرعیہ کے خلاف ہے۔ اور ادلۂ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اب مؤلف مالک کی شمار کرکے اپنی کرم کہانی لکھے جاوے۔ بندہ احقر پہلے عرض کرچکا کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے اور یہ بشرط ثبوت وتسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں حجت وہ ہے کہ ادلۂ اربعہ سے پیدا ہووے، اب مؤلف کا مایۂ علم اور دلیل اثبات اس کے مدعا کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمایوں وغیرہ بادشاہان کی حکایت سے استناد کرنے لگا اور کفار فرنگ کی تعطیل کو بھی حجت جواز بنالیا کل رام لیلا کی تعطیل کو حجت جواز رام لیلا کی نہ لکھدیوے، استغفر اللہ استغفر اللہ مؤلف کے حواس میں بیشک فتور اور اسکو ضعف دماغ سے مالیخولیا ہوگیا ہے افسوس۔

پس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ فرماتے ہیں ما راٰہ المسلمون حسنًا فہو عند اللہ حسن یعنی جس چیز کو مسلمان لوگ اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور ہندوستان کے کسی نواح یا ضلع میں اگر دس پانچ مولوی آخری دورہ میں کہ فتنہ وفساد کا وقت ہے اپنا ایک جرگہ باندھ کر کچھ اس عمل کو برا کہنے لگیں تو کب عند اللہ مقبول ہوسکتا ہے اس کا تصفیہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتبعوا السواد الاعظم اس حدیث کے معنوں میں لاکھ یہ لوگ سر پٹکا کریں اور کسی کسی کے اقوال شاذہ نقل کیا کریں لیکن جو معنی اس حدیث کے جمہور محدثین کے نزدیک ہیں وہ یہی ہیں جس کو مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اپنے مطبع کے مشکوٰۃ میں ملا علی قاری سے نقل کرکے قائم کئے ہیں، سواد اعظم کو لکھا ہے یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین، اور اسی طرح مولوی اسحٰق صاحب کے خلیفہ شاگرد رشید نواب قطب الدین خان صاحب نے مشکوٰۃ کے ترجمہ میں اس حدیث کے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو اعتقاد اور قول وفعل اکثر علماء کے ہیں ان کی پیروی کرد۔ چونکہ یہ دونوں عالم اس فرقہ کے نزدیک کمال مستند ہیں اس لئے ان کے قول پر بس کرتا ہوں نقل اقوال اور علماء محدثین کی کچھ حاجت نہیں، اور لمعہ ثامنہ میں بھی اس کی بحث آویگی پس موجب فرمودۂ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحسن ہونا عملِ مولد شریف کا ثابت ہوگیا والحمد للہ علیٰ ذٰلک، ابھی خیال آتا ہے کہ حصولِ مدعا کے دو طریق ہیں ایک تو اس کا ثبوت دینا دوسرے یہ کہ جو اعتراضات مخالفین کے ہیں انکار کردینا۔

قولہٗ بس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعودؓ الخ۔ **اقول** مؤلف نے الفاظ ہی یاد کر لیئے ہیں معنی تو کسی سے پڑھے ہی نہیں کہ یہ سمجھ لیا کہ جس کام میں بہت سے مسلمان جمع ہوگئے تو وہ امر جائز ہوگیا حالانکہ مبتدعین فسقہ متبعین سنت سے زائد ہیں اس زمانہ میں ہزار گونہ کی نسبت ہوگئی اور حدیث لایزال طائفۃ من امتی کو جو ابھی لکھی گئی اور حدیث بدأ الاسلام غریبًا وسیعود کما بدأ فطوبٰی للغرباء (الحدیث) اور مثل اس کے سب کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ ان احادیث میں طائفہ اور غربار کی مدح ہو رہی ہے اب اپنے حسب بدعت ان کو رد کردے تو اس سے عجیب نہیں، سو سنو کہ ان احادیث سے تو یہ مراد ہے کہ جس وقت میں تمام دنیا میں حب دنیا وجاہ واتباع ہوٰی ہوجاویگا اس وقت میں وہی دو چار متبع سنت مقبول ہوویں گے ان کو طوبٰی ہو، اور حدیث ما رأہ المسلمون اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی امر میں نص صریح قرآن وحدیث واجماع امۃ سابقہ سے نہ ہو اور اس پر باشارہ ودلالت نص تمام علماء جمع ہوویں کیونکہ لام استغراق کا المسلمون میں موجود ہے اور اسلام مطلق سے فرد کامل اہل اسلام کے مراد ہے تو مکمل مسلمین علماء مجتہدین ہی ہوتے ہیں پس تمام علماء کملاء اس کو دلالۃ النص سے بوجہ اسلام کامل کے حسن اعتقاد کریں اور جانیں کیونکہ مشتق منہ علت حکم کی ہوتا ہے پس ایسا امر عند اللہ بھی حسن ہی ہوگا اور اس کے معنی بعینہٖ وہی ہیں کہ فرمایا لاتجتمع امتی علی الضلالۃ اور یہ اور وہ دونوں حدیث اجماع قطعی کو ارشاد فرماتے ہیں پس مؤلف آنکھ کھول کر دیکھے کہ اجماع کس کا معتبر ہوتا ہے اور اجماع کس وقت اور کس شرائط سے قابل اعتماد ہوتا ہے اور یہاں قیود مروجہ مولود میں وہ شرائط ہیں یا نہیں ابھی بحث ادلۂ اربعہ میں کہا گیا ہے اگر مؤلف کو کچھ علم ہے تو دیکھ لیوے تو شاید سمجھ جاوے کہ یہی جرگہ دس پانچ کا طائفۃ من امتی اور طوبٰی للغربار کا مورد ہے اور یہ مجلس مولود مروج خارج از

ادلۂ اربعہ[1] سے زیادہ تطویل کرنا اور بار بار اعادہ مضامین کا کچھ ضروری نہیں مگر اس قدر کہ ہر عاقل
سمجھ لیوے کہ ما رأہ المسلمون اس وقت ہے کہ ادلۂ ثلٰثہ شرعیہ سے اس کا کچھ صریح ثبوت نہ
ہو ورنہ جب ان ادلہ سے قبح کسی شئی کا ثابت ہے تو وہ شئی عند اللہ قبیح ہو چکی اب تمام دنیا
کے حسن جاننے سے بھی وہ حسن نہیں ہو سکتی مگر ہاں جب ادلۂ ثلٰثہ میں صریح نہیں تو ضرور خفی طور پر
کچھ ہوگا اس وقت جب سب علماء اس پر متفق ہو جاویں اور کسی خفی امر سے استنباط کر کے
مجتمع ہو جاویں کہ ایک بھی ان سے منفرد نہ ہو تو وہ عند اللہ حسن ہو گیا کہ اجماع انکا مظہر اس
حکم کا ہو گیا ہے تأمل درکار ہے پس یہاں تو ادلۂ اربعہ سے قبح ان قیود کا ثابت ہو لیا اب
مؤلف کے مسلمون کے حسن جاننے سے قبح اس کا رفع نہیں ہو سکتا مؤلف ذرا ہوش کر کے
کلمہ پڑھ کر سوچے، علیٰ ہٰذا قولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الاعظم کو مؤلف یہ سمجھا کہ اختلاف
مسائل میں جس طرف بہت آدمی ہوں اس کو لیوے اور بظاہر یہی وجہ ہوئی کہ مؤلف نے طریقہ
سنت کا چھوڑ کر اگرچہ ظاہر و باہر موافق حدیث موافقہ کے تھا طریقۂ بدعت کو اختیار کیا اور
تاویلاتِ رکیکہ بعیدہ کو گھڑ کر اس طریقہ کا اثبات چاہا کیونکہ اہل سنت اس دور میں کم ہیں
جیسا خود فخر عالم ؐ نے فرمایا سیعود غریباً اس کا ظہور ہے اور اہلِ طغیان کی کثرت ہے سو
مؤلف نے اس کو سواد اعظم جان کر یہ عمل کیا ہے حالانکہ حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں قال
التوضیح السواد الاعظم عامۃ المسلمین ممن أمۃ مطلقۃ والمراد بالأمۃ المطلقۃ اہل
السنۃ والجماعۃ وہم الذین طریقتہم طریقۃ الرسول علیہ السلام والصحابۃ دون اہل
البدع انتہیٰ اس سے معلوم ہوا کہ سواد اعظم اہل السنۃ ہیں بمقابلہ اہل البدع والاہواء
کے نہ کہ مطلق کثرۃ الرجال جیسا مؤلف نے سمجھ لیا اور اس کی شرح دوسری حدیث کرتی ہے
قال علیہ السلام فانہ من یعش منکم فسیریٰ اختلافاً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور
فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار پس آپ ؐ نے ایسے وقت اختلاف میں طریق
اہل سنت کے التزام کو تاکید فرمایا تھا کہ وہ سواد اعظم ہے اور بدعت کے اجتناب کی تائید کی
تھی نہ یہ کہ مبتدعین کثیر کو دیکھ کر ان کے ساتھ ہو جانا سو نصیحہ فخر عالم کا تو یہ سنت کا راہ بتانا

---

[1] چاروں دلائل سے جامع

ادلۂ[1] اربعہ سے زیادہ تطویل کرنا اور بار بار اعادہ مضامین کا کچھ ضروری نہیں مگر اس قدر کہ ہر عاقل سمجھ لیوے کہ مارأہ المسلمون اس وقت ہے کہ ادلۂ ثلٰثہ شرعیہ سے اس کا کچھ صریح ثبوت نہ ہو ورنہ جب ان ادلہ سے قبح کسی شئی کا ثابت ہے تو وہ شئی عنداللہ قبیح ہو چکی اب تمام دنیا کے حسن جاننے سے بھی وہ حسن نہیں ہو سکتی مگر ہاں جب ادلۂ ثلٰثہ میں صریح نہیں تو ضرور خفی طور پر کچھ ہوگا اس وقت جب سب علماء اس پر متفق ہو جاویں اور کسی خفی امر سے استنباط کر کے مجتمع ہو جاویں کہ ایک بھی ان سے منفرد نہ ہو تو وہ عنداللہ حسین ہو گیا کہ اجماع انکا مظہر اس حکم کا ہو گیا ہے تامل درکار ہے پس یہاں تو ادلۂ اربعہ سے قبح ان قیود کا ثابت ہو لیا اب مؤلف کے مسلمون کے حسن جاننے سے قبح اس کا رفع نہیں ہو سکتا مؤلف ذرا ہوش کر کے کلمہ پڑھ کر سوچے، علیٰ ہٰذا قولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الاعظم کو مؤلف یہ سمجھا کہ اختلاف مسائل میں جس طرف بہت آدمی ہوں اس کو لیوے اور بظاہر یہی وجہ ہوئی کہ مؤلف نے طریقہ سنت کا چھوڑ کر اگرچہ ظاہر و باہر موافق حدیث موافقہ کے تھا طریقۂ بدعت کو اختیار کیا اور تاویلاتِ رکیکہ بعیدہ کو گھڑ کر اس طریقہ کا اثبات چاہا کیونکہ اہل سنت اس دورہ میں کم ہیں جیسا خود فخر عالم ؐ نے فرمایا سیعود غریباً اس کا ظہور ہے اور اہلِ طغیان کی کثرت ہے سو مؤلف نے اس کو سواد اعظم جان کر یہ عمل کیا ہے حالانکہ حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں قال التوضیح لسواد الاعظم عامۃ المسلمین ممن أمۃ مطلقۃ والمراد بالأمۃ المطلقۃ اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقھم طریق الرسول علیہ السلام والصحابۃ دون اھل البدع، انتہٰی اس سے معلوم ہوا کہ سواد اعظم اہل السنۃ ہیں بمقابلہ اہل البدع والاہواء کے نہ کہ مطلق کثرۃ الرجال جیسا مؤلف نے سمجھ لیا اور اس کی شرح دوسری حدیث کرتی ہے قال علیہ السلام فانہ من یعش منکم فسیری اختلافاً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ النار، پس آپؐ نے ایسے وقت اختلاف میں طریق اہل سنت کے التزام کو تاکید فرمایا تھا کہ وہ سواد اعظم ہے اور بدعت کے اجتناب کی تائید کی تھی نہ یہ کہ مبتدعین کثیر کو دیکھ کر ان کے ساتھ ہو جانا سو تصفیہ فخر عالم ؐ کا تو یہ سنت کا راہ بتانا

---

[1] چاروں دلائل سے جامع

تھا ورنہ حدیث غرباء کے کیا معنی ہوں گے؟ پس اب سوچو کہ مؤلف اور سب اس کے مقتدی اور طریقہ، مروجہ مولود کو چھ سو کا ایجاد کرتے ہیں پھر اس میں اختلاف ہوا تو طریقہ معمولہ مرجحہ صحابہؓ کی ہدایت کرتے ہیں اور اس بدعت مروجہ کو خلاف ان کے طریقہ کے ثابت کر کے منع کرتے ہیں اور مجوزین اس کی بدعت ہونے کا اقرار کر کے حسن کو بدلائل واہیہ رکیکہ اثبات کرتے ہیں پس سواد اعظم مانعین ہوئے ہر عاقل جان سکتا ہے اگر کوئی جاہل قواعد شرعیہ سے اتنا ہی سمجھ لیوے کہ اس فعل کے بدعت سیئہ اور حسنہ ہونے میں خلاف ہو تو ترک ہی مناسب اور احوط ہے کیونکہ یہ فعل مندوب ہی ہے واجب تو نہیں تو یہی کافی ہے متدین کو تو مگر جس کے دل میں بدعت مشرب ہو اس کا کیا علاج چہ جائیکہ یہاں ادلۂ اربعہ سے اس مروج کی ضلالت ثابت ہو چکی بہر حال اس ہیئت کذائیہ میں طریقہ صحابہؓ کا حسب ارشاد ان احادیث کے میزان سے جس کا طریقہ اور قول و صنع صحابہؓ سے موافق ہے وہی حق ہے، الحاصل مثل آفتاب نصف النہار کے واضح ہو گیا کہ اکثر المسلمین اور جماعت کثیرہ اور سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور ان کا طریقہ موجب نجات اور سنت ہے اور اس کے ہی التزام کا حکم ہے پس جو اس کے موافق ہے اگرچہ ایک ہی عالم ہو وہ سواد[1] اعظم اور حق ہے اور جو اس کیخلاف کہے اگرچہ تمام عالم ہو باطل ہے اور اس مسئلہ میں ادلۂ اربعہ[2] سے عدم جواز ان قیود کا ثابت ہو گیا پس اصل ذکر ولادت وغیرہ خود فخر عالم کا مستحسن اور جملہ امور عارضہ بدعت ضلالہ ہیں اور کثرت قلت کا اعتبار نہیں موافق سنت وطریقہ صحابہؓ کے واجب التمسک ہے واللہ الہادی۔

پس ثبوت تو کامل طور پر ہو چکا اب جواب ان کے ہذیانات کا رہا یہ کام علماء اہل سنۃ بخوبی کر چکے، نصر المسلمین اور حق الیقین اور سیف الاسلام اور غایۃ المرام اور اشباع الکلام اور اماطۃ الاذی وغیرہ میں جس کو دیکھنا ہو دیکھ لے لیکن کسی قدر مشتے نمونہ از خروارے بیان کرتا ہوں۔

قولہ پس ثبوت تو کامل طور پر الخ | تمام عبارت سلف سے اجازت نفس ذکر و کراہت قیود مستنبط ہوتی ہے

[1] کثیر جماعت [2] چاروں دلائل قرآن وحدیث، اجماع وقیاس

اقول مؤلف کو غیرت و شرم کا تو نام و نشان نہیں سنو کہ ثبوت کامل اس کے معنی ہیں کہ ادلۂ اربعہ سے اثباتِ مدعا ہو سو خدا تعالیٰ کے حکم سے کوئی ایک دلیل بھی امر متنازعہ فیہ میں مؤلف نے نہیں لکھی ایک آیت اور تین حدیث نفس ذکر میں لکھی سو وہ سب کے نزدیک مندوب ہے اور قیود مروجہ کے باب میں جس کا بدعت ہونا مانعین ثابت کر رہے ہیں مؤلف نے اس میں سوائے قصہ کہانی کے کچھ بھی تو نہیں لکھا اور پھر کہتا ہے کہ ثبوت کامل ہوگیا تو کچھ تو شرم کر کے آدمی بولے، ہر شخص اس کے رسالہ کو دیکھے نہ معلوم وہ کامل ثبوت شکمِ مؤلف میں ہے یا صندوق میں اس رسالہ میں تو یہاں مورد الروی کا قول مذکور ہے جس کے معنی بیان ہوچکے یہ ہیں کہ سب امور مکروہ و محرم تو اس میں منع ہیں اور جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر مکروہ اور بدعت ہوگیا وہ بھی ممنوع ہے سو یہ عین مراد مانعین کی ہے اس میں کوئی ثبوت قیود مروجہ کا نہیں، اور سبط ابن جوزی کا قول ہے کہ مولد میں اعیان[1] علماء حاضر ہوتے تھے، اور سخاوی کا قول کہ ہر روز اہل اسلام شہر میں محفل مولد کرتے ہیں اور یہ ملا علی قاری کا قول کہ اس میں حاضر ہونے سے کوئی انکار نہیں کرتا اور چند ممالک کا نام لکھ دیا کہ یہاں ہوتا ہے اور حرمین میں ہوتا ہے اور ہمایوں وغیرہ سلاطین کی حکایت کا اشارہ اور فرنگیوں کی تعطیل کا حوالہ بس مؤلف نے یہ دلائل لکھی ہیں جس کو اثباتِ کامل کہتا ہے تو سب کا جواب پہلے اجمالاً لکھا گیا کہ یہ قطعاً محقق ہے کہ وہ اجماع شرعی کہ حجت قطعیہ دین کی ہے اس ہیئت مجلس مولود پر کہ سلطان منظفر کے وقت میں ہوئی اور سیوطی کو اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں نہیں پایا گیا کیونکہ باقرار مؤلف ہر زمان میں ایک دو عالم اس کا منکر رہا ہے پس اجماع محال ہوا کہ ایک کا انفراد[2] بھی قاطع اجماع کا ہے پس جو کچھ امر جواز کا تھا وہ قول اکثر علماء کا بقول مؤلف تھا سو وہ ظنی بحکم قیاس کے ہے جیسا اصول میں مصرح ہے سو بمقابلہ نص کے کہ تعین مطلق کا بدعت ہوتا ہے کب معتبر ہے ہرگز ہرگز نہیں چنانچہ سب کتب اصول میں مشرح ہے ذرا علم چاہیے پس یہ سب اقوال مخالفت و بمقابلہ نص کے رد ہوگئے اور حجت حکایات سلاطین و تعطیل نصاریٰ کی سب مردود ہوگئی تو مؤلف نے کونسا ثبوت کامل دیا ہے جس پر یہ کچھ نخرہ ہو رہا ہے سو یہ تو اس ہیئت کا ذکر ہے کہ جلال الدین نے لکھی اور یہ ہیئت اس زمانہ کی سو یہ تو قطعاً بدعت اور ضلالہ ہے اس میں تو نام و نشان بھی جواز کا نہیں اور اگر ہم تسلیم کریں اور ان نقول

---

[1] سرکردہ [2] ایک ہونا

کو معتبر بھی رکھیں تاہم اس میں نفس محفل مولود کا ذکر ہے اس میں کہیں بھی ذکر ہیئت مروجہ کا نہیں کہ اثبات دعویٰ مؤلف کو مفید ہو مطلق سے مقید کا اثباتِ جواز کس عقیل کے نزدیک ہو سکتا ہے بہرحال مؤلف کو اس ابلہ فریبی سے کہ دو ورق کہانی کے سیاہ کر کے دعویٰ ثبوت کامل کا کرتا ہے جہلا عوام تو شاید دھوکہ کھا دیں مگر جس کو کچھ بھی علم ہو گا وہ کس طرح اس امر کی تصدیق کرے گا ایک بھی دلیل شرعی نہیں لکھی اور ثبوت کامل ہو گیا معاذ اللہ عن ہذا التدلیس والتلبیس، اور حقیقت حال یہ ہے کہ علامہ فاکہانی نے جو کچھ اس ہیئت محدثہ کو رد کیا کہ جس کو سیوطی نے حسن المقصد میں لکھا ہے تو ظاہر حال اس کا دیکھ کر اور مآل و انجام کو لحاظ فرما کر رد کیا ہے مگر ظن یہ ہے کہ ہیئت در اصل مباح تھی کیونکہ اس میں سوائے اجماع صلحاء و اطعام طعام و قرأت قرآن کے کوئی امر مکروہ نہیں اور اطعام خود مباح اور قرآن و ذکر مستحب اور تعین تاریخ کا لازم نہ تھا تو یہ اس قدر فی حد ذاتہ مباح ہے تو اس وقت میں وہ لوگ نہ عقیدہ میں مؤکد جانتے تھے نہ عمل میں مثل مؤکد کے التزام تھا اور عوام کی طرف سے بھی طمانیت تھی تو اس وقت فتنہ حال و مآل کو مرفوع جانتے تھے تو اگرچہ بحکم ظاہر کے فتویٰ فاکہانی کا بجا و سزا تھا مگر فی الواقع یہ امر مباح تھا اور یہی امر معروض بندہ مورد الردی سے صاف ظاہر ہوتا ہے اور یہی تحقیق سیوطی کی حسن المقصد سے واضح ہے سو حق الامر واضح ہوا کہ اصل مسئلہ میں کچھ نزاع نہ تھی جو وجہ منع فاکہانی نے لکھی وہ دوسرے فریق کو بھی مقبول تھی مگر اصل اباحت اور رفع مانع کے سبب سے بدعتِ حسنہ کہتے تھے اگر امر عارض فاکہانی کا ان کو بھی معلوم ہوتا تو وہ بھی یہی فرماتے جو فاکہانی نے لکھا مگر وہ اس کو مرتفع جانتے تھے سو نزع لفظی تھی امر واقع میں نہ نزاع حقیقی اصل مسئلہ میں پس یہ نقول اور اقوال اس زمانہ کے مولود کو ہرگز مجوز و مفید نہیں کہ وہ مانع اب موجود ہو گیا ہے قطعاً اور بہت اشیاء ہیں کہ اختلافِ زمانہ سے بدل جاتی ہیں جیسا مؤلف خود قائل اس کا ہے دیکھو اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا اب بسبب رسم کے ممنوع ہو گیا سنن ابن ماجہ میں ہے قال ابو عبد اللہ فما زالت سنۃ حتی کان حدیثا فترک، انتہی پس گو یہ ہیئت مباحہ مذکورہ کسیوطی کی اس وقت میں مباح تھی مگر اب مکروہ بدعت ہو گئی قطعاً پس حکم بھی بدل گیا لہذا یہ اقوال سخاوی وغیرہ کے کسی وجہ مفید مدعا مؤلف کے نہیں اور بہرحال یہ موالید زمانا بدعت ہیں سو اب

لہ فریب ٢ہ کھانا کھلانا ٣ہ اطمینان ٤ہ انجام ٥ہ درست ٦ہ ہمارے زمانہ کی پیداوار

ہر اہلِ علم غور و تأمل سے دیکھے کہ مؤلف کی کیا فہم غبی ہے کہ ایک بھی دلیل مدعا، پر نہیں لایا اور دعویٰ ثبوت کامل کا لکھتا ہے، ہاں تعطیل انگریزاں اس کی حجت باقی ہے کہ وہ کسی نقل سے رد صریح نہیں ہوئی اس پر ہی اعتماد کر کے یہ لکھا ہوگا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بہرحال ہم کو قدماء علماء پر حسن ظن ہے اور فاکہانی کا کلام بھی نہایت مستحکم ہے اور قابلِ تحسین۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا عملہ واتباعہ والباطل باطلاً وقنا اجتنابہ واحترازہ آمین۔

لمعۂ ثانیہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں یہ مشابہت کرتے ہیں کنھیا کے جنم کی اور نیز اس میں تشبہ ہے نصاریٰ کے بڑے دن کا، نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد، جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی ان کی مشابہت کرنے لگے تم اصل حال سن چکے ہو کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنھیا کو نہیں جانتے کہ کس چیز کا نام ہے اور اس کے جنم کی مشابہت تو درکنار بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان جنم کنھیا کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ روم و شام کے مسلمان اور حرمین شریفین کے علماء جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کس کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا، پس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطین روم اور فرمارو ایان ملک شام اور ملوک ممالک مغربیہ اور اندلس اور مفتیان عرب کے سلمہم اللہ الی یوم الدین۔

تشبہ ناجائز کی حقیقت

قولہ لمعۂ ثانیہ اعتراض کرتے ہیں الخ۔

اقول تشبہ اس بات میں ہے کہ یوم ولادت کو عید بنا دیں اور مثل عید کے معاملہ سرور شادی کا کریں جیسا قوم کفار کرتے ہیں سو یہ امر تو مشاہد و محقق ہے مگر مؤلف مشابہت ممنوعہ ہونے سے انکار کرتا ہے تین وجہ سے، ایک یہ کہ کنھیا کو اہلِ عراق و عرب جانتے بھی نہیں تو انھوں نے کس طرح تشبہ کنھیا کا کیا سو یہ سنو کہ یہ تقریر مؤلف کی بالکل کم فہمی ہے اس واسطے کہ پہلے محقق ہو چکا کہ تشبہ حرام فقط یہی نہیں کہ کسی قوم خاص کو دیکھ کر اس فعل

کو اختیار کرلے نہیں بلکہ عام ہے اس سے اگر کسی امر کو کرتا ہے اور تشبہ عارض ہو جاوے یا معلوم ہو جاوے تو اب بعد علم اور عروض کے بھی ترک اس کا لازم ہوگا اگر طبعی و شرعی امر نہ ہوا اور وہ شعار بھی کفار کا ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مردہ کو لحد[1] میں نہ رکھتے قبر پر کھڑے رہتے تھے ایک خبر یہود نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور یہود کی مخالفت کرو، اور دست چپ میں خاتم[2] پہننا جائز بالحدیث تھا جب روافض کا شعار ہو گیا تو اب مکروہ ہو گیا حالانکہ نہ قیام یہود سے دیکھ کر کرتے تھے اور نہ خاتم روافض سے کسی نے دیکھ کر سیکھی تھی پس یہ معنی تشبہ کے مؤلف نے اپنی طبع سلیم سے تراشے ہیں دین اسلام میں تو یہ نہیں پس یہ وجہ مؤلف کی مردود ہے اس کی تحقیق پہلے اصل تشبہ میں ہو چکی ہے اور واضح ہو کہ مانعین نہ فرحت ولادت کو برا کہیں اور نہ منع کریں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحب میں تشبہ کو جو نص سے ممنوع ہے منع کرتے ہیں، مؤلف مطلب تو سمجھتا نہیں تعوذ[3] پڑھتا ہے یہ سمجھا کہ آپکی ولادت کا سرور مثل جنم اور بڑے دن کے ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الردی[4]۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ قرآن کو دیکھ کر نماز نہ پڑھے کہ تشبہ باہل کتاب ہے اب مؤلف تعوذ پڑھ کر کہے کہ قرآن کو یہود کے فعل سے تشبہ کر دیا بلکہ جب فخر عالمؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہؓ مقتدی کھڑے تھے تو آپؐ نے اشارہ کر کے بٹھلا دیا اور پھر بعد نماز کے فرمایا ان کدتم انفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علیٰ ملوکہم وہم قعود (الحدیث) رواہ مسلم یعنی تم فعل فارس دروم جیسا کرتے تھے تو اب مؤلف وہاں بھی کچھ تفوہ[5] کرے کہ نماز کو کفار عجم کے فعل سے مشابہ کر دیا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور وہی مولوی عبدالخالق صاحب کو نصیحت ثانیہ میں لکھتا ہے قولہ، ’’اور کثرت سے برج مثل مندر قوم ہنود کے بنوا دیئے‘‘ کہ خانۂ خدا تعالیٰ کو بت خانہ سے تشبہ دیتا ہے آفرین ہے اس فہم پر۔ الحاصل مؤلف نے اگرچہ دستور العمل سلاطین روم وغیرہ کا لیا ہو مگر مشابہت ممنوع حسب قاعدۂ شرع کے لازم ہے اگرچہ مؤلف نہیں جانتا۔

اب سمجھنا چاہیئے جس طرح جنم کنہیا کی اس میں مشابہت نہیں اسی طرح نصاریٰ کی بھی مشابہت نہیں اس کی کئی وجہ ہیں: ایک تو یہ کہ اگر خدانخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے

---

[1] قبر [2] انگوٹھی [3] اعوذ باللہ کہنا [4] اس کو رنہی سے ہم پناہ مانگتے ہیں [5] بکواس۔

بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو شعار اس قوم کا ہے اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہوجاتے اس وقت میں ان پر صادق آتا مَن تشبہ بقوم فھو منھم کیونکہ تشبہ کے معنی مانند ہونا اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں پھر اعتراض کیا۔

قولہ اب سمجھنا چاہیئے الخ۔ **اقول** مؤلف محض نادان ہے عید کرنا اس یوم ولادت میں شعار ہی ہے اور من کل الوجوہ سب امور میں طابق النعل بالنعل مشابہ ہونا ضروری نہیں ایک شیئ میں مشابہت کافی ہے چنانچہ اس کی تحقیق ہوچکی ہے خود صلوٰۃ قرآن دیکھکر پڑھنے کو دیکھ لو خود قیام کو دیکھ لو کہ فارس وروم کی مشابہت فقط قیام میں تھی باقی کوئی فعل صلوٰۃ کا ان کے دربار سے مشابہ نہ تھا مؤلف نے تمام عمر ڈھیلے ہی ڈھوئے ہیں فہم علم کو نہیں جانا کہ کیا ہے سو خیر اس رسالہ براہین قاطعہ میں اس کو بہت سے امور بتلا دیئے گئے یہ مسئلہ بھی بتلا دیا جاوے مراد یہ ہے کہ جس شیئ شعار میں تشبہ ہے اس میں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے جیسا مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں سے ایک کلاہ پہنے تو یہ من کل الوجوہ مشابہ نصاریٰ کے ہوا اگر اس کلاہ میں بعض وجہ تشابہ کی ہوویگی تو حرام نہ ہوویگی یہ معنی ہیں ورنہ تمام احادیث وجزئیات فقہ کے مؤلف کے فہم کے موافق ہوں تو برہم ہوجاتے ہیں، بہرحال یہ قول مؤلف کا بالکل غلط ہے مؤلف نے مانند ہونا ہی یاد کر رکھا ہے اور باقی خیریت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتماع اہل اسلام اور استعمال عطریات وحلویات وغیرہ ہرگز شرع میں مذموم یعنی بری بات نہیں ہے اور تشبہ بری بات میں مکروہ ہوتا ہے جو شرعاً قبیح ہووے چنانچہ درمختار اور بحر الرائق وغیرہ سے عبارتیں ذکر فاتحہ سوم میں ہم نقل کرچکے اور یہی جواب ابن حجر زیؒ کی طرف سے ہوسکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے۔

قولہ دوسری وجہ الخ۔ **اقول** یہ دوسری وجہ مشابہت ممنوعہ نہ ہونے کی ہے جو مؤلف لکھتا ہے سو یہ بھی سابقاً مذکور ہوچکا ہے کہ تشبہ بہرحال مذموم ہے مؤلف

قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کی مثال اور صوم عاشوراء کی نظیر یاد کر لیوے کہ نہ قرآن دیکھ کر پڑھنا مذموم ہے نہ صوم، اور بحر الرائق اور در مختار کے معنی بھلے پہلے لکھے گئے ہیں وہاں دیکھ لیوے۔

اور ان کی طرف سے دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہلِ اسلام میں تیر اندازی تھی جب اہلِ اسلام کو کفار سے مقابلے واقع ہوئے اور ان کے پاس توپ اور بندوقیں تھیں اہلِ اسلام کے لشکر مجاہدین و غزوات میں بھی یہی آلات تجویز کئے گئے چنانچہ تیر اندازی کو فقہاء لکھتے ہیں وَ فی زماننا استغنی عنہ بالمدافع یعنی اب ہمارے زمانہ میں اس کی حاجت نہ رہی بباعث توپوں کے اور جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے ان کے یہاں تھے اس طرف بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا اس کو تشبہ نہیں کہتے یہ آیۃ فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم کی تعمیل ہے، اسی طرح ممالک مغربی وغیرہ میں کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیمبر مسیحؑ کی یوم ولادت میں احتشام و شوکت ظاہر کرتے فخر دکھلاتے تھے اور ضعفاء اہلِ اسلام وہ ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے تب ملوک مصر و اندلس و مغربی نے جو اہل اسلام تھے قوم نصاریٰ سے بہت زیادہ رونق و جلال کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق اور اظہار شان اسلامی کیلئے اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے روز میلاد ماہ ربیع الاول میں تزک اور احتشام ظاہر کیا تاکہ شوکت اسلامی ان کے مقابل میں بخوبی ظاہر ہو اور طرح طرح کے معجزات کا پڑھنا شروع کیا تاکہ عمدہ طور حضرتؐ کے جاہ و جلال اور جمال و کمال کل عالم پر ہر طرف مشہور و منتشر ہو یہ تشبیہ نہیں در حقیقت یہ پست کرنا ہے مخالفین کا اور فروغ دینا ہے شعار دین کا، چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں تصریح ہے اس امر کی حیث قال واما الاندلس والمغرب فلھم فیہ یعنی فی ربیع الاول لیلۃ تسیر بھا الرکبان ویجتمع فیھا ائمۃ العلماء الاعیان من کل مکان ویعلون لاھل الکفر کلمۃ الایمان۔ اور اسی طرح ابو سعید بورانی نے لکھا ہے " علماء از اطراف عالم جمع آیند و در تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف از عام اہلِ کفر و ضلال فرمایند " اور خود کلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے لم یکن فی ذلک الا ارغام الشیطان وسرور اھل الایمان یعنی کہا ابن جزری نے کہ نہیں ہے

مولد شریف میں مگر ذلیل کرنا شیطان کا اور سرور اہل ایمان، تماشا یہ ہے کہ کسی دورہ میں کفار اس محفل سے جلتے تھے اس دورۂ آخری میں بعضے نام کے مسلمان جلتے ہیں۔

آلاتِ حرب جدید میں تشبہ ناجائز نہیں ہے

قولہ اور ان کی طرف سے دوسرا جواب الخ

اقول مؤلف کو فہم سے علاقہ نہیں کیا کہتا ہے کہ جیسا توپ وغیرہ کے ارتکاب میں کہ آلات[1] حرب نصاریٰ کے ہیں تشابہ نہیں ایسے ہی عید ولادت میں نصاریٰ کا تشبہ نہیں، سبحان اللہ کیسا فہم ہے سنو کہ اعداد آلات جہاد فرض ہے بقولہ تعالیٰ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الآیۃ پس جس آلہ سے دفع کرنا اس کا ممکن ہو اس کا اختیار کرنا فرض ہوگا اب تیر سے دفع نہیں ہو سکتا توبندوق توپ وغیرہ کا بنانا فرض ہوا اور محقق ہوچکا کہ فرائض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا اور اس موقع پر مؤلف کا آیۃ فمن اعتدیٰ علیکم کا تلاوت کرنا بھی ان کے علم وفہم کی خبر دیتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ فعل معصیت کریں تو مسلمان بھی ان کے ساتھ بفعل معصیت پیش آویں معاذ اللہ شرم کی بات ہے لکھنی مناسب نہیں پس اس پر قیاس مؤلف کا یہ ہوا کہ گویا تشبہ عید یوم ولادت کا ممنوع ہی ہو جب بھی اس وجہ مذکور سے درست ہے تو نہ معلوم کہ کفار کے صغار کیو اسطے مؤلف کیا کیا کرا کر ہٹے گا توبہ توبہ ہمیشہ سے احتشام کفار کو رہا ہے بسبب تموّل[2] کے اور ہر روز ضعفاء مسلمین بھی تھے مگر کبھی ایسا کوئی امر جائز نہ ہوا کہ کراہت وبدعت تشابہ سے اس انکسار مسلمین[3] کو رفع کر دیوے اور نہ یہ جواب آج تک کسی کو سوجھا تھا اب کئی سو سال کے بعد مؤلف پیدا ہوا تو اس کو سوجھا تو وجہ یہ ہے کہ ایسا علم جہل مرکب کسی کو نصیب نہ ہوا تھا جیسا مؤلف کو ملا ہے کہ جس کی بدولت سب نصوص کو برہم کرنے کا قصد ہوا یہود ونصاریٰ کی شوکت اور اعیاد[4] وعاشوراء وولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قدیم تھی آج تو حادث نہیں ہوئی حدیث میں ترک عید کو رفع تشابہ کیواسطے حکم ہوا مؤلف اقامتِ عید کا حکم کرتا ہے باخذ تشبہ اور صحابہؓ نے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے واسطے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمادیویں جیسا کفار کے یہاں ذات انواط ہے ذات انواط درخت تھا کہ کفار ایک دور معین میں اس پر ہتھیار لٹکا کر اس کے گرد بیٹھتے تھے اور عید کرتے تھے نہ یہ کوئی معبود تھا نہ بت پرستی تھی پس صحابہؓ نے کہا کہ ہم بھی ایک روز دل بہلا لیا کریں تو آپ

---

[1] جنگی سامان [2] مالدار ہونا [3] خستہ حالی [4] عید کی جمع

نے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہ تو تمہارا قول ایسا ہی ہوا کہ جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا اجعل لنا الٰہًا کما لہم آلہۃ اور اس قول کو رد کر دیا اور سختی سے منع فرمایا تو شارع علیہ السلام تو یہاں تک ان کی اعیاد اور رسوم سے تبعید[1] فرماتے تھے اور ایک مؤلف دوسرا شارع بنا کر ضد سنۃ اللہ کی قائم کرنے کو رفع انکسار مسلمین کیواسطے جائز کہتا ہے معاذ اللہ بھلا خیر ان ممالک نصاریٰ کے جوار میں یہ حیز تجویز عذر ہے تو ہندوستان میں کونسے مسلمین کو خستہ دلی ہے کہ ہنود کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن ہو رہے ہیں اور پھر یہ رفع خستگی اگر سلاطین کے موالید میں ہو تو کوئی صورت بھی ہے مؤلف کے اور ہندوؤں کے مولود میں کہ دو آنہ کی ریوڑی پر جمع ہوتے ہیں کون سا احتشام ہے اگر معصیت کو کوئی اختیار کرے شوکت اسلام اور رفع صغار کیواسطے تو جو کچھ یہ توجیہ پلید ہے اس کی کوئی صورت بھی ہو گو خلاف قواعد اسلام کے ہو مگر عرب میں اور ہند میں جو مولود ہوتے ہیں اس میں کیا احتشام ہوتا ہے اور کونسا طمطراق ہے کہ جس کا ظہور نصاریٰ یا ہنود پر ہووے کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا ہوا مؤلف کی عقل بالکل سلیم نہیں رہی سلیم بدعت ہو گئی ہے آدمی کچھ سوچ کر تو بات منہ سے نکالے کیا عجب عذر ارتکاب تشابہ ممنوع شرعی کا ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ، جمعہ اور عیدین کا احتشام اور وعظ میں فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا اظہار کیا کافی نہیں تھا جو اپنی طرف سے کوئی بدعت قائم کیجاوے پھر سخاوی اور نور الدین کے قول پر وہی کلام ہے کہ اگر مراد اس کی وہ ہے جو مؤلف سمجھا تو خلاف نصوص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں ورنہ اس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی اور مؤلف کے مولود کو اس سے کچھ نفع نہیں ملتا پس تماشا ہے کہ بدعات و معاصی سے رنجیدہ ہونا اور اس کو مبغوض و منکر سمجھنا تو فرض شرعی تھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان ولیس من وراء ذلک حبۃ خردل من ایمان امر منکر سے جلنا فرض ایمان کا تھا اب مؤلف امر منکر کو عین ایمان بتاتا ہے معاذ اللہ، فخر عالمؐ کے ذکر ولادت کو کوئی برا نہیں جانتا مناکیر کو برا جانتے ہیں جب مؤلف سے اپنے دین منکر کے جواز کی دلیل نہیں بنتی تو دھوکہ دہی عوام کیواسطے مطلق ذکر مندوب کو اس کے قائم مقام کر کے اہل سنت کو تبرّی کرنے لگتا ہے مؤلف نے یہ روافض و جہلاء سے قاعدہ یاد کر لیا ہے مگر وہ تبرّی اس پر ہی منقلب[2] اور چسپاں

---

[1] دور رہنا [2] طریقہ الٰہی کی مخالفت [3] بیکار [4] ولادت [5] شان [6] چھوٹوں کو بلند کرنا [7] برا بھلا کہنا [8] لوٹنا

ہوتی ہے کما لا یخفی۔

اور تیسرا جواب اور بھی ابن جوزی کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ یہ دستور ہے کہ جو کسی نیک کام کی طرف لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں تو ادنیٰ کا ذکر کے اعلیٰ کا شوق دلاتے ہیں مثلاً گاؤ کشی وغیرہ مقدمات دینیہ میں جب اہلِ اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جاوے کہ قوم ہنود باوجودیکہ مذہب انکا باطل ہے وہ تو باطل پر جانفشانی کریں تم حق پر ہو کر کچھ نہ کرو تم کو ان سے زیادہ عرق ریزی اور جاں نثاری چاہیئے اس کو کوئی عاقل تشبیہ کفار نہ کہیگا اسی قاعدہ پر نازل ہوا قرآن میں ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ ما لا یرجون اس کی تفسیر دیکھنی چاہیئے اور اسی درجہ میں ہے قول محمد بن مسعود گازرونی کا کہ وہ لکھتے ہیں جب بادشاہ یا امیر ذی القار اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلفات وضیافت کریں حالانکہ وہ ابناء دنیا سے ہے پھر میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں کیوں نہ کیا جاوے کہ سبب نجات ہے پس اسی قبیل سے قول ابن جوزی کا ترغیب محفل میلاد میں واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کے میلاد میں ایسی خوشی کریں ہم تو اس سے زیادہ مستحق ہیں اپنے نبی کی خوشی کریں اور اسی درجہ میں تو قول ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی واقع ہوا ہے کہ یہود نے جب کہا کہ ہم روزہ عاشورا شکر و نجات موسیٰؑ کا رکھتے ہیں آپؐ نے فرمایا انا احق بموسیٰ منکم یعنی جب تم یہود ان کا شکریہ ادا کرو تو میں زیادہ مستحق ہوں اس کا کہ مجھکو زیادہ مناسبت ہے موسیٰؑ سے۔

قولہ تیسرا جواب الخ۔ **اقول** مؤلف کیا خوش فہم خوش تقریر ہے سبحان اللہ کہتا ہے کہ ادنیٰ کا ذکر کر کے اعلیٰ کی رغبت دلاتے ہیں سو یہاں ادنیٰ تو عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کو ٹھیرایا ہے اور اعلیٰ عید ولادت فخر عالمؐ کو غرض دونوں ایک ہی جنس ہیں اور پھر کوئی عاقل ہم مشرب مؤلف کا اس کو تشبہ نہیں کریگا اس واسطے کہ مؤلف کے نزدیک مشبہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں من کل الوجوہ[1] مساوی[2] ہوتے ہیں چنانچہ پہلے بھی لکھ چکا ہے سو اول تو یہی مؤلف کا علم معلوم ہوا اور دوسرے عید ولادت میں کیا ادنیٰ کی ولادت اور کیا اعلیٰ کی عید نفس عید ہونے میں سب یکساں ہیں پس

[1] ہر اعتبار سے [2] برابر

مؤلف عاقل کے قاعدہ پر تشبہ تو ہوگیا اور تشبہ نفس عید میں ہے ممنوع ہے پس عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کی تشبہ سے یہ عید ممنوع ہوگئی، نہیں معلوم کہ مؤلف کیا کہہ رہا ہے جو دلیلِ جواز بن جاوے ہاں البتہ اگر مؤلف یہ کہتا کہ عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کی ادنیٰ یعنی ناجائز ہے تو وہ اس قدر خرچ کریں اور اہتمام کریں اور عید ولادت فخرِ عالمؐ کی اعلیٰ یعنی جائز اور عبادت اس میں کچھ بھی اہتمام نہ ہو تو البتہ کلام فی حد ذاتہ درست ہوجاتی گو یا یہ محض حماقت ہے کیونکہ دو نوں عیدیں یکساں ہیں اور دونوں کی ولادت کی خوشی ہے گو کم زیادہ ہے پس وہی منشا بہت ممنوعہ موجود، پس نہ معلوم کہ مؤلف کے دماغ میں کس شئی نے یہ علوم بھر دیئے ہیں کہ ابن جرزی کو ہرگز یہ جواب نہ سوجھے نہ کسی کو ان کے بعد آج تک، اب مؤلف نے خوب طرفداری کی ماشاء اللہ اور آیۃ ان کنتم تالمون میں بھی تو یہی معنی تھے کہ اے مسلمانوں تم کو تکلیف جہاد میں ہوتی ہے تو دیکھو کفار بھی اپنے کفر پر کس قدر جان ومال خرچ کرتے ہیں حالانکہ ان کو محض خسران ہے تم ثواب ورضوانِ الٰہی پر کیوں نہیں کرتے تو مثل اس کے مؤلف نے ولادتین[۲] کو بنایا ہے، غرض حدیث تشبہ کی مخالفت مدِنظر ہے معاذ اللہ، کیوں مؤلف نے اپنی خواری علماء کے سامنے دکھائی چپ رہتا، ابن جرزی کی مددگاری کیا ضروری تھی سچ ہے سہ تا مرد سخن نہ گفتہ باشد ؛ عیب و ہنرش نہفتہ باشد[۳]۔ قولِ گازرونی کو بھی سنو کہ جو مولود ہیئت منکرہ کے واسطے یہ قول ہے تو وہی جواب مخالفت نص کا اس کا جواب ہے ورنہ پس سچ ہے کہ فرحت ولادت فخرِ عالمؐ میں جس قدر کیا جاوے بوجہ مشروع وہ تھوڑا ہے پس مجلس میلاد مروجہ[۴] سے اس کو کچھ علاقہ نہیں ابن جرزی کا بھی یہی جواب ہے اور فخرِ عالمؐ کی حدیث عاشوراء کی تحقیق گذرچکی یہ مؤلف کا ترجمہ اور مراد بالکل غلط ہے اور پر واضح ہولیا تکرار کی حاجت نہیں[۱]

اور ایک خوبی یہاں اور ہے کہ اگر ابن جرزی یہ مقولہ فرما کر محفلِ میلاد شریف کی بناء ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے انہوں نے یہ عمل نصاریٰ سے سیکھا ہے حالانکہ یہ عمل اس کلام سے دوسو برس پہلے یہ تخصیص وتعین روز میلاد ایجاد ہوچکا تھا اور علماء دین اس کی اصل ونظیر شریعت سے نکال کر فتوی دے چکے تھے پس بے سمجھے بوجھے اس شیخ معظم مرحوم پر تشبہ نصاریٰ کا الزام لگانا سخت بے عقلی ہے خیر یہ ذکر رد اعتراض اس شیخ کا اتفاقی ہوگیا تھا

[۱] خوشنودی [۲] دونوں ولادت [۳] جب تک کوئی مرد بات نہ کہے اسکا عیب وہنر پوشیدہ رہتا ہے [۴] رائج شدہ۔

اب ہم رجوع کریں اصل کلام کی طرف اور بیان کریں واسطے ابطال وجہ تشبہ کے ۔

قولہ اور ایک خوبی یہاں اور ہے الخ۔ **اقول** سابق ولاحق سب طرح ممنوع ہوتا ہے اگرچہ ذکر جواب تنزیہ ابن جزری اتفاق سے آئے مگر مؤلف کی بدفہمی کا یہاں بھی اتفاق ہی رہا فہم کی کوئی بات کہہ کر اپنے قاعدۂ قدیمہ کے خلاف نہیں کیا۔

وجہ تیسری وہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنھیا معین ہے، وہ لوگ اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے کرتے ہیں اور اہل اسلام کے یہاں یہ بات نہیں کہ خاص بارہویں تاریخ ربیع الاول کے سوا کسی اور دن محفل سرور میلاد شریف منعقد نہ کریں۔ ربیع الاول کی کل تاریخوں میں مولد شریف ہوتا ہے کسی نے کسی دن کیا، کسی نے کسی دن بلکہ علاوہ ربیع الاول اور مہینوں میں بھی اہلِ اسلام مولد شریف کرتے ہیں اور ہنود اور نصاریٰ میں نہیں ہوتا مگر اسی ایک دن میں اور یہ مثال ہم اول دے چکے ہیں کہ صوم عاشورا میں ہم اور اہلِ کتاب شریک ہیں لیکن ایک روزہ اول میں جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے میں تشبہ اہل کتاب کا جاتا رہتا ہے اور ہمارا فعل ان سے جدا گنا جاتا ہے فقہ اور حدیث کی کتابوں سے معلوم کرو، پس جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہوگیا، حالانکہ ہم ان کے اصل فعل میں یعنی صوم عاشورا میں شریک ہیں، پھر کیا خیال کرتے ہو نصاریٰ کے بڑے دن اور کنھیا کے جنم میں کہ ہم ان کے ان دنوں میں ان کے افعال کے شریک نہیں اور ہم جو محفل میلاد شریف کرتے ہیں اس کے آئین اور ترتیب جدا اور ان کی رسوم و قواعد جدا نہ دن میں شرکت نہ کاروبار میں مشابہت استغفر اللہ نعوذ باللہ من شر الوسواس الخناس۔ یہ چوتھا جواب سمجھو ابن جزری کی طرف سے خلاصہ یہ کہ امام القراء والمحدثین علامہ ابن جزری اور جمیع اہل سنت والجماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبیہات کفریہ سے بالکل پاک ہے ہاں یہ حضرات ایسی تشبیہات جنم کنہیا وغیرہ کی محفل پاک نسبت پیدا کرکے کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کررہے ہیں اگرچہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہوگئے تو اللہ بس ہے ان کی تعذیب کو میں کیوں منہ اپنا آلودہ کروں

ہاں البتہ بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے تشبہ دینے سے اور محفل ذکر پاک سید الابرار کو اس قسم کی اہانت اور استحقار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے پس اہلِ اسلام کو بہت ضروری ہے کہ ایسے الفاظ خطرناک سے پرہیز کریں، وما علینا الا البلاغ

مشابہتِ ممنوعہ میں من کل الوجوہ تشابہ ضروری نہیں

قولہ وجہ تیسری وہ یہ ہے کہ نصاریٰ الخ۔

اقول یہ تیسری وجہ عدم ممانعت تشبہ کی مؤلف کی طبعزاد[1] ہے اور معلوم ہو چکا کہ من کل الوجوہ مماثلت مشابہت ممنوعہ میں ضروری نہیں جیسا قیام مقتدی امام قاعد میں موجود ہے پس تجدید تاریخ کی ضرورت نہیں نفس تقید تشابہ کو کافی ہے اور صوم عاشورا رکی شرکت بامر اللہ تعالیٰ ہے اور منفرد صوم عاشورا بھی مکروہ نہیں ایک صوم اول آخر محض تبعید کیواسطے مستحب ہے نہ رفع[2] تشبہ کے واسطے کیونکہ تشبہ پہلے بھی نہیں تھا، جیسا ستہ[3] شوال کا بعد عید فطر کے تتابع[4] سے متصل رکھنا حنفیہ کے نزدیک علی المختار بلا کراہت جائز ہے اگرچہ تفریق مندوب ہے کیونکہ روز عید الفطر مفرق آگیا ہے یہاں تشبہ نہیں اگرچہ تبعیداً عن التشبہ[5] تفریق اولیٰ ہے پس حدیث دانی اور فقہ خوانی مؤلف کی معلوم ہوئی خلاف اس مسئلہ عید ولادت کے کہ نفس عید میں ہر حال تشبہ موجود ہے ہاں اطعام طعام تعید نہیں جائز ہے بلا تعین روز ولادت بھی اور غیر روز ولادت بھی اور تعین کا مسئلہ یہاں بھی خیال رہے، استغفر اللہ من تسویل النفس[6] الامارہ وتلبیس الابلیس مؤلف کیسا حق کو باطل سے مختلط کر کے مسلمین کو گمراہ کیا پس کیا کہا جاوے خود ناظرین غور کریں کہ کس کا مشرب[7] پاک تشبیہاتِ کفار سے ہے زیادہ زبان درازی کا جواب دینا ہمارا کام نہیں کوئی علم کی بات نہیں کفر و اسلام سنت و بدعت کا فرق سب کو واضح ہو گیا۔

لمعۂ ثالثہ اعتراض کرتے ہیں اگر تشبہ کفار اس میں نہیں پھر بھی یہ محفل بدعتِ سیئہ ضرور ہے کیونکہ قرون ثلٰثہ میں نہیں پائی گئی۔

---

[1] طبیعت کی پیداوار [2] مشابہت کو ختم کرنا [3] شوال کے چھ روزے [4] پے درپے [5] تشبہ سے دور رہنے کے لئے [6] نفس امارہ کا فریب [7] طریقہ کار

قولہ لمعہ ثالثہ الخ۔ **اقول** تقریر اعتراض کی یہ ہے کہ اگر اس مولود مروج میں تشبہ نہ بھی ہو تاہم بسبب قیود مروجہ کے بدعت ہے اس واسطے کہ یا یہ قیود[1] منکرہ امور ہیں یا مباح کہ بسبب تاکد[2] کے مکروہ ہو گئے ہیں اور تقیید مطلق امور کی بدعت ہے کیونکہ یہ قیود قرون ثلثہ سے ثابت نہیں ہوتی تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ ممانعت بسبب قیود کے ہے نہ کہ بسبب اصل ذکر ولادت کے کہ بارہا اس کا بیان ہو چکا ہے پس مؤلف اس کے جواب میں اثبات ان قیود کا واجب تھا جس کو معترض بدعت کہتا ہے نہ کہ اصل ذکر کا مگر مؤلف خوش فہم جواب میں اصل ذکر کو ثابت کرتا ہے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ کس وادی میں ہائم[3] ہو رہا ہے۔

جواب مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی تصنیفات تذکیر الاخوان وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ جو عمل ایسا ہو کہ زمانۂ نبوت میں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تین زمانہ مابعد صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں وہ عمل بعینہ نہ پایا جاوے اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر اور مثل پائی جاوے وہ عمل بدعت ہے اور جو کچھ مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے انتہیٰ۔

قولہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب الخ۔ **اقول** سب ناظرین بچشم انصاف دیکھیں کہ یہاں مؤلف نے عبارت تذکیر الاخوان کی جو نقل کی یہ ہے کہ جو عمل زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں اور تین زمانہ مابعد میں بعینہ یا نظیر اس کی نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ حد بدعت کی بعینہ وہی قول خامس ہے جو مؤلف نے مختار رکھا ہے لفظاً و معنیً چونکہ یہاں اپنے مدعا پر اس سے استدلال لاتا ہے تو اس کو کامل و تام بیان کیا، اور لمعۂ ثانیہ نور دوم میں ناتمام نقل کیا کہ طعن کرنا منظور تھا اور وہاں اس کے قبول میں بزعم خود خلاف مدعا ہوتا دیکھا تھا گو یہ خام فہمی تھی پس یہ خیانت دین اللہ تعالیٰ اور شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بدعت کی احیاء کیواسطے کس کا کام ہے اور پھر آخر دروغ گو را حافظہ نباشد، خود ہی بول پڑا مگر یہ خیانت مؤلف کی کچھ اس کو مفید نہ ہوئی اور اہل سنت کو مضر نہ ہوئی چنانچہ واضح ہو گیا مگر ہاں مثل مشہور ہے بلی کی ذات دریافت ہو گئی ناظرین دونوں عبارت کو ملا کر دیکھیں۔

---

[1] قید کی جمع [2] بار بار کرنا [3] سرگرداں [4] ناپختہ

پس ان بنا پر کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی نظیر اور مثل بھی اصل تو یہ ہے کہ مواہب اور اس کی شرح میں قسطلانی اور زرقانی و طبرانی وغیرہ محدثوں سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مدینہ واپس آچکے مسجد میں آپؐ اور بہت آدمی تھے، حضرتؐ کے چچا عباسؓ نے اجازت لیکر یہ اشعار پڑھے من قبلہا طبت فی الظلال وفی ؛ مستودع حیث یخصف الورق ۔ ثم ھبطت البلاد لا بشر ؛ انت ولا مضغۃ ولا علق ۔ بل نطفۃ ترکب السفن وقد ؛ الجم نسرا واھلہ الغرق ۔ تنقل من صالب الی رحم ؛ اذا مضی عالم بدا طبق ۔ وردت نار الخلیل مکتتما ؛ فی صلبہ انت کیف یحترق ۔ حتی احتوی بیتک المھیمن من ؛ خندف علیا تحتہا النطق ۔ وانت لما ولدت اشرقت الارض ؛ وضاءت بنورک الافق ۔ فنحن فی ذلک الضیاء وفی ؛ النور وسبل الرشاد نخترق ۔ اب دیکھئے اس میں حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کا اور پھر منتقل ہونا ایک صلب سے دوسری صلب میں اور حضرت ابراہیمؑ اور نوحؑ کا نجات پانا آپؐ کی برکت سے کہ آپؐ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر بعد نقلیات صلبی ورحمی انجام کار پیدا ہونا اور اس وقت نور کا نکلنا پھر اس نور سے تمام عالم کا روشن ہو جانا جو کچھ مولد شریف میں بتفصیل ہوتا ہے اس جلسہ میں بالاجمال وہ سب مذکور ہوا ہے پس مردود ہوا قول ان لوگوں کا جو کہتے ہیں بالاستقلال یہ ذکر نہ کرے اگر وعظ کے اندر ذکر میں ذکر یہ بھی کردے درست ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تنہا پڑھ لے تو جائز ہے مجمع میں پڑھیں اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہئے کہ اس مجلس میں کل قصیدہ حضرت عباسؓ کا بالاستقلال اسی ذکر میں ہے اور انہیں اس کے اول و آخر میں پند و موعظت اور عین مجمع میں پڑھا ہے پس یہ تذکرہ بالاستقلال کرنا اور نیز مجمع میں کرنا سنت بالاصالۃ ثابت ہوا نہ کہ بدعت ۔

قولہ پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں الخ۔ **اقول** مؤلف کے فہم پر غشاوہ ہے ذکر فخر عالمؐ کا اول سے آج تک کسی کے نزدیک ناجائز نہیں اور اس کے اثبات کے واسطے زرقانی اور مواہب وغیرہ کی روایت کی حاجت نہیں اور جو کچھ مؤلف نے بڑی جانکنی سے یہ لکھا ہے اس کو خود اہل

لہ محنت ۔

سنت قبول کرتے ہیں مگراس میں امر متنازع فیہ کا نام ونشان نہیں اور بالاستقلال اس ذکر کو کسی نے منع نہیں کیا مؤلف اپنے دماغ کا علاج کرے تداعی اور اہتمام اس ذکر کے واسطے بالخصوصیت مکروہ کہتے ہیں مثل تداعی نوافل کے اور یہاں مسجد میں اس قصیدہ کے واسطے جمع نہ ہوا تھا بلکہ خود خدمت فخر عالم میں تھے اور شیرینی اور فرش وبساط وغیرہ کوئی بات نہیں تھی سو یہ سب کے نزدیک جائز ہے یہ تو اول مؤلف آیۃ ورفعنا لك ذكرك سے ثابت کر چکا ہے مگر کلام قیود میں ہے اس کی کوئی سند دینی واجب تھی پس مجمع میں نہ پڑھنا اور فقط استقلالاً اس کا ذکر نہ کرنا مؤلف کا خیال ہے سو وہ مردود ہو گیا بیشک اور قول اہلسنت کا موافق کتاب اور سنت کے ہے، لاریب ۔

باقی جو اس کے امور لواحق ہیں وہ یہ ہیں فرش بچھانا، منبر یا چوکی واسطے قاری کے لگانا خوشبو کا استعمال کرنا اور جو کھانا یا شیرینی دیدینا ۔

فرش ومنبر واستعمال خوشبو تقسیم شیرینی سب امور بذاتہا مباح ہیں مگر ان کی ہیئت ترکیبیہ پر رائج محفل مولد بدعت ہے ۔

قولہ باقی جو اس کے امور لواحق ہیں الخ **اقول** مؤلف نے یہاں بھی خیانت کی قیود زائدہ امور لواحق میں سے وہ امور چھانٹ کر لکھے کہ دراصل مباح ہیں تاکہ عوام کو فریب دیوے سو ان امور کی بحث تو اب ہو جاویگی مگر جو امور اصل سوال جو ورقہ میں اور جواب مولوی احمد علی صاحب مرحوم میں مصرح ہیں ان کو ہضم کیا تو وہ بعض امور یہ بندہ لکھتا ہے تداعی[1] و اہتمام زیادہ وعظ وجماعت پنجگانہ سے اور فساق و مبتدعین کی طلب اور مدارات اور لباس و زی منکر شرع کا ہونا اور ترک امر نہی واجب کا اور رعایات موضوعہ اور امارد خوش الحان کا ہونا اور اس مجمع کی حاصر باشی سے صلوٰۃ فجر میں کوتاہی کا ہونا اور اسراف روشنی میں اور قیام ذکر ولادت خصوصاً بعقیدہ فاسدہ یہ امور عشرہ یا سب کے سب یا بعض ان کے بالضرور مجلس مروجہ میں ہوتے ہیں ہرگز نہیں ہوتا کہ سب مرتفع[2] ہوویں اور ان میں سب کے سب مکروہ تحریمی اور حرام ہیں کہ ہر ہر واحد کی کراہت اور محظور[3] ہونا ایسا بدیہی امر شرعی ہے کہ کسی ادنیٰ مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں

---

[1] جس میں اختلاف ہے۔ [2] ختم [3] ممنوع ۔

لہذا ہر ہر واحد کے اثبات کی حاجت نہیں اس عبارت شرح مفید پر جو باب صلوٰۃ الرغائب سے شروع نورِ چہارم میں درج اس رسالہ کی ہو گئی ہے قناعت کرتا ہوں اور بعض کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اور ان بعض قیود اربعہ مذکورۂ مؤلف پر بھی شرح سوال میں بحث ہو چکی ہے اب چونکہ مؤلف نے سب طرح سنبھل کر خوب جزم کیساتھ قیود لکھے ہیں تو انکا حال سننا لازم ہے۔

سو فرش و منبر تو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں رکھتے ورنہ مجلس وعظ کیلئے بھی اگر کوئی اپنے گھر میں فرش اور منبر لگا دے تو چاہیئے وہ وعظ بدعت ہو جاوے یہ بات تو کسی کے نزدیک نہیں پس فرش اور منبر سے تو یہ ذکر بدعت نہیں ہو سکتا، باقی رہا استعمال خوشبو و عطریات اور کھانا یا شیرینی دینا یہ خاطرداری اور ضیافت مہمانوں کی ہے، صحیحین کی حدیث ہے مَن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کمال تاکید سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان ہے اس کو چاہیئے کہ خاطرداری اور تواضع کرے اپنے گھر آئے ہوئے کی روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے، اب مجلس کرنیوالوں سے پوچھ لیجئے کہ ان کی نیت بیشک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہم نے تیار کیا ہے شیرینی یا کھجور یا فیرنی وغیرہ وہ سب صاحبوں کو جو ہمارے گھر آئیں گے ان کو کھلائیں گے اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجئے کہ ضیافت شرع میں کس چیز کا نام ہے، چیز کھانی تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لئے آدمیوں کو بلاویگا شرع میں ضیافت کہلاویگی، صحابہؓ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو ہوتا پیش کرتے اور حدیث میں ہے لو دعیت الی کراع لاجبت یعنی ایک پارچہ بکری کیلئے بھی کوئی دعوت کرے تو میں قبول کروں، آنحضرتؐ کا یہ اخلاق عالی تھا اس اہلِ ضیافت کا خوش کر دینا منظور ہوتا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا تھا، چنانچہ فقہاء بھی یہی حکم دیتے ہیں دعوت قبول کرنے والوں کو فتاوی برہنہ میں ہے "از جہت بعد دفع امتناع بیارد و قصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدائے سنت و ادخالِ سرور در دلِ مسلم"، پس اگر کوئی متمول یا مقدور شکم سیر کھانا کھلاوے محفل مولد شریف میں یا کم مقدور والا محض شیرینی اور کھجور ما حضر کے لئے اہل اسلام کو تکلیف دے اس کو ضیافت شرع میں کہتے ہیں اور وہ لوگ اس کے پاس آنے والے عربی

امر مباح ہیں جبکہ الترا

کے حق میں بدعت اور مرعی

مسلک فقہاء کا ہے، شرح

میں دونوں مکروہ ہو گئے ا

ہی ہیں اور اب خوب ظاہر

اس کا تعامل مخل سنن ضرور

کا لازم ہے مگر بلا لعنت نراب

[illegible]

واللہ تعالیٰ

زبان میں ضیف اور فارسی میں مہمان کہلائیں گے اور عطر ملنا ان کی تعظیم اور اکرام ہے۔ مقام غور ہے کہ تذکرہ خود سنت تھا اور مراسم اکرام ضیف بھی سنت ہیں، پھر سنتوں کا نام جو کوئی بدعت ضلالت رکھے اس کو خدا سمجھے ع جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت کو خدا سمجھے۔

مدعا اصلی پر آویں۔

قولہ سو فرش و منبر تو بدعت الخ۔ **اقول** یہ دعویٰ مؤلف کا کہ فرش و منبر کو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں کیسی چشم پوشی حق سے اور انکار مُنہ روزی کا ہے کیونکہ فرش و منبر دونوں امر مباح ہیں جبکہ التزام کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور لازم اس محفل کا جانیں گے تو کیوں ان کے حق میں بدعت اور مرتکب کے حق میں مکروہ نہیں ہو گا عوام کے ضروری سمجھنے سے مکروہ ہو جانا مسلّم فقہاء کا ہے، شرح منیہ میں ہے "منہا ان العوام یعتقدونہا سنۃً" انتہیٰ۔ پس اس صورت میں دونوں مکروہ ہو گئے اور بدعت ہوئے مؤلف مطلق العنان[۱] لکھتا ہے کہ ان کو بدعت میں کچھ دخل ہی نہیں اور اب خوب ظاہر ہے کہ عوام کالانعام اس کو ضروری جان رہے ہیں اور خواص کالعوام اس کا تعامل مثل سنن ضروریہ کے کرتے ہیں اور اس میں تعدی[۲] حد اللہ تعالیٰ اور تغیر حکم شرع کا لازم ہے مگر مؤلف خواب غفلت میں ہے، عالمگیریہ اور شرح منیہ میں ہے وکل مباح یؤدی الی ذلک فمکروہ، انتہیٰ۔ اور کراہت مطلقہ تحریمیہ ہوتی ہے اور دلیل بھی تحریم کو چاہتی ہے کہ تعدی حد اللہ تعالیٰ ہے قال فی رد المحتار اعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامہم فالمراد منہ التحریمۃ الّا ان ینص علی تنزیہ، انتہیٰ۔ پس یہ دونوں امر جب مکروہ ہو گئے تو مجلس مروجہ کو بیشک مکروہ بنا دیں گے کما لایخفیٰ۔ ہاں نفس منبر مباح تھا پس وعظ کا ذکر کرنا یہاں بے سود[۳] ہے کیونکہ اول تو وعظ کا کون اہتمام کرتا ہے مولود کے البتہ اہتمام ہوتے ہیں اور پھر اگر منبر و فرش وعظ میں بھی ایسا ہی ضروری جانا جاویگا لاریب وہ بھی بدعت ہو جاویگا مگر چونکہ وعظ کا اہتمام کسی کے دل میں نہیں وہاں ضروری کوئی بھی نہیں جانتا صدہا واعظ زمین پر ہی ہوتے ہیں ہاں مولود کا اہتمام وہ ہے کہ جماعت فرض کا بھی نہیں اور یہ ایک وجہ بدعت و کراہت مجلس مولود کی ہو گئی ہے، بہر حال ایسی حالت میں موجودہ فرش و منبر یا چوکی دونوں بدعت ہیں گو مؤلف اپنی بے شرمی سے

---

[۱] بے لگام کے جانوروں کی طرح [۲] تجاوز کرنا، آگے بڑھنا [۳] بے شک۔

انکار کرے، علیٰ ہذا عطریات و شیرینی کا بلا کم و کاست ہے کہ در اصل مباح تھی اگر قلوبِ عوام میں سنت ضروریہ ہوگئی پس بدعتِ مکروہہ ہوگئی، شرح سوال میں بھی ذکر اس کا ہوچکا بعد اس کے یہ کہ یہ ہر چار مباح موافق قاعدۂ شرع کے مکروہ ہوچکے اب خاطر داری حضار[۱] فساق کی لائق سننے کے ہے کہ وہ مستقل ایک امر معصیت کا حق ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے لا تجد قوما یومنون باللہ و الیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا ابآء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم الآیۃ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ (الحدیث) پس مؤلف اور راس کے سب اقران[۲] جب مولود کرتے ہیں تو سب فسقہ[۳] جہلاء[۴] مبتدعہ[۵] کو طلب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مدارات اور مداہنت[۶] فی الدین ہوتی ہے اس کا نام اکرام ضیف رکھا گیا ہے بھلا اگر اکرامِ ضیف ایمان ہے تو وِدو محبت مخالفین فاسقین کی کیا ہے ذرا مؤلف آنکھ کھولے ہوشیار ہووے ومن یہدی اللہ فما لہ من مکرم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یاکل طعامك الا تقی (الحدیث) جس میں صاحبِ احیاء العلوم فرماتے ہیں کہ متقی کی ضیافت کرے اور فاسقوں کو کھانا نہ کھلاوے کہ اعانت ان کے فسق کی ہوتی ہے پس فساق مبتدعین کی ضیافت ہی کب درست ہے کہ اکرام کرنے کی حدیث پڑھی جاتی ہے یہ حدیث میں اکرام ضیف متقی کا ہے نہ کہ فاسق کا علیٰ ہذا اجابت کا حال ہے کہ جس ضیافت میں کوئی امر خلافِ شرع ہو اس ضیافت کی اجابت ہرگز جائز نہیں چنانچہ شرح سوال میں ذکر ہو چکا پس یہ اور تکلفات ضیافت کی بحث محض کم فہمی مؤلف کی ہے پس اب غور کرنا چاہئے کہ شرع سے نہ ضیافت مباح ہے اور نہ اضیاف[۷] کا اکرام روا ہے پھر اس کو سنت کہنا مؤلف کے فہم نا روا نے روا[۸] کیا ہے کوئی اہلِ علم اس کو جائز نہیں کہہ سکتا پس وہ تذکرہ راون[۹] آسا بھی مکروہ بن گیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور سنن کا مجموعہ بھی وہی محمود ہوتا ہے کہ خالی کراہت و بدعت سے ہو اور جمع موافق حکم شرع کے ہو ورنہ جمیع سنن سے کراہت بھی حاصل ہوتی ہے، دیکھو کہ قرآن پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی مجموعہ مکروہ مشابہ باہل کتاب ہوگیا اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع جمع دونوں کا مکروہ ہوا اور علیٰ ہذا مگر مؤلف نے ایک قاعدہ سیکھ لیا ہے کہ جس کی مفردات اجزاء مباح ہوویں گے مرکب بھی مباح رہیگا اور یہ خود ناتمام ہے اور تحقیق اس کی پہلے گذر چکی ہے، مؤلف نے یہ سن لیا کہ اکرامِ ضیف

---

[۱] حاضر ہونے والے فاسق [۲] جمع قرن زمانہ [۳] فاسق [۴] جاہل کی جمع [۵] بدعتی [۶] دخل دینا [۷] ضیف کی جمع مہمان [۸] جائز [۹] راون جیسا۔

سنت ہے اور قلیل شئی بھی دعوت ہوتی ہے پس عالم بن گئے اور بدعات کو سنت بتانے لگے اب دیکھو کہ بدعت کو سنت کہنے والا کون ہوتا ہے؟۔

محفل مولد شریف میں وہ چیز کہ اصل عبادت اور بنیاد محفل کی اس پر ہے وہ ذکر خیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بآداب و تعظیم دلیل اس کی یہ کہ اگر کوئی فرش اور خیمہ اور شامیانہ میز چوکی وغیرہ آراستہ کرے اور اس میں کچھ ذکر نہ ہو اس کو مولد شریف نہ کہیں گے اور اگر کسی موقعہ میں کوئی شخص کھڑا ہوکر درود یا مدح پڑھنے لگے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے اسی طرح اگر کوئی آدمیوں کو کھانا کھلاوے یا شیرینی بانٹ دے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے اسی طرح اگر کسی جلسہ میں بخور سلگایا جاوے یا عطر لوگوں کو ملا جاوے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے پس معلوم ہوا کہ محفل کا نام محفل مولد شریف اسی سبب سے ہوتا ہے کہ اس میں ذکر ولادت مع بعض صفات و معجزات و خرق عادات وغیرہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل اس محفل کی ذکر پاک ہے اور یہ ہم ثابت کر چکے کہ حضرتؐ کے چچا عباسؓ اور آپؐ نے اور جمیع صحابہؓ نے سنا پس ثابت ہوگئی اصلیت مولد شریف کی باقی یہ امور ملحقات جو عارض ہیں یہ نہیں نکالتے اصل سنت ہونے سے۔

قولہ محفل مولد شریف میں وہ چیز الخ۔ **اقول** یہ مؤلف کی بے سود تقریر ہے مولود ذکر خیر کا نام ہے مگر اس کے ساتھ اگر کوئی امر مکروہ منضم[۱] ہو جاویگا تو مجموعہ لاریب مکروہ ہو جاویگا کہ مجموعہ حلال و حرام کا حرام ہی ہوتا ہے صدہا مثالیں موجود ہیں اور قاعدہ کلیہ فقہ کا ہے اذا اجتمع الحرام والحلال غلب الحرام پس ان امور لاحقہ سے بیشک حرمت و کراہت آویگی یہ بدیہی کا انکار نہایت بلاہت ہے صلوٰۃ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے اور اشتمال صما سے اور سدل سے اور ارض مغصوبہ میں اور آگ اور تصویر کے روبرو مکروہ ہوگئی ذرا آنکھ کھول کر دیکھے حاصل یہ ہے جو قید تغیر حکم شرع کا کردیگی بدعت و کراہت حاصل ہو جاویگی ورنہ نہیں اور سنت ہونا قید کا مانع بدعت ہونے کا نہیں ہوتا۔

مثال اس کی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی

[۱] شامل۔

اور اب بھی مدارسِ اسلامیہ میں ہوتی ہے لیکن اس قدر فرق ہے کہ اس وقت میں استاذ
پڑھتے تھے شاگرد سنتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ یہ سب محدث لکھتے ہیں
کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں، جابجا لفظ
حدّثنا اور اخبرَنا وغیرہ لکھتے ہیں چنانچہ مکہ میں اب تک تیرہ سو برس ہوچکے وہی دستور
جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہ ہوتا ہے استاد سے دریافت
کر لیتے ہیں اور ہندوستان کے مدارس کا یہ طریق ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے استاد سنتا ہے پس
یہ امر خلاف ان کے ٹھیرا اور تعمیر مدرسہ کی نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ابوبکر نہ عمر
نہ عثمان نہ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، اب وہ تعمیریں مدارس کی پختہ کی جاتی ہیں کہ ارادہ
کیا جاتا ہے کہ قیامت کے نفخۂ صور سے بھی ان کی بناء محکم متزلزل نہ ہو اور پہلے صحابہؓ اور
تابعینؒ حتی کہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ و ابویوسفؒ تک بھی تعلیم علمِ دین کی اجرت نہ لیتے تھے
اب جو مدرس حدیث کا یا فقہ کا ہوگا کسی کے چالیس روپے ہوں گے، کسی کے پندرہ، کسی کے
بیس۔ اب صرف و نحو وغیرہ کی حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک پہلے یہ تنہا اور علاوہ
اس کے منطق اور علمِ ہیئت و ہندسہ وغیرہ جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے صحابہؓ
کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گرد نہ لگی تھی اب تحصیل میں داخل ہیں اور پہلے جو کوئی روپیہ دیتا
تھا مخفی طور پر دینے کو خالی ریاء سے جانتا تھا اب چندہ دینے والوں کی نمائش ہوتی ہے
ان کے نام سال بہ سال کتابوں میں چھپتے ہیں، خلاصہ یہ کہ اس زمانہ کے اطوار تعلیم مدارس
کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم آدمی بھی تامل کریگا تو معلوم کریگا کہ بیشک مدرسہ
تعلیم علم دین کا اس ہیئتِ کذائی اور ہیئت مجموعی کے ساتھ ہرگز قرون ثلثہ میں پایا نہیں
گیا لیکن با ایں ہمہ جائز رکھتے ہیں اس کو فقط اس بات پر نظر کرکے کہ گویا یہ عوارض اور
لوازم بالائے سلف نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے اس کی اصلیت باطل نہیں ہوتی
اور نہیں کہتے کہ یہ تعلیم جو اس ہیئت کذائی سے ہے یہ بدعت اور ضلالت ہے علیٰ ھٰذا
القیاس عارض ہونے اس ہیئتِ کذائی سے محفل مولد شریف بھی سنت ہونے سے خارج
نہیں ہوسکتی اور بدعتِ ضلالت کہنا اس کا لغو اور ضلالت ٹھیرا۔

مدارس اسلامیہ سے جزوی انتظامات سب ثابت بالسنۃ ہیں یہ وجہ معارض ہرگز نہیں بن سکتے

قولہ مثال اس کی الخ۔

اقول اول تو مؤلف نے مثال امر لاحق کی جودی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مولود میں جو امور لاحق ہیں یا خود مکروہ ہیں یا لحوق[1] و تغیر کے سبب مکروہ ہو گئے ہیں مگر بہرحال ایک امر زائد علیٰ اصل ذکر ہے اور اس مثال میں کوئی امر زائد تعلیم پر نہیں فقط تعلیم ہی تعلیم ہے ہاں تعلیم کے دو طریق تھے تبدل طرز ہی علیٰ زعم مؤلف نہ لحوق امر زائد سو مؤلف کے فہم میں از سر خطا ہے دوسرے یہ کہ زمانہ فخر عالم میں دونوں طریق موجود تھے آپؐ بھی فرماتے تھے اور یہ کہ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ نے تقریر فرمادی یہ تھا چنانچہ بخاری نے اس کے لئے باب ہی جدا ضبط[2] کیا ہے پس دونوں طریق سنت ہوئے ہرگز تبدیل نہیں ہوئے اور پھر آج تک وہی دونوں طریق چلے آتے ہیں اگرچہ ایک کم ہو، تیسرے یہ کہ مؤلف نے حدّثنا و اخبرنا وغیرہ کو سب کو ایک معنی تحدیث کی جان کر نقل کیا اور یہ محض ناواقفیت مؤلف کی فن حدیث اور اصول فقہ اور اصول حدیث سے ہے کیونکہ حدّثنا وہاں بولتے ہیں کہ استاد اپنی زبان سے پڑھے اور اخبرنا وہاں کہتے ہیں کہ شاگرد اپنی زبان سے پڑھے استاد سنے پس بخاری و مسلم وغیرہما سب کتب سے ہر دو طریق مستفاد[3] ہیں اور مؤلف ہر دو لفظ کو ایک تحدیث پر دلیل لا کر فارغ ہوئے دلیل تو کچھ اور مدعا کچھ سبحان اللہ حدیث بھی مؤلف کو خوب آتی ہے۔ پس اور تو کیا کہوں مؤلف کی مثال محض اس کے جہل کی خبر دیتا ہے نہ مثال و مثل میں مطابقت نہ دعویٰ و دلیل مطابق نہ اصل مطلب سے خبر کہ کہاں زیادۃ بدعت و مکروہ ہے اور کہاں جائز ہے سب کو ایک راہ چلا دیا ماشاء اللہ، اور پھر دعویٰ علم کی نہایت ہی نہیں، بہرحال مدارس ہندوستان کا طرزِ تعلیم حدیث کا خلاف زمانہ فخر عالم و قرون سابقہ کے ہونا بالکل غلط ہے دوسری مثال تعمیر مدرسہ کی یہ بھی محض کم فہمی ہے صفّہ[4] کہ جس پر اصحاب صفّہ طالب علم دین و فقراء مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے ہاں تبدل ہیئت مکان کی ہو گئی سو مکان کی ہیئت مطلق ہے جس ہیئت پر مناسب وقت ہو بنانا جائز ہے المطلق یجری علیٰ اطلاقہ ہاں تشابہ کفار وغیرہ امور ممنوعہ عارض نہ ہوویں پس بناء محکم

---

[1] لاحق ہونا، شامل ہونا۔ [2] قائم کیا ہے [3] فائدہ حاصل کیا ہوا [4] ایک چبوترہ تھا جس پر سب سے پہلے اسلام کی تعلیم باقاعدہ درسگاہ کی شکل میں شروع ہوئی۔

خود امر جائز اور ضروری ہے کہ بار بار اس کا بنانا مشکل ہے پس کسی وجہ سے یہ مثال صحیح نہیں کیونکہ یہ عین سنت ہے اور تغیر صورت کا جو ہے سو وہ باطلاق نص ثابت ہے خلاف امور لاحقہ ذکر مولود کے کہ وہ بالکل شئ دیگر ہے متباین باقی اسکا کام مدرسہ میں ایسا کلمہ شاعری کا وہ ایمان مؤلف کا ہے کہ اس کی ہی زبان کو لائق ہے اور زمان فخر عالمؐ میں عمال کو عمالہ ملتا تھا قرآن میں فرمایا وَ العاملین علیہا سو وہی امر دینی پر لینا اب بھی ہے کوئی امر زائد نہیں ہاں تغیر وصف ہوا ہے کہ اس وقت بطور رزق کفایہ کے تھا اور رزق قضاۃ وولاۃ وغزاۃ وغیرہ سب یہی قسم ہے اب بطور اجرت ٹھیر گیا اسی واسطے امام شافعیؒ اجرت تعلیم کو جائز فرماتے ہیں پس یہاں بھی کوئی امر زائد لاحق نہیں ہوا تغیر وصف ہی ہے اور بضرورت ضروریہ اختیار ہوا ہے پس مثال مؤلف کی باطل ہے اور صرف و نحو، ادب و معانی یہ سب باشارۃ النص سنت ہیں فرمایا علیہ السلام نے علیکم بدیوان العرب جب آپ نے زبان عرب کے اصل محاورات کو جاننا لازم کہا تو یہ فنون اس کو لازم ہیں یہ بھی کوئی اپنا ایجاد اور اپنی طرف سے زیادہ نہیں بلکہ حکم فخر عالمؐ کا ہی ہے مگر ذکر مولود میں کہیں حکم فرش مکلف اور شیرینی کے انتظام کا نہیں فرمایا البتہ التزام کو مکروہ فرمایا ہے اطلاقات نصوص ہیں اور علوم فلسفہ بوجہ مناظرہ کے اور رفع تشکیکات[۳] عقائد فلاسفہ کے داخل ہوئے تھے کہ روافض و معتزلہ حکماء کے اصول سے متمسک[۲] ہوئے اور خلل دین میں آیا اس کا رفع اور الزامی جواب بے اس کے ممکن نہ تھا سو یہ بھی بارشاد فخر عالمؐ کے تھا بقولہ جاھدوھم بایدیکم والسنتکم (الحدیث) البتہ بلا حاجت اب اس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے اور ہیئت و ہندسہ حاجت دینیہ میں مبین ہے، حساب پر علم فرائض مبنی ہے اور ہیئت سے اوقات صلوٰۃ وغیرہ محقق ہو جاتے ہیں گو ضروری نہیں غرض یہ سب اعتراضات مؤلف کے اور ان اشیاء کو امور عارض زائد غیر مامور بالحاق اس کا کہنا محض جہل دینیات سے ہے اور چندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لیا ہے غزوۂ تبوک میں مثلاً ترغیب بار بار فرمائی اور جب حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ دیئے تو مجمع عام میں مدح حضرت عثمانؓ کی کرتے تھے بقولہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھذا رواہ الترمذی ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم مرتین رواہ احمد سو جہاد اور تعلیم دونوں اعلاء کلمۃ اللہ[۵] کے واسطے موضوع ہیں اس میں عند الحاجت چندہ لینا اور رغبت دلانی اور اظہار اس کا کر کے تحریض[۶] کرنا سب

---

[۱] مضبوطی [۲] ملازم [۳] شبہات [۴] دلیل پیش کرنے والا [۵] کلمۂ الہٰی کو بلند کرنا [۶] برانگیختہ کرنا

عین سنت ثابت بالحدیث ہے۔ اور صدقہ باخفاء کو اب بھی کوئی منع نہیں کرتا اور یہ حکم معطی[1] کو ہے کہ باخفاء دیوے مگر آخذ کو اس کے اخفاء کا حکم نہ معلوم مؤلف نے کس آیت اور حدیث میں پڑھا ہے، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ ہے ومن کتم کفر پس مؤلف کو درپردہ یہ سب مطاعن[1] احادیث پر کرنے ہیں اور پھر مؤلف کو دیکھو کہ صدقۂ نفل کے اخفاء کا حکم افضلیت کا ہے نہ کہ وجوب کا ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم الآیۃ۔
پس اس کے اظہار کو موجب ملامت جاننا یا امر زائد جاننا ایک سخت جہل ہے کیونکہ وہ تو مامور بہ ہے دوسرے اخفاء افضل معطی کو ہے نہ کہ آخذ کو چنانچہ معلوم ہوا، تیسرے یہ حکم صدقہ کا ہے اب بھی اگر کوئی طالب علم کو صدقہ کرجاتا ہے کسی کیفیت میں طبع نہیں ہوتا مگر جو مجمع میں طلبا، کو دیتے ہیں وہ حسب رغبت معطی کے طبع ہوتا ہے کتب چندہ میں اور چندہ صدقہ تو نہیں ہوتا وہ تو مہتمم کو کہ متولی و قیّم[2] ہے امانت دیتے ہیں کہ بموقع معلوم خرچ کرے یہ وکیل معطی کا ہے پس کیفیت میں اس کا حساب لکھا جاتا ہے، فخر عالم علیہ السلام عمّال سے محاسبہ کرتے تھے یہ وہ امر ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے کیا اور نیز باعث رفع تہمت کا ہے کہ سب کو حساب معلوم ہو جاوے مہتمم پر تہمت نہ رکھیں اور رغبت دلاتا ہے کہ تمہاری امداد سے یہ نفع ہوا اور یہ سب احادیث صحاح میں صراحۃً مذکور ہیں افسوس کہ مؤلف کو اس قدر بھی علم نہیں اگر مشکوٰۃ بھی تمام دیکھ کر سمجھ لیتا تو کفایت تھا مگر ہاں اس کے سینۂ تابوت کینہ میں جو بغض مدارس دینیہ کا ہے یہ کلمات بے معنی وہ کہلا رہا ہے اور فرطِ جہل مزید برآں اور درست ہے کہ مدارس سے شیطان کو سخت غیظ ہے افسوس کہ مؤلف نے اپنے سارے شکوک مدارس کے بیان نہ کئے اس کے سینے میں خراش رہ گئی اور ہم کو بھی اس کلام فضول پر یہ تحریر اجمالی اس واسطے لکھنی پڑی کہ مؤلف کا غیظ دوبالا ہو جاوے کہ یہ امور سنت نکل آئے مدارس اور اس کے مخالفین کا حال اس آیت میں سے خوب نکلتا ہے کزرع اخرج شطئہٗ الآیۃ پس کیا ظاہر تفسیر کروں بیشک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرونِ ثلٰثہ میں موجود تھے صراحۃً و دلالۃً اور علم فرض عین دین کا ہے اور تعلیم بھی فرض ہے اور اس کی تحصیل[4] میں شارع کی وہ کچھ تاکیدات ہیں کہ کسی ادنیٰ پر بھی مخفی[5] نہیں اور جس ذریعۂ مشروعہ سے تحصیل ممکن ہو اس کا کرنا فرض ہے اگر اس میں زیادت

---

[1] طعنہ کی جمع [2] ذمہ دار [3] حاصل کرنا [5] مخفی

تھی حسبِ زمانہ کی جاوے سنت اور مطلوب فی الدین و ماموٗر من اللہ تعالیٰ ہوگا اور یہ قیود ملحقہ مجلس مولود کی ہرگز اس باب سے نہیں یہ محفل ہی کوئی ضروری نہیں اگر ضروری ہوتی یا شعار دین کا ہوتا چھ سو سال کیونکر اس سے خالی رہتے اور اب بھی کوئی ترقی دین کی اس سے نہیں ہاں تنزل ہے کہ طرح طرح کی بدعات کا ایجاد اور عبادات فرائض کی سستی اور بے رغبتی کا باعث ہے مولودیوں کے عقیدہ میں نجات کو یہی عمل کافی ہے مؤلف امیٔ اگر حق سے امیٔ ہو جاوے تو کیا علاج یہ سب امور مشاہدہ ہیں اور علم پر اس ذکر کو قیاس کرنا محض جہل مرکب ہے نماز جمعہ پر قیاس کرنا تھا کہ بہت ظاہر ہے استغفر اللہ انی اعوذ بك من لا علم ۔ پس اگر علم دنیا سے اٹھ جاوے اس کا فساد سب پر روشن ہے اور جو مولود اٹھ جاوے کچھ بھی تغیر نہیں اس کا قیاس اس پر کرکے بزعم فاسد خود بدعات کو جائز کہنا اور امورِ سنن اور ماموراتِ شارع کو تحصیلِ دین میں مقیس علیہ امور مبتدعہ دین کا بنانا کس قدر جہل عن قواعد الدین ہے معاذاللہ۔ غرض فساد فہم مؤلف کا ہے اور بطلان اس کے قیاس مزعوم کا ہر شخص پر ظاہر ہو گیا، خلاصہ یہ کہ عبادت مسنونہ لحوق امور مکروہ سے اور لحوق امور محرمہ سے حرام ہو جاتی ہے بلا اختلاف مگر مؤلف کو ہرگز علم نہیں اس کا یہ قول کہ امر سنت لحوق مکروہات سے سنت ہی رہتا ہے محض سفسطہ ہے یوں نہیں بلکہ مجموعہ مرکبِ سنت و حرام حرام ہی ہوتا ہے گو وہ نفس جزو سنت کا سنت ہے۔

یہاں تک تو بیان تھا اس بات کا کہ محفلِ مولد شریف کی اصل ثابت ہے اب بیان کریں ہم دوسری بات یعنی اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے، بیان اس کا یہ ہے عملِ مولد شریف ایک شکریہ ہے نعمتِ خداوندی کا چنانچہ امام نووی کے استاذ ابو شامہ نے مولد شریف کے حق میں لکھا ہے مشعر بمحبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعظیمہ فی قلب فاعل ذلك و شکرا للہ علیٰ مامنّ بہ من ایجاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مولد شریف کرنا خبر دیتا ہے کہ اس کے بانی کو محبت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تعظیم ان کی اس کے دل میں ہے اور جو کہ خدا تعالیٰ نے پیدا کر دینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مسلمانوں پر احسان ظاہر کیا ہے لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا الآیۃ یہ محفل مولد شریف

۱؎ دین میں طلب کی گئی ۲؎ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محکوم ۳؎ قواعدِ دین سے ناواقفیت۔

کا شکر ہے اس منت خداوندی کا حدیث شریف میں وارد ہے التحدث بنعمۃ اللہ شکر جب یہ
بات ثابت ہو چکی کہ اس جلسہ میں اظہار ہے نعمتِ پروردگار کا کہ اس نے ایسا حبیب ہادیٔ کل
ختمِ رسل ہماری ہدایت کے لئے بھیجا پس اس کی نظیر جلسۂ شکریہ صحابہؓ میں ہوتا تھا چنانچہ
صحیح مسلم میں ہے " ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلقۂ صحابہؓ میں آئے پوچھا تم کیوں بیٹھے
ہو؟ کہا ہم بیٹھے ہیں کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں اور شکر اس کا ادا کرتے ہیں علیٰ ماھدانا اللہ بالاسلام
ومنّ بہ علینا یعنی اس بات کا شکر کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی اسلام کی طرف اور احسان رکھا ہم پر
اس بات کا کہ راہِ راست پر لگا دیا ہم کو تب فرمایا حضرتؐ نے تم کو قسم اللہ کی تم محض شکریہ کے
لئے بیٹھے ہو، انہوں نے عرض کی قسم اللہ کی اسی لئے بیٹھے ہیں، آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس
واسطے قسم نہیں دی کہ تم پر یہ گمان ہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ میرے پاس جبریلؑ آئے اور
انہوں نے یہ خبر دی کہ ان اللہ عزّوجلّ یباھی بکم الملئکۃ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تمہارا
فخر ظاہر کرتا ہے کہ دیکھو میری نعمت کا شکر کرتے ہیں " اب دیکھئے صحابہؓ میں بھی ثابت ہوا
ہوا کہ جلسہ اظہارِ شکرِ نعمت خداوندی کا ان میں پایا گیا اور جلسۂ میلاد شریف بھی شکریہ ہے فرق نعمت
میں ہے وہاں نعمتِ اسلام پر شکر ہے یہاں خود اس نعمت پر شکر ہے جو کہ اصل بنیاد اسلام و
ایمان کی ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور جمیع احکام مان لینے کو اسلام کہتے
ہیں، بنائً علیہ لابد اس جلسۂ شکریہ میں بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ملائکہ
میں فخر بانیانِ محفل کا ظاہر کرے کیونکہ علت شکر اس جلسۂ منصوصہ اور اس محفل میں مشترک ہے
لاجرم یہ بدعت نہ ٹھیری۔

قولہ یہاں تک تو بیان تھا الخ۔ **اقول** مؤلف کس قدر غافل ہے پھر وہی
نفسِ ذکر کی فضل اس قول اور آیات سے ثابت کرنے لگا اس میں کس کو کلام ہے مگر مؤلف
کور مغز ہے اور یہ حدیث حلقۂ صحابہؓ کی بھی وہی بیان مطلق ذکر وشکر میں ہے اس سے
مؤلف کو سوائے تطویل کے کوئی نفع نہیں اور مانعین کے کچھ خلاف نہیں لھذا
اس کا جواب کیا لکھا جاوے کہ یہ مسلم اہلِ سنت کا ہے۔

اور اگر مثل اور نظیر اس طرح پر طلب کرتے ہو کہ ایسا جلسۂ مسنونہ بتاؤ جس میں چند سنتیں مثل جلسۂ مولد شریف کی مجتمع ہوں تو اس کی بھی نظیر شرع میں موجود ہے مثلاً شادی عروسی کہ اس میں اجتماع ہے مؤمنین کا اور ذکر اللہ بھی اس میں ہے اس لئے کہ خطبہ نکاح کا جو سنت ہے جلسۂ نکاح میں پڑھا جاتا ہے بعد ازاں خرما وغیرہ تقسیم کردیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا بأس بنثر السکر والدراهم فی الضیافۃ وعقد النکاح، اور مولوی اسحٰق صاحب نے مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں لوگوں کو جمع کرکے خطبہ پڑھا ایجاب وقبول کیا چھوارے لٹائے اور نیز جس وقت آنحضرت کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے نجاشی بادشاہ حبش نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفرؓ اور جمیع مہاجرینؓ کو جمع کرکے خطبہ پڑھا ایجاب وقبول کیا بعد ازاں سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو یہ سنت پیغمبروں کی ہے کہ بعد نکاح کے کچھ کھانا کھاویں تب کھانا منگا کر سب کو کھلایا یہ بھی مسائلِ اربعین میں ہے اب دیکھئے اگر نکاح میں عقد نکاح کا سرور ہے یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت یعنی وجود باعث ایجاد عالم کا سرور ہے وہاں خطبہ میں توحید اور اقرارِ رسالت ہے یہاں بھی وہ مضمون بہ تفصیل وشروح موجود وہاں تقسیم شیرینی وخرما واطعام طعام ہے یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں اور اگر سال بسال دائمی ہونے کی مثلیت مطلوب ہو تو محدثین صوم عاشوراء کی نظیر دے چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکریہ سال بسال کب سے چلا آتا ہے غرضیکہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے اور نظیر اور مثل بھی بناءً علیہ موافق قول مولوی اسمٰعیل صاحب کے یہ محفل بدعت نہیں۔

قولہ اگر مثل اور نظیر اس طرح پر الخ۔ **اقول** فی الواقع مؤلف کو اثبات مدعا[1] میں یدِ طولیٰ[2] ہے کیا عمدہ طرح اثبات قیودِ مولود کرتا ہے سننے کے قابل ہے غرض تو اس کی اثبات جواز کی ہے اور نظیر کراہت کی لکھی سنو کہ مانعین کا تو قول حسب ارشاد شارع کے یہ ہے کہ کسی جائز مطلق کے ساتھ اگر ایسے امور ضم[3] ہو جاویں کہ وہ ممنوع ہوں تو مجموعہ ممنوع ہو جاتا ہے

---

[1] دعویٰ [2] مہارت [3] شامل

اور جو ایسے امور منضموم ہوں کہ مباح ہیں یا مستحب ہیں تو اگر اپنے درجۂ اباحت و استحباب پر رہیں تو درست ہیں اور جو اپنے درجہ سے بڑھ جاویں تو بدعت ہو جاتے ہیں اور یہ امر تمام کتب میں مصرح ہے پس شادی نکاح میں جو امور سنت سے ثابت ہیں وہ مستحب ہیں یا مباح پس اگر شادی میں کوئی امر غیر مشروع مل گیا جب بھی وہ مجمع غیر مشروع ہو گیا اور جو ان امور کو واجب جاننے لگے یا واجب جیسا معاملہ ہونے لگے جب بھی ممنوع اور بدعت ہو کر مجمع بدعت کا ہو جاویگا اور شرکت وہاں کی منع ہو جاویگی پس بعینہٖ یہی حال اس مجلس مولود کا ہے بلا تفاوت ہم کو زیادہ شرح کی کیا حاجت ہے مؤلف خود ہی کہتا ہے مگر ہاں شادی کی بدعات میں معصیت اور مؤاخذہ نہیں جو مولود کی بدعات میں ہے کیونکہ وہ امر دنیا کا تھا اور یہ ذکر پاک دین کا اور سرورِ عالم علیہ السلام کا ذکر اس کی مناہی پر سخت باز پرس ہوتی ہے، الحمد للہ کہ مؤلف کے منہ سے حق بات نکلی مگر بھول کر نکل آئی۔ پس اگر مؤلف اجتماع امورِ مباحہ کو مثل مجمع شادی کے جانتا ہے تو اب تاکد کی صورت میں کیوں ان کے بدعت ہونے سے تامل کرتا ہے کلمہ پڑھ کر اقرار کر لیوے پس مؤمنین متبعین سنت میں داخل ہو جاویگا اب ناظرین مؤلف کے علم کو قیاس کریں کہ ہر دفعہ اثباتِ قیود کیواسطے عزم کرتا ہے تو مطلق فضائل ذکر مولود کے بیان کرکے کوئی قیاس کی بات یا مجمل بات قیود میں ذکر کرتا ہے یہاں بھی اسی فکر میں یہ قیاس پیش کیا ہے جو بالکل اس کے مدعا کے خلاف ہے یہ کمال فہم اس کا ہے اور صوم عاشوراء کا جواب گذر چکا کہ وہ روزہ بسبب اعادۂ شکر کے نہیں تھا، بلکہ بایجاب[1] اللہ تعالیٰ تھا اور اعادہ سرور عید کی طرح عادت یہود کی تھی کہ فخر عالم نے اس کو ترک کرا دیا تھا پس یہ نظیر ہرگز نہیں ہوسکتی تھوڑے سے فہم کی حاجت ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اگر یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید بنا لیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں خود اس روز کو پہلے سے حق تعالیٰ نے عید بنا رکھا ہے اس روز دو عید تھی جو یہ آیت نازل ہوئی عرفہ اور جمعہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوم حصول نعمت کو یہود عید بناتے تھے اور ہمارے شرع میں یہ نہیں ہے کہ کسی دن کو ولادت سے لیکر آخر تک شرح صدر اور نبوت اور معراج وغیرہا نعماء اس امت پر ہوئی مگر شارع نے کہیں کوئی عید نہ منائی نہ حکم دیا نہ کہیں قرونِ ثلثہ

---

[1] خدا تعالیٰ کے واجب کرنے سے۔

تک کچھ ہوا پس ایسی حالت میں اگر سرور بطور عید کرنے کو یوم ولادت فخر عالمؐ میں تشابہ یہود کا بھی کوئی کہدیوے تو بجا ہے باقی رہا سرور ولادت سو وہ ہردم لازم ایمان ہے اگر اس کا اظہار بطور مشروع کسی وقت ہو اس کو کوئی منع نہیں کرتا ہاں بدعت کی طرح پر لاریب ممنوع ہے پس مؤلف کے سب قیاس برہم ہوئے محض دعویٰ بے مغز باقی ہے اور بس ۔

اب ایک دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے مولوی اسمٰعیل صاحب تذکیر الاخوان میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور مجلس میلاد اگرچہ بدین ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قاعدے کلیہ ایجاد کئے کہ یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالکؒ حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے پھر فرش چوکی ہوتا مسند بچھتی عود و لوبان وغیرہ بخور خوشبو سلگتی پھر منبر پر بیٹھ کر کمال تعظیم سے بیان فرماتے لوگوں نے پوچھا یہ اہتمام کیوں کرتے ہو فرمایا تعظیم کرتا ہوں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تب کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے، امام مالکؒ خیر القرون میں تھے تابعین میں تھے اور مجتہد تھے ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی دلیل معقول سن کر چپ ہوا کہ واقعی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے پس دوسروں کا سکوت کرنا بعد اعتراض کے یہ بھی قول امام مالکؒ کو مؤید ہو گیا، علاوہ بریں اس وقت سے آج تک جمیع کتب حنفیہؒ مالکیہؒ شافعیہؒ میں یہ دستور العمل مکتوب ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکان عالی پر بیٹھنا خوشبو لگانا تعظیم مدنظر رکھنا مستحب ہے، مدارج النبوۃ اور مواہب اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر ہے اور معلوم ہے سب کو یہ بات کہ محفل مولد شریف میں احادیث و معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اس میں اس قسم کے آداب کئے جاتے ہیں پس یہاں تک تو محفل مولد شریف فعل خیر القرون میں داخل اور سنت میں شامل ہے باقی رہا درود و سلام و مدح کھڑے ہو کر پڑھنا تعظیماً اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے یعنی احمد بن حنبلؒ کے استاذ یحییٰ بن سعید منارۂ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع

کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم مجتہد محدث علیؒ ابن مدینی، ابن خالدؒ اور امام احمدؒ وغیرہ
کھڑے رہتے تھے اور تحقیق کرتے حدیثیں اور کوئی ان کی ہیبت اور جلال سے نہ بیٹھ
سکتا تھا، یہ حال فتاویٰ برہنہ میں موجود ہے ان محدثوں اور کے فعل سے ثابت ہوگیا
اگر کوئی شخص ذکر الرسول کھڑا ہوکر کرے صحیح ہے اور حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہوکر
فخر بیان کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لبس۔

قولہ اب ایک دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں الخ۔

مجلس نکاح وصوم یوم عاشورا نظیر اور مثیل مجلس مولد مروج نہیں ہوسکتے جیساکہ مؤلف سمجھتا ہے امام مالکؒ کا عند الحدیث تعطر و تبخر و تأدب اہلِ بدعت کو مفید نہیں

اقول خلاصہ تقریر یہ ہے کہ امام مالکؒ درس حدیث
غسل و تطییب کے ساتھ کرتے تھے امام مالکؒ کا حال شرح نخبہ وغیرہ میں منقول ہے
روی عن مالک انه کان اذا اراد ان یحدث توضأ وجلس علی صدر فراشه وتمکن فی جلوسه
بوقار وهیبة وحدث، وروی انه کان یغتسل ویبخر ویتطیب، انتهی۔ پس طہارت
نظافت و تعطر جو یہاں منقول ہے سب اذکار قرآن وحدیث میں باتفاق مندوب ہے اور
نصوص سے ثابت ہے نہ معلوم کہ مؤلف کو باوجود نص کے فعل مالکؒ کی کیا ضرورت ہوئی مگر
ظاہر ہے کہ جہل ہے اسی واسطے اتنا تکلف کرنا پڑا سو اول تو جو کی منبر کا حوالہ غلط ہے شاید
یہی وجہ اس فعل کے نقل کی ہوئی ہو کہ یہاں تصرف کم ظاہر ہوویگا، نصوص تو خوب منصوص ہیں
اس کے تصرف کو ہر ایک معلوم کرلیویگا پس حجت منبر کی اس سے درست نہیں مگر مؤلف کیوں تکلف
کرتا ہے اس کا تو کسی نے انکار نہیں کیا ندب تعطر[1] کا خود نص سے ثابت ہے مالکؒ کے فعل سے
بھی ثابت ہے اس کا وجوب ہوجانا بدعت ہے، دوسرے یہ کہ مؤلف قرآن اور درود سب کچھ پڑھتا
ہے کسی کو تعطر و تبخر[2] نہیں ہوتا خاص اسی ذکر میں ندب پر عمل ایساکہ ہرگز ترک نہ ہو جو کوئی
بولے تو لڑنے کو تیار اور امام مالکؒ کا فعل لکھنے کو موجود یہ تخصیص کی وجہ کیا ہے یہ وجہ لکھنی تھی
تاکہ بدعت کے طعن سے نجات ملتی اب تو مؤلف وہی تیلی کا بیل ہو رہا ہے پھیر پھرایا اسی مرکز پر
آرہا ہے بھلا صاحب ندب منبر کا بھی اور تطییب کا بھی ثابت ہوا مگر اس تخصیص اور تاکید کی وجہ کیا

---

[1] عطر لگانا [2] لوبان اور اگر بتی سلگانا۔

ہے جو مانعین کا اعتراض رفع ہووے واہ رے جولانی اور علم تحدیث حدیث میں چوکی پر یا مکان مرتفع پر بیٹھنا کہیں سنت نہیں ہاں وعظ میں یا جہاں مجمع عام میں کوئی امر سنانا ہو آواز پہنچانے کو یا اور غرض صحیح کے واسطے مندوب ہے مگر نہ کوئی تخصیص کی وجہ نہ تاکد کی دلیل اس سے نکلی اور نفس ندب مفید مؤلف کو نہیں اور درود وسلام کا بھی یہی حال ہے کھڑے بیٹھے جس طرح چاہو پڑھو مگر خصوصیت قیام کے وقت ذکر ولادت کی پوچھی جاتی ہے کوئی مؤلف کو کہے بندۂ خدا تعالیٰ کہیں تو سمجھ درود کو قیاماً کس نے منع کیا ہے بالخصوص ذکر ولادت پر قیام کرنے کو پوچھتے ہیں سمجھ کر جواب دے، الحاصل کلام خصوصیات میں تھی اور یہاں ذکر قیود مباحہ کی ضم[1] مؤکد ہیں مگر مؤلف کچھ سے کچھ لکھ رہا ہے تو اس درست نہیں علیٰ ہٰذا حسان رضی اللہ عنہ کا منبر پر چڑھ کر مفاخرت[2] منافعت غیظ[3] کفار کے واسطے اور اعلان کے واسطے تھا غرض صحیح میں قیام قعود سب درست ہے مگر مؤلف کو کیا نفع ہے مطلب سے کچھ خبر اور غرض نہیں تطویل بے سود کرتا ہے کلام خصوصیت میں اور تاکد مباح میں ہے نہ کہ ان امور کی اباحت میں سو وہ کچھ بھی مؤلف نے ثابت نہ کیا "ہمہ شب[4] رواں صبح ہم انجا کہ ہست"

اب باقی رہ گیا کھانا یا شیرینی دیدینا اس کا حال یہ ہے کہ جس وقت ابو سعید مظفر کے وقت میں محفل ہوئی اور اس میں کھانا نہایت پُر تکلف شاہانہ عام لوگوں کو کھلایا گیا اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق یعنی مجتہد فی الشرع موجود نہ تھا مگر مجتہدوں کے چند طبقے ہیں ان میں سے ایک مجتہدین فی المسائل ہوتے ہیں کہ قوتِ نظریہ ان کی قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے مسائل غیر منصوصہ میں بنظر اجتہادی حکم دیتے ہیں اس قسم کے مجتہد موجود تھے تو تواریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت جمیع علماء نے سوائے شیخ تاج الدین کے محفل مولد شریف کی مع اطعام طعام و تعیین یوم میلاد وغیرہ جائز رکھا پس ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچ گئی اور مولوی اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجتہدِ مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی نہیں کیونکہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علماء کم مایہ اس کو پسند کرلیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کو قوت نظریہ لائق اصل و نظر پہچاننے کی ہووے اور مولوی اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تذکیر الاخوان کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر عالم دیندار متقی اس مسئلہ کو

[1] شامل کرنا [2] فخر کرنا [3] غصہ و غضب [4] تمام رات چلے صبح کو دیں کے دیں رہے۔

قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے انتہی۔ دیکھئے یہاں اجتہاد کی قید نہ دار دہے، اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر علماء دیندار متقیوں نے معتبر رکھا ہے استحباب کا فتویٰ دیا ہے اور ابو سعید مظفر کے عہد میں وہ علماء بڑے عالی درجہ صحیح النظر جامع فروع و اصول تھے یہاں تک کہ بعض ان میں سے اپنے اوپر تقلید ائمہ کی واجب نہ جانتے تھے خود قوتِ اخذ مسائل کی اپنی عقل میں سمجھتے تھے علاوہ بریں امام شافعیؒ کے قاعدہ میں یہ تحقیق مع جمیع خصوصیات و تعینات مروج اہلِ اسلام داخل ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ سے بیہقی نے یہ روایت کیا ہے کہ نئی بات اگر ایسی ایجاد ہو کہ قرآن اور حدیث اور اجماع کے حکموں کو نہ مٹاتی ہو اور نہ رد کرتی ہو وہ بدعتِ حسنہ اور محمود ہے اس کو برا نہ کہنا چاہیئے محفلِ میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہو گئی کیونکہ یہ کسی حکم قرآن و حدیث و اجماع کو رد نہیں کرتی اور اگر رد کرتی ہے تو بیان کرد مَن ادّعیٰ فعلیہ البیان، الحاصل ہر نہج سے اس کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً، پس یہ محفل سنت میں داخل ہے اور بدعت نہیں موافق قاعدہ مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کے۔ **سوال**: تم ساکنانِ ہندوستان حنفی المذہب ہو امام مالکؒ اور شافعیؒ سے کیوں استدلال کرتے ہو؟ **جواب**: جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو اور دوسرے اماموں نے اس کی تصریح کیا ہو اور وہ ہمارے قواعد کے خلاف نہ ہو پس تسلیم کیا جاتا ہے وہ ہمارے مذہب حنفی میں ہے اس کی نظیریں ناظرِ کتب فقہ کو مل جاویں گی بالفعل ایک مثال لکھتا ہوں درمختار میں ہے واما تقبیل الخبز فیجوز الشافعیۃ انہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ۔ یعنی کہا صاحبِ درمختار نے کہ روٹی کو چومنا یعنی بوسہ دینا جائز رکھا ہے شافعیوں نے کہ یہ بدعت مباح یا مستحب ہے یہ مذہب شافعیوں کا لکھ کر صاحبِ درمختار جو مذہب کا حنفی ہے لکھتا ہے کہ قواعدنا لا تأباہ یعنی ہم حنفیوں کے قاعدے کچھ اس سے مخالفت نہیں رکھتے ہیں پس ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہمارے مخالف نہ ہو اس کا لے لینا درست ہے چنانچہ تقسیم بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی ہمارے کتب فقہ شامی وغیرہ میں برابر مثل مذہب امام شافعی کے مندرج ہے اور اسی طرح قرأۃ حدیث میں لوبان وغیرہ سلگانا، خوشبو لگانا، اونچی جگہ پر بیٹھنا باقتداء امام مالکؒ کتبِ حنفیہ میں موجود ہے۔

بحث طعام محفلِ مولد **قولہ** اب باقی رہ گیا کھانا الخ۔ **اقول** کھانے شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص اور تاکد مروج سے کراہت و بدعت پیدا ہوتی ہے کلام اصل میں نہیں بلکہ اس تاکید میں ہے اور ملک مظفر کے وقت کی ایجاد میں تو بحث ہی ہو رہی ہے پھر مؤلف اس کو ہی دلیل بنا رہا ہے یہ مردود نہ معلوم کہ کہاں سے سیکھا ہے اور بہت طویل کلام اس میں پہلے لکھے گئے۔ اور علامہ فاکہانی کی تحقیق اور اس کا حق ہونا بظاہر معلوم ہو چکا اور تاویل فعل علماء کے بھی مذکور ہوئے اور مع ہذا مولود مؤلف کا جائز نہ ہونا بھی ذکر ہو لیا مؤلف کی تکرار اور اعادہ نے ہم کو بھی اس تقریر مہمل میں ڈالا غرض یہ نہ حجت[1] فی الدین ہے اور نہ مؤلف کا کچھ فائدہ اس سے ہے یہ لاحاصل اور عبث کلام ہے پہلے سب کچھ لکھا گیا ہے حاجت اعادہ کی نہیں اور یہ تقریر محض لغو ہے جو مؤلف کاغذ سیاہ کرتا ہے امام شافعیؒ کے قول کے معنی بیان ہو چکے ہیں مؤلف کمالِ دلاوری سے یہ کہتا ہے مَنِ ادّعیٰ فعلیہ البیان اس علم و فہم پر یہ کلمہ اول رسالہ سے یہاں تک قلعی کھلتی چلی آ رہی ہے مگر ابھی مؤلف کے دماغ کا کیڑا نہیں گرا اب یہ براہینِ قاطعہ سب وہ دعاوی[2] ناک کے بل نکالے دیتی ہے اور مدعی کا بیان ملاحظہ ہوا جاتا ہے ذرا اس دماغ کا تنقیہ کر رکھو۔ الحاصل اس ہیئتِ مروجہ مولود کا ناجائز ہونا ثابت ہو لیا اور مؤلف ہاتھ پاؤں مار کر پھر پھرا کر قیود کے اثبات میں سوائے اس کے کوئی حجت نہیں رکھتا کہ بہت علماء نے اس کو کیا ہے اور جائز رکھا ہے مگر یہ بھی اس کے مولود کو نافع نہیں اگر عقل ہو تو سمجھے اب اس کے بعد مؤلف نے جو سوال جواب بے محل بے سود لکھا ہے نہ اس کا کچھ محل تھا نہ یہ کسی کی مخالف بھی، اپنا علم جتلانا تھا سو اس سے بھی کم مناسبت ہونا مؤلف کا فہم علم سے معلوم ہو گیا۔

لمعۂ رابعہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر، لیکن یہ بات کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اس کا اور وہ بھی ہر سال التزاماً کریں اس کی تو کوئی دلیل نہیں، جواب دلیل اس کی یہ ہے کہ شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس کسی نعمتِ عظمیٰ کا ظہور ہو اس کو عید کریں ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں ۔

[1] دین کے مقابلہ میں حجت [2] دعویٰ کی جمع۔

قرآن شریف میں اس تعینِ یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آسمان سے ہمارے لئے خوان کھانے کا اترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اللھم ربنا انزل علینا مائدۃً من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واٰخرنا، کہا امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں کہ اس کے معنی یہ ہیں یا اللہ اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید، یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوویں وہ بھی اس کو عید بناویں اس دن کی تعظیم جاری رہے پس اترا مائدہ اتوار یعنی یکشنبہ کو پس بنالیا نصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن کہ اس میں خوشی کرتے ہیں، انتہیٰ۔ یعنی وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں یکشنبہ کو مثل جمعہ اہلِ اسلام کے اور اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں، استراحت پاتے ہیں۔ دیکھئے قرآن شریف سے اصل ثابت ہوئی کہ روز حصول نعمت کو ابتداءً عید بنالیا جاوے اور حدیث سے یہ سند ہے کہ ابن حجر محدثؒ نے مسلم اور بخاری کی حدیث نکالی ہے، یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشوراءِ محرم کو روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے پوچھا کیوں رکھتے ہو۔ بولے یہ دن وہ ہے کہ اس میں ڈبو دیا اللہ تعالیٰ نے فرعون کو بچالیا موسیٰ علیہ السلام کو، پس روزہ رکھا موسیٰؑ نے شکراً فنحن نصوم شکراً للہ تعالیٰ یعنی ہم اس دن کو روزہ واسطے شکر گذاری اللہ تعالیٰ کے رکھتے ہیں، حضرتؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا تمہاری بہ نسبت ہم کو زیادہ مناسبت ہے موسیٰؑ سے، تب آپؐ نے روزۂ عاشوراء رکھا اور صحابہؓ کو بھی حکم دیا یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاری میں موجود ہے اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰؑ نے نجات پائی اور جب سے اب تک وہ شکریہ اس نعمت کا جاری ہے کہ جب وہ روزہ عاشوراءِ محرم کا آتا ہے ہر سال اہلِ اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزولِ مائدہ عیسیٰؑ اور نجاتِ موسیٰؑ سے کہیں زیادہ فائق اور افضل اور اکمل ہے پس یہ دن ہر سال آوے کیوں کہ اس میں فرحت و سرور ظاہر نہ کیا جاوے اور شکرِ الٰہی کیوں نہ ادا کیا جاوے جب روزہ معین کا ہر سال موجب اعادۂ سرور ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو روزہ میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نہایت درجہ

کو قابل اس کے ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جاوے، علاوہ ان دلائل کے اور بھی حدیث صحیح دربابِ تعین و قرار یابی یوم سرور بباعث ظہور نعمت علماء محققین مثل مفتی سعد اللہ وغیرہ نے بیان فرمائی ہے اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ۔

تعین وقت میلاد میں مؤلف کا استدلال آیت ربنا انزل علینا الخ

قولہ لمعۂ رابعہ الخ۔

اقول خلاصۂ اعتراض یہ ہے کہ ایسا التزام کرنا اور تعیین تاریخ کرنا موجب تأکد کا ہوجاوے درست نہیں مؤلف جواب دیتا ہے کہ شرع میں روزِ ظہور نعمت[۱] عظمیٰ کو عید بنانا درست ہے کیونکہ اس کی اصل پائی گئی ہے اور دلیل اس کی آیۃ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء لکھتا ہے پس سنو کہ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں ایک یہ بھی ہے جو مؤلف نے لکھا مگر دوسرے اقوال چونکہ مفیدِ مدعی نہ تھے ترک کر دیئے اس کو موافق مطلب کے دیکھ کر نقل کر دیا ہے مگر اس سے بھی مؤلف کو مساس[۲] نہیں کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ یوم یکشنبہ کو نزول مائدہ تھا اس دن کو بحکم خدا تعالیٰ عید بنایا ہے تو اول تو یہ دیکھو کہ یہ عید کا قرار دینا بدعاء عیسیٰ ؑ کے ہوا اور بحکم حق تعالیٰ اس کا اقرار و اجراء ہوا ہے تو اس تعین میں تو کلام ہی نہیں کہ شارع کی طرف سے فرض ہو جاوے تم پر جمعہ فرض ہوا ان پر یوم احد فرض ہوا فغداً للیہود وبعد غدٍ للنصاریٰ (الحدیث) کلام اس میں ہے کہ اپنی رائے سے کوئی عید مقرر نہیں کرسکتا اگر مؤلف کا یہی اجتہاد ہے تو پھر نصاریٰ کے شرع میں کیوں گیا، جمعہ اور پنجگانہ اوقات سے ہی دلیل لانی تھی اس میں بھی نعماء[۳] خفیہ بندوں پر مبذول ہیں دوسرے یہ کہ یہ شرع عیسیٰ ؑ کی ہے اب وہ احکام منسوخ ہوگئے اس پر قیاس درست نہیں اس لئے کہ جب خود منسوخ[۴] پر عمل جائز نہیں اس پر قیاس بطریق اولیٰ ناجائز ہوویگا، شریعتِ آدم میں بہن سے نکاح درست تھا تو اس پر قیاس کر کے کسی محرم سے نکاح کرنا شاید مؤلف جائز کہدیوے، اگر کہے کہ نکاح محرم تو ہمارے شرع میں حرام ہے تو تقیید بالرائے[۵] بھی ہمارے شرع میں ناجائز ہے، تیسرے یہ کہ شکر وجود فخر عالم ؐ کا ہم پر فرض موقت بوقت نہیں بلکہ دائمی ہے پس غیر موقت مطلق کو کسی قیاس سے موقت کرنا باطل ہے اول تو محلِ نص میں قیاس ہی لغو ہے پھر وہ قیاس کہ مطلق کو مقید کرے اور شریعتِ احمدیہ

---

[۱] بڑی نعمت کے ظاہر ہونے کا دن [۲] تعلق [۳] پوشیدہ نعمتیں [۴] ختم [۵] رائے سے مقید کرنا۔

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو شرع سابق منسوخ نہیں کرسکتی بلکہ وہ خود منسوخ ہے چہ جائیکہ اس پر قیاس کرکے نسخ کریں اور تقیید بھی نسخ ہی ہوتا ہے علماً ہو یا عملاً[1] یہی وجہ ہے تقید آیۃ مطلق کی بخبر واحد نسخ ہے پس مطلق شکر کو موقت بتاریخ ورود نعمت کرنا بالکل ممنوع ہوگیا، چوتھے یہ کہ خود معلوم ہوگیا، باقرار مؤلف کہ یوم نزول[2] مائدہ کو نصرانیوں نے عید بنایا اب یوم ولادت کو عید بنانے میں تشابہ نصاریٰ سے ہونے کی یہ دوسری وجہ پیدا ہوئی ہے اور ہماری شریعت میں ہرگز جائز نہیں کہ یوم ورود نعمت کو عید بنایا کریں چنانچہ بالا بیان اس کا ہولیا پس یہ قول و دعویٰ مؤلف کا بالکل باطل ہے ہرگز ہمارے شرع میں کوئی اصل اس کی نہیں لھٰذا یہ تعید[3] درست نہیں سو قرآن سے تو استدلال لانا مؤلف کا باطل ہے اب صوم عاشوراء کی دلیل کو دیکھو کہ پہلے اس کی خوب تحقیق ہوچکی ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے یہ روزہ عادۃً اور بافتراض[4] اللہ تعالیٰ رکھا ہے نہ کہ شکراً لنجاۃ موسیٰ پس یہ استدلال مؤلف کا بھی باطل لاشئی ہے اور ایک تصرف مؤلف نے اس حدیث میں کیا ہے فنحن نصومہ[5] شکراً للّٰہ تعالیٰ یہ کسی حدیث میں نہیں یہ مؤلف نے زیادۃ کی ہے حدیث "فنحن نصومہ" ہے فقط بس زیادہ لفظ شکراً کی افتراء علی الحدیث مگر پھر بھی کام نہیں چلیگا جیسا پہلے مذکور ہولیا، پس عید ٹھیرانا یوم سرور کو سنت ہوئی یہود کی اور سنت ہوئی نصاریٰ کی اور متروک ہے یہ اس شریعت میں، پس تعید یوم ولادت میں اپنی رائے سے تشبہ یہود و نصاریٰ کا ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نفرت کہ عاشوراء کی عید میں فرمایا خالفوا الیہود و صوموہ انتم۔ وعن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم یوم السبت ویوم الاحد اکثر ما یصوم من الایام ویقول انہما یوم عید المشرکین فانا احب ان اخالفہم کہ مخالفت عید نصاریٰ اور یہود کے واسطے ان دونوں یوم کا روزہ رکھتے تھے اور مؤلف صاحب اس فعل یہود و نصاریٰ کی حجت لاکر مقیس[6] علیہ بناتے ہیں سو یہ عین مخالفت امر شارع کی ہے یا نہیں ذرا مؤلف آنکھ کھولے ہوشیار ہووے پس ایسی ہی غلط اقاویل اور خلاف شرع توجیہات سے اپنے ابتداع کو رواج دیتا ہے اور نہیں سمجھتا اور دیگر احادیث جواز تعید کی مؤلف نے نقل نہ کی ورنہ اس کا بھی حال اس کو معلوم ہوجاتا پھر اس ثبوت پر مؤلف بے خبر کیسا خوش ہوتا ہے ماشاء اللہ۔

---

[1] علم کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے [2] دسترخوان کے نازل ہونے کا دن [3] عید منانا [4] فرض قرار دینا۔
[5] پس ہم روزہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے [6] جس پر قیاس کیا جائے۔

ابوعبداللہ بن الحاج جن کو یہ صاحب فہرست مانعین میں لکھتے ہیں اور اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو مانع عمل مولد شریف جانتے ہیں انہوں نے اس تخصیص افضلیت ماہ ربیع الاول کو مسلم رکھا ہے عبارت ان کی مدخل میں یہ ہے هٰذا الشهر العظيم الذى فضّل الله تعالىٰ وفضّلنا فيه بهٰذا النبى الكريم الذى منّ الله تعالىٰ علينا فيه بسيد الاولين والاٰخرين كان يجب ان يزاد فيه من العبادة والخير شكراً للمولىٰ على ما اولىٰ نابه من هذه النعمة العظيمة وقد اشار عليه الصلوٰة والسلام الىٰ فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه السلام للسائل الذى سأل عن صوم يوم الاثنين فقال لهٗ عليه السلام ذٰلك يوم ولدت فيه فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر، یعنی یہ مہینہ ربیع الاول کا بزرگ ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ایسا سید الاولین والآخرین اس میں پیدا کیا جب یہ مہینہ آیا کرے ہم کو چاہئے کہ بہت زیادہ اس میں نیکیاں کیا کریں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کردیا کیونکہ آپؐ روزہ پیر کا رکھا کرتے تھے جب کسی نے پوچھا کیوں رکھتے ہو آپؐ نے فرمایا اس روز پیدا ہوا ہوں پس اسی سے ثابت ہوگا جب پیر کا دن بباعث پیدا ہونے آپؐ کے مشرف اور مکرم ہوگیا کل دنوں کی نسبت پس لابد وہ مہینہ بھی مکرم اور معظم ٹھہرا کل مہینوں میں یہ معنی ہیں کلام ابن حاج کے۔ اور ایک اعتراض دوسرا جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیوں اس میں اظہارِ شکر وغیرہ نہ کیا اس بات کا جواب بھی ان میں حضرت ابنِ حاج نے مدخل دیدیا وكان النبى صلى الله عليه وسلم لم يزد فيه علىٰ غيره من الشهور شيئاً من العبادات وماذالك الا رحمة صلى الله عليه وسلم بأمته ورفقائهم لانهٗ عليه السلام كان يترك العمل خشيةً ان يفرض علىٰ امته، یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم کو واجب ہے ربیع الاول میں زیادہ کرنا نیک کاموں کا اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات زیادہ اس مہینہ میں نہیں فرمائی یہ اس واسطے تھے کہ آپؐ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ میرے سبب سے امت پر یہ کام فرض نہ ہوجاوے، کیا تماشا ہے کہ ایسے محقق مثبت دلائل جواز میلاد شریف کو یہ لوگ منکر مولد شریف قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے کلام میں خود خاص کرنا ربیع الاول کا ساتھ مزید خیرات وحسنات کے پایا جاتا ہے بباعث ولادت شریف صلی اللہ علیہ وسلم

کے اور محفل مولد شریف میں کچھ نہیں سوائے خیرات وحسنات کے معجزات کا پڑھنا اطعام طعام یا تقسیم حلویات وثمر وغیرہ اور کثرتِ درود وسلام وتعظیم اور مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، پس ان کے اس محقق مسلم الثبوت کا کلام اعتراض تخصیص ربیع الاول کی دفع میں کافی ووافی ہے الحمد للہ علیٰ ذلک

صوم یوم عاشوراء کا نقش برآب ہونا عبارت مدخل مفید تعیین وقت میلاد نہیں

قولہ ابو عبداللہ ابن الحاج الخ۔ **اقول** مؤلف کو نقل عبارتِ مدخل سے کچھ نفع نہیں کیونکہ اس کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شکر وسرور وجود فخر عالم علیہ السلام کا دائماً مسلمان کو لازم ہے اور اس ماہ میں زیادہ چاہیئے بسبب برکت اس ماہ کے اور اس کا انکار کسی کو نہیں یہ تو تعیین نہ ہوا بلکہ دوام ہوا اور اس ماہ میں زیادہ ہوئی اس کو تعیین نہیں کہتے جیسا ہر ماہ میں عبادت افضل ہے اور رمضان میں بہت افضل تو اس کو تعیین نہیں کہتے کیونکہ اس میں کوئی زمانہ خاص اس فعل کے واسطے نہیں کیا اور نہ کسی وضع کی قید ہے بلکہ مطلق ہے جیسا تھا اور نہ کوئی ہیئت ہے تشبہ[1] کی پھر مؤلف کو اس سے کیا نفع ملا اور اس عبارت منقولہ مؤلف سے پہلے صاحب مدخل یہ لکھ چکا ہے ومن جملہ ما احداثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکثر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ من المولد وقد احتوی ذلک علیٰ بدع ومحرمات جملہ الخ اس عبارت میں صاف معلوم ہوا کہ مولود بسبب احتواء[2] بدعت کے بدعت ہو جاتا ہے، مؤلف کہتا تھا کہ سنت لحوق[3] امور زائدہ سے بدعت نہیں ہوتی سنت ہی رہتی ہے پھر اس کے بعد بڑھ کر یہ بدعت منقولہ مؤلف کی مدخل میں ہے کان یجب ان یزاد فیہ من العبادات والخیر شکراً للہ تعالیٰ، پس اس میں تخصیص اس ماہ کی نہیں بلکہ زیادہ ہے تأمل ور کار ہے اور مطلق خیرات مبرّات کو کہتا ہے نہ کہ کسی ہیئت خاصہ کو نہ کسی بدعت مروجہ کو، پھر ربیع الاول کی شرافت لکھتا ہے آپ کی ولادت کے سبب اور تعیین کا کچھ حکم نہیں پس یہاں تک کوئی امر خلاف رائے مانعین کے نہیں ہے اور نہ مطلب مؤلف کا کچھ اس سے حاصل ہوا، نہ معلوم کیوں اس سے استدلال ہے پھر آگے بڑھ کر وہ لکھتا ہے فان خلی منہ وعمل طعاماً فقط ونوی المولد ودعی الیہ الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکرہ فھو بدعۃ بنفسہ فقط لان ذلک زیادۃ فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولیٰ الخ پس مؤلف نے اس عبارت شاید ملاحظہ نہیں

---

[1] مشابہت [2] مشتمل ہونا [3] لاحق ہونا [4] دہرانا۔

کیا یا حذف کر دیا مضر مطلب جان کر۔ الحاصل صاحب مدخل تو مطلق خیرات و مبرات کو اور زیادہ کو اس ماہ مبارک میں لکھتا ہے اس کا نام تخصیص مؤلف کی اصطلاح میں کم فہمی ہے اور مؤلف کہتا ہے کہ محفل مولود میں کچھ نہیں سوائے خیرات مبرات کے سو اس کا دعویٰ کذب پہلے محقق ہو چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں، غرض دلیل اول مؤلف کی کس خوبی کی بھری ہے سبحان اللہ اور اس پر آپ شکر کرتے ہیں فقط۔

دوسری دلیل اس عمل کے التزام اور علی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے احب الاعمال الی اللہ ادومہا و ان قل یعنی اللہ کو بہت پیارا وہ عمل ہے جو سدا کو ہووے اگرچہ تھوڑا ہووے۔ پس جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کریگا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے پس یہ قلیل ہے جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کرے تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا۔ بناءً علیہ طالب حسنات کو لازم ہے کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے۔

قولہ دوسری دلیل اس عمل کے الخ **اقول** پہلے محقق ہو چکا کہ دوام جائز اور واجب ہے اور التزام واصرار اور وہ دوام کہ عوام کو مضر ہے بدعت ہے اور دوام اس عمل مولد کا موجب فساد[1] عقیدہ عوام کا ہے اور پھر جو عمل موافق سنت کے ہو اس کا دوام احب الی اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ عمل بدعت کا کہ اس کا ایک دفعہ بھی کرنا[2] بغض الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے سو یہ مؤلف کی محض کم فہمی ہے اور غرض حدیث کی تو یہ ہے کہ ادوم احب الی اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ قلیل ہو یعنی اگر اکثر ہوگا تو بطریق اولیٰ واجب ہوگا، مؤلف کہتا ہے کہ یہ قلیل ہے اگر دائم بھی نہ کرے تو احب[3] کیونکر ہوگا اس کو مفہوم میں فساد ظاہر ہے مگر ہم کو غرض ایسی تقریر سے نہیں، بہر حال اس دلیل کو مؤلف کے دعویٰ سے کوئی مناسبت نہیں۔

تیسری دلیل اس کے التزام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے وَرهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها یہ آیت جس طرح بدعت حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد

[1] دہرانا [2] عقیدۂ عوام کے فساد کا سبب [3] پسندیدہ

کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی ضروری ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اپنی نفس کشی کیواسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے، موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گذاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انہوں نے یہ بدعتیں ہماری رضامندی کیلئے ایجاد کیں اور ہم نے حکم نہیں دیا تھا ان کا پھر ان کو نہ نباہا جس طرح چاہے نباہا، دیکھئے اس میں یہ دلیل پیدا ہوئی کہ بعضی بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے بھی ہوتی ہیں، دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالے تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کیوں کہ انہوں نے یہ بدعتیں ایجاد کیں بلکہ اس بات پر ملامت فرمائی کہ انہوں نے نہ نباہا حق بنا ہنے کا، جب یہ مضمون قرآن شریف سے ثابت ہوگیا تو معلوم کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان کو پڑھنا چاہیئے یا آخر شب میں اور تمام رمضان کی راتوں میں پڑھنا چاہیئے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے انکو اور نہ مقدار قرأت کا بیان ہوا تھا کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو اور نہ یہ بیان کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں اور نہ کچھ اس کے لئے تمام اہتمام وانتظام جماعت کا ارشاد ہوا تھا اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضؓ کے دورہ میں بھی رہا، پھر حضرت عمر رضؓ نے اس میں اہتمام زیادہ کیا اور حکم دیا تمیم داری کو کہ عورتوں کو تراویح پڑھا ویں، اور ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ مردوں کو نماز تراویح پڑھاویں اور مردوں کو مسجد میں نماز تراویح کا حکم دیا اور پہلے صحابہ رضؓ اپنے گھر میں بلا جماعت پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضؓ نے مسجد میں قندیل روشن کئے۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ بعد عشاء کے شروع رات میں پڑھا کرو یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو، غرضیکہ حضرت عمر رضؓ نے اس نماز کو کہ حضرتؐ نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمائی اور بعضی خصوصیات وتعینات اس میں زائد فرمائیں تب بباعث عارض ہونے ہیئت کذائی جدید کے آپ نے بزبان خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کیساتھ یعنی یہ فرمایا نعمت البدعت یعنی یہ اچھی بدعت ہے اس وقت صحابہ رضؓ میں یہ ٹھیرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام اور جماعت اور قیود کے ساتھ خود ایجاد کیا ہے اب اس کو ترک مت کیجو اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھو ایسا مت کیجو جیسا بنی اسرائیل نے کچھ باتیں ایجاد کرکے

پھر اس پر پورے عامل نہ ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا مارعوھا حق رعایتہا کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا، یہ قصہ کشف الغمہ میں اور تفسیر روح البیان کے سورۂ حدید میں مذکور ہے وکان ابوامامہ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول احدثتم قیام رمضان ولم یکتب علیکم فدوموا علی مافعلتم ولا تترکوہ فان اللہ عاتب بنی اسرائیل فی قولہ" ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فارعوھا حق رعایتہا انتہی"۔ جب معنی آیۃ کریمہ کے استدلال صحابہؓ اس آیت سے درباب جواز احداث بدعت حسنہ اور تاکد مداومت اس کی سن چکے تو اب مسئلہ میلاد شریف کا حال سنو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا ابن حاجؒ نے اس کا عذر بیان کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے کہ مبادا میرے کرنے سے امت پر فرض ہو جاوے لیکن اشارہ اس کی فضیلت کا کر دیا کہ میں پیر کے دن اس لئے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس میں امت کو اشارہ نکل آیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن محلِ عبادت شکریہ ہو گیا بباعث وقوع ولادت کے پس برس دن کے بارہ مہینوں میں ایک وہ مہینہ بھی بلاشک محل عبادت شکریہ ہوگا جس میں میلاد شریف ہوا اس بناء اور اصل پر اہلِ اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ جو مشتمل چند عباداتِ بدنی و مالی پر ہے ایجاد کی اور اکابر علماء محدثین اور فقہاء جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے اس کے بانی اور مجوز اور ثناخواں ہوئے اور اولیاء اللہ جو اہلِ کشف تھے انہوں نے مکاشفات اور منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے راضی پایا۔ غرضکہ علماء طریقت اور شریعت کے اتفاق سے یہ عمل مستحسن ٹھیرا پس صادق آیا اس پر وہی مضمونِ آیۃ کریمہ ابتدعوھا ماکتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ اور مطابق ہوا اس پر قصہ صحابہؓ کا درباب تراویح پس اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطور لزوم اور امور معینہ کے التزام نہ کریں تو ہم کو اندیشہ ہوگا مبادا ہم پر جناب باری کا وہ عتاب ہو جو بنی اسرائیل پر ہوا تھا اور جس عتاب سے صحابہؓ ترک تعینات تراویح میں ڈرتے تھے کہ مارعوھا حق رعایتہا۔

آیت ورہبانیۃ ابتدعوھا الخ وتداعی اہتمام تراویح سے جواز التزام محفل مولود نہیں مستخرج ہوتا

قولہ تیسری دلیل الخ

اقول سابق میں معلوم ہو چکا کہ بدعتِ حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اور اس کو بدعت ظہور وشیوع کہا جاتا ہے، پس اس میں اور سنت میں حداً اور وصفاً اور حکماً کوئی فرق نہیں اور سب مفسرین متفق ہیں کہ نصاریٰ پر عتاب بوجہ ترک واجب کے تھا نہ کہ بوجہ ترک مستحب کے کسی نے ابتداع[۱] کو نذر کہا جس کا نکث[۲] حرام ہے، کسی نے عدم رعایت کو کفر سے تعبیر کیا کسی نے بعد ابتداع کے فرض ہو جانا قبول کیا، بہرحال عدمِ رعایت کو ترکِ واجب پر حمل کیا ہے اتفاقاً، مگر مؤلف مجتہدِ خامس پیدا ہوا ہے اس نے ترک بدعت حسنہ پر خدشہ عتاب کا استخراج[۳] کیا ہے حالانکہ حدیث اور تمام امت کا اجماع اور قیاس سب متفق ہیں اس بات پر کہ ترکِ مستحب ہرگز عتاب نہیں خواہ وہ سنتِ صریحہ سے ثابت ہو خواہ دلالت سے جس کو بدعت حسنہ اصطلاح بعض میں بولتے ہیں اب بولو کہ یہ اجماعِ قطعی کے خلاف حکمِ مجتہدُ العصر جاہل کہ مستحب بدعت حسنہ کے ترکِ احیاناً میں یا دوامِ ترک میں عتاب کا اندیشہ ہے کس حکم کے لائق اور مستوجب ہے اس سے درگذر کر کے دیکھو کہ معترض تو خود یہ کہتا ہے کہ ایسا دوام مستحب کا جو عوام کو ضررِ عقیدہ دیوے جیسے شرح منیہ میں لکھا گیا مکروہ ہوتا ہے بحکم شرع علیٰ ہٰذا تعین تو اس کا جواب یہ دینا کہ فلاں دلیل سے اس کا دوام مکروہ نہیں نہ یہ کہ ترک کرنا عدم رعایت ہے اس میں اندیشہ عتاب ہے پس یہ کس اعتراض کا جواب مؤلف نے دیا ہے اعتراض میں کراہت کو شرع سے ثابت کیا تھا مؤلف عدمِ رعایت کے معنی ترک احیاناً بنا کر تفسیر بالرائے سے جواب دیتا ہے اس عقل کو خیال کرو کیونکہ معترض تو شرع سے ترک احیاناً ہی کو حق رعایت ثابت کر رہا ہے اس واسطے کہ جو دوام موجب معصیت ہو وہ خود ممنوع ہے سو وہاں ترک کرنا احیاناً واجب ہوگا، اور یہی حقِ رعایت بحکمِ شرع ہوگا علیٰ ہٰذا اصرار کرنے میں تغییر[۴] حد اللہ ہو کر معصیت ہو وےگی پس ترک معصیت بھی حقِ رعایت بحکمِ شرع ہوئی تو اس سفسطہ کے جواب کو غور کرنا لازم ہے اور جو مراد مؤلف کی ترک مستحب احیاناً سے کچھ ثواب ہے تو پھر یہ وہی دوسری دلیل ہوئی تیسری کس طرح ہو جاوےگی اور وہ فرق دوام و اصرار کا یہاں بھی یاد کرنا ضروری ہے۔ الحاصل مؤلف صاحب عقل و فہم کے دشمن ہیں اور تراویح کی تحقیق سنو کہ فخر عالم خود فرما چکے ہیں کہ سنت لکم قیامہ الحدیث من قام ایماناً واحتساباً غفرلہ (الحدیث) اور اس کا فعل بتداعی کر دکھایا، ثواب فعل اور مطلق قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے ہیں سب ثابت ہو گئے المطلق[۵] یجری علیٰ اطلاقہ تو مؤلف کے وجوہ نعمت

---

[۱] ایجاد [۲] توڑنا [۳] ثابت [۴] حد الٰہی کا بدلنا [۵] مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔

البدعت کے اگرچہ کسی کے اتباع سے لکھے سب لغو ہو گئے کیونکہ یہ سب امور بصریح النص ثابت ہیں مقیدات مطلق کے سب ظاہر کہلاتے ہیں بلکہ بدعت ہونے کی وجہ بمعنی لغوی وہ ہی ظہور وشیوع[1] اور اخذ دوام مثل سنن مؤکدات کے ہے اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے اور قاعدۂ شرع سے محقق[2] ہو گیا کہ ترک سنت مؤکدہ میں عتابِ ہوتا ہے پس معنی قول ابوامامہ کے یہ تھے کہ تم نے اس سنت مؤکدہ کو اختیار کیا ہے تو حدوث[4] سے حدوث اختیار و فعل ہے نہ کہ حدوث ایجاد جیسا مؤلف سمجھا کیونکہ ایجاد تو صراحۃً اُس کا فخر عالم کر چکے تھے اور یہ امر سنت مؤکدہ ہے اس کو دائم رکھنا ورنہ خدشۂ[5] عتاب ہے۔ پس اب دیکھو کہ مؤلف کو نہ سلیقہ فہم قرآن کا اور نہ اقوالِ سلف کا خوانخواہ خلاف قواعدِ شرعیہ سلف کے اقوال کو بے معنی بتاتا ہے اور ضلّوا[6] اور اضلّوا کا مصداق ہوتا ہے، پس اس سے بھی بدعت حسنہ مستحبہ کا التزام و دوام نہ نکلا البتہ سنتِ مؤکدہ کا نکلا اب دلیل تیسری مؤلف کی ایک لغو کلام بلکہ کچھ اور ہو گئی پس تطبیق مولود مروجہ کی اس کے ساتھ خود بے معنی بن گئی اگرچہ اس میں بھی چند امر جہل مؤلف کے ظاہر اور خطائیں باہر ہیں مگر تطویل بے سود ہے کیا حاصل ہے، حوصلہ علم مؤلف کا واضح ہو گیا اور دعوی التجر بہ وہمہ[7] دانی کا لائح[8] ہو لیا۔

لمعۂ خامسہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعتِ سیئہ اور ضلالت بلکہ شرک ہے بچند دلائل ایک یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا محفل میں شرک ہے اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور خاص صورت نماز کی ہے اور کرنا عبادت کا غیر اللہ کے واسطے شرک فی العبادۃ ہے، دوسری قباحت یہ کہ لکھا نجم الدین قنوجی نے کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر سے تشریف باہر لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں یہ کفر اور شرک ہیں، تیسری قباحت یہ کہ یوں سمجھتے ہیں کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے یہ اعتقاد شرک ہے۔

جواب ان امور کا یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اگر کوئی کرے گا تین حالت سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کریگا یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں حالتوں کی بہ نسبت یہ ارشاد ہوا ہے فاذکروا اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم ولیکن لیٹ کر تو وہ اذکار ہیں جو خاص وقت سونے کے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، یا کوئی تھکا ہوا سستی سے پڑا ہوا ہو یا مریض ہو اس

[1] رواج [2] ثابت [3] سزا [4] پیدا ہونا [5] اندیشہ [6] گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا [7] سب کچھ جاننا [8] مٹ جانا

لئے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر الرسول لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام و قعود تو تجویز ہوا لیٹنا نہ ہوا مگر واسطے مریض کے، پس عبادت کیلئے ادب دو مقرر ہوئیں اور قعود اب اس کی تین شکلیں ہیں یا کل ذکر قیام میں کرے یا کل قعود میں یا کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں یہ تینوں شکلیں مضمون کلام اللہ میں داخل ہیں ان میں ایک شکل بالکل منطبق ہے حیلہ مولد شریف پر کیونکہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر یہ ایک ضمن ہوا منجملہ تین مضامین مندرجہ آیۃ کریمہ کے اور ایک فرد ہوا افراد ثلثہ ثابتہ بالکتاب سے پس لفظ بدعت کا اطلاق اس پر درست نہیں بدعت وہ ہے جس کی کچھ سند ہو نہ کتاب سے نہ سنت سے نہ لفظاً نہ اشارۃً جیسا کہ مولوی اسحٰق صاحب نے مائۃ مسائل میں لکھا ہے ہاں ایک وجہ خاص کے سبب کہ وہ قیام اسی وقت کیا جاتا ہے کہ جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ قبل اس اور نہ بعد اور نیز بباعث مداومت کے کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے اس موقعہ پر اگر لفظ بدعت کا اطلاق اس پر کریں صحیح ہے۔

قولہ لمعۂ خامسہ اعتراض کرتے ہیں الخ۔ **اقول** معترض نہ ذکر اللہ سے بحث کرتا ہے نہ مطلق قیام سے کہ مطلق اس کے نزدیک مندوب ہے بلکہ ایک فرد خاص قیام کی تعظیم غیر اللہ میں کہ جس میں شرک و بدعت لازم آجاوے اس کو منع کرتا ہے، علیٰ ہٰذا ذکر فخر عالم ﷺ پر بحث اور نہ اس کے قیام و قعود سے استفسار مگر ایک فرض خاص میں کلام ہے۔ پس یہ سب تقریر مؤلف کی فضول ہے جواب سے کسی کو تعلق نہیں لھذا اس کو ترک کرتا ہوں مگر مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں واقع ہو خواہ ذکر رسول ﷺ میں اور اگر اپنے اطلاق پر رہے تو جائز پس خاص ذکر ولادت پر ہی قیام کرنا لزوماً[1] اور مجلس مولود میں ہی خصوصاً معترض تو اس کو کہتا ہے اور پہلے ثابت ہو چکا اور مؤلف بھی مقر[2] ہے کہ کسی فرد مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہے، اب مؤلف کے قول کو دیکھو کہ کہتا ہے ایک شکل اس قیام کی مولد پر منطبق ہے یہ کلام کس قدر بے معنی ہے کیونکہ کلام خصوصیت معلومہ میں ہے کہ افراد مطلق کے علی الاطلاق سب افراد جائز مگر لزوماً ایک فرد کو ایک حالت اور ایک وضع میں اختیار کرنے کا اعتراض ہے اور اس کا جواب درکار ہے مگر فہم خداداد مؤلف میں نہیں کہ سمجھ کر

---

[1] لازمی طور پر [2] اقرار کرنے والا۔

کچھ جواب دیوے اور آخر کلام میں خود فرد خاص کی مداومت[2] کو قبول بھی کرتا ہے کہ بدعت ہے مگر سیئہ[1] ہونا نہیں مانتا۔

لیکن بدعت موافق مذہب صحیح مفتیٰ بہ جمہور اسلام کی دو طرح ہے سیئہ اور حسنہ۔ سیئہ وہ جو مخالف قرآن یا حدیث یا اجماع کے ہو سو یہ بات تو اس قیام میں نہیں اس لئے کہ اگر کوئی آیت قرآن کی یا کوئی حدیث اس بات میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑا ہو کر مدح اور سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا تب تو اس کے مخالف یہ حکم استحباب قیام کا بدعت سیئہ ہوتا اور نہی تو ہرگز وارد نہیں اور اس موقعہ خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کے شرع میں نہیں وارد نہیں ہوئی سوائے قیام مرجبہ عجمیوں کے، چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے پس جبکہ نہی ثابت نہ ہوئی تو موافق اصول قواعد مقررہ مسلمہ علماء فقہ کے جن کو علامہ شامی، ابن ہمام وغیرہ لکھتے ہیں کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ قیام مباح امر ٹھیرا۔

قولہ لیکن بدعت موافق مذہب صحیح الخ۔ **اقول** یہ اول جہل مؤلف کا ہے کہ اس تقسیم کو مذہب مفتیٰ بہ صحیح کہتا ہے تو مقابل اس کا غیر صحیح ہوا اور معلوم ہو چکا کہ فقط فرق لفظی واصطلاحی ہے معنی میں کوئی فرق نہیں پس یہ کس قدر کم فہمی ہے، دوسرے کہتا ہے کہ تخصیص دائمی قیام کی ممانعت ادلۂ اربعہ[3] سے نہیں اور یہ محض غلط ہے کیونکہ اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب عموماً ثابت ہو گیا تو جملہ افراد و کلیات میں یہ حکم ظاہر ہو گیا کہ قیام ذکر خیر الخلائق[4] میں مندوب ہے تو ہر ہر فرد میں ندب قیام کا ثابت ہو گیا اب اگر کوئی احمق یوچھے کہ یہ کس نص میں آیا ہے کہ وقت ولادت کے قیام مندوب ہے تو محض جہالت ہوگی۔ علیٰ ہذا جب یہ حکم ہوا کسی ہمارے حکم مطلق کو مقید مت کرو تو یہ بھی حکم ہو گیا کہ حکم ندب قیام[5] کو مقید مت کرو تو یہ ثابت ہو گیا کہ ندب قیام مقید بذکر ولادت مت کرو پس ایسے موقعہ پر مؤلف کا مطالبہ نص کا کرنا سب اہل علم جان لیویں کہ علم ہے یا جہل فرد فرد کے حکم کی تصریح آج تک کسی جاہل نے بھی نہ کی ہوگی اور تماشا یہ ہے کہ تخصیص فرد کو بدعت خود بھی کہتا ہے

---

[1] ہمیشگی [2] برا [3] چاروں دلائل [4] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [5] قیام کا استحباب

اور تعدی حد اللہ ٹھیرتا ہے اور پھر باین عذر کہ اس فرد خاص کی نہی بتعین مؤلف کو نظر نہیں آتی تو ممنوع نہ ہوا کیا عجب تقریر ہے کہ مضحکہ صبیان سے بھی اعلیٰ ہے پھر کہتا ہے کہ نہی تو ہرگز وارد نہیں سبحان اللہ جب تقیید کی نہی بزعم مؤلف اس میں وارد ہو چکی تو ہر ہر فرد کو نہی کہیں نصوصًا ہوتی ہے معاذ اللہ سو یہ ایک قاعدہ جہل مرکب مؤلف کا تمام احکام کلیہ کے ہدم اور رفع کو کافی ہے تأمل درکار ہے اور پھر قول مؤلف کا اور اس موقعہ خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کی نہیں کیا کلام خبط ہے۔ کیونکہ قیام تعظیمی کے ندب کو تو عمومًا معترض تسلیم کرتا ہے خصوص کو بھی بوجہ تخصیص بدعت کہتا ہے مگر مؤلف ہنوز فہم مطلب سے عاری ہے اس کی زیادہ شرح وبسط فضول معلوم ہوتی ہے کہ اس کلام مخبوط کا حال اہل علم پر روشن ہی ہو چکا ہے کہ معترض کچھ کہتا ہے اور مؤلف اور ہی کچھ بک رہا ہے۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ پس اب تفریع مؤلف کی کہ جب کہ نہی ثابت نہ ہوئی الخ بے ہودہ کلام ہو گئی کیونکہ نہی تو کلیہ میں ثابت ہو چکی اور ہم مطلع کر چکے اب اباحت اصلیہ اس میں ہرگز مفید نہیں نہ موجود ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایسا کلام خبط بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔

> اور جبکہ اس مباح امر میں نیت کی گئی تعظیم شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو بباعث قرین ہونے اس نیتِ حسنہ کے یہ قیام مستحسن اور مستحب ہو گیا، چنانچہ مولد کبیر ابن حجرؒ اور سیر حلبی اور تفسیر روح البیان وعقد الجواہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح ہے اور عمل ہے اسی پر حرمین شریفین اور جمیع بلاد اسلامیہ میں جن ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے، بھلا جو عمل باتفاق سوادِ اعظم مستحب اور مستحسن ہو اس کو بدعتِ سیئہ اور بدعتِ ضلالت کہنا کس قدر آئینِ انصاف و تدین کے خلاف ہے۔

قولہ اور جبکہ اس امر مباح میں الخ۔ **اقول** قیام مباح تو تھا مطلقًا اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلاء کی تقیید و تخصیص اور عوام کی سنت و وجوب سے بدعت و مکروہ ہوا تھا۔ ارے مؤلف کہیں تو سمجھ کیا تجھ پر بلادت[۳] ختم ہو گئی، پس اصل اباحت و ندب معارض اس بدعتِ عارضیہ کی نہیں۔ اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے تو اصل

---

[۱] بچوں [۲] خبط جس کا مطلب واضح نہ ہو [۳] بے وقوفی، کند ذہنی۔

مطلق کی فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قید و تاکد کا نہ ہوا تھا، بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ جہلاء کا حال مشاہد ہے، پس اب ہرگز وہ امر مندوب نہیں بلکہ اب مکروہ و بدعت ہے اور اگر قید و تاکد کو یہ علماء مذکورہ بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں بلکہ بمقابلہ نصوص کے مردود ہوگا، پہلے اس کا ذکر ہو چکا مگر مؤلف کا فہم غلط ہے، علی قاری کا قول شرح حدیث ابن مسعود رضؓ میں صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کی مراد وہی ہے جو بندۂ عاجز لکھ رہا ہے اور سواد اعظم کی بحث بھی ہو چکی اب کہاں مؤلفِ بد فہم کے واسطے بار بار لکھا جاوےگا، مالیخولیا کا علاج نہیں۔

اور شرک اور کفر کہنا اس کا تو محض جنون اور مالیخولیا ہے، اس لئے کہ شرح عقائد النسفی میں معنی شرک کے یہ لکھے ہیں کہ شرک اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو خدائی میں شریک کریں، یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے، یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں دوسرے کو مستحقِ عبادت جانے۔ انتہیٰ۔ اور وقت ذکر ولادت شریف کھڑا ہو کر مدح وسلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا؟ اور اگر متقدمین یعنی عقائد نسفی کا کلام نہیں سنتے تو اپنے متاخرین ہی کا کلام سنو۔ مولوی اسمٰعیل صاحب تقویۃ الایمان کی فصل شرک فی العبادت میں کہتے ہیں اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ کرنی چاہئے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں اوروں کیواسطے نہ کیجئے، انتہیٰ کلامہٗ۔

قولہ اور شرک اور کفر کہنا الخ **اقول** کوئی صفتِ خاصہ حق تعالیٰ کی کسی میں ثابت کرنا بھی شرک ہے اور کوئی کام عبادت غیر اللہ کے ساتھ کرنا بھی شرک ہوتا اور شرک دون شرک بھی محقق ہے قال فی المسامرۃ الالوھیۃ الاتصاف بالصفات التی لاجلھا، ا ان یکون معبوداً ای صفاتہ التی توجد بہا سبحانہ لاشریک لہٗ فی شئ منہا، انتہیٰ۔ شرح مقاصد میں ہے والتوحید اعتقاد عدم الشرک فی الالوھیۃ خواصہا، انتہیٰ۔ وفی الحدیث مَن حلف لغیر اللہ فقد اشرک۔ الریاءُ شرک (الحدیث) پس قیام دست بستہ بخشوع چونکہ ایک رکنِ نماز ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں تو اگر اسی طرح

فخرِ عالمؐ کو حاضر بعلم استقلالی محفلِ مولود میں جان کر دست بستہ کھڑا ہوگا جیسا جہلاء کا عقیدہ ہے تو لاریب[1] مشرک ہو دیگا، پس معترض کا یہ کلام جہلاء کے عقیدہ پر ہے اگرچہ فہمیدہ[2] کی نسبت شرکِ حقیقی نہیں مگر بدعت سے خالی بھی نہیں کیونکہ بدون اس عقیدہ کے بھی تخصیص مطلق تو حاصل ہی ہے پس وقت ذکرِ ولادت کے قیامِ دست بستہ بدیں[3] عقیدہ شرک ہوا کہ صفت علم خاصہ حق تعالیٰ کی فخرِ عالمؐ میں ثابت کی اور استحقاق[4] عبادت کا بسبب حصول صفت خاصہ کے ہی ہوتا ہے پس مؤلف نے شرح عقائد تو پڑھی مگر سمجھا نہیں، اگر سمجھ لیتا تو ایسے کلام نہ کرتا، بہرحال قیام اس عقیدہ کی وجہ سے شرک ہوا ہے، اور تقویۃ الایمان کی عبارت سے یہ امر خود واضح ہی ہے۔

اب قیام کو دیکھنا چاہیئے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے یا اور کسی کے واسطے بھی ہے اور قیام دست بستہ عبادت بھی ہے یا نہیں، مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کے دادا پیر شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی پارہ الٓمّ میں لکھتے ہیں "در حقیقت چیزیکہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند، ہمیں دو فعل اند، رکوع و سجود و قیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم ندارد، انتہیٰ" اور علامہ حلبی نے لکھا ہے شرح کبیر منیہ "والقیام لم یشرع عبادۃ وحدہ وذلک لان السجود غایۃ الخضوع حتی لو سجد لغیر اللہ یکفر بخلاف القیام" شاہ صاحب اور حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام خود فی نفسہ عبادت نہیں اور نہ کچھ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو خصوصیت پس اللہ کی خاص تعظیموں میں قیام کو شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نماز میں جو قیام عبادت گنا جاتا ہے وہ بباعث اشتمال چند قیود کے عبادت گنا گیا ہے طہارت کاملہ اور استقبالِ قبلہ کا شرط ہونا اور قرأت کا واقع ہونا اور وسیلہ تکرار الرکوع والسجود ہونا اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز میں قیام مشروع نہ ہوتا بخلاف سجدہ و رکوع کے کہ یہ خود عبادت اصل مقصود ہے اور خاص خدا تعالیٰ کا حق ہے اس لیئے قرآن و حدیث ناطق ہیں اس پر کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔

قولہ اب قیام کو دیکھنا چاہیئے الخ

مطلق قیام تعظیمی بدعت نہیں بلکہ اس مطلق کی تقیید ممنوع ہے۔ قیام مولد کی بعض افراد شرک ہیں اور گناہ کبیرہ سے تو کسی حال خالی نہیں۔

[1] یقیناً [2] عقلمند کے ساتھ [3] اس عقیدہ [4] ثابت ہونا۔

اقول قیام بھی صلوٰۃ کا رکن فرض ہے اور طاعت وعبادت ہے بقولہ تعالیٰ وقوموا للہ قانتین۔ پس نفس قیام اگرچہ عام ہے عبادت وغیر عبادت سے مگر قیام دست بستہ بخشوع وقنوت[1] عبادت ہے۔ اور تفسیر عزیزی میں یہ فرماتے ہیں کہ قیام اختصاص بعبادت نہیں رکھتا یعنی قیام بغیر عبادت کے بھی ہوتا ہے مگر قیام دست بستہ بخشوع نہیں فرماتے کیونکہ وہ عبادت ہے، کہ تذلل[2] پر دلال ہے اور اعلیٰ تذلل عبادت ہوتی ہے پس قیام عام ہے اور قیام دست بستہ بخشوع مؤلف آنکھ نہیں کھولتا کہ معترض مطلقاً قیام کو نہیں لکھتا بلکہ قیام دست بستہ بخشوع کو عقیدہ حضور بعلم مستقل ہو اور شرح منیہ میں قیام کو عبادت مقصودہ سے نکالا ہے بقولہ[3] لم یشرع عبادۃ وحدہ نہ عبادت ہونے سے اسی واسطے نفس قیام غیر کے واسطے جائز ہے خلاف قیام موصوف کے پس قیام موصوف کی عبادت غیر مقصودہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ غیر کے واسطے جائز ہو پس قیام موصوف غیر کے واسطے اگرچہ شرک حقیقی نہ ہو مگر تشابہ تو ہے بقولہ علیہ السلام ان کدتم آنفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم وھم قعود فلا تفعلوا، انتہیٰ - قال النوی فیہ النہی عن قیام الغلمان والاتباع علیٰ رأس متبوعھم الجالس بغیر حاجۃ، انتہیٰ۔ علی قاری شرح عین العلم میں لکھتے ہیں فکما لایجوز أن یسجد احد لاحد لایجوز أن یرکع وکذا القیام علیٰ ھیئۃ الوقوف فی الصلوٰۃ لحدیث من سرہ ان یتمثل لھا لرجال فلیتبوء مقعدہ فی النار، انتہیٰ۔ پس جب وعید بالنار اس میں ہے تو کبیرہ ہونے سے تو کسی حال خالی نہیں ہوسکتا بہرحال شرک دون شرک سے خالی کسی طرح نہ ہوا، الحاصل قرآن سے قیام قنوت کا عبادت ہونا محقق ہوگیا اور حلبی نے عبادت مقصود ہونے کا انکار کیا نہ کہ عبادت ہونے کا اور تفسیر عزیزی سے نفس قیام کا مختص بعبادۃ نہ ہونا دریافت ہوا نہ کہ قیام مخصوص کا، تو اب مؤلف ذرا فکر کرے کہ حلبی اور عزیزی خلاف قرآن شریف کے نہیں کہتے مؤلف خود نہیں سمجھا بدون سوچنے استدلال لاکر شرک کو ایمان بتاتا ہے اور قرآن کو معاذ اللہ رد کرتا ہے، الحاصل قیام دست بستہ بخشوع غیر کے واسطے شرک ہوا اگرچہ وہ شرک غیر حقیقی ہی ہے عند البعض[4] اور عوام کے حق میں کہ عقیدہ علم مستقل کا رکھتے ہیں شرک حقیقی ہوا سو معترض اس کو ہی شرک کہتا ہے اس سے نفس قیام کا شرک ہونا لازم نہیں آتا اگر مؤلف کچھ تأمل کرے تو ظاہر ہے وہاں زیارت فخر عالم علیہ السلام کو علی قاری نے دست بستہ سلام عرض کرنے

---

[1] فرماں برداری عاجزی [2] انکساری [3] تنہا کوئی عبادت مشروع نہیں [4] بعضوں کے نزدیک۔

کو جائز لکھا ہے سو وہاں استقبال قبلہ جو نہیں بلکہ استدبار ہے اس واسطے جائز رکھا ہے اور پھر وہ بھی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے غیر کے واسطے درست نہیں اور یہ خلافی مسئلہ ہے درِّ مفنیہ میں لکھا ہے هل یضع یمینه علیٰ سماله ام لا فقلیه خلاف، انتهیٰ۔ قال الکرمانی یصح وقال غیرالا ولیٰ الارسال لئلا یشبه بالمصلی، انتهیٰ۔ کذا فی تقسیم الریاض شرح شفاء، سو جب یہ خلافی مسئلہ ہوا اور جن کے نزدیک جائز ہے وہ خصوصیت پر حمل کرتے ہیں تو غیر زیارت میں اگر حضور موصوف یعنی حضور بعلم مستقل کا عقیدہ ہے تو شرک ہوا اور غیر اس عقیدہ کے مشابہ بشرک ہوتا ہے اور معلوم ہو لیا کہ حکم شرک کا معترض نے علم غیب کیساتھ جہلاء پر ہی کیا ہے پس معترض پر مؤلف کا کوئی نقض نہیں اب مؤلف سجدہ کی بحث میں شروع ہوتا ہے اپنی غرض فاسد کے اثبات کی غرض سے سجدۂ تحیہ غیر اللہ کو حرام ہے۔

اب اس سجدہ کا حال کتبِ معتبرہ سے سنئے، مولوی اسحٰق صاحب مأۃ مسائل کے مسئلہ سی وسوم [۳۳] میں لکھتے ہیں: "سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام و کبیرہ است و اگر بجہۃ عبادت سجدہ کند موجب کفر و شرک است، انتہیٰ۔ اور یہی مضمون تفسیر عزیزی پارہ الٓمٓ میں ہے۔ اب دیکھئے ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کیلئے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور اگر نیت عبادت کی نہیں تو حرام ہے شرک نہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ جلد ثانی مکتوبات کے مکتوب نود ودوم [۹۲] میں لکھتے ہیں "بعض از فقہاء ہر چند سجدۂ تحیت بسلاطین تجویز نمودہ اند اما لائق حال سلاطینِ عظام آنست کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ تواضع نمایند" انتہیٰ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے لئے بھی بعض فقہاء نے سجدہ کرنا جائز لکھا ہے۔ لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو تواضع اور عاجزی چاہیئے لوگوں سے سجدہ نہ کرداویں، جب عبادتِ مخصوصہ جو خاص خدا کا حق تھا یعنی سجدہ بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بعض فقہاء نے جائز بھی رکھا افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالات پر کہ فقط قیام جو ہرگز اصل عبادت نہیں شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہے؟

قولہ اب اس سجدہ کا حال الخ۔ **اقول** سجدہ اگرچہ تحیت کا ہو حرام ہے اور مشابہت بشرک ہے اس کو شرک کہنا درست ہے جیسا حلف بغیر اللہ کو شرک حدیث میں فرمایا، پس ایسا ہی قیام بخشوع میں ہو تو کیا بعید ہے اور تفریق سجدۂ عبادت وتحیت میں بسبب شرک حقیقی کے کرتے ہیں ورنہ حرمت اور اطلاق شرک میں دونوں برابر ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں علی قاریؒ لکھتے ہیں وفی المحیط اذا قال اهل الحرب لمسلم اسجد للملك والا قتلتك فالافضل ان لا یسجد لان هذا كفر صورةً والافضل ان لا یاتی بما هو كفر صورة وان كان فی حالة الاكراه۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ کفر کی صورت بھی سخت بد ہے کہ قتل ہونے پر صورت کفر کو ترجیح دیکر اَولیٰ ترک لکھا۔ پس دست بستہ بخشوع کھڑا ہونا بھی مشابہ ہے خصوصاً علم حضور میں کہ وہ خود شرک ہے، پس مؤلف کی ایسی روایات کا نقل کرنا سوائے اضلالِ خلق[1] کے اور کیا کہا جاوے، جن فقہا نے سجدۂ سلاطین کو جائز لکھا وہ قول ان کا مردود ہے، قرآن وحدیث کے اطلاقات سے، پس ایسے اقوال ہائے ساقطہ سے حجت لانا اہلِ علم کا کام نہیں، پس افسوس مؤلف کی زبان درازی اور کوتاہی فی الدین پر کہ کس طرح قرآن کے رد کرنے پر اور حدیث کی مخالفت پر اور تمام عالم کی مضادت پر ایسی چربوز[2] مردود روایات سے کمر باندھے بیٹھا ہے کہ خلق کو ورطۂ استحلالِ حرام[3] میں ڈالتا ہے۔

واضح ہو کہ پہلی امت میں سجدہ بھی دوسروں کو واسطے تعظیم کے جائز تھا۔ یوسف علیہ السلام کے پاس جب ان کے باپ یعقوب علیہ السلام اور ان کی خالہ اور سب بھائی ملک مصر میں آئے جب ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن شریف میں ہے خرّوا لہٗ سجّداً یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور خالہ اور بھائی یہ سب حضرات یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ میں گر پڑے تعظیماً اور اسی طرح جب آدمؑ کے لئے فرشتوں کو حکم دیا سجدہ کا قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم اس وقت سب فرشتوں نے سجدہ آدمؑ کو سوائے شیطان ملعون کے کیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے فسجدوا الا ابلیس یہ ذات شریف اس وقت غرور میں رہے سجدہ نہ کیا جہنمی بن گئے، لعنت کا طوق گلے میں پڑا۔ امام فخر الدین

[1] مخلوق کو گمراہ کرنا [2] بھنور [3] حلال کو حرام بتانا۔

رازیؒ نے پارہ تلک الرسل میں لکھا ہے ان الملئکۃ امروا بالسجود لاجل ان نور محمد علیہ السلام فی جبہۃ آدم۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ فرشتوں نے جو سجدہ کیا آدم علیہ السلام کو اور اخوان یوسفؑ نے یوسف علیہ السلام کو وہ عبادت کے لئے نہ تھا ایسا سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیونکہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتے۔ بلکہ وہ سجدۂ تعظیمی تھا اب اس امت میں وہ بھی حرام ہے صحیح یہی ہے۔ اس مقام پر ایک لطیفہ یاد آیا یعنی منکرین اپنے رسائل میں بانیان محفل میلاد شریف کے مذہب کو لکھتے ہیں "این مذہب قابل ہمیں است کہ سندش تا ابولہب رسانیدہ شود بلکہ تا ابلیس لعین" انتہی کلامہ۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو جس طرح کوئی سفینہ بے عقل ٹر ہانکتا اور بے اصل باتیں کہتا چلا جاتا ہے مُنہ اٹھا کر ابلیس تک ہمارے مذہب تک پہونچا دیا اور کوئی کامل ثبوت نہ دے سکے لیکن ہم ایں لاریب ان منکرین کا سلسلہ بخوبی شیطان ملعون تک پہونچا کر آنکھوں کے سامنے دکھادیں گے، یعنی موافق قول اول امام رازی کے آدم علیہ السلام کے لئے جو حکم سجود ہوا تھا اس میں تعظیم تھی نور محمدیؐ کی کہ جو ان کی پیشانی میں تھا، سو جمیع ملائکہ مقربین نے سجدہ ادا کیا، تعظیم نبیؐ بحکم الٰہی بجا لائے پس ہم لوگ تو ملائکہ کے حال میں ہم رنگ ہیں کہ انہوں نے تعظیم رسولؐ کی ادا کی ہم بھی کرتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ اس وقت سجدہ جائز تھا انہوں نے سجدہ کیا ہمارے عہد میں سجدہ ممنوع ہے ہم باآداب و تعظیم کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھتے ہیں، نفس تعظیم میں ہم اور ملائکہ مشترک رہے، اور جو لوگ قیام تعظیمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تغلیظ و تشدد اور کلام لایعنی پیش کرتے ہیں، اور نہیں کرتے قیام تعظیمی وہ ابلیس کے ہم مذہب ہیں، علت مشترکہ یہ تعظیم کے دونوں منکر، لیکن چونکہ وہ متقدم ہے اور یہ لوگ متأخر بنائے علیہ مقدم تو امام ٹھیرا اور تابعین متأخر اس کے مقلد پس خوب پہونچ گیا سلسلہ اس مذہب خبیث کا ابلیس لعین تک اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ابلیس مغرور نے یہ نہ سمجھا کہ اس قدر ملائکہ مقربین کے پرے بندھے ہوئے سجدہ میں گرے ہیں میں ایک حقیر ناچیز کیا ہوں جو سجدہ نہ کروں، شدت غرور شقاوت سے تابع جمہور نہ ہوا سجدۂ تعظیمی نہ کیا صاحب تعظیم کی شان میں تو فرق نہ آیا مگر یہی کم بخت خوار و ذلیل ہوگیا، اسی طرح

یہ تن چند منکرین قیام جو اپنے خیالاتِ فاسدہ میں مغرور ہیں جمہور اہلِ اسلام کو نہیں خیال میں لاتے
یہ نہیں سمجھتے کہ حرمین الشریفین و بیت المقدس روم و شام کے تمام علمائے قدسی نفوس قیام
کرتے ہیں استحباب کا فتویٰ دیتے ہیں ہم ان کے آگے کیا چیز ہیں غرض کہ تمام عالم قیامِ تعظیمی کرے
یہ جرگۂ مخصوصہ کبھی نہ کریں گے، اس تکبر اور تفرد میں بھی ان صاحبوں کو شرکت اس تعین کیساتھ
ہے اور ہم کو اتباعِ جمہور میں ملائکۂ ملأ اعلیٰ کے ساتھ اتفاق ہے، تیسرے یہ بات کہ تفسیر ابن مخلد
میں تصریح کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے شیطان رونے جھینکنے لگا
اور حلبی میں ہے کہ اس روز سروش غیبی بشارت دیتے پھرتے تھے کہ "ولد المصطفیٰ المختار"
یعنی پیدا ہوئے مصطفیٰ پسند کئے ہوئے اور چنے ہوئے اللہ کے، انتہیٰ۔

پس ہم لوگ جو خوش ہو کر تذکرہ ولادت شریف کا کرتے ہیں سروش غیبی کے ساتھ
ہیں اور جو اس تذکرہ اور محفل کرنے سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتے ہیں وہ اس شیطان کی
ملت پر ہیں اس طرح بھی ان منکرین کا سلسلہ ابلیس سے مل گیا، ہر چند کہ اس عاجز کی طرز و
انداز سے یہ گفتگو نہایت بعید ہے لیکن چونکہ ابتداء ادھر سے ہے اس لئے یہ چند کلمات لکھے
گئے اور وہ بھی اس جرأت پر کہ جو کچھ ان کلمات کی شامت ہے وہ سب اسی ابتداء کرنے والے
کی گردن پر ہے میں بریٔ الذمہ ہوں، ہمارے مخبر صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں
جس کو مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ماقال فعلی البادی قصہ دراز ہوا، تقریر
مسلسل کہیں سے کہیں پہونچی، مقصد اصلی پر آویں، سجدۂ تعظیمی اس امت میں حرام تو ہے
لیکن شرک اور کفر نہیں، جب عبادت خاصہ مخصوصۂ باری تعالیٰ کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح
شرک ہو سکتا ہے۔

قولہٗ واضح ہو الخ۔ **اقول** اول تو سجدۂ ملائکہ اور اخوۃ یوسف میں
خلاف ہے، بعض انحناء کہتے ہیں اور بعض وضع الجبہۃ۔ ثانیاً جو کچھ ہے وہ سب اس
امت میں حرام ہو گیا خواہ کسی نیت سے اطلاق شرک کا اس پر ہو دیگا، پس جو ایسی روایات
سے استخفاف معصیت میں عوام کو مطلع کرتا ہے، البتہ نیابت شیطان کی اس کو مسلّم ہے

کیونکہ "الاستخفاف بالمعصیۃ کفر" قاعدہ اصولِ کلام کا ہے۔
اب لطیفہ کثافت طبع مؤلف کا جواب قلم انداز کر کے آگے چلتا ہوں۔

اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا کبھی علمائے دین واسطے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے جائز نہ رکھتے، قبر شریف کی زیارت میں صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں "در وقت سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وقوف در آں جناب باعظمت دست راست را بر دست چپ نہند چنانچہ در حالتِ نماز کرمانی کہ از علماء حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ" انتہیٰ۔ اور ملّا علی قاری نے بھی کرمانی سے یہ ہاتھ باندھنا مثل نماز کے نقل کیا کتاب دار المصنفیہ میں۔ اور جاننے والے خوب جانتے ہیں وہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف پر کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں ہرگز عمل نہیں۔ اور علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعیؒ نے کتاب حاشیہ مناسک خطیب شربینی میں لکھا ہے فالاولیٰ لہٗ وضع یمینہ علیٰ یسارہ کالصلوۃ کما اقتصر علیہ فی الحاشیۃ واقرہٗ ابن علان وآخر کلامہ فی الجوھر یشیر الی المیل الیہ، انتہیٰ۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے درباب زیارت قبر شریف ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ۔ اب دیکھئے کہ سب علماء شافعی و حنفی نماز کے ساتھ تشبیہ دیکر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح حضرت کے روضہ مبارک کے سامنے باادب کھڑا ہو۔

زیارت روضۂ مطہرہ کے وقت قیام دست بستہ پر قیام مولد قیاس کرنا فاسد ہے۔

قولہٗ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا الخ۔
اقول پہلے قول میں تصریح ہوئی کہ یہ مسئلہ زیارت کا مختلف ہے اور دونوں روایات نقل ہوئیں اور کرمانی مجیز اس کا ہے۔ شیخ عبدالحق بھی اس سے نقل کرتے ہیں اور علی قاری نے بھی یہاں اس کو اختیار کیا ہے۔ مع ہذا علی قاری شرح عین العلم میں اس کو حرام لکھتے ہیں اب فرق مجوزین کے نزدیک یہاں یہ ہے کہ اس جگہ استقبال قبلہ نہیں وہ قبلہ کہ معین اور مشخص ہو رہا ہے پشت کے پیچھے ہو جاتا ہے تو قطعاً مخالف ہیئت صلوٰۃ کی ہوگئی اور مظنان شرک بھی نہیں کہ حیوٰۃ النبی موجود ہیں، اور

یہاں مولود میں کوئی جہت مشخص نہیں۔ دوسرے مظان شرک ہے کہ عوام کا عقیدہ حاضر ہونے کا ہے پس اس میں اور اس میں فرق ہوگیا مع ہٰذا اگر شرک نہیں تو مشابہ شرک کے اور عوام کے عقیدہ کی خرابی کا باعث ہے لہٰذا ناجائز ہوا اور اطلاقِ شرک اس پر مجازاً ہوگا اور معترض کا شرک کہنا اوپر معلوم ہوچکا کہ جہلاء کی نسبت ہے اگر نیت فاسد نہ ہو تو شرک نہ ہوگا، پس تعاملِ حرمین زیارت میں حسب روایات اجازت کی اگر ہے تو فارق موجود ہے۔ اور پھر خلاف قیاس ہے، دیکھو کہ صلوٰۃ جنازہ مشابہ بشرک ہے مگر اجازت ہوگئی، تو اب امام صاحب غائبانہ صلوٰۃ جنازہ کو جائز نہیں کہتے اور تکرار کو منع کرتے ہیں پس زیارت پر قیاس کرکے اس قیام کی اجازت نہیں نکل سکتی۔

اب اس میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ علماء سمجھتے ہیں کہ باادب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یہ کچھ عبادت نہیں اور نہ مخصوص خدا کے ساتھ جیساکہ کلامِ شاہ عبدالعزیز وغیرہم سے ہم نقل کرچکے، پس جبکہ مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تو کیا مضائقہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے اسی طرح کھڑے ہوں۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں کھڑا ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے، قرآن شریف میں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی، اور دوسری جگہ فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، انتہی۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے کان المقصود بالمبایعۃ عنہ علیہ السلام المبایعۃ مع اللہ وانہ علیہ السلام انما ھو سفیر ومعبر عنہ تعالیٰ وبہذا الاعتبار صار وا کانھم یبایعون اللہ۔ وبالفارسیۃ " آنانکہ بیعت می کنند با تو جزیں نیست کہ بیعت می کنند با خدا چہ مقصود بیعت اوست و برائے طلب رضائے اوست، انتہیٰ کلامہ۔ روح البیان اور وقت بیعت جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا اس کو قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے یداللہ فوق ایدیھم، شاہ عبدالقادر نے معنیٰ اس کے لکھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔ اور تفسیر مدارک میں ہے یرید ان ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی تعلو ایدی البائعین ھی ید اللہ تعالیٰ واللہ منزہ عن الجوارح وعن صفات الاجسام وانما المعنی تقدیر ان عقد المیثاق مع الرسول کعقدہ مع اللہ من غیر تفاوت بینھما، یعنی رسول کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے کچھ فرق نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ قیام دست بستہ عبادت نہیں، چنانچہ مذہب علماء وقول فقہاء یہی ہے، تو محفلِ مولد شریف میں کھڑا ہونا شرک اور کفر ہرگز نہ ہوا اور اگر اس کی زبان درازی سے خواہ مخواہ خلاف علماء دین کے عبادت قرار دیتے ہو تو یہی ہم جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے۔[1] نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ہمارے لئے بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس وقت اس ظہور نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بدیں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم نے تیری اس نعمت بھیجی ہوئی کو عظیم جانا۔ اس میں دو باتیں حاصل ہوئیں: ایک یہ کہ تعظیم نکلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، کیونکہ آپ کی تشریف آوری عالم دنیا کا ذکر سنکر بہیئت تعظیم کھڑے ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ تعظیم ہو گئی اللہ تعالیٰ کی، کیونکہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم ہے پس یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعمِ حقیقی کے سامنے ہے شکریہ عطائے نعمت میں۔ اب خیال فرمائیے کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ فماذا بعد الحق الا الضلال، ایک قباحت کا جواب تو ہو چکا۔

قولہ اب اس میں دو احتمال ہیں الخ۔ **اقول** دونوں احتمال نہیں۔ مؤلف کی خطاء فہم کا یقین ہے یہ امر خلاف قیاس ہے[2] کہ روضۂ مطہرہ پر سلام عرض کرنے میں منقول ہوا ہے وہ علی قاری کہ یہاں جائز کہتے ہیں وہی اس کو اور مواقع میں حرام لکھتے ہیں صلوٰۃ جنازہ میں مردہ کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے حالانکہ دوسری جگہ درست نہیں۔

---

[1] عمل [2] وجہ فرق

نور الابصار میں کہتا ہے وکذلک صلوٰۃ الجنازۃ فی نفسہا بدعۃ مشابہۃ بعبادۃ الاصنام ، اور شرح منیہ اور تفسیر عزیزی کے کلام سے کچھ ثابت نہیں پہلے گذر چکا، اور تعظیم فخر عالم کے واسطے قیام درست تھا مگر یہاں مولود میں مظانِ[1] شرک ہے لہٰذا ناجائز ہے گو جہلاء کے حق میں خود شرک ہے ۔ اور دوسرا احتمال مؤلف کا محض سفسطہ اور اثر قلبی مؤلف کا ہے کیونکہ اطاعت سفیر کی عین اطاعت امیر مرسل[2] کی ہوتی ہے اور اس کی اہانت امیر کی اہانت ہے ۔ کیونکہ سفیر مبلغ ہوتا ہے اس کا قول قبول کرنا عین اطاعت و قبولِ قول مرسل کا ہے ، علیٰ ہٰذا بیعت اصل سے ہوتی ہے او روکیل سفیر محض واسطہ ہوتا ہے، پس یہی معنی روح البیان وغیرہ کے ہیں، مع ہٰذا تعظیم سفیر و امیر میں فرق ہے کہ تعظیم امیر کی سفیر سے زائد ہوتی ہے اور خواص تعظیم امیر کی سفیر کے ساتھ درست نہیں ہوتی اس کو ہر اہل و نا اہل جانتا ہے، پس اطاعت و بیعت کو مقیس علیہ بنا کر تعظیم حق تعالیٰ کی فخر عالم کے ساتھ کرنا اور اس کا درست جاننا عین شرک ہے، سجدہ کرنا آپ کو حرام ہے اتفاقاً ، مگر یہ قاعدہ مؤلف کا چاہتا ہے کہ آپ کو سجدہ بھی درست ہو جیسا مؤلف قیام میں کہہ رہا ہے اور یہ قول باطل و شرک ہے ، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا ماشاء اللہ وشئت تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ ندًا بل ماشاء اللہ وحدہٗ ۔ ایک حدیث میں ہے لاتقولوا ماشاء اللہ وشئتَ ولٰکن قولوا ماشاء اللہ ثم شئنا محمد اس سے شرک دون شرک بھی ثابت ہوا اور مشابہ بشرک کی ممانعت بھی نکلی اور مماثلت تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے ساتھ بھی رد ہو گئی اور مؤلف کا احتمال شرکیہ بھی باطل ہو گیا اور قاعدہ مؤلف کا بھی مردود ہو گیا ، بہرحال عبادۃ اللہ کا رسول اللہ کو کرنا ہر حال شرک ہے اور اطاعت اور بیعت کو اس سے کچھ مناسبت نہیں ، مؤلف کی بے فہمی محض ہے ۔ اب مؤلف کی جرأت بیانی اور بے باکی سب ناظرین ملاحظہ کر کے لاحول پڑھیں اور اس کی چربو[3] تقریر دیکھیں۔

اب دوسری قباحت کا جواب سنئے کہ تمام مولد شریف پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح و توضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں ۔ شاہ سلامت اللہ

[1] شرک کے گمان کا موقع [2] حماقت [3] بیہودہ

صاحب کے مولد شریف میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت پیر کے دن حضرتؐ پیدا ہوئے۔ اور مولد شریف غلام امام شہید میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وقت صبح صادق بعد چھ ہزار سات سو پچاس برس کے زمانہ آدم سے اس قسم کی عبارتیں راحۃ القلوب وغیرہ رسائل میلادیہ اردو زبان میں ہیں اور عربی مولد برزنجی میں ہے

ولما تم من حملۃ التسعۃ اشہر قمریۃ ولد فیہ صلی اللہ علیہ وسلم یتلاء الاسناہ

اور علامہ غرب مدنی کے مولد میں ہے بثانی عشر من ربیع الاول فی یوم الاثنین المفخم ذی الجد۔ پس مکتوب ہونا ان رسائل میں روز و شہر و سال ولادت کا صاف اقرار ہے کہ آپؐ اس زمانہ میں پیدا ہوئے نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے نعوذ باللہ منہا۔ منکروں کے بہتان اور افتراء کا جواب سوا اس کے کہ خدا قیامت میں جھوٹوں کا منہ کالا کرے اور کچھ نہیں ایک آیت کلام مجید اور فرقان حمید کی اس مقام میں بس کرتی ہے انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔

قولہ اب دوسری قباحت الخ۔ **اقول** معترض کے کلام مؤلف نہیں سمجھا وہ صراحۃً کہتا ہے گویا اب پیدا ہوئے، یعنی جو عین پیدائش کا معاملہ قیام تعظیم کا تھا وہ اب کرتے ہیں اور دوسرا امر علم حضور مجلس اس میں ہوتا ہے تو شرک امر ثانی کی وجہ سے کہتا ہے اور پہلے امر کو مشابہ فعل ہنود کے فرضی امر کرنے میں ہی کہتا ہے معترض یہ نہیں کہتا کہ اس وقت پیدا ہونا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ لفظ گویا لکھ رہا ہے، پس یہ مؤلف کا جواب اس کے اعتراض کا جواب نہیں۔

اب تیسری قباحت جو یہ لوگ قیام میں پیدا کرتے ہیں کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوگ حاضر ناظر جانتے ہیں یہ شرک ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ

قولہ تیسری قباحت الخ۔ **اقول** اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ

کہ یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہٖ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہونچاتے ہیں اور اعمالِ امت آپؐ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف[1] ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں۔ مگر یہ کہ ہر جگہ محفلِ مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت و ندا اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام[2] حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے، بلکہ جس قدر علم دیا جاتا ہے اس قدر کو جانتے ہیں اور بس۔ علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ثم اعلم ان الانبیاء علیہ السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیاناً وذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی یعلم الغیب، انتہٰی۔ پس معترض کی تیسری قباحت یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ روح آپؐ کی یہاں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے، تو معترض دوام تشریف آوری کہتا ہے یعنی فعلیت کا دوام نہ کہ امکان و وقوع احیاناً[3]۔ پس مؤلف اگر اس امر کو ثابت کر دیوے کہ آیا کرتے ہیں دائماً تو اس کا جواب ہو ویگا ورنہ امکانِ حضور سے کچھ فائدہ مؤلف کو نہ ہو ویگا، اور سب نقول اس کی فضول ہو دیں گی۔

ارواح انبیاءؑ کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث سے ثابت ہے، معراج کی حدیثوں میں وارد ہے کہ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے تئیں انبیاءؑ کی جماعت میں دیکھا، یہ موسیٰؑ نماز پڑھتے ہیں، یہ عیسیٰؑ پڑھتے ہیں یہ ابراہیمؑ پڑھتے ہیں فحانت الصلوٰۃ فامتہم یعنی اتنے میں نماز کا وقت آ گیا میں ان کا امام ہوا، روایت کیا اس کو مسلم نے، اور قرطبی نے ابن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لیکر کل انبیاءؑ کو جمع کر دیا۔ سات جماعتیں حضرتؐ کے پیچھے تھیں۔ اور فتاویٰ سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے امامۃ النبی علیہ السلام لیلۃ المعراج لارواح انبیاء علیہم السلام کانت فی النافلۃ۔ ان روایات فقہ و حدیث سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے

[1] ظاہر [2] خبردار کرنا [3] کبھی کبھی

سمٹ کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور نماز یہاں آکر پڑھی۔ اور مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جاتے تھے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں جب ایک جنگل میں گذرے پوچھا حضرتؐ نے یہ کونسا جنگل ہے صحابہؓ نے کہا یہ وادی الارزق ہے فرمایا حضرتؐ نے گویا میں دیکھتا ہوں موسیٰؑ کو پھر حضرتؐ نے اُن کا رنگ اور بالوں کا حال بیان فرمایا اور فرمایا موسیٰؑ رکھے ہوئے ہیں دونوں کانوں میں انگلیاں یعنی جس طرح اذان میں اور آواز بلند ہے ان کی ساتھ لبیک کے گذرے چلے جاتے ہیں اسی جنگل سے، کہا ابن عباسؓ نے کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے، پوچھا حضرت نے یہ کونسی گھاٹی کونسا پہاڑ ہے، صحابہؓ نے کہا یہ پہاڑ تو ہرشا ہے یا لفت ہے آپؐ نے فرمایا گویا میں دیکھتا ہوں یونسؑ کو سرخ اونٹنی پر سوار پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے اس کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اسی جنگل میں چلا جاتا ہے حج کے لئے لبیک کہتا ہوا روایت کی یہ حدیث مسلم نے، کہا شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہ "چوں اتفاق است بر حیات انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی و دنیاوی لیکن محجوب اند از نظر عوام پس بحقیقت نمود ایشاں را بحبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم بے نیام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال" اور قسطلانی نے بھی مواہب میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے وقیل هو على الحقيقة لان الانبياء احياء عند ربهم يرزقون فلامانع ان يحجوا فى هذه الحالة كما فى صحيح مسلم عن انس انه صلى الله عليه وسلم رأى موسى قائماً فى قبره يصلى، قال القرطبى حب اليهم العبادة فهم يعبدون وبما يجدونه۔ ان احادیث اور عبارات محدثین سے معلوم ہوا کہ ارواح انبیاءؑ حج اور نماز وغیرہ عبادتیں کرتی پھرتی ہیں جو ان کے دل میں آوے۔ اور مشکوٰۃ کے باب المعراج میں بخاری اور مسلم کی حدیث سب کو یاد ہوگی کہ اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ ملے، دوسرے پر حضرت یحییٰؑ اور عیسیٰؑ، تیسرے میں حضرت یوسفؑ، چوتھے میں حضرت ادریسؑ، پانچویں حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے میں حضرت موسیٰؑ ساتویں میں حضرت ابراہیمؑ۔ اب دیکھئے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ارواح کل انبیاءؑ کی بیت المقدس میں ملی تھیں اور نماز حضرتؐ کے پیچھے

بڑھی تھی، اب یہ ارواح انبیاء ع آسمانوں پر ملیں، یہ کسقدر حرکت ہوئی ہر آسمان اس قدر موٹا ہے جس قدر پانچ سو برس کا رستہ ہووے اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا رستہ ہے پس اس تحقیق کے موافق ایک دراعرصہ میں آدم ع کی روح ایک ہزار برس کا رستہ اور عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس ابراہیم ع کی روح سات ہزار برس کا رستہ طے کر گئے۔ اس سرعت سیر کو یاد رکھو عنقریب ہم کچھ فائدہ اس پر مرتب کریں گے۔ اور لکھا شرح مواہب لدنیہ میں خاتم المحدثین علامہ زرقانی نے لا یمنع رویتہ ذاتہ علیہ السلام بجسدہ وبروحہ وذلک لانہ وسائر الانبیاء صلی اللہ علیہم وسلم ردت الیہم ارواحہم بعد ما قبضوا واذن لہم فی الخروج من قبورہم لتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی۔ نقل کی یہ کلام زرقانی نے تنویر الحوالک تصنیف جلال الدین سیوطی رح سے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے سلسلۂ اساتذہ ومشائخ میں ہیں۔ اور خود شاہ ولی اللہ رح فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں رأیتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اکثر الامور بیدی ای صورتہ الکریمۃ التی کان علیہا مرۃ بعد مرۃ فتفطنت ان لہ خاصیۃ من تقویم روحہ بصورۃ جسدہ علیہ السلام وانہ الذی اشار الیہ بقولہ ان الانبیاء لا یموتون وانہم یصلون فی قبورھم ویحجون وانہم احیاء۔ اور حضرت مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات کے مکتوب دو وبست وہشتادو دوم میں لکھتے ہیں "امروز در حلقہ بامدادی بینم کہ حضرت الیاس وحضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بصورت روحانیاں حاضر شدند وبہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت سبحانہ تعالیٰ ارواح ما را قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع می آید از ارواح ما صدور می یابد" اور اسی جلد اول مکتوب دو صد وبستم میں ہے "دریں اثنا عنایت خداوندی دررسید وحقیقت معاملہ را کما ینبغی وانمود روحانیت حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ رحمت عالمیانست دریں وقت حضور ارزانی فرمودو تسلی خاطر حزیں نمود" اور سیوطی رح انتباہ الاذکیاء میں احادیث وآثار صحابہ رض سے لکھتے ہیں کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطراف وزمین میں آمد ورفت برکت کے ساتھ فرماتے ہیں، اور انبیاء کا مرجانا یہی ہے کہ وہ ہماری نظر سے

چھپ گئے، مثل فرشتوں کے نظر نہیں آتے مگر جس ولی اللہ کو دکھا دے ،، انتہیٰ۔
و امام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ ملائکہ و ارواح انبیاء ، کذا فی اشعۃ اللمعات فی کتاب الرؤیا ۔ اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ عبد الحق نے از شیخ ابو المسعود کہ مصافحہ می کرد آں حضرت را بعد از ہر نماز ، اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ نے قصہ غوث پاک کا کہ "روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشستہ بود و وعظ می فرمود قریب بدہ ہزار کس در پائے وعظ وے حاضر بودہ ، شیخ علی بن ہیتی در زیر پائے کرسی شیخ نشست ناگاہ شیخ علی ہیتی را خوابے بُرد پس شیخ عبد القادر قوم را فرمود اُسکُتُوا پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جز انفاس از ایشاں شنیدہ نمی شد پس فرمود و آمد شیخ از کرسی و بایستاد بادب پیش علی مذکور و می نگریست در روئے پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبد القادر بادے کہ دیدی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب ورزیدم با تو دایستادم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، گفت بملازمت من مجلس تو لیس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم شیخ عبد القادر در بیداری دید ۔ و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ دراں روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین "۔ اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک تو روح پاک مصطفوی کا مجلس خیر میں آنا ، دوسرے تعظیم روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت غوث اعظم سے پیر دستگیر کا کھڑا ہو جانا یہ سند ہوئی استحباب قیام کے واسطے تشریف آوری ارباب فضل و اکرام کے ، تیسرے حضرت غوث پاکؒ کی علو شان اور قوت ادراک دوسرے آدمی خواب میں دیکھیں آپ نے بیداری میں دیکھا ، قصہ مختصر یہ کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آمد و رفت فرماتی ہے ۔

قولہ ارواح انبیاءؑ کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث سے الخ: **اقول** ان روایات معراج سے ارواح کا بیت المقدس میں جمع ہونا اور آسمانوں پر جانا باذنہ[۱] تعالیٰ ثابت ہے مگر مولود کی مجلس میں آنا مبحوث[۲] ہے ، نفس حرکت و تقلب[۳] سے یہ خاص تشریف آوری ثابت نہیں ہو سکتی اور قیاس کا محل نہیں ، باب عقائد قیاس سے خارج ہے حدیث مسلم ، مگر

[۱] اللہ تعالیٰ کی اجازت سے [۲] موضوع بحث [۳] پھرنا ۔

استدلال مؤلف کا اس سے باطل ہے اور مشکوٰۃ کی حدیث سفر حج کی وادی ارزق میں دیکھنا حضرت موسیٰؑ کا اور ہرشا پر حضرت یونسؑ کا سو یہ تو ظاہر ہے کہ آپؐ نے اس وقت نہیں دیکھا تھا بلکہ آپ حکایت کرتے تھے دیکھنے ماضی کی کیوں کہ فرماتے ہیں "کانی انظر" گویا دیکھ رہا ہوں۔ اور نہ فرمایا "فانی انظر" پس غالب اور راجح اس میں یہ ہے کہ معاملہ رؤیا[1] کا ہے اور اگر یقظہ[2] کا ہے تاہم حرج نہیں معترض تقلبِ[3] ارواح کو باذن اللہ قبول کرتا ہے کلام یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ ہر مجلس میں آیا کرتے ہیں، اور نصوص سے جو چلنا پھرنا محقق ہوگا اس میں کچھ عذر نہیں یہاں قیاس کا باب مسدود[4] ہی ہے پس اس سے کچھ ثبوتِ مدعا نہیں ہوتا، علیٰ ہٰذا شیخ عبد الحق کا قول اور مواہب کا حج کرنے کو جانا اور معراج کی شب میں آسمانوں پر جانا مؤلف کو مفید نہیں اور باب نزاع پر کچھ دلالت اس کو نہیں، اور زرقانی کی عبارت جو تنویر الحلک سیوطیؒ سے نقل کی اس میں بھی صریح ہے کہ خروج عن القبور باذن اللہ تعالیٰ ہے۔ بقولہ واذن لہم الخ مگر تنویر الحلک کی عبارت میں ایک قلیل تصرف مؤلف کا ہوا ہے، اس کی عبارت یوں ہے واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت الخ۔ واؤ عاطفہ ہے نہ لام جارہ، اور تصرف کے معنی بھی چلنا پھرنا ہے فی القاموس صرّفتہ فتصرف، قلّبتہ فتقلّب۔ واصطرف تصرف فی طلب الکسب، انتہیٰ۔ مؤلف نے لام جارہ لکھا اور تصرّف کے معنی عرفی اردو کے بنائے ہیں مگر تاہم اس کے مدعا کو مفید نہیں، چلنے پھرنے سے عالم علوی سفلی میں تشریف آوری مجلس مولود کی لازم نہیں آتی خصوصاً یہ مجالسِ بدع ومکروہات اور پھر یہاں مشہور معنوی حدیث سے کام چلے گا نہ کہ ایسے اقوال سے، اور عبارت فیوض الحرمین سے بھی وہی مضمون نکلا جو حدیث مسلم میں تھا حیوٰۃ اور حج کرنا اور اپنے سامنے شکل مبارک کا دیکھنا کہ مدینہ طیبہ میں مرقدِ مبارک پر حاضری کا قصہ ہے جو دہلی کا ہوتا ہے، جب بھی کوئی مطلب مؤلف کا نہیں نکلتا جیسا آگے آتا ہے حضرت مجددؒ کی دونوں عبارتوں میں تلقی روحانی ہے اس میں انتقال کی ضرورت نہیں اور متجدد ہونا اور انتقال کرنا بھی ہو تو بھی غرض مؤلف کی اس سے حاصل نہیں ہوتی اور پھر ان مکاشفات کو قبول کرنا احکامِ شرعیہ میں ضروری نہیں نہ ان سے حکم ثابت ہو مؤلف کا ایسے موقع استدلال میں نقل کرنا ان حکایات ومکاشفات کا خالی ناواقفیت قواعدِ دین سے نہیں، چنانچہ یہ

---

[1] خواب [2] بیداری [3] ارواح کا پھرنا [4] بند

مصرح ہے کہ الہام وکشف اولیاء کا مفید حکم اور حجت علی الغیر نہیں، امام غزالی مشاہدہ کو فرماتے ہیں سو مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہد[1] کے گھر میں آنا ضروری نہیں قلب منور بعید سے دیکھتا ہے مثل قریب کے باذن اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے حق تعالیٰ، علیٰ ہٰذا مصافحہ کرنا علیٰ ہٰذا قصہ شیخ عبدالقادر گیلانی کا کشف روحی اور رویا روحی ہے اس میں تنزل کی کچھ حاجت نہیں ہے اور وقت انکشاف کے جب حضور ہوگیا تو ادب ضرور ہی ہوگا پس مؤلف کا یہ کہنا کہ روح مصطفوی کا مجلس میں آنا نکلا محض ناواقفیت معاملہ کشفی سے ہے، اگر کوئی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے تو مؤلف حکم کریگا کہ آپ اس کے گھر تشریف لائے، اب اس عقل مؤلف کو دیکھنا چاہئے اور استحباب قیام آنے والے کے واسطے ثابت ہے معترض نے کب انکار کیا ہے مؤلف کی عقل پر غشاوۃ[2] اب شہود کے وقت مثل حیوۃ کے معاملہ ہونا چاہئے کلام اسمیں نہیں مؤلف کو اصل مطلب فہمی سے کام ہی نہیں، اگر اہل محفل میلاد کو زیارت فخر عالم کی ہووے تو قیام کو کون منع کرتا ہے اور معترض لفظ "آیا کرتی ہے" پر شبہ کرتا ہے غرض اعتراض کچھ اور دلائل مؤلف کے کچھ اور، عجب قصہ ہے۔

اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ان کو دنیا کی طرف کب توجہ ہوتی ہوگی جواب اس کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "والقمر اذا اتسق" کی تفسیر میں "و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلۂ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت نہ دارد آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد" جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو بدرجہا اس سے فائق ہوگا، چنانچہ خاتمۃ المحدثین زرقانی ص ۳۶۵ مقصد عاشر میں لکھتے ہیں ولاریب ان حالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملائکۃ ھذا سیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض الف مائۃ روح او ازید فی وقت واحد ولا یشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتقدیس فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی ویعبد ربہ ویشاھدہ ولا یزال فی حضرۃ اقترابہ

[1] غیر کے مقابلہ میں دلیل [2] مشاہدہ کرنے والا [3] پردہ

ای ونوہ متلذذا بسماع خطابہ وکذا کان شانہ وعادتہ فی الدنیا یفیض علیٰ امتہ من سبحات الوحی الالٰہی سما افاضہ اللہ تعالیٰ ولایشغلہ ھذا الشان وھوشان افاضۃ الانوار القدسیۃ علی امتہ عن شغلہ بالحضرۃ الالٰھیۃ، یعنی آپ کا قبر میں یہی حال ہے اور دنیا میں بھی یہی تھا کہ امت پر فیضان جاری رہتا تھا اور خدا سے ملتے رہتے تھے، اُدھر کی مشغولیت سے ادھر ادھر کی مشغولیت میں فرق نہ آتا تھا ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل ؎ خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

قولہ اور اگر کوئی یہ سمجھے الخ **اقول** مؤلف نے آپ ہی اعتراض بنایا کہ آپ مستغرق مشاہدہ میں ہیں توجہ الی الدنیا کیونکر ہو سکتی ہے اور آپ ہی جواب دیا کہ وسعتِ علم کو یہ مانع نہیں۔ اور تفسیر عزیزی وزرقانی سے حجت لایا مگر عجب ہے کہ اس کا نہ معترض مانع ہوا اور نہ مؤلف کو کچھ فائدہ عبث اوراق سیاہ کرتا ہے، معترض دوام تشریف آوری روح پاک کا اور مجالس میں انکار کرتا ہے مؤلف امکانِ علم وحضور ثابت کر رہا ہے نہ گھر کی خبر نہ اپنے ہوش اور حضرت عزرائیلؑ کی مثال پر بھولا، پہلے جواب اس کا ہو چکا کہ حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیلؑ کو ایسی قوت وعلم دیا ہے اور ان کے متعلق یہ خدمت کی ہے کہ اگر فخر عالمؐ کو اس سے صدہا گونہ زائد ہو تو کیا عجب ہے مگر کلام فعلیت میں ہے کہ یہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اب خلاصہ ونتیجہ دلائل وجواب مؤلف کا دیکھو۔

پس ادھر توسع ادراک علم وقوت استعداد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ادھر روحِ انبیاءؑ کی سرعتِ سیر معلوم کہ حضرت ابراہیمؑ معراجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا رستہ طے کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے چنانچہ ہم روایت اس کی بیان کر چکے پھر کیا اشکال و وبالِ جان ہو رہا ہے منکرین کو کہ صرف چند محافلِ میلادیہ جو چند شہر متعدد میں منعقد ہو رہی ہیں ان میں بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت روح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں مانتے، وہ پیغمبر سید المرسلین

جو ابراہیم خلیل اللہ سے بھی افضل بالاتفاق ہیں، مفضول تو سات ہزار برس کی راہ طے کرے ایکدم میں اور فاضل افضل چند مقامات کی سیر نہ کرسکے کمالِ کم فہمی کی بات ہے، اور اس پطرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد کرے ان کو مشرک قرار دیں، سبحان اللہ شرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے واضح ہو کہ بہت مقامات میں حاضر ہوجانا ایک زمانہ میں روح مبارک کا جس کو یہ لوگ شرک کہتے ہیں اس کی تشریح اس رسالہ میں گذر چکی جہاں چاند سورج اور ملک الموت کی تمثیل ہے اور کتاب دافع الاوہام میں کلام محققین مستندین سے ثابت کیا گیا کہ روح کاملین کی آن واحد میں مقامات متعدد میں جاسکتی ہے جس کو دیکھنا ہو اس میں دیکھے۔

اب ہم تماشے کی بات سناتے ہیں ہٹ دھرمی اسی کا نام ہے، مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے پیر کے واسطے کتاب صراط مستقیم میں روح خواجہ عالیشان اور روح غوث پاک کو بغداد و بخارا سے مہینہ بھر تک آنا بیان فرماویں وہ تو آمنا اور صدقنا، اور دوسروں کیواسطے فتاوی بزازیہ کھولا جاتا ہے کہ مَن قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر اس جلسہ داری اور حمیت پر کمال افسوس۔

قولہ پس ادھر توسع ادراک وعلم الخ۔ **اقول** سبحان اللہ فہم مؤلف پر عجب ہے نہ توسع ادراک کا ذکر نہ سرعتِ سیر کا انکار، کلام فعلیت حضور میں اور تشریف آوری دائمی میں ہے اور قیاس عقلی مؤلف کا امکان میں حالانکہ عقائد کا ثبوت نصِ قطعی سے ہوتا ہے، چند اقوال وہ بھی خارج مبحث ذکر کرکے آنکھ بند کر کے ڈھکوسلا لکھ دیا کچھ تو شرم کرنی تھی کہ عقائد کا مسئلہ اور اعتراض کے خلاف کیا اثبات کرتا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں اور کیا واجب تھا، اب باقی کلام لایعنی کا جواب ضروری نہیں، چاند سورج ملک الموت کا جواب سب مذکور ہوچکا اور سید صاحب کے قصہ کے عدم فہمی کی بھی اطلاع ہوچکی۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

سوال حاضر ہوجانا روح کا ممکن الوقوع تو ہے لیکن امکان وقوع کو وقوع ضروری نہیں ہے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ ان محفلوں میں آجاتی ہے؟ **جواب** ارواح کا آنا کوئی امر حسی آنکھوں سے دیکھنے کا نہیں کہ ہر کوئی دیکھ کر بتلا سکے یہ امر باطنی قسم عالم امر سے ہے اس کا

ثبوت ارباب مکاشفہ سے ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کا قلب صاف اور نفس ان کا کدورتوں سے پاک اور نظر باطنی ان کی عمیق پس اس قسم کے آدمیوں کے منامات میں بھی بشارت ہوئی کہ حضورؐ کا گذر مولد شریف میں ہوتا ہے اور بعض صلحا مجلس میلاد میں مشرف بہ زیارت بھی ہوئے، محمد بن یحییٰ جو مکہ میں مذہب حنبلیؒ کے مفتی تھے علماء اعلام و مقتدایان دین اسلام سے نقل کرتے ہیں عند ذکر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم یحضر روحانیۃ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی طرح علامہ زین العابدین برزنجی جن کا مولد شریف منظوم دیار عرب کی محافل میں پڑھا جاتا ہے وہ مقام قیام میں لکھتے ہیں ؎ لقد سن اهل العلم والفضل والتقی ÷ قیاماً علی الاقدام مع حسن امعان ÷ بتشخیص ذات المصطفیٰ وهو حاضر ÷ بای مقام فیه یذکر بل دان۔

اور شیخ عبد الحقؒ نے مدارج النبوۃ میں تین مقام پر ایک جگہ موقع سلام میں، دوسری جگہ خصائص میں، تیسری جگہ تعلیم آداب و تصور جمال روی مبارک میں تصریح کی ہے ساتھ حاضر ہونے روحانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بھی یہ ذکر فرمایا ہے جس کے دیدہ بینا ہوں ڈھونڈ کر نکال لے یہ دونوں کتابیں کثرت سے موجود ہیں اور اس مسئلہ کی رنگ و بو، تو خود کلام شاہ ولی اللہ صاحبؒ میں موجود ہے فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ کے بیان میں جو مدینہ طیبہ میں جا کر حاصل ہوئے فرماتے ہیں ورأیته مستقراً علی انه واحدة متوجها الی الخلق لا بساً لباس عظموت فاذا توجه الیه الانسان یحصل والا اریدا الانسان العالی الهمة فقط بل کل فی کبد یشتاق الی شیٔ ویتوجه الیه بقصده وشوقه فانه لیبدلی الیه ورأیته صلی اللہ علیه وسلم فیشرح انشراحاً عظیما لمن صلی صلی اللہ علیه وسلم ومدحه۔ اس عبارت سے صاف بیان ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب دل کھلتا ہے خوشی سے اس کی طرف جو مدح پڑھے حضرتؐ کی اور درود و سلام بھیجے اور جب کوئی مشتاق عشق دلی سے بہت لگاتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے حضرتؐ کی طرف تو آپؐ اتر آتے ہیں اس کے پاس۔ یہ خلاصہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا بعینہٖ ان کے الفاظ میں ہے اور جو کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو اصل کتاب فیوض الحرمین کی طرف رجوع کرے، پاوے گا اس میں زیادہ تر تشریح اور توضیح اس مطلب کی۔

قولہ سوال حاضر ہوجانا روح کا ممکن الوقوع الخ۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور سنتے بھی ہیں مگر ہر وقت یہ بات ضروری نہیں، کشف کی حقیقت اور یہ کہ کشف سے احکام ثابت نہیں ہوتے

اقول مؤلف نے یہ عبارات نقل کیں اور فی الحقیقت اصل مدعا کو اس سے کچھ مساس نہ تھا یہ بھی ایک فریب دہی تھی کہ عوام تو جانتے ہیں کہ بہت سی روایات سے یہ مدعا ثابت کیا ہے مگر اہلِ علم سمجھ جاویں گے کہ یہ محض تطویل بے سود ہے لہٰذا بندہ نے ہر عبارت پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس کو مدعا سے علاقہ نہیں، آخر مؤلف کو خود ہوش آئی تو سوال جواب کرکے اس کو رفع کرنا چاہتا ہے۔ خلاصۂ سوال تو ظاہر ہے کہ سب روایات سے تقلبِ ارواح[1] کا معلوم ہوتا ہے، پھر مجلس مولود میں آنا کس طرح معلوم ہو کیونکہ معلوم ہونے کے طریقِ معتبر دین میں تین ہیں یا حواس سو وہ تو یہاں نہیں، دوسری عقل سو ظاہر ہے وہ یہاں مفقود ہے کیوں کہ یہ امر عقل سے ثابت نہیں ہوسکتا، تیسری خبر رسول وہ بھی اس باب میں غیر موجود، پس مدعا پر دلیل کس طرح ہوسکتی ہے اب مؤلف کا جواب قابل سننے کے ہے کہ کہتا ہے کہ یہاں آنکھوں سے تو علم ہوسکتا ہی نہیں یعنی حواس کا کام نہیں کہ اس کو دریافت کرے اور اخبارِ متواترہ[2] خبر رسول کی جو قطعی ہوں وہ بھی مفقود مگر اربابِ مکاشفہ سے ثبوت ہوسکتا ہے۔ الغرض مؤلف نے اقرار کیا کہ ہر سہ امر طریق علم کے جو معتبر شرع میں ہیں۔ یہاں نہیں پائے جاتے، اب بابِ مکاشفہ کی خبر معاملہ سے اور رؤیا[3] سے ثابت ہوتا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔ مؤلف نے اس قدر تطویل بے سود کرکے کہا تو یہ کہا کہ خواب میں اور مکاشفہ میں لوگوں کو معلوم ہوا ہے اور خود محقق ہے کہ دین میں علی الخصوص اعتقاد میں رؤیا اور کشف کا اعتبار نہیں اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا خصوصاً مسئلہ عقائد تو اب سب اربابِ عقل غور کریں کہ فقط مدار عقیدہ مؤلف کا خوابوں اور مکاشفات پر ہے پھر اس قدر روایات بے سود نقل کرنا اگر فریب دہی نہیں تھا تو اور کیا تھا، اول ہی لکھدینا تھا کہ خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے جو آخر کہا اول سے کہتا پس اب ہم کو جواب میں یہ کافی تھا کہ یہی کہدیتے کہ شرعاً یہ سب غیر معتبر ہیں، خدا تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ "گوشت ما خوردو حلق خود بدرید" اور مآل کار اس ہی اپنی اصل پر آگیا اتنا رونا رویا اور دعویٰ کو دلیل سے مناسبت نہیں، اور جواب کو اعتراض سے علاقہ نہیں، توبہ توبہ۔ اور شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ میں بعض

---

[1] ارواح کا پھرنا [2] وہ احادیث جن کی سند تواتر کو پہونچی ہو [3] خواب۔

حکایات اولیاءؒ کی نقل کر کے یہ آخر میں لکھدیا ہے کہ " بالجملہ دیدن آنحضرتؐ بعد موت مثال است چنانچہ در نوم مرئی شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص شریف کہ در مدینہ آسودہ می است ہماں متمثل می گردد در یک آں خواص را در یقظہ عوام را در منام " انتہیٰ۔ پس دیکھو حقیقت انکشاف کی یہ ہے کہ ارباب قلوب صافی کے مخیلہ میں تمثیل ہوتا ہے اور خود آپؐ بجائے خود ہیں اور تشریف آوری اور حضور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں، ان وقائع سے مؤلف تشریف آوری ثابت کرتا ہے اور ناواقفیت حقیقت کشف سے ہے خود شیخ اس کے معتمد نے مؤلف کے سب دلائل رد کر دیئے مؤلف محض خواب و خیال پر ہی عقائد اپنے اور خلق کے برباد کر رہا ہے۔ افسوس، علیٰ ہٰذا شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو شخص قبر مبارک پر متوجہ ہوتا ہے اس کا حال فرماتے ہیں اور اگر دور سے یہ امر ہو تو پھر وہی تمثل ہے اور پھر قصہ کشف والہام کا ہے جو شرع کی دلیل نہیں اور مدح وصلوٰۃ وسلام میں خود وارد ہے فان[1] صلوتکم معروضۃ علیّ (الحدیث) ۔ اور احادیث میں تبلیغ ملائکہ کی موجود ہے پس مؤلف نے بغیر حقیقت کشف اور منام کے مطلع ہو کے اپنے فہم ناتمام سے تراش لیا کہ خود روح مبارک ہی صاحب کشف کے گھر آجاتی ہے اور حجت بنا کر لکھدی کچھ غیرت نہ کی معاذ اللہ۔ " وائے[2] در دین نبی رخنہ گری پیدا شد "۔

اور کشف الغطاء میں لکھا ہے کہ یہ سب منام و یقظہ دیکھنا مشاہدہ تمثال ہے نہ کہ عین حقیقت آپؐ کی، پس سب تفوّے[3] مؤلف کی ہدم و باطل ہو گئی۔

سوال روح مبارک کا حاضر ہو جانا تو چنداں بعید نہیں لیکن حاضر جب ہو سکتی ہے کہ یہ خبر ہووے کہ کہاں کہاں مجلس ہے، اور غیب کی خبر کسی کو نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ ۔ اور نیز حکم کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اعراف میں " کہہ اے محمدؐ لوگوں سے لو کنتُ اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء اگر جانتا میں علم غیب کو بہت حاصل کرتا میں منفعت اور نہ پہنچتا مجھ کو نقصان "۔ **جواب** اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہو تو بہت اچھی بات ہے، لیکن آدمی کل قرآن پر

[1] اس لئے کہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کی گئی [2] معاذ اللہ نبی کے دین میں اسطرح رخنہ ڈالتے ہیں [3] ڈینگ

ایمان لانے سے مسلمان ہوتا ہے، ایسا تو نہ چاہئے کہ کسی آیت پر ایمان ہو اور کسی سے انکار ہو جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، پس تم کو چاہئے کہ دوسری آیتوں کو بھی سچی جانو، سورہ آل عمران میں ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشآء یعنی اللہ یوں نہیں کرتا کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔ اور سورۂ جن میں ہے عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں کھولتا مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول۔ ان چاروں آیتوں کے ملانے سے اہل سنت والجماعت کا جو مسئلہ اعتقادی ہے وہ کھل جاتا ہے، یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ ہے، زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم و الہام حق جان لے، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ رسولؑ کو جس کو چاہے خبریں غیب کی بتا دیتا ہے۔ پس جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہیں جانتے وہ منکر ہوا اللہ تعالیٰ کے کلام کا، کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے چھانٹ لیتا ہے واسطے اخبار غیبی کے جس کو چاہے اور نیز منکر ہوا وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ مشکوٰۃ کے باب المعجزات میں روایت ہے عمرو بن اخطب انصاریؓ سے کہ کہ نماز جماعت پڑھائی ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی اور منبر پر چڑھے ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا تب اترے منبر سے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر فرماتے رہے نصیحت پھر عصر کا وقت آ گیا پھر اترے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر یہاں تک کہ چھپ گیا سورج اس دن بتا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہونے والا قیامت تک۔ اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس اس دن کی زیادہ باتیں یاد ہیں، روایت کی یہ حدیث مسلم نے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہت خبریں غیب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں علاوہ اس کے بہت حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔ بباعث طول کے اعراض کر کے شاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام پر اعتماد کرتا ہوں۔ شروع سیقول میں فرماتے ہیں کہ "جو کچھ حضرتؐ نے خبر دی ہیں حاضر غائب کی سب پر اعتقاد واجب ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے اسی جگہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کو جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے ، فرشتے حضرتؐ کو خبر پہونچاتے رہتے ہیں اور نور نبوت سے حضرتؐ پہچانتے ہیں سب امتیوں کو"۔ یہ عبارت ہم نقل کر چکے ہیں نورِ اول کے لمعہ ثانیہ میں ۔ اور نقل کر چکے اسی مضمون کی روایتیں بزاز و زرقانی وقسطلانی وغیرہ سے اُسی مقام میں جب یہ باتیں ثابت ہو چکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جانا محافلِ میلاد کا کون بڑی بات ہے ، علاوہ اس کے محفل میلاد شریف میں مدح اور کثرت سے درود وسلام پڑھا جاتا ہے جب یہ کثرت سے جلسہ کا درود وسلام فرشتے حضرتؐ کو پہنچاتے ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے ، پھر کیوں نہیں خبر ہوتی ہوگی اس جلسہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ۔ اور شاہ ولی اللہ کا کلام فیوض الحرمین میں سے ہم نقل کر چکے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہیں خلق کی طرف اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کو توجہ ہوتی ہے وہ ادنی چیز پہنچے میں جھک جاتا ہے اس کی طرف اور یہ بھی انہوں نے لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں اس سے جو ان پر درود وسلام اور مدح اور نعت پڑھتے ہیں ، پس خبر پا لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح بخوبی ہو سکتا ہے نہ اہلِ سنت والجماعت پر دھبہ لگتا کہ یہ لوگ رسول مقبولؐ کو عالم الغیب جانتے ہیں اور نہ یہ کہ ہر جگہ ان کو حاضر ناظر جانتے ہیں ، اب فکر کرنا چاہئے ان حدیثوں میں جن کو علامہ زرقانی اور اسماعیل آفندی وغیرہما علماء حدیث وتفسیر نقل کرتے ہیں اس طرح کہ سب پیغمبروں کو ان کی امت کے اعمال اور والدین کو ان کی اولاد کے اعمال پر ہر جمعہ میں مطلع کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو بار اطلاع کرتے ہیں ایک روز جمعہ اجمالاً جس طرح اور سب پیغمبروں کو امتوں کے حالات پر مطلع کرتے ہیں اور دوسرا ہر روز صبح وشام بطور تفصیل دو بار آپؐ کے آگے اعمالِ امت پیش کرتے ہیں گویا یہ درجہ حضرت کا دوسرے پیغمبروں پر زائد ہوا کہ آپؐ کو بروز جمعہ اجمالاً مطلع کیا اور نیز دو بار تفصیلاً ہر روز پس جو کوئی محفل کرتا ہے اکثر تو یہ ہے کہ ایک دو دن پہلے سے اس کی اطلاع ہوتی ہے اور اس کے سامان شروع ہوتے ہیں ورنہ یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح سے کچھ انتظام شیرینی یا کھانے وغیرہ کا ہونے لگتا ہے اور اگر صبح کو محفل ہے تو شام سے شروع ہو جاتا ہے اور اطلاع آدمیوں کو شروع

ہو جاتی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ جب ہر روز دو مرتبہ صبح و شام حضرتؐ کو خبر اعمال امت کی کیجاتی ہے جس کے گھر میں شام کو محفل ہوگی جو کچھ اس نے صبح کو سامان کیا ہوگا یا کسی کو خبر ہوگی وہ عمل صبح کو حضرت کے پاس فرشتوں نے اسی وقت پہنچا دیا ہوگا پس حضرتؐ کو پہلے ہی خبر پہنچ گئی کہ شام کو محفل ہمارے فلاں امتی کے گھر ہوگی، اور اگر اس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس نے اسباب فراہم کیا ہوگا یا کسی کے سامنے منھ سے نکالا ہوگا کہ صبح محفل کروں گا اس کی بھی خبر اس قدر قبل انعقاد حضرتؐ کو فرشتوں نے پہنچا دی ہوگی، پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان گئے کہ علی الصبح محفل ہوگی، علاوہ اس کے تیسرا طریق اور چوتھا طریق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دار ہونے کا اور بھی ہے لیکن وہ دونوں دقیق ہیں عام فہم نہیں ہیں اس لئے ان سے سکوت کر کے ان ہی دو طریق پر اکتفا کیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ جبکہ خبر ہوگئی اُن وسائط سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت خود متوجہ امت کیطرف ہیں موافق قول شاہ ولی اللہ صاحب کے اور نیز آپؐ کی تعریف قرآن مجید میں ہے بالمؤمنین رؤف الرحیم۔ تو ہرگز حضور صلہ رحمی سے محروم نہ رکھیں گے، اور احادیث میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، یہ قرآن آپؐ کا اخلاق تھا، اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ موجود ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان تو یہ لابد اس آیت کی تعمیل بھی آپؐ کے اخلاق میں ہوگی۔ اس مدح خوانی اور درود و سلام و تعظیم و آداب کے مقابل میں حضورؐ بھی احسان و نوازش فرماتے ہوں گے، چنانچہ ارباب مکاشفہ نے ان خیرات و برکات کی خبر دی ہے۔ الحاصل آیات و احادیث و اقوال علماء سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ انعقاد محافل میلاد کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر بعض واسطوں سے پہنچ جاتی ہے اور نیز روح مبارک ارباب محفل پر براہ عنایت و کرم جلوہ فرما ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھئے اس بیان کو حقیقت کفر و شرک سے شمہ بھی لگاؤ نہیں ہے۔

قولہ سوال، روح مبارک کا حاضر الخ **قولہ** یہ سب جواب محض تطویل اور کم فہمی ہے یہ کوئی نہیں کہتا، اور اس اطلاع سے جو مؤلف نے لکھی حضور روح مبارک کا ہرگز ثابت

نہیں ہوتا، ایک لغو تقریر ہے بذریعہ ملائکہ کے درود و سلام کا پہنچنا اور کشف و اطلاع باذنہ تعالیٰ سب کچھ درست مگر اصل مدعی کا حال اوپر کے قول سے معلوم ہوچکا کہ محض بنا منام و کشف پر ہے اور پھر وہ بھی محض قیاس عقل کا تمام مؤلف کا اور یہ حجت شرعیہ نہیں کتب عقائد میں مذکور ہے اور یہ امر مشہور مخفی نہیں گو مؤلف کو علم نہیں سو اس کی فضول طویل کلام خود لغو ہوگئی مطلب سے کچھ علاقہ اس کا نہیں، ظن و تخمین کا عقیدہ مؤلف کا ہوا۔ آپ ہی ایک دفعہ کہتا ہے بقولہ " حضور بھی احسان و نوازش فرماتے ہوں گے ؟ " اور پھر آپ ہی کہتا ہے بقولہ " جلوہ فرما ہو جاتے ہیں " سو ایسے تردّد کا عقیدہ مؤلف کو مبارک ہو۔

اور طرفہ تر یہ ہے کہ بانیان محفل المیلاد علی العموم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ روح مبارک ہر جگہ موجود ہو جاتی ہے خواہ اس محفل میں قاری مولد کوئی مرد دین دار محب رسول ہو یا کیسا ہی آدمی ہو سامعین مہذب بآداب ظاہر و باطن ہوں یا نہ ہوں۔ روایات اس میں صحیح طور پر بیان کی جاتی ہوں یا موضوع جھوٹی باتیں شاعروں کی گھڑی ہوئی پڑھتے ہوں، کھانے اور شیرینی اور عطر میں مال زہد اور محنت کا کمایا ہوا ہو یا رشوت اور سود اور غصب کا مارا ہوا ہو۔ دلوں کو اچھی طرح اشتیاق کے ساتھ حضورؐ کے تصور میں لگا رکھا ہو یا نہیں، حاضرین جلسہ خوش اعتقاد ہوں یا نہیں۔ ہم نے بہتیری مجالس میں دیکھا ہے کہ کسی کسی وجہ سے بعض منکرین بد طینت و بد اعتقاد بھی آجاتے ہیں حالانکہ ایسے شخصوں کا حاضر ہونا ایک قسم کی کدورت محفل پاک میں پیدا کرتا ہے، نماز استسقاء میں جو طلب رحمت الٰہی کے واسطے ہوتی ہے فقہاء شرط کرتے ہیں کہ عین نماز میں جب اہل اسلام ایک خستہ اور شکستہ حال کے ساتھ روتی ہوئی اور عجز و نیاز کرتے ہوئے نکلیں کوئی کافر اہل کتاب وغیرہ اپنے ساتھ نہ لیوں کیونکہ وہ لوگ مستحق غضب الٰہی ہیں ان کو نزول رحمت کے موقع میں ساتھ لینا اپنا نقصان کرنا ہے چنانچہ یہ مضمون ہدایہ کی عبارت سے صاف واضح ہے ولا یحضر اهل الذمة للاستسقاء لانه لاستنزال الرحمة وانما تنزل عليهم اللعنة ، بھلا جب محفل میں آداب ضروریہ جن کا ہم ذکر کر چکے مدنظر نہ ہوں گے اور ہر قسم کے آدمی منکر و غیر منکر داخل ہوں گے یہ شکلیں روح

مبارک حضرت رحمۃ للعالمینؐ کی تشریف آوری کی نہیں۔ علاوہ بریں تقویٰ اور اخلاص پر بھی مدار ہے، زمانۂ سلف میں جو محفلیں ہوتی تھیں ان میں لکھا ہے یحضر فیہ اعیان العلماء و مشائخ الطریقۃ ویکون فیہ اجتماع الصالحین، اور اس زمانہ میں آدمیوں کی صلاحیت اور عشقِ الٰہی اور تقویٰ اور اجتناب مناہی کا حال معلوم اور عمل کا ثواب باعتبار درجات قوت تقویٰ کے مختلف ہوتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب آخر کتاب مالا بدمنہ میں لکھتے ہیں "چوں قلب اخلاص بہم رساند دو رکعت بہتر از یک رکعت دیگراں باشد، ہم چنیں صوم وصدقہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اگر شما مثل کوہِ احد زر در راہِ خدا خرچ کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہؓ در راہِ خدا دادہ اند از جہت قوت ایمان و اخلاص شان است" انتہیٰ کلامہٗ۔ اور اسی طرح نماز کے باب میں وارد ہوا ہے حدیث شریف میں ان العبد اذا قام الی الصلوٰۃ رفع اللہ تعالیٰ الحجاب من بینہٖ وبینہٗ وواجہہٗ بوجہہ الکریم۔ یعنی جب بندہ نماز پر کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہے حجاب اپنے اور اس کے بیچ میں سے اور سامنے اس کے کر دیتا ہے اپنا وجہ کریم۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے زمین کے کناروں تک بھاگ جاتا ہے اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے، جب وہ وضو کر کے کہتا ہے اللہ اکبر چھپ جاتا ہے ابلیس، اور اللہ جل شانہٗ اس بندہ کے سامنے ہو جاتا ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے " اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے"۔ خلاصہ یہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ پڑھتے ہیں ہم کو نماز میں کچھ بھی نظر نہیں آتا، اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدۂ ربانی حاصل ہوتا ہے اور مقامات عطا ہوتے ہیں، اسی طرح مقبولیت محافلِ میلاد کے درجات ہیں ؎

دانہ بخیر شد تام ہر میوہ ؛ نہ مثل زبیدہ است ہر بیوہ۔

روح مبارک کا تشریف لانا اعلیٰ درجہ کی بات ہے، پس ہر محفل میں کہ خواہ وہ کیسی ہی وضع سے مرتب ہو تشریف آوری کا دعویٰ کون کرتا ہے؟ اگر مرد خوش اعتقاد و سامان پاکیزہ اور مال اپنے بزورِ بازو کا کمایا ہوا صرف کرے اور روایات صحیحہ اور اشعار جائزہ بالحانِ خوش

ونیتِ نیک، اعتقاد درست و بہیئت ادب و تعظیم شوق و ذوق کے ساتھ پڑھے اور سامعین مشتاق قلب خاص سے متوجہ ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مدِ نظر ہو دل کو اسی طرف لگا دیں تو کیا مضائقہ ہے کہ جس طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے فانہ یتدلی الیہ کا مضمون یعنی ع من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن ، ظہور فرماوے۔ سابقاً جو بعض اولیاء کو منامات اور واقعات میں حال تشریف آوری روح مبارک کا ظاہر ہونا اور عبارت محمد بن یحییٰ اور زین العابدین کا ذکر ہم کر چکے ہیں وہ محمول اسی طرح کی محافل مقدسہ و مہذبہ کے لئے ہے۔ اور اگر یہ باتیں حاصل نہیں تو یہ دعویٰ روح مبارک کے آنے کا ہر محفل کیلئے نہیں

تشریف آوری روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں مؤلف کی غلطیاں

قولہ طرفہ یہ کہ بانیان الخ

اقول کیا طرفہ تماشا ہے کہ معترض تو خود یہ کہتا تھا کہ اہلِ مولود کا یہ اعتقاد ہے کہ روح مبارک محفل میں آیا کرتی ہے اور حاضر ہے اس پر مؤلف بہت گرما گرمی و زور و شور سے روایات پیش کر کے سر ہوئے اور ناچار ہو کر منامات[1] مکاشفات پر تنزل کیا، جب اس سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اور کچھ غپ شپ مار کے ظن و تخمین پر آیا اور کہا کہ آیۃ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لابد آپ کے اخلاق میں ہوگی! معاذ اللہ مؤلف کو کچھ تردد بھی ہے کہ فخرِ عالم علیہ السلام اس آیت پر عامل ہیں یا نہیں کہ بلفظ "ہوگی" بیان کرتا ہے، استغفر اللہ پھر قطعی حکم لگایا کہ جلوہ فرماتے ہیں، پس ایک دفعہ پلٹی کھائی تو کیا کہتا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی مجالس میں ہرگز تشریف نہیں لاتے۔ سبحان اللہ کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز تقریر ہے کہ جس کے مسلسل ہونے کا مؤلف بھی دم بھرتا ہے اور ناظرین کو تو طرب ہوتا ہی ہے ے گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ؛ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم۔

ایک ثبوت ایک مسئلہ اس قدر اقوال متحیرہ، پس سنو کہ مؤلف دعویٰ کرتا ہے کہ قاری اگر دیندار محب نہ ہوگا تو روح پاک نہ آوے گی اور سامعین مہذب باآداب ظاہر و باطن نہ ہونگے تو بھی نہ آوے گی، یا موضوع روایت یا شاعری کا مضمون ہو یا شبہ کے مال سے شیرینی[2] وغیرہ ہو یا خوب حضور علیہ السلام کے تصور میں دل نہ لگا ہو یا حاضرین خوش عقیدہ نہ ہوں

---

[1] خواب [2] اتمانا۔

تو بھی مورد روح مبارک کا نہیں ہوگا پس ایسی محفل ہندوستان میں تو شاید کہیں ہو کہ ان سب امور سے خالی خود مؤلف صدر الصلحا کی محفل میں بھی فساق و مبتدع ہر روز ہوتے ہیں۔ عرب کی اور شام و مصر کی بھی محافل میں قطعاً یہ بات نہیں۔ تو اب کہو کہ مؤلف نے قطعاً انکار حضور روح پاک کا کر دیا اور ان محافل کو محل نزول ہونے سے بھی خارج بنا دیا، تو اب یہ عقیدہ یہاں کرنا اور بعقیدۂ حضور دست بستہ ہونا شرک ہوا یا نہ ہوا، مؤلف کے منہ میں جلیبی دینی چاہئے کہ بڑی محنت و جان کاہی کر کے اور تمام عالم کا دور اور تلاش کر کے مدعیٰ ثابت کر کے تھک کر پڑے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ "بریں عقل و دانش بباید گریست"۔

وہ کونسی محفل ہے کہ آداب ظاہری و باطنی سے مملو، اور سب حاضرین ایسے ہوں ہاں اولیاء و اقطاب اس دور کے جمع ہو کر کریں تو ممکن ہے پس جب نہیں تو حسب زعم مؤلف کے بھی ان امور سے کوئی محفل خالی نہیں ورنہ مانعین تو حسب روایات فقہیہ اس کو کراہت و بدعت سے خالی جانتے ہی نہیں، لھذا معترض کا اعتراض مقبول و مسلم مؤلف کے نزدیک ہوا، قصہ طے ہوا۔ اب مؤلف کی کج فہمی کا کیا بیان کروں اور اس کے ذیل کی روایات استفسار اور اخلاص کا ہم کو کیا تعاقب کرنا ہے کہ وہ ان روایات سے اپنا ہی گھر ہدم کرتا ہے۔

> لیکن یہ بات کل کے واسطے کہی جاویگی، جو کوئی یہ محفل کریگا بلاؤں سے نجات اور حصول مرادات کا ثمرہ پاویگا اپنے اخلاص کے موافق یعنی عامی عام طور پر اور خواص خاص طور پر نفع اٹھائیں گے۔

جواز قیام مولود میں مؤلف کے قیاسات کا رد | قولہ لیکن یہ بات کل کیواسطے الخ — اقول

یہ کلام محض لغو غلط ہے جب وہ محل نزول روح مبارک کا نہیں تو بالفرض ملوث بمعاصی ہے وہاں حصول ثمرات کہاں وہ تو موجب سیئات ہے وہاں جانا شریک ہونا ناجائز ہے بقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین، چنانچہ سابقاً ذکر ہو چکا، تو یہ نعرہ مؤلف کا بالکل مخالف نص قطعی کے ہے سوائے عدم رضا حق تعالیٰ کے، ایسی مجالس کا ثمرہ ہرگز

لہ نیک بختوں ۲ اہل بدعت ۳ ہاتھ باندھنا ۴ قطب کی جمع ۵ پیچھا کرنا ۶ گناہوں سے آلودہ۔

کچھ نہیں اور مجمع مولود کے معاصی ومنکرات کا مشاہدہ سب کو حاصل ہے پس معصیت ومنکر کے درخت کو عصیان کا ہی ثمر لگے گا، خیر الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے مدعا مانعین کا مؤلف کے مُنہ سے ثابت کرادیا وکفی اللہ المؤمنین القتال۔

اور یہ خوب سمجھنا چاہیئے کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت موقوف روح کے تشریف لانے پر نہیں عالم الامۃ مقتدار الائمۃ امام تقی الدین سبکیؒ اور ان کی مجلس میں اکابر علماء تھے، ایک شعر مدح کا سُن کر کھڑے ہوگئے، چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اس میں روح کا آنا کچھ بھی مذکور نہیں بلکہ یہ ہے قام الامام السبکی رحمۃ اللہ علیہ وجمیع مَن فی المجلس فحصل انس کبیر۔ اور اسی طرح نقل کیا اسمٰعیل آفندی نے تفسیر روح البیان میں۔ اور سیرت شامی میں ہے جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ان یقوموا تعظیماً لہ۔ یعنی کہ محبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سنتے ہیں ذکر ولادت شریف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، یہ نہیں لکھا کہ روح مبارک کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور رسالہ عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں امام برزنجی نے لکھا ہے قد استحسن القیام عند ذکر ولادۃ الشریفۃ ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ اور یہ نہیں فرمایا استحسن القیام عند رویۃ روحہ او عند قدوم روحہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلاصہ یہ کہ یہ قیام محض واسطے قدوم روح مبارک کے نہیں اگر یہ ہوتا تو جس کو روح مبارک نظر آتی وہ کھڑا ہوتا، جس کو نظر نہ آتی نہ کھڑا ہوتا، حالانکہ عمل جمیع بلاد اسلامیہ کا عرب وعجم مشرق ومغرب میں اسی بات پر ہے کہ بلا روح پر فتوح بمجرد سماع ذکر ولادت شریف اہل محافل کھڑے ہوجاتے ہیں، اگر کوئی یہ کہے اگر روح مبارک تشریف نہیں لاتی پھر تعظیم کس بات کی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تعظیم تشریف آوری کے لئے بلکہ شرع شریف میں چند مقامات پر قیام پایا گیا ہے: **ایک** آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وقت تشریف لانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرمایا کرتی تھیں۔ کذا فی المشکوٰۃ، **دوسرا** وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لئے کھڑا ہونا، ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کرچکے بچا ہوا پانی پیا کھڑے ہوکر اور یہ کہا مجھ کو پسند آیا کہ دکھاؤں

تم کو کس طرح وضو کرتے تھے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ، انتہیٰ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے ۔ **تیسرے** زم زم کا پانی کھڑا ہو کر پینا ۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں پلایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی زمزم کا پس پیا آپؐ نے کھڑے ہو کر ۔ الحاصل فقہاء رحمہم اللہ ان دونوں پانیوں کو قبلہ رو کھڑا ہو کر پینا مستحب اور مندوب لکھتے ہیں ، اس لفظ سے صاف تعظیم معلوم ہوتی ہے ، اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان الفاظ سے لکھا ہے پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ نہیں اس سے بھی قیام تعظیمی ثابت ہو گیا یعنی کھڑے ہو کر پینے کی جو کراہت شرع میں وہ بباعثِ عظمت ان دونوں پانیوں کے ساقط ہو گئی ، اس لئے کہ زمزم کا پانی حصولِ شفاء کا سبب ہے اور اسی طرح وضوء کا پانی بچا ہوا موجبِ شفاء ہے ۔ شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبد الغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے وضو کا باقی پانی بارادہ حصولِ شفاء پیتے تھے موافق فرمان سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ، پس آرام ہو جاتا تھا ان کو ، انتہیٰ کلام الشامی ۔ یہاں ایک بات اور بھی حاصل ہوئی یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے شرع میں لیکن جب آب زمزم اور آب بقیہ وضو کی عظمت پر خیال کر کے کھڑا ہو کر پیئے تو قصدِ تعظیم کے سبب کراہت جاتی رہتی ہے ، پس بفرض محال اگر قیام تعظیمی مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ بارادہ تعظیم مصطفائی کھڑے ہوتے ہیں چاہیئے ان کے لئے درست ہو جاوے ، مکروہ یا شرک یا حرام ہونے کے کیا معنیٰ ؟ **چوتھا** کھڑا ہونا جس وقت عمامہ باندھے ، بعض فقہاء اس کو مستحسن کہتے ۔ **پانچویں** کھڑا ہونا وقت سماع اذان کے ، درمختار میں ہے ویندب القیام عند سماع الاذان " در فتاوی برہنہ آوردہ چوں آواز اذان برآید باید کہ عاشی بایستد و نشستہ زانو زند ہرچہ بتعظیم نزدیک تر کند " **چھٹا** کھڑا ہونا واسطے تعظیم مطلق ذکر کے ، تفسیر کشاف میں ابن عمر اور عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ سب نکلے اور گئے عید گاہ میں پھر وہ ذکر اللہ کرنے لگے ان میں سے بعضوں نے یہ کہا کہ کیا فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً تب وہ سب کھڑے ہو گئے اور ذکر اللہ کرنے لگے کھڑے ہوئے ۔ **ساتواں** کھڑا ہو کر مدح اور مفاخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑھنی صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے

ہو کر اشعار فخریہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھتے تھے۔ **آٹھواں** کھڑا ہونا دست بستہ وقت زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روضۂ مطہرہ کے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیامۃ۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔ **نواں** جب کوئی اپنا پیشوا مجلس سے اٹھے اس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہو جانا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے، جب آپؐ اٹھتے ہم بھی سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جس وقت تک آپ گھر میں داخل نہ ہو جاتے ہم کھڑے رہتے تھے۔ علاوہ ان نو مقامات کے اور بھی مواضع میں قیام آیا ہے جس کی نظر فتاویٰ اور احادیث پر ہو گی وہ دیکھ لیگا الحاصل ان تمثیلات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قیام مخصوص فقط تعظیم آنے والے کے لئے نہیں بلکہ اور بھی مقامات میں قیام پایا گیا ہے، اور قدرِ مشترک سب میں یہ مضمون ہے کہ قیام جس امر میں کیا جاتا ہے اس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی واسطے بزرگان دین سے طرح طرح کے مواقع میں تعظیم پایا گیا۔ **ازانجملہ** احمد بن حنبلؒ و علی بن مدینیؒ وغیرہما جلسہ تعظیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ ہم یہ روایت سابقاً لکھ چکے۔ **ازانجملہ** بہاؤ الدین ملک ظاہر کا وزیر قصیدۂ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس کے گھر میں بہت خیر و برکت دین و دنیا کی اس سے حاصل ہوئی۔ کشف الظنون میں در باب قصیدۂ بردہ لکھا ہے ولما بلغت الصاحب بهاء الدين وزير الملك الظاهر استنسخها ونذر ان لا يسمعها الا حافياً واقفاً مكشوف الرأس وكان يتبرك بها هو واهل بيته ورأوا من بركاتها اموراً عظيمة في دينهم ودنياهم۔

ازانجملہ کھڑا ہونا ہمارے شیخ الطریقت امام الشریعت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطے تعظیم روضۂ مرشد کے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات مسموعہ مسمیٰ بہ فوائد السالکین میں لکھتے ہیں کہ "ایک بار خواجہ معین الدین قدس سرہٗ در باب سلوک وعظ فرما رہے تھے، جب داہنی طرف نظر پڑتی تھی کھڑے ہو جاتے تھے، ایک سو بار کھڑے ہوئے، لوگ حیرت میں تھے، بعد اختتام جلسہ ایک بے تکلف آدمی نے یہ عرض کی کہ آپ کیوں بار بار کھڑے ہوتے تھے، فرمایا جب میری

نظر میرے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کے روضہ پر پڑتی تھی میں کھڑا ہوجاتا تھا اس لئے کہ پیر کی تعظیم حالتِ حیات و ممات میں برابر واجب ہے بلکہ بعد موت کے زیادہ، انتہیٰ کلامہٗ۔

ازانجملہ جس وقت کسی صاحبِ معرفت کو عشقِ الٰہی میں وجہ صادق ظاہر ہو تو جمیع حاضرین کو کھڑا ہوجانا چاہئے۔ ذکر کیا یہ مسئلہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں مرد منصف حق مطلب کو مجموع ان احادیث و آثر صحابہؓ اور فعل مشائخ طریقت و مشائخ حدیثؒ سے جو کچھ ہم نے یہاں تک لکھا خوب واضح ہوجاویگا کہ بیشک قیام تعظیمی مخصوص کسی کے آنے کے ساتھ نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے، پھر کیا ضرور ہے کہ قیام مروجہ محفل میلاد شریف کو تعظیم قدوم روح فیض لزوم کی وجہ سے کیا جاوے بلکہ اس میں محض تعظیم شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر رکھی جاوے، اور بیان اس کا یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ "یعنی جو کوئی تعظیم کرے نشانیوں اللہ تعالےٰ کی یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے۔" جو مولوی اسمٰعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو تعمیل اس آیت اور تعظیم شعائر اللہ میں شامل کیا ہے عبارت ان کی صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ صہ ۴۲ میں یہ ہے "اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان محب و علامۃ تقویٰ اوست وذٰلک تعظیم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب، انتہیٰ کلامہٗ۔"

جب اولیاء اللہ شعائر اللہ ہوئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم معظم شعائر اللہ ہوئے۔ چنانچہ حجۃ اللہ میں شاہ ولی اللہؒ نے بھی صہ ۷۱ مطبوعہ بریلی میں آپؐ کو معظم شعائر اللہ شمار کیا ہے۔ جب آپؐ معظم شعائر اللہ ہوئے تو پیدا ہونا آپؐ کا گویا ظہور ہے اعظم شعائر اللہ کا، اور ہم کو چاہئے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمتِ عظمیٰ کو بہت عظیم سمجھیں، جن کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور احسان رکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری گردنوں نے ان کے وجود باوجود کا حیث قال تبارک وتعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً (الآیۃ)، پس جس وقت تذکرہ آپؐ کا باآداب و تعظیم اور حضور جاہ و جلال جو وقت ولادت باسعادت آفاق عالم میں وہ انوار و آثار جلوہ گر تھے بیان ہوتا ہے، دل کے رگ و ریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا

ہے اور آنکھوں کے آگے نقشہ حضور ملائکہ وحور عین کا جو وقت میلاد شریف کا سماں بند ھ جاتا ہے لابد دل بھر جاتا ہے عظمت شان حضور سے اور پیدا ہوتی ہے دل میں تعظیم عظیم اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں سب باآداب وتعظیم اور بدلتے ہیں ہیئت جلوس کو قیام سے چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو عنوان باطن قرار دیا ہے، اگر قلب میں توحید اور رسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے۔ اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش اور حاجت ہے تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ نقشہ ظاہر و باطن کا ایک ہو جاوے، اسی طرح جو پائے غوامض کو بہت مثالیں شرع شریف سے مل جاویں گی۔ **ازانجملہ** چند مثالیں دافع الاوہام میں درباب زینت محفل مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس وقت اظہار عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، جو کہ دل میں بھری ہوئی ہے قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر و باطن دونوں ایک ہو جاویں جس طرح دل کے اندر حضور کی عظمت ہے، اور اسیطرح قیام باآداب وتعظیم اس عظمت کا نقشہ اور صورت ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکر ظہور تو موجود اور ظاہر ہے ذکر ظہور کی تعظیم بعینہ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ کے ص۱۶ میں لکھتے ہیں "از فروع حب منعم است تعظیم شعائر او مثل تعظیم نام او و کلام او و لباس او" انتہیٰ۔ اور جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام اور بیان اور ذکر کی تعظیم بھی دگئی، تو یہ ذکر کی تعظیم بھی بعینہ آپ کی تعظیم ہے۔ جیساکہ شاہ ولی اللہ نے ص۷ حجۃ اللہ میں لکھا ہے حتیٰ صار تعظیمہا عندھم تعظیماً للہ یعنی ان شعائر کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے ان کے نزدیک، اور موافق اس مضمون کے ہم آیتیں بھی لکھ چکے ہیں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، ان الذین یبایعونك ایمانا یبایعون اللہ۔

قولہ اور خوب سمجھنا چاہئے الخ۔ **اقول** مؤلف نے ناچار قول معترض کا قبول کیا اب پھر رلا ملا کر اثبات قیام کا کرنا ملمع بیانی سے چاہتا ہے، مگر سخت سطحی ہے اور فہم سے بیگانہ، جس جس موقع پر قیام مستحسن ہے کوئی بھی اس کو منع و انکار نہیں کرتا اور یہاں جو منع ہے

تو اول تعین وتقید مطلق کی وجہ سے مکروہ کہا تھا پھر بسبب فساد عقیدۂ عوام کے شرک تک کی نوبت پہنچی، سو علامہ سبکی کا شوق میں کھڑا ہوجانا محلِ انکار نہیں اور اس خصوصیت مبحوثہ قیام پر کچھ اس سے ثبوت واستدلال نہیں اگرچہ یہ قیام مولود بوجہ تشریف آوری روح مبارک کے نہ ہو تو خصوصیت کی کراہت تو موجود ہے مگر مؤلف کی کوتاہ فہمی غضب ہے اب حضور ہی کو پلہ باندھ لیا اور سب امور سے اعراض نسیان ہوگیا اور استحسان قیام میں خصوصیت ہے تو در اصل منکر ہوئی ہے مگر مؤلف نے کسی اعتراض اور کسی مسئلہ کا جواب ادلۂ اربعہ سے نہیں دیا جاتا وہی ایک داب ہے کہ علمائے یوں کہا ہے، یوں کہا ہے، سو اس کا جواب بھی چند دفعہ ہولیا کہ دلیل شرعی کے مقابلہ میں کسی کا قول لائق التفات کے نہیں اگرچہ صد ہزار ہوں، مع ہذا حسنِ ظن سے ہم ان کے فعل کو محلِ حسن پر حمل کرتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا کیا بار بار تکرار کیا جاوے، مؤلف کا تو یہی تمسک ٹھہرا ہر جگہ وہی مستزاد پڑھتا ہے پس کسی نے نہیں کہا کہ رویت مقدم روح پر قیام منحصر ہے محض مؤلف کی سو رفہمی ہی نہیں ہر ہر قسم قیام میں کسی فرد کی تخصیصِ دائمی پر کراہت و بدعت کا دعویٰ اور اثبات ہے مگر مؤلفِ کم فہم کے فہم کی کوتاہی ہے، بعد اس کے مؤلف نے مواقعِ قیام شمار کئے ہیں ہم کو ان کے ردو قدح کی ضرورت نہیں کیونکہ یا ان مواقع میں نص ہے یا ادب استحسان مشائخ کا کہ مستنبط نص سے ہے اور وہ مواقع مندوب اس محل سے مناسبت نہیں رکھتے، کلام تخصیص میں ہے اگر کسی فرد قیام کے قیام منصوص و مندوب میں بھی تخصیص ہو وے مثلاً کسی فرد وضوء میں خصوصاً تو وہ بھی مکروہ ہو دیگا، جیسا تخصیص سورۃ کی صلوٰۃ میں بحث ہو چکی پس یہ کلام محض لغو ہے اور مسلم ہے کہ قیام حضور و قدوم میں حصر نہیں مگر تخصیص فرد کی تو سب انواع قیام میں بدعت و مکروہ ہے نہ معلوم کہ اس بحث سے کیا فائدہ اور کیا حاصل ۔ سوائے تطویل کے کیا حاصل ہے ؟ پس یہی جواب سب کا ہے کہ جس قدر انواع مؤلف نے شمار کی ہر ایک نوع میں اگر تخصیص کسی فرد کی ہو دیگی مکروہ ہوگا اور قیام ذکر ولادت کا اگرچہ بلا عقیدہ حضور کے شرک نہیں مگر تعین کی بدعت سے خالی نہیں ہو سکتا، پس ساری طویل تقریر مؤلف کی محض تکرار بے سود ہے اور اس قیام تعظیم کا جس کو وہ ثابت کرتا ہے کوئی منکر نہیں۔

لہ فراموشی ۲ چاروں دلائل ۳ عمدہ معنی ۴ دلیل ۵ اتحاد کی ایک قسم ۶ مستخرج ۔

سوال جب قیام واسطے تعظیم ذکر کے ہوا تو ذکر اول سے آخر تک آپ کا ہی ہے یہ شروع میں یا تمامی یا کسی وقت میں قیام ہو جایا کرے خصوصیت وقت ذکر ولادت شریف کی کیا ہے ؟ **جواب** جس سبب سے اس محفل کا نام محفل مولد شریف ہوا ہے وہ یہی ذکر ولادت باسعادت ہے کیونکہ مولد میں معنی ولادت کے موجود ہیں یہ ذکر نہ ہو اور تمام جہاد اور بہادری اور معراج وغیرہ کا حال پڑھ دیا کریں اس کو عرف میں محفل مولد شریف کوئی نہیں کہیگا اور جو کوئی کہیگا تو اسم مطابق مسمّٰی کے نہ ہوگا، اور دوسری وجہ یہ کہ ایجاد اس محفل کا بھی اسی بناء پر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے پیدا کیا ہمارے لئے ایسا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کہ علامہ ابوشامہ استاد نووی نے فرمایا ان دو وجہ کے سبب جو موقع اسی ذکر خاص یعنی ولادت کا ہوتا ہے اسی وقت اظہار سرور و فرحت اور تعمیل آداب عظمت زیادہ تر کی جاتی ہے کیونکہ اصل منشا محفل کا یہی ذکر خاص ہے باقی اور فضائل کا بیان اول و آخر تبعاً ہوتا ہے ۔ **سوال** نام حضرتؐ کا اذان وغیرہ بہت موقع میں آتا ہے وہاں نہیں کھڑے ہوتے ؟ **جواب** الزامی یہ ہے کہ ایسے معترض کو یہ کہا جاوے کہ اچھا اگر ہم ہر بار جب ذکر حضرت کا آوے اور کہیں آوے کھڑے ہونے لگیں تم قائل ہو جاؤگے اور ہمارے ساتھ ہر دفعہ تم بھی کھڑے ہوا کروگے یا نہیں ؟ اگر وہ کہیں کہ ہم تو جب بھی نہیں کھڑے ہوں گے، تو جواب ان کو دیا جاوے کہ تم پھر کچی محبت کیوں کرتے ہو، تم تو ایمان لانے والے ہی نہیں پھر خواہی نخواہی مغز زنی اور سمع خراشی سے کیا حاصل ؟

اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اگر تم ہر بار کھڑے ہوا کرو تو ہم بھی کھڑے ہوا کریں گے تو جواب دیا جاوے کہ جس دلیل سے تم ہر بار کھڑے ہونا جائز سمجھوگے وہی اس محفل کے قیام میں بھی جاری کرو اور جواب تحقیقی وہ ہے جو اوپر گذرا ۔ اور بالتفصیل جواب دافع الاوہام میں ہے ۔

سوال اگر یہ قیام واسطے ذکر ولادت شریف کے خاص ہوا کہ اس میں معنی قدوم کے ہیں تو بہت وقتوں میں ذکر مقدم شریف احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں ہے لقد جاءکم رسول ، اور حدیث ہے ولد النبیؐ صلی اللہ علیہ مختوناً اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے ۔ علاوہ بریں بہت مرتبہ آپؐ کی ولادت شریف کا مضمون کسی شعر میں یا فقرہ

سطر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا۔ جواب. بنی آدم پر غفلت طاری ہے، اللہ تعالیٰ کے نام کسی خاص موقع میں جب دل راغب الی اللہ ہوتا ہے وہاں تو شوق و ذوق سے کہتے ہیں "جل جلالہ، جل شانہ، وعم نوالہ،" باقی اکثر اوقات میں دل اس کے جلال سے بے خبر ہوتا ہے سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے جل جلالہ وغیرہ الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے پس اسی طرح حالِ قیام ہے کہ بعض حالات میں نام رسول آتا ہے دل کو ذہول اور غفلت ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں تو ہر قسم کے سامانِ آداب و تعظیم موجود ہیں خواہی نخواہی ہر عامی کی بھی آنکھیں کھل جاتی ہیں، تعظیم بجالاتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیاس کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز جب فرض نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن کہتے ہیں تو موقع محفل میں کہ وہاں جمیع امور استحسان و آداب موجود و مہیا ہیں قیام بھی کرتے ہیں تاکہ لوازم اکرام بتمامہ مکمل ہو جاویں اور جہاں جمیع لوازم آداب منفی ہیں ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے خالی قیام کیا پکار کریگا۔

قولہ سوال جب قیام واسطے الخ۔ **اقول** مؤلف نے اپنے فہم رسا کے دھند میں بہت کچھ سر مارا مگر کراہتِ تخصیص رفع[1] نہ ہوئی۔ سو یہ سوالات ثلثہ[2] لکھ کر اس کو رلانا ملانا چاہتا ہے مگر سوائے حرمان[3] کے اور ظہور خوبیٔ فہم عالی کے کوئی ثمرۂ[4] نہیں مؤلف جواب اول تعین کا یہ دیتا ہے کہ مجلس اس کے نام سے مسمیٰ ہوئی اور ذکر ولادت کے واسطے ہی منعقد ہوئی تو غرض موضوع لہٗ مجلس کا ذکر ولادت ہے اور وجہ تسمیہ بھی یہی ہے اس واسطے مقصود اصلی پر قیام کی تخصیص ہوتی ہے تو اب کوئی مؤلف کے منہ میں شکر ڈالے کہ موضوع لہٗ اور مسمیٰ ہونے سے خصوصیت کا ہونا بھی تو وہی تخصیص مطلق کی ہے، اس تخصیص کی کیا دلیل ہے موضوع لہٗ وجہ تسمیہ محفل کا ہونا تو دلیل شرعی نہیں پس یہ تو عین[5] تقید بالرائے و اصطلاح ٹھیری اور یہ خود حرام ہے اور جو اس پر کوئی حجت ہے تو پیش کرے سبحان اللہ کیا عجب عذر ہے اس کو ہی کہتے ہیں "عذرِ[6] گناہ بدتر از گناہ" کہ تعظیم مطلق ذکر کے واسطے قیام مندوب تھا مگر موضوع لہٗ محفل کا ولادت کا ذکر ہونا تخصیص ہوگیا اور جس سے بھاگتا تھا وہی طوق تعین مطلق کا گلے میں پڑ گیا، گویا جواب اعتراض کا خود اعتراض

---

[1] ختم، [2] دو ذر [3] محرومی [4] نتیجہ [5] دلیل قطعی کی رائے سے مقید کرنا [6] گناہ کا عذر گناہ سے بدتر ہے۔

ہی کو بتاتا ہے اس فہم کو غور کرنا لازم ہے۔ دوسرا سوال بھی بعینہٖ پہلا ہی سوال ہے۔ سارے ذکر فخر عالم میں سے ایک ذکر ولادت کی تخصیص تھی یہاں مطلق ذکر نام فخر عالم میں سے ذکر ولادت کی تخصیص ہے مطلب وہی تخصیص فرد کی ہے مگر مؤلف عوام کے نزدیک اور اپنے زعم میں اپنا وسعتِ ذہن وعلم جتلاتا ہے اور علماء کو ہنساتا ہے اور اظہار اپنی کم مائگی اور جہل کا کر کے تماشا دکھاتا ہے تو اب اس جواب کو غور کرنا کہ اگر مانعین ہر دفعہ کے قیام کو قبول کریں تو دلیل جواز قیام مخصوص کی ہوجاوے گی۔ دیکھو اس فہمی کو کہ مانعین ہر دفعہ کے قیام کو مندوب کہتے ہیں اور تخصیص کو مکروہ تو ہر دفعہ کا قیام دلیل تخصیص کی کس طرح ہوسکتی ہے وہ تو دلیل کراہت تخصیص کی ہے مطلق قیام علی الذکر تو ذکر ولادۃ کے قیام کی دلیل بے شک ہے کیونکہ مطلق کا جواز دلیل ہر ہر فرد مقید کے جواز کی ہوتا ہے مگر جواز مطلق کا تو تخصیص فرد کی کراہت کی دلیل ہے نہ دلیل جواز کی سو مؤلف کی کجُ فہم وعدمِ علمیت کی حجت کس قدر ہویدا[1] ئے عالم ہے پھر اس پر دعویٰ افراخ[2] علمی کا۔ دوسری شق کہ اگر تم ہر دفعہ نہیں اٹھتے تو کیوں مغز زنی کرتے ہو یہ بھی نادانی مؤلف کی ہے کیوں کہ مانعین اگر مندوب پر دوامًا[3] عمل نہ کریں تو بدعت تخصیص کو منع بھی نہ کریں یہ کونسا قاعدہ دین کا ہے کہ یا تو تم اس مندوب پر التزام کرو ورنہ ہم کو بدعت تخصیص پر زجر[4] کرو۔ سبحان اللہ کیا مؤلف کا علم ہے مندوب تو مندوب ہی ہے واجب نہیں پس مؤلف کے نزدیک تارک مندوب اگر نہی عن المنکر[5] کرے تو بیجا کرتا ہے اور عاصی کو یہ جواب پہنچتا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ مؤلف کا فہم خبط ہوگیا ہے۔ تیسرا سوال بھی وہی سوالِ اول ہے کہ ذکر ولادت محفل کو مطلق ذکر ولادت سے کیوں مختص بقیام کیا اور وہ بھی تخصیص مطلق کی یہاں بھی ہے تو اس کا جواب مؤلف نے نہایت عجب علم وفہم کے ساتھ دیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامًا ذہول[6] دائمًا ہوتا ہے مجلس میں یاد آجاتا ہے پس اول تو وجہ تخصیص قیام کی ذکر فخر عالمؐ میں کیا ہے ذکر اللہ تعالیٰ احق تھا پھر ذکر فخر عالمؐ میں ذکر ولادت کی کیا تخصیص ہے، کوئی کسی طرح کا ذکر ہو اس میں قیام ہووے، پھر ولادت میں بھی مجلس ہی کی کیا وجہ تقید ہے کسی وقت ہو اور پھر مجلس میں بھی خاص اسی وقت میں کہ ذکر کیفیت ولادت کا آوے، ان سب خصوصیات کو حذف[7] اور پس پشت ڈال کر ایک خصوصیت کا ذکر کرتا ہے اور یہ غفلت تمام عالم خاص وعام پر ایسی کہ کبھی ہرگز آنکھ نہیں کھلتی کیسا ہی آپ

---

[1] ظاہر [2] وسعت [3] ہمیشہ [4] ڈانٹ ڈپٹ [5] ممنوع سے روک [6] غفلت [7] نظر انداز

کے نام و احوال مذکور ہوں سوائے وقت مخصوص کے ہوش نہیں آتی اور ذکر حالات میں بھی جو ذکر ولادت ہو جاوے جب بھی خبر نہ ہو خاص کیفیتِ مخصوصہ کے وقت غفلت رفع ہو یہ کس قدر کذبِ محض ہے اور مع ہذا شان فخر عالم سے کس قدر اظہار اپنی غفلت کا ہے اور اس معصیت کے بیان میں کیسی جرأت ہے اور پھر دعویٰ اتباع اور محبت کا معاذ اللہ، اور حق تعالیٰ کے نام پاک پر تو کبھی رات دن میں ایک دفعہ جل شانہٗ یا کوئی کلمہ نکل جاتا ہوگا، مگر فخر عالم کے نام یا ذکر و حالات ولادت پر تو قیام کبھی یاد آتا ہی نہیں اور قیام حق تعالیٰ کے نام پر تو گویا مشروع رہا ہی نہیں، خاص فخر عالم کی ولادت اور ولادت بھی خاص ایک وقت و کیفیت سے ہو گیا ہے کیسا کذب محض اور جرأت ہے گویا تمام دنیا میں غفلت کا ابر چھا گیا معاذ اللہ، نہیں بلکہ یہ سب معاصی[1] اور آفات اپنے اوپر لینا اور تمام دنیا کو غافل بنانا محض اپنی بدعت عذر کذب کے واسطے ہے اور بس، مؤلف کو شرم نہیں آتی کیسے عجیب کلام گستاخ کرتا ہے کہ ایسے لوازم تعظیم دیکھ کر خواہی نخواہی ہر عامی کی بھی آنکھیں کھل جاتی ہیں سو اول تو خواہی نخواہی اسی وقت آنکھ کھلتی، اس شوخ چشمی کو دیکھو دوسری کی علم تو کیا مؤلف اور جملہ خواص کی بھی خواہی نخواہی اسی وقت آنکھ کھلتی ہے اور باقی تمام عمر غافل تعظیم سے رہتے ہیں اور جو یہ کہے کہ تعظیم درود و سلام کی کرتے ہیں قیام کی نسبت یہ ہے تو اگر قیام تعظیم ضروری ہے تو پھر وہی تخصیص کا اعتراض رہا اور جو بدون اس کے تعظیم ہو سکتی ہے تو بھی اس کی یہاں خصوصیت مناقشہ طلب رہی، جواب ہی کیا خاص مؤلف نے اپنے منھ میں بھرا ایسا شوخ کلام بھی کیا شان فخر عالم سے اپنی غفلت و بے پروائی بھی بیان کی اور پھر کچھ بھی نہ ہوا اور کیسی غفلت کہ کوئی مذکور ہی اس کا نہیں سوائے سامانِ عشرت اور اختلاط بدعت کے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ لہٰذا اس خواہی نخواہی قیام تعظیم کو ہی بدعت ضلالہ مانعین کہتے ہیں جس کے بیان تخصیص میں مؤلف چکر کھا رہا ہے اور اپنے دین و دنیا کو خراب کر رہا ہے اور ان پر بلا وجہ نقص کے گستاخی کرتا ہے، اور اپنی شوخی و گستاخی کو خیال بھی نہیں کرتا جو حق و واقعی ہے۔ استغفر اللہ۔ اور دوسرا جواب کہ قیام فرض نہیں کہ ہر دفعہ کرنا ضروری ہو، جہاں سب اسباب تعظیم ہیں ایسے بھی کرتے ہیں تکمیل کے واسطے ورنہ جہاں کوئی نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو تو کیا حرج ہے استغفر اللہ استغفر اللہ۔ یہ جواب کس قدر مانع اور بے ادب ہے کیوں کہ مانعین کب فرض کہتے

---

[1] گناہ۔

بھتے وہ سب جگہ اس کو مندوب ہی کہتے ہیں کہ سب جگہ تو ایسا مندوب کہ بالکل متروک ہی ہے اور یہاں یہ مندوب ہے ایسا مفروض کہ ندب کا درجہ ہی اس کو نہ رہا مثل واجب کے ہوگیا، سب جگہ کا ارتفاع قطعاً اور یہاں کا اثبات حتماً بدعت ہے تو مؤلف کم عقل کہتا ہے کہ جب مجلس میں تکمیلِ آداب کے واسطے کرتے ہیں اور جگہ یہ ہوا تو کیا حرج ہے وہی اعتراض کو تسلیم کر لیا تو گویا کہا کہ ہاں بدعت ہے تو کرتے ہیں کیونکہ یہاں تکمیل کے واسطے ہر روز ابداً ہوتا ہے تو مثل واجب کے ہوا اور جبکہ نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں تو کبھی ہوتا ہی نہیں یہی تو بدعت تھا، یہی تو معترض کہتا تھا اس کو ہی مؤلف تسلیم کر رہا ہے، بھلا اس عقل کو دیکھنا چاہیئے اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ جہاں سب اسبابِ تعظیم مرتفع ہوں تو یہ کبھی نہ ہو تو حرج نہیں یہ کیسی سخت گستاخی ہے کیونکہ تعظیم آپ کی ہر دفعہ واجب ہے گو ایک مجلس میں تداخل کا مذہب ہے مگر ہر جلسہ میں ایک دفعہ آپکے نام و ذکر پر تعظیم ضروری ہے، جب سب اسبابِ تعظیم مرتفع ہوں تو قیام ہی کرنا چاہیئے تاکہ عظمت سے خالی نہ رہے، یہ کہتا ہے کہ کوئی امر تعظیم نہ ہوں تو قیام کبھی نہ ہو تو حرج نہیں تو تمام اوقات میں سوائے وقت خاص کے تعظیم کی اگر کوئی فرد بھی نہ ہو تو مؤلف کم عقل کے نزدیک حرج نہیں، الٰہی توبہ الٰہی توبہ، کبرت کلمۃً تخرج من افواھھم اِن یقولون الّا کذباً، اور پھر کہتا ہے کہ "خالی قیام کیا پکارے گا" تو معلوم ہوا کہ قیام تعظیم کی فرد کچھ معتد بہ بھی نہیں لغو ہے کہ تنہا کچھ پکار نہیں کرتی "ایں گلِ دیگر شگفت[1]" اگر مؤلف کے نزدیک یہ قیام کچھ تعظیم کی پکار نہیں کرتا تھا تو کیوں اس قدر اوراق اپنے سیاہ کئے اور ایسی حرکتِ لغو کے اثبات میں وقت ضائع کیا، افسوس انہماکِ بدعت نے مؤلف کو ایسا خوار[2] کیا کہ شانِ فخر عالم میں بھی گستاخ کلامی کرائی اور فہم کلامِ غیر سے تو عاری تھا ہی اپنے بھی کلام کا حاصل و مآل نہیں سمجھتا اگرچہ یہ کہے کہ قیام تکمیلِ تعظیم ہے خود امرِ تعظیم نہیں تو قطع نظر اس قول کے غلط فاش ہونے کے پھر وہی نقض ہوگا کہ تکمیلِ تعظیم سوائے ذکرِ ولادت کے کیوں نہیں ہوتی، یہاں کیوں مثلِ واجب ٹھیری اور دوسری جگہ کیوں مثل مکروہات کے متروک بنی، غرض یہ کیسی واہی بے معنی اور گستاخ کلام ہے کہ العظمۃ للہ تعالیٰ، اب زیادہ کیا لکھوں مگر تعجب ہے کہ اول اولیاء و علماء پر زبان درازی کی تھی اب رفتہ رفتہ فخر عالم کی شان میں بھی زبان چل گئی گو قصدِ گستاخی نہ ہو مگر زبان جس امر کی معتاد ہوتی ہے اور جو کچھ قلب میں بھرا ہوتا

---

[1] ختم، [2] دوسرا گل کھلا [3] ذلیل

ہے وہی نکلتا ہے " الاناء یترشح بما فیہ " وہ زعم علم کا اور کبر خود پسندی کا اپنا ظہور سب جگہ کرتا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف و قرأت حدیث میں جو یہ ذکر آوے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہوتے، جواب اس کا یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصائص ہوتی ہے کہ وہ سب جگہ نہیں کئے جاتے اس وقت ایک مثال کہی جاتی ہے اور مثالیں اس کی بہت ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ قول جمیل میں لکھتے ہیں "جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو جس وقت اس کے سامنے جاوے پڑھے کھیٰعص کیفیت اور ہر حرف پر ایک انگلی داہنے ہاتھ کی بند کرتا جاوے، پھر پڑھے حمعسق حمیت اور ہر حرف پر ایک انگلی بائیں ہاتھ کی بند کرتا جاوے، پھر اس حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کھولدے " انتہیٰ۔ اب سمجھنا چاہئے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور کھولنا خاصہ اس عمل کا ہے تو اب اگر کوئی اس کو کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی قرآن میں کہیٰعص، حمعسق پڑھا کرے وہاں بھی انگلیاں بند کیا کرے اور کھولا کرے سب عاقل کہیں گے کہ اے بھائی وہ تو خاصہ اس عمل کا ہے اسی عمل کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہئے، جب قرآن پڑھیں تب قرآن کے آداب ملحوظ رکھنا چاہئیں، پس اسی طرح مولد شریف ایک عمل ہے واسطے حصول خیر و برکت وغیرہ کے۔ چنانچہ ابو سعید بورانی و سخاوی و علی قاری وغیرہم نے اس عمل کرنے سے برکات کثیرہ کا حاصل ہونا بیان کیا ہے کہ حصولِ منافعِ دینی و دنیوی کے لئے اس عمل کو بہت اہلِ اسلام بلاد اسلامیہ میں کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علماء کرام نے اس عمل میں خاصۃً نزدیک ذکر ولادت کے قیام ہے پس خاصہ ٹھیر گیا یہ قیام اس عمل کا اس موقع میں بناءً علیہ جاری نہ کیا جاویگا یہ قیام جمیع مواقع خارجی میں مثل تلاوت قرآن اور احادیث کے پس قرآن شریف پڑھنے میں جو کچھ وعظ یا تلاوت قرآن کے آداب معینہ ہیں وہ بجالاویں گے اور اس عمل میں خصائص اس عمل کے اور جواب اس اعتراض کا دافع الاوہام میں دوسری تقریر سے مذکور ہے طالبِ حق کو چاہئے کہ اس کو بھی دیکھ لے، واضح ہو کہ پیش کیا تھا اس

عاجز پر ایک عالمِ منطقی نے یہ اعتراض جس وقت پایا مجھ سے یہ جواب ساکت ہوا اور باقی اعتراضات متفرقہ درباب قیام ومجلس میلاد لمعۂ سابعہ میں آویں گے۔

قولہ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت الخ۔ **اقول** خصوصیۃ اعمال اخروی وعبادت کی شارع کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے عقل کو دخل نہیں ثواب وعقاب اور حدود وتعظیم اور محال توقیر کماً وکیفاً سب خلاف قیاس ہیں شارع کے امر کے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہوسکتے اگرچہ صحابی ہی ہو عقل سے نہیں کہہ سکتے پس یہ خصوصیت قیام خاص میں کس نص سے معلوم ہوئی مؤلف بتاوے، تمام نصوص تو اس تخصیص کو بدعت تبلا رہے ہیں، مگر ہاں مؤلف نے عمل آخرت کو عملِ دنیا جیسا ہی جانا ہے کہ مثال عمل قولِ جمیل کی دیتا ہے، یہ قولِ جمیل کا عمل امور دنیا کا ہے اس میں کوئی ثواب وعقاب کی بات نہیں عقل سے یہ امور نکالے ہیں دنیاوی امور ہیں امورِ آخرت تو ایسے نہیں ہوتے، ذرا ہوش کرے مولود تو مؤلف کے نزدیک نجاتِ آخرت کے واسطے تمام اعمال سے بڑھا ہوا ہے، کیا اب اس تقریر بدعت کے چکر میں آکر بھول گیا یہ عمل تو ابولہب کافر نجس کو بھی تخفیف[۱] دینے والا ہے پس اس کی خصوصیات رائے سے کس طرح ثابت ہووں گی۔ بالآخر جب کچھ کام نہ چلا تو مؤلف پا یہ بندی تجویزیہ اس مقام میں کہتا ہے کہ یہ عمل ہے خیر وبرکت کا، پس اگر محض دنیا کی زیادۃ کا عمل ہے تو قصّہ طے ہوا اور جو مرکب ہے تو پھر بوجہ آخرت کے عمل ہونے کے خصوصیت کیواسطے نص واجب ہے۔ الحاصل خبط کلامی مؤلف پر تمام ہولی اور سوءِ فہم کا اس پر خاتمہ ہے۔ ایک گھر بناتا ہے دس گھر گراتا ہے، آگے پیچھے کی کچھ تمیز نہیں اور نہ فہم سے کچھ تعلق، محض الفاظ کی تطویل[۲] مدِ نظر ہے، اور پھر آخر میں مؤلف نے علماء کرام کو اپنی کم فہمی کا شریک بنایا اور وہ ہی فعل علماء کی حجت لایا کہ بدون اس کے کوئی چارہ ومفر اس کو نہیں ملتا اور نہ کوئی اس کے پاس دلیل سوائے اس کے ہے اور اس کا حال بھی لکھا گیا، کہ ان علماء کے فعل کو بھی مؤلف نہیں سمجھتا پس اب طالبین حق کا تو دل مؤلف کی اس تقریر ہی سے سیر ہو گیا اور سب جب فخر عالم ؐ کی اور اتباع اور دیانت اور علم وفہم اس کا وانکشاف[۳] ہو گیا اب دافع الاوہام بھی مؤلف

---

[۱] سہولت [۲] طوالت [۳] ظاہر۔

صاحب ہی تالیف و نتیجۂ افکار والا ہے اس کو دیکھ کر سنکر کیوں کان کپڑے جھاڑیں گے اور کسی طفلِ جاہل کو شاید آپ نے یہ جواب دیا ہوگا ورنہ عالم تو اس تقریر سے کیا ساکت ہوتا ہاں اگر مؤلف کو لا یعقل[1] جان کر ساکت ہوگیا ہو تو کیا عجب ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

لمعۂ سادسہ یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف میں اشعار مخاطب حاضر کے پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالانکہ آپ غائب ہیں نظر سے یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔ **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ عالم الغیب بالذات وہی ایک ہے جل جلالہٗ، آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو بغیر اللہ کے الہام و کشف کر دینے کے خود بخود یقینی طور پر امور غیبیہ کو جان لے، اور یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لیکر تا تحت الثریٰ ہر مکان ہر زمان ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو۔

ندا و خطاب غائب کی کونسی قسم جائز ہے اور اس کے جواز میں مؤلف کے دلائل بے اصل ہیں

قولہٗ لمعۂ سادسہ یہ اعتراض کہ محفل مولود میں الخ۔

اقول چونکہ مؤلف کی عادت ہے کہ سائل کے سوال کو نا تمام سمجھ کر نقل کرتا ہے لہٰذا اصل تقریر کرتا ہوں کہ ناظرین اس کو خیال رکھیں یہ عقیدہ اتفاقی ہے کہ ندا و خطاب اگر فخر عالم ؐ کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ بلا واسطہ استقلالاً سنتے ہیں شرک ہے خواہ بضمن صلوٰۃ ہو خواہ بغیر اس کے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شئی کو چاہے آپؐ پر منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود اور سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپؐ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے اور جو محض شوق میں یہ کلمات ہیں بدون اس عقیدۂ سابق و ثانی کے وہ بھی جائز اور یہی مؤلف بھی کہتا ہے۔ اس عقیدہ میں مؤلف خلاف مانعین کے نہیں، پس سنو معترض کہتا ہے اگر بعلم استقلال فخر عالم ؐ کے ندا و خطاب ہے تو شرک ہے اور جو بدون اس عقیدہ ہے تو عوام کے فسادِ عقیدہ کی تائید ہے کہ عوام کا یہی عقیدہ علم مستقل کا ہے اور اس مجمع میں ہر قسم کا مبتدع و فساق موجود ہے لہٰذا اگر عقیدہ قاری کا درست ہو مگر عوام کی وجہ سے مکروہ نا جائز ہے اور بوجہ فساد عوام کے

[1] بے وقوف۔

شرح منیہ سے نقل ہو چکا کہ صلوٰۃ رغائب دیرأۃ مکروہ ہوتی ہے۔ درّمختار میں ہے وکرہ بحق رسلك، اس کی شرح میں توجیہات جواز کی لکھ کر لکھا ہے وجود ایہام اللفظ مالا یجوز کان فی المنع کما قدمناہ، انتہیٰ۔ اور درمختار نے تحقیق لفظ معقد العز من عرشک میں لکھا ہے ان مجرد ایہام اللفظ المعنی المحال کان فی المنع من التلفظ بھذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا ولذا علل المشایخ بقولھم لانہ یوھم ونظیرہ ما قال فی "انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ" فانھم کرھوا ذلك وان قصد التبرك دون التعلیق لمافیہ من الایہام کما قررہ التفتازانی وابن الھمام، انتہیٰ۔ اب دیکھو کہ ایسا لفظ موہم معنی ناجائز کا بولنا مکروہ ہوا پس خلاصۂ اعتراض یہ ہوا کہ عوام کا عقیدہ شرک کا ہے ایسے مجمع میں خواص کو صالح عقیدہ سے بھی بولنا ایسے کلمہ کا ناجائز ہے پس اب مؤلف کے جواب کو ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اس اعتراض کا تو جواب نہ دار دے، بلکہ اعتراف عقیدۂ معترض کا ہے مگر خواہ مخواہ ایک جُزو لکھ ڈالا کہ جس کو اعتراض کے جواب سے کوئی مناسبت نہیں۔

لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر کونسی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی بہ نسبت الفاظ حاضر بولنے کفر ہیں ہم اس بات میں جزئی خاص پیش کرتے ہیں قسطلانی وزرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں و منھا ان المصلی یخاطبہ بقولہ "السلام علیك ایھا النبی" والصلوٰۃ صحیحۃ ولا یخاطب غیرہٗ، اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں خطاب کرتا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حاضر کا لفظ بولتا ہے کہ "السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ" یعنی التحیات میں کہتا ہے "سلام ہو تم پر اے نبی" اور اس خطاب کرنے میں نماز صحیح ہے اور دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کر سکتا، یعنی اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، انتہیٰ۔ اور بعضے آدمی جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقل نکالتے ہیں قصہ معراج کی اس میں خطاب حضرت کا مراد نہیں سو رد ہو گیا اس کا قول اس عبارت سے جو ہم نے نقل کی کہ اس میں صریح لفظ یخاطبہ موجود ہے، علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے کہ لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع

فی المعراج اور در مختار میں بھی رد کیا ہے ویقصد بالفاظ التشہد الانشاء کانہ تسلیم علیٰ نبیہ۔ اور فقیہ ابو اللیث ثمرقندی نے السلام علیک ایہا النبی کی اس طرح شرح کی ہے کتاب تنبیہ میں یعنی یا محمد علیک السلام غرض کہ جمیع معتبرین فقہا ومحدثین اُس قول کو رد کرتے ہیں اور تحقیق یہی ہے کہ اس میں ارادہ کرے خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ سلام ہو آپ پر یا نبی اللہ، اور اگر حکایت قصہ معراج کا ارادہ کریگا تو کم نصیب محروم رہیگا تعمیل امر الٰہی سے جو لفظ سلموا قرآن میں وارد ہے، اس لئے کہ قرآن میں سلام اس شخص سے خود مطلوب تھا اس نے اپنی طرف سے سلام نہ کیا بلکہ نقل حکایت کا ارادہ کیا۔ الحاصل یہ دیکھئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی آپ کو خطاب حاضر ہو رہا ہے نماز میں، بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے منقول اسی طرح ہوا ہے۔ جواب یہ کہ امر تعبدی ہونے کا کام تمہارا نہیں چلتا اس لئے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے، اب یہ بتاؤ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور کراہت پر کونسی آیت یا حدیث ہے پیش کرو، عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں شریک کرنے کا حکم نہیں اور خاص اسی نماز میں خطاب آپ کا شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل ؟

قولہ لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر الخ۔ **اقول** مانعین پر کتاب اللہ نازل ہوئی ہے کہ جس میں علم غیب مطلق خاصہ حق تعالیٰ کا لکھا ہے اور مؤلف بھی مقر ہے پس اس عقیدہ کا خطاب شرک ہے باعتراف مؤلف اور معترض بھی اس کو ہی شرک کہتا ہے اور بدون اس عقیدہ کے بسبب ایہام شرک کے مکروہ کہتا ہے چنانچہ در مختار سے نقل ہوا اور جو کچھ مؤلف نے زرقانی سے نقل کیا ہے نہ اس میں یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور نہ بسبب واجب ہونے تشہد کے ایہام[1] کی کراہت ہو سکتی ہے کیونکہ فرائض وواجبات میں ایسے امور کا لحاظ درست نہیں کہ واجب من اللہ تعالیٰ ہو چکا ہے، مگر مدح خوانی مجمع جہلا عوام میں کونسی حدیث سے ایسے خطابات واجب ہیں مؤلف اس کو بتادے تاکہ یہ بھی درست ہو جاوے اور منع ایہام کا رفع ہووے اور پھر تشہد اخفاد سے بھی ہے خلاف اشعار مدح کے ہاں اگر تشہد میں بھی کسی کا

---

[1] وہم میں ڈالنا۔

عقیدہ علم غیب کا بالاستقلال ہو دیگا وہ بھی شرک ہو جاویگا اس میں کیا کلام ہے اطلاقاتِ
نصوص[1] قطعیہ اس کی شاہد ہیں پس ناظرین دیکھیں کہ مؤلف کا جواب کس اعتراض کا جواب
خواہ مخواہ روایت نقل کردی ہے پس نہ حکایت کی تقریر کی ضرورت نہ امر تعبدی[2] کہنے کی حاجت
خواہ مخواہ ایک طویل کلام کرتا ہے معترض کا مطلب آیۃ قرآن شریف سے ہے اور روایت فقہ سے
ثابت ہولیا کوئی عقلی بات نہیں کہی، البتہ مؤلف کی عادت ہے کہ عقلِ ناتمام کے تکّے گھڑا
کرتا ہے جیسا چہلم وغیرہ میں، اور مولود میں لکھتا ہے۔

> اب ہم سے جواز کی روایت سنو! شاہ ولی اللہ صاحب واسطے پڑھنے اورادِ فتحیہ کے انتباہ
> میں لکھتے ہیں "فریضۂ نماز بامداد گذارد وچوں سلام دہد باورادِ فتحیہ خواندن مشغول شود
> کہ از برکاتِ انفاس ہزار و چہار صد ولی کامل شدہ است الخ" حالانکہ اس اورادِ
> فتحیہ میں جس کا دل چاہے شمار کرلے ستّرہ ہزار بار ندائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ
> سے ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ الی آخرہ علاوہ
> اس کے خود مولوی اسحٰق صاحب مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں "اگر کسے یارسول اللہ بگوید
> برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است" انتہیٰ۔ یہ دیکھئے علماء باہر نماز کے بھی خطاب
> کرنا رسول اللہ کا جائز لکھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک
> مانعین کو گنجائش ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود و سلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے
> پہنچا دیتے ہیں اس لئے ہم ایسی نظیر پیش کرتے ہیں جسمیں درود و سلام کے پہنچنے کی نیت سے
> خطاب نہیں بلکہ وسیلہ پکڑتا ہے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کشفِ حاجۃ میں۔

قولہٗ اب ہم سے جواز کی روایت الخ۔ **اقول** اورادِ فتحیہ میں سب جگہ صلوٰۃ و سلام
میں خطاب ہے جیسا تشہد میں تھا، علیٰ ہذا مولوی محمد اسحٰق صاحب کے کلام میں درود و سلام
میں تو ہی جواز ندا و خطاب کا ہے اور یہ بوایصال ملائکہ کے ہے چنانچہ مسلم وغیرہ کی حدیث
میں مصرح[3] ہے اگر اس میں بھی عقیدۂ شرکیہ ہو دیگا حرام ہو جاویگا بلا خلاف پس جواب معترض کا اس

---

[1] دلائل کا مطلق ہونا [2] وہ امر جو من جانب اللہ بندے پر عائد ہو اور اس میں غلطی کا کچھ دخل نہ ہو [3] تصریح شدہ

سے بھی حاصل نہیں ہوا۔

ابن ماجہ قزوینی باب صلوٰۃ الحاجۃ میں روایت کرتے ہیں عثمان بن حنیف انصاری صحابیؓ سے کہ ایک اندھا آدمی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لئے دعاء کیجئے آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر چاہے دعاء کرانا تو دعاء کروں، اس نے کہا دعاء فرمایئے، آپؐ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعاء پڑھ اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ"۔ یعنی یا اللہ میں اپنی حاجت مانگتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف وسیلہ پکڑ کے حضرت محمدؐ کا جو نبیٔ رحمت ہیں، یا محمدؐ میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف آپؐ کا وسیلہ پکڑ کے اپنی اس حاجت میں تا کہ روا کی جاوے حاجت یا اللہ حضرتؐ کی شفاعت قبول کیجئے میرے حق میں" انتہیٰ۔ اب دیکھئے یہ نماز حل مشکلات کے لئے حضرتؐ نے تعلیم فرمائی اور اس میں اپنا خطاب یعنی "یا محمدؐ" کہنا تعلیم فرمایا ہے۔ اس مقام میں اک تماشہ ہوا ہے، یعنی ایک بڑے عالم مشہور و معروف نے اس حدیث میں اعتراض کیا اور لکھ دیا کہ اس کی اسناد میں ایک راوی عثمان بن خالد بن عمر آیا ہے اور تقریب میں اس کو متروک الحدیث لکھا ہے، اس عاجز نے ابن ماجۃ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کی اسناد نکالی تو ان دونوں محدثوں کی اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اس کو تقریب میں متروک الحدیث نہیں کہا اور عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا لیکن وہ اور آدمی ہے، والحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور یہ حدیث تو محدثوں کی پڑتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہو سکتی ہے۔ لکھا ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح اور نیز صحیح کہا اس کو بیہقی نے کذا فی شرح المواہب اور نیز لکھا ابن ماجہ نے قال ابو اسحٰق ھذا حدیث صحیح، اور روایت کیا اس حدیث کو آٹھ ائمۂ حدیث نے ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، حاکم، بیہقی، طبرانی ابو نعیم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھلا ایسی حدیث میں زبان درازی کر کے اگر

کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے نماز پڑھ کر یہ دعاء مانگی تو بخاری اور بیہقی کی روایت میں ہے فقام وقد ابصر یعنی وہ اندھا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھ روشن ہو گئی، اور روایت کی طبرانی کان لم یکن بہ ضر یعنی ایسی روشن ہو گئی گویا اس میں خلل ہی نہیں ہوا تھا، واضح ہو کہ یہ دعاء اور نماز اور یہ خطاب یعنی یا محمدؐ کہنا آپؐ کے زمانۂ مبارک میں خاص آپؐ کی تعلیم سے ہوا۔ اور شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب میں ہے کہ یہ عمل عہدِ صحابہؓ میں بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی کیا گیا ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان بن عفانؓ سے ایک حاجت تھی بار ہا جاتا حضرت عثمانؓ اس کی طرف التفات نہ فرماتے، اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابیؓ سے شکایت کی، عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر کے مسجد میں آ دو رکعتیں پڑھ پھر دعاء پڑھ اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد اتوجہ بك الی ربی فیقضی حاجتی اور یہ دعاء پڑھ کے تو اپنی حاجت کو عرض کیجئو۔ غرض کہ وہ آدمی موافق تعلیم عثمان بن حنیف کے گیا اور وضو، نماز، دعاء جس طرح اس نے بتائی تھی پڑھی، بعد ازاں حضرت عثمان بن عفانؓ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنی مسندِ خاص پر پاس بٹھلایا اور پوچھا کیا حاجت ہے؟ اس نے بیان کی آپؓ نے پوری کر دی اور یہ فرمایا کہ اب سے جو مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمانؓ کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا: "جزاک اللہ خیراً" میری طرف عثمانؓ نظر بھی نہیں فرماتے تھے اب شاید تم نے ان سے کچھ میری سفارش کی ہے۔ عثمان ابن حنیف صحابیؓ نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی میں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اس نے فریاد کی یا رسول اللہؐ میری آنکھ جاتی رہی آپؐ نے فرمایا صبر کر وہ بولا کوئی میرا ہاتھ لاٹھی پکڑ کر لیجانے والا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز اس کو اور یہ دعاء تعلیم کی تھی، وہی قصہ جو ترمذی

اور ابن ماجہ والا جو ہم اوپر بیان کر چکے عثمانؓ بن حنیف نے بیان کیا۔ الحاصل بعد وفات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد صحابہؓ میں بھی اس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہوا اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے۔ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کتاب حصن حصین میں فرماتے ہیں من کانت لہٗ ضرورۃ الخ یعنی جس کسی کو ضرورت اور حاجت مشکل آپڑے پڑھے نماز حاجت اور یہ دعا پڑھے اور کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کی تعلیم ہے، ابراہیم حلبیؒ نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کئے ہیں ان میں صلوٰۃ الحاجۃ دو لکھی ہے، ایک کو بیان کیا اور لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں، حلبی نے اس کو لکھ کر اس کی قوت بیان کی کہ قال الترمذی حسن صحیح۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور صحابہ کی تلقین اور محدثین کی تعمیل اور فقہاء کی افتاء اور تصحیح سے اب تک یہ خطاب یا محمدؐ ہی جاری ہے، علاوہ بریں اور بھی خطاب کے صیغے ہم نقل کرتے ہیں اشعار وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہؓ نے بعد وفات آپؐ کے بہت اشعار غم میں پڑھے، ان میں سے یہ ہیں ؎ الا یا رسول اللہ کنت رجائنا ؛ وکنت بنا براً ولم تک جافیاً فلو ان رب الناس ابقی محمداً ؛ سررنا ولکن امرہٗ کان ماضیا۔ اور حضرت حسان صحابیؓ نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا ؎ کنت السواد لناظری ؛ فعمی علیک الناظر۔ من شاء بعدک فلیمت ؛ فعلیک کنت احاذر۔ اسی طرح اور بھی صحابہؓ کے اشعار پائے گئے ہیں جس میں خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور قاضی عیاض نے کتاب شفاء کے باب لزوم محبت میں روایت کی ہے کہ ایک بار پاؤں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس و حرکت ہو گیا کسی نے کہا ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو تب وہ چلا کر پکار اٹھے یا محمدؐ اسی وقت ان کا پاؤں درست ہو گیا اور قوت آگئی۔ انتہی یہ عبداللہ بن عمر کیسے جلیل القدر صحابی اتباع سنت میں نہایت عالی، دیکھئے حالتِ غیبوبت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلفظ یا محمد آہ خطاب کرتے ہیں اور فتوح الشام میں صفحہ ۲۹۸ میں ہے جب کہ ابو عبیدہؓ بن الجراح نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دیکر اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپاہ تھی

اور یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سیاہ یوقنا کی اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر آپڑی، غرضکہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھیر گیا، اس وقت مسلمان جاں بازیاں کر رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چین گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے یا معاشر المسلمین اثبتو لھم فانما ھی ساعۃ وانتم الا علون یہ ایک نظیر ہے خطاب کی حالتِ غیبت میں اور یہ کعب بن ضمرہ بھی صحابہ میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انہوں نے جہاد کئے تھے غرضکہ صحابہؓ کے وقت سے یہ خطاب اور نداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود غیبت کے جاری رہی۔ علامہ شرف الدین بوصیریؒ متوفی ۶۹۴ھ جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدۂ بردہ اورادِ مشائخ میں داخل نہایت مقبول بابرکت ہے، اور بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے کہ وہ کمالِ تعظیم سے برہنہ سر برہنہ کھڑا ہو کر اس قصیدۂ مقبولہ کو سنا کرتا تھا، اور حلبی اور قسطلانی سب صاحبِ بردہ کے مداح ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدۂ بردہ کو پڑھا اور اسناد حاصل کی۔ رسالہ انتباہ میں لکھتے ہیں واما قصیدۃ البردۃ فاخبرنا بھا ابو طاھر عن شیخ احمد الخلی عن محمد بن العلاء الباھلی الی ان قال عن ناظم اشراف الدین محمد بن سعید بن حماد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ، انتھی۔ الحاصل اس مقبول قصیدہ میں خطاب حاضر ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جا بجا ہے۔ **ازانجملہ** دو مقام میں تو خاص نداء بطور فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے ؎ یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ ÷ سواک عند حلول الحادث العمم ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء کرتے ہیں کہ اے بزرگ ترین خلائق کوئی سیر انہیں جس کی پناہ پکڑوں سوا آپ کے وقت اترنے بلاءِ عام کے، دوسرا شعر یہ ہے ؎ ولن یضیق رسول اللہ جاہک بی ÷ اذا الکریم تحلی باسم منتقم اس میں رسول اللہ منادیٰ اور نداء محذوف بقاعدہ عربیت یعنی کچھ کم نہ ہوگی شان آپکی یا رسول اللہ ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ تعالیٰ ظہور فرماویگا صفت انتقام سے، انتھی۔ اور اس معنی کے قریب شیخ شرف الدین مصلح المعروف لبسعدی شیرازی المتوفی ۶۹۱ھ جو واصلین طریقت اور کاملین شریعت تھے، حضرت خضر سے ملاقات کی ساتوں ولایت پھرے

بارہا پیادہ حج کیا یہ عالم فاضل ولی کامل خطاب حاضر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں ؎ چوں کم گرد دراے صدر فرخندہ پے ؛ زقدر رفعت بدرگاہ حے ۔ کہ باشند مشتے گدایان خیل ؛ بمہمان دار السلامت طفیل ۔ چہ وصفت کند سعدی ناتمام ؛ علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام ۔

اور نبیرہ مولانا احمد تھانیسری کہ امیر تیمور کے عہد میں بڑے فاضل کامل مشہور تھے صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے جب ایک موقع میں ان کی گفتگو ہوئی امیر تیمور نے جو دیکھا کہ شیخ الاسلام کو دبایا اس کی عظمت کے لئے یہ کہا کہ یہ نبیرہ ہیں صاحب ہدایہ کے، مولانا نہ ڈرے اور یہ کہا کہ ان کے دادا نے ہدایہ میں چند محل پر خطا کھائی اگر انہوں نے اس وقت ایک خطا کھائی کیا ڈر ہے۔ غرض کہ یہ بڑے عالم فاضل اور عارف کامل تھے، قلعۂ کالپی میں انکا مزار ہے۔ بہت لوگ زیارت کو آتے، انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے اس میں سے دو تین شعر لکھتا ہوں ؎ یا حیوتی ویا روحی ویا جسدی ؛ ویا فؤادی ویا ظہری ویا عضدی ۔ مالی الیک بقطع البید من قبل ؛ ولیس لی یا اصطبار عنک من مدد ۔ دیکھئے اس میں بھی ہندوستان سے خطاب حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے اور نبیرہ مولانا نظامی متوفی ۵۹۲ھ علم معقول و منقول میں فاضل کامل تارک الدنیا عارف، صاحب دل، سلاطین روزگار سے برکت چاہتے تھے وہ کسی کے در پر نہ جاتے غرضکہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں خطاب حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت کرتے ہیں ؎ من از کمترین امتان خاک تو ؛ بدین لاغری صید فتراک تو ۔ نظامی کہ در گنجہ شد پائے بند ؛ مبادا ز سلام جہرہ مند ۔ گنجہ شہر ہے ایران میں، وہاں سے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے۔ اور مولانا عبد الرحمٰن ابن احمد جامی متوفی ۸۹۸ھ جن کا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں، شرح ملا اور شرح فصوص الحکم اور شرح نقایہ و شرح لمعات وغیرہ کتب مصنفہ ان کی مشہور ہیں اپنے اشعار میں حضرت کو خطاب حاضر کرتے ہیں ؎ ز مہجوری برآمد جان عالم ؛ ترحم یا نبی اللہ ترحم ۔ و آخر رحمۃ للعالمینی ؛ ز مہجوراں چرا غافل نشینی ۔ ملک خراسان میں ایک

ولایت جام ہے جو وطن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبوبت میں وہاں سے ہو رہا ہے اور یہ بھی نہیں کہ مثل اہل کشف کے روئے مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت مناجات کے ان کے سامنے تھا اس لئے کہ یہ شعر بھی انکا انہیں اشعار کے ساتھ ہے ؎ شب اندوہ مارا ذرگرداں ؛ ز روئیت وز مافیروز گرداں تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے ؛ کنی برحال لب خشکاں نگاہے۔ **ازاں جملہ** مولانا عبد الحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب، محدث، فقیہ حنفی مشرب جس کی ایک سو تیس کتابیں فارسی اور عربی میں تصنیف ہیں۔ تاریخ ولادت انکی شیخ اولیاء ۹۵۸ اور تاریخ وفات فخر العالم ۱۰۵۲ ہے۔ اپنے قصیدہ میں جو کہ اخبار الاخیار کے آخر میں مطبوع ہے لکھتے ہیں ؎ بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ؛ بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن : محب آل و اصحاب توام کار من حیراں ؛ بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن۔ اور حضرت شاہ ابو المعالی صاحب فرماتے ہیں ؎ گر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو ؛ ہیچ پیغمبر نبر دے دولت پیغمبری۔ اب اس دورۂ آخری میں بھی جو علماء و صلحاء اہل سنت والجماعت ہیں وہ خطاب حاضر یا رسول اللہ کہنا جائز رکھتے ہیں، چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب مصنف تحذیر الناس اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس دیوبند وغیرہم چند علماء کے پیر مرشد ہیں اپنی کتاب ضیاء القلوب مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۴۹ میں واسطے حصول زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھتے ہیں بدیں عبارت کہ "بعد نماز عشاء، باطہارت کامل وجامۂ نو و استعمال خوشبو بادب تمام روئے بسوئے مدینہ منورہ بنشیند و ملتجی از جناب قدس حقیقت محمدی برائے حصول زیارت جمال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم شود و دل از جمیع خطرات خالی کردہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلباس بسیار سفید وعمامۂ سبز و چہرۂ منور مثل بدر بر کرسی نور تصور کند و الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ راست و الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ چپ و الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ در دل خود ضرب کند الخ"۔ اور نیز انہی حاجی صاحب سلمہ اللہ نے ایک قصیدہ اردو زبان میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ ؛ مجھے دیدار تم

اپنا دکھائیے یا رسول اللہ ۔ اس قصیدہ کے چند اشعار لمعۂ خامسہ نورِ دوم میں ہم نقل کر چکے ہیں، اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے اشعار بھی وہاں نقل کئے گئے ہیں جس میں یا نبی اللہ وغیرہ الفاظ خطاب موجود ہیں ۔

توجیہات جواز خطاب یارسول اللہ ۔ واضح ہو کہ بعض محبین درجۂ عشق کو پہنچے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے ابوالحسن شاذلی وغیرہ ان سے ایک دم مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت نہ ہوتا تھا ایسے آدمی اگر خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر ناظر ہیں، حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا، جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے، ایسے شخصوں کے حق میں تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ محل کلام ہی نہیں باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ ان کو حضوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل نہیں ان کے حق میں بھی خطاب کرنا درست ہے، قطب ربانی امام شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداحِ رسول تھا، اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ بیداری میں زیارت کرتا تھا، ایک بار اس سے ایک آدمی نے اپنے واسطے سفارش حاکم سے چاہی یہ گئے اور حاکم نے ان کو اپنی مسند پر بٹھلایا اسی دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا، اس مقام میں خاص عبارت میزان کی یہ ہے فلم یزل یتطلب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرؤیۃ حتی قرأ لہ شعراً فتراءی لہ من بعید فقال تطلب رؤیتی مع جلوسک علی بساط الظلمۃ فلم یبلغنا انہ رآہ بعد ذالک حتی مات ۔ یعنی پھر ہمیشہ وہ مداح سوال کرتا رہا حضرت سے کہ اپنا دیدار مبارک دکھا دیجئے یہاں تک کہ ایک دفعہ شعر پڑھا تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دور سے کچھ دکھائی دیئے اور فرمایا تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر پھر ہم کو خبر نہیں ملی کہ اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر نظر آئے یہاں تک کہ وہ مرگیا انتہی۔ اب دیکھئے کہ محمد بن زین مداح باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہیں آتے تھے وہ اس حالتِ غیبت میں بھی حضرت سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجئے، انتہی۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر اور آدمی جن کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے وہ بھی درخواست کریں اور کہیں کہ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ۔

مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ ۔ تو صحیح اور جائز ہے ۔ اگر نیم ملاّ خطرۂ ایمان اس کو شرک بتا دے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ کو عالم الغیب جانتے ہو کہدو کہ اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیدیتا ہے تو ان کو خبر ہو جاتی ہے ۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کا کلام جو ان کی تفسیر میں ہے یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے درجے کو پہچانتے ہیں کہ اس کا ایمان کس درجہ پر ہے اور فرشتے سب امّت کے اعمال حضرت کے پاس پہنچاتے ہیں ، انتہیٰ کلامہٗ ۔ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل بادشاہ روم کو نامہ رقم فرمایا تھا ، بروایت بخاری اس کے الفاظ یہ ہیں اما بعد: فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم اس میں خطاب حاضر کا ہے بادشاہ روم کو حالانکہ آپ ملک عرب میں تھے اور وہ روم میں تھا اور وہ اصحابِ کشف سے نہ تھا کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لیجا کر اس کے ہاتھ میں دیدیگا یہ خط اس کی نظر کے سامنے گذریگا خطاب صحیح ہو جاویگا ، اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب کے لکھدیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیجدو اور تاکید جانو ، فقط اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دیدیگا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جاویگا ۔ جب قاصدوں کی چھٹی رسانی کے اعتماد پر یہ خطاب حالت غیبوبت میں جائز ہو ، ملائکہ جو ہرگز اللہ کا عصیان نہیں کرتے اور جو ان کو خدمت سپرد ہوتی ہے ممکن نہیں کہ ان سے تخلّف ہو جاوے ان کے اعتماد پر کس طرح خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نہ ہو ، جب بواسطۂ ملائکہ ہمارا قول ان کو صبح وشام پہنچتا ہے تو وہ مثل حاضر کے ہیں اگر ہماری آنکھوں کے سامنے جمالِ مبارک نہیں پس خطاب حاضر کرنا جائز ہے ، اور اگر ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہ ہوں تو تیسری توجیہ اور بھی ہے ، یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے اس اعتبار سے بھی حاضر جان کر خطاب کر دیتے ہیں ، اشعار عرب میں یہ بات کثرت سے ہے ۔ **از انجملہ** دو شعر عبد السلام بن یوسف کے جذب القلوب سے نقل کرتا ہوں

ے علی ساکنی البطن العقیق سلام ÷ وان اسھرونی بالفراق وناموا = خطوتم علی النوم وھو محلل ÷ وحللتم التعذیب وھو حرام ۔ اور حضرت یوسف کی بی بی زلیخا کا حال

جو مولوی جامی صاحب نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروعِ عشق میں جب تک نکاح نہ ہوا تھا کس کس طرح تصورا ًباتیں کیا کرتی تھی۔ ازاں جملہ اس مقام کے دو شعر لکھتا ہوں ؎
خیال یار پیش دیدہ بنشاند ؛ ہم از دیدہ ہم از لب گوہر افشاند ۔ کہ اے پاکیزہ گوہر از چہ کانی ؛ کہ از تو دارم ایں گوہر فشانی ۔ دلم بردی و نام خود نہ گفتی ؛ نشانے از مقام خود نہ گفتی ۔ یہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے غیبوبت میں خطاب کر رہی ہیں نہ یہ شرک ہے نہ کفر پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطور خطاب حاضر کے ہیں وہ اسی لئے ہیں ۔ چونکہ تصورِ آپ کا دل میں بندھا ہوا ہے غلبۂ اشتیاق میں خطاب حاضرانہ بباعث تصور فی الذہن کے کرتے ہیں، لیکن چونکہ تم لوگوں کو ایسا تصور اور ایسا خیال بندھا ہوا نہیں تمہاری سمجھ میں یہ بھی نہیں آنیکا کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ، کلام الٰہی سچا ہے ۔ اب ہم چوتھی توجیہہ خطاب کی اور بتادیں، قرآن شریف میں وارد ہے یاحسرۃ علی العباد یہاں لفظ یا حرفِ ندا ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا کرتے ہیں، یہ لفظ یا داخل ہوا ہے حسرت پر اور حسرت ایسی چیز بے ادراک و شعور ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے ، امام رازی کا کلام اس مقام میں یہ ہے المقصود ان ذٰلک وقت الحسرۃ فان النداء مجاز والمراد الاخبار ۔ غرضکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ نداء کلامِ عرب میں شائع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ یہ وقت حسرت کا ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے ہیں اور بلاتے ہیں اس مقام پر نداء مجاز ہے ، جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں نداء مجاز ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتی ہے پھر اسی طرح اس مقام میں بھی سمجھ لو کہ جو کوئی کہتا ہے ؎ تمہارے نام پہ قربان یارسول اللہ ؛ فدا ہے تم پہ مری جان یارسول اللہ ۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے، مراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو کہ اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے ، یہ کیا ضروری ہے کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے ، ہاں البتہ یہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا ، نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے ، کلامِ صحابہ میں غائب کو خطاب اور نداء موجود ہے ۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی

جب وقت خلافت حضرت عثمان میں ایک رات مسجد کی طرف آئے دیکھا چراغ مسجد میں کثرت سے روشن ہیں تو حضرت عمرؓ کو دعا دی اس دعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد ثانی ص۳۳۵ میں یہ ہیں:

نورت مساجد نا نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب یعنی روشن کیا تو نے ہماری مسجدوں کو اللہ روشن کرے تیری قبر کو اے بیٹے خطاب کے۔ دیکھئے یہاں حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ خطاب فرماتے ہیں بعد وفات عمرؓ اور یہاں حضرت عمرؓ کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا جو فائدہ نداء کا ہوتا ہے مقصود نہیں، غرض ان کی دعا دینی ہے یعنی اللہ روشن کرے عمرؓ کی قبر کو، چنانچہ بعض راویوں نے جو روایت بالمعنی کرتے ہیں معنی مقصود کو قالب دعا میں ڈھال کر روایت کر دیا ہے نور اللہ قبر عمر کما نور مساجد نا اب ایک مسئلہ فقہ کا بھی لکھتا ہوں۔ درمختار اور قہستانی وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جس وقت اذان میں مؤذن کہے "الصلوٰۃ خیر من النوم" یعنی نماز پڑھنا اچھا ہے سونے سے اس وقت چاہئے سامعین جواب اس کا اس طرح دیں: "صدقت و بررت" یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا، لکھا فقیہ شامی نے کہ یہ جواب دینا حدیث میں آیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ میں ہرگز مقید اس بات کے ساتھ نہیں کہ مؤذن کے پاس آکر جواب دیں دور سے نہ پڑھیں، لیکن اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو مؤذن اذان کہتا ہے اور آدمی اکثر اس وقت اپنی اپنی منازل اور مکانات میں ہوتے ہیں نہ انکو مؤذن وہاں نظر آتا ہے، غائب ہے نظر سے، اور نہ مؤذن خود ان کے جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے۔ با ایں ہمہ اس حالت غیبوبت میں جہاں مؤذن نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم سب مسئلہ داں آدمی جواب دیتے ہیں "صدقت و بررت" یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا، یہ غائب کو خطاب حاضر کا ہوتا ہے پس چاہئے ان فقہاء آخر الزماں کے نزدیک یہ سب جواب دینے والے کافر ہوں حالانکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے خطاب کیا، لیکن مراد ان کی یہ ہے کہ مؤذن نے سچ بات کہی پس اسی طرح جو شخص کہتا ہے ؎ ماسوائے تو یا رسول اللہ ؛ از برائے تو یا رسول اللہ۔ اگرچہ خطاب کیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے واسطے یعنی ان کے سبب پیدا کیا ہے، اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے کہ یا رسول اللہ اس کی بہ نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ شرح ملا اور غایۃ التحقیق وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا بمعنی ادعوا

ہے اور ادعوا کے معنی ہیں ہندی میں کہ میں پکارتا ہوں پس جس نے کہا یا رسول اللہ اس کے معنی قاعدۂ عربی سے یہ ہوئے کہ پکارتا ہوں رسول اللہ کو، یعنی ان کو یاد کرتا ہوں، ان کا نام لیتا ہوں کہو اس میں کیا شرک، کیا کفر ہوگیا؟ اللہ پناہ دے کج فہمی معاندین سے۔

الحاصل ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کرچکے اور نیز ثبوت کامل دے چکے عہد رسالت سے اس وقت تک آنحضرت کو بالفاظ خطاب و بصیغۂ حاضر یاد کرنا نماز میں اور خارج نماز دعا اور غیر دعا میں نظم و نثر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء و علماء و صلحاء مقبولین سے۔ اب دیکھنا چاہئیے کہ یہ سب مقبولین باوجود غیبوبت کے خطاب کرنیوالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ معاذ اللہ منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود وہی کافر ہیں جو انکو کافر قرار دیں، ہمارے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من دعاء جلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الا حار علیہ متفق علیہ یعنی صحیح مسلم اور بخاری میں ہے جو شخص کسی کو کافر یا دشمن کہیگا حالانکہ وہ ایسا نہیں تو وہ کفر اور لعنت اسی کہنے والے پر الٹ آتی ہے۔ انتہی۔

اب چاہئیے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منادیں ایسا نہ ہو پرائی بدشگونی میں اپنی ناک کٹے۔

قولہ ابن ماجہ قزوینی الخ۔ **اقول** اس قصہ میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپؐ کے حکم سے یہ عمل ہوا تھا، آپؐ کی خدمت میں ہی حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہہ کی نہیں اور بعد آپؐ کے جو معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپؐکی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچاتے ہیں، علم استقلالی نہ اس میں ہے اور نہ اس عقیدہ سے پڑھنا اس کا درست تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہوجاویگا اور نہ اس میں کچھ عوام کا خدشہ کیونکہ چیخ کر اس کو پڑھتے ہی نہیں، پس اعتراض بحال خود اور یہ صلوٰۃ مؤلف کو غیر مفید ہے، علیٰ ہذا اشعار حضرت صفیہؓ کے اور حسانؓ کے اور دیگر صحابہؓ کے۔ اور معاملہ پاؤں سونے کا ابن عمرؓ کا اور قصہ فتوح الشام کا اور دیگر تمام قصص اور خطابات قصیدہ بردہ کے اور سعدی کے اور مولانا احمد تھانیسری کے اور مولانا نظامی اور مولانا جامی اور شیخ عبد الحق دہلوی اور شاہ ابو المعالی کے ہیں کہ سب میں ندائے شوقیہ ہے ہرگز عقیدۂ حضور کسی کا نہیں ہے پس مؤلف کے ان نقول سے

نہ معلوم کونسا فائدہ اس کا ہوا اور معترض کا اعتراض کس طرح رفع ہوا، علیٰ ہذا نقل شغل ضیاء القلوب جس میں نداء وخطاب بصیغہ صلوٰۃ وسلام میں ہے اور قصیدہ کے اشعار شوقیہ میں ہیں، بعد اس کے جس قدر نقول یا کچھ مؤلف نے چند اوراق لکھے کوئی اصل اعتراض کو نہیں اٹھاتا، اعتراض بحالِ خود ہے اور مؤلف لکھ لکھ کر مطمئن ہوتا ہے۔ ہم کو لفظ لفظ کے جواب کی تحریر مناسب نہ ہوئی اور چند خطاء جو اس تقریر میں مؤلف نے کی چونکہ تطویل[1] بے سود ہے اور ہمارے مقصود کے کچھ خلاف نہیں اور مؤلف کا علم سب ظاہر ہی ہوچکا ہے ان چند خطاء پر موقوف نہیں اور جو کچھ زبان درازی نسبت مانعینِ بدعت کے۔ ہے اس کا بھی جواب لکھنا ضروری نہیں، لھٰذا ختم کرتا ہوں، ناظرین کو حال سخن فہمی مؤلف کا معلوم ہولیا اور سلیقہ جواب نویسی روشن ہوگیا مؤلف اپنے منہ میاں مٹھو ہیں اور بس، اور شرح سوال میں بھی بحث اس کی گذر چکی ہے۔

لمعۂ سابعہ اعتراضاتِ متفرقہ۔ کہتے ہیں کہ جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتے ہیں، کتاب مولد شریف کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کردیا۔ جواب تحقیقی اس کا یہ ہے کہ درجۂ قرآن نہایت عظیم ہے قرآن کو ہاتھ لگانا بے وضو جائز نہیں، اور کتاب مولد شریف کو اگر کوئی بغیر وضو ہاتھ میں لے لے تو اس کو گنہگار نہیں کہا جاویگا، یہ دلیل صریح ہے کہ ہم کلام اللہ کو بڑا سمجھتے ہیں اور منبر چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا ایک سبب سے ہے تاکہ قاریٔ مولد سب اہلِ مجمع کو نظر آوے اور سب اس کو نظر آویں اور اوپر بیٹھنے سے آواز اپنی حالت پر بلندی سے ہر طرف پہنچتی ہے نیچے بیٹھنے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے اور تلاوتِ قرآن میں یہ باتیں مقصود نہیں، ہاں اگر کوئی موقع ایسا ہو کہ قرآن اعلان سے لوگوں کو سنایا جاوے تب اس کے لئے بھی منبر مناسب ہوگا۔ اور جواب الزامی یہ ہے کہ یہ اعتراض مجلسِ وعظ پر کیوں نہیں جاری کرتے ہیں۔ مولوی عبد الرب صاحب وغیرہ کے وعظ میں جاکر دیکھ لو ان کے وعظ میں قرآن شریف کی آیتیں کس قدر پڑھی گئیں اور قصے حکایتیں کس قدر اور طعنِ مقابلین پر کس قدر اور پھبتی اور ضلع بازی کس قدر اور شعر کس قدر۔ پھر ان صاحبوں کا حال یہ ہے کہ اس قسم کا وعظ تو

[1] غیر مفید تفصیل۔

سب سے اوپر بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے ہیں جو جواب اس کا ہے وہی ہمارا ۔

منبر کے بارے میں مانعین کے اعتراض کا نہ سمجھنا

قولہ لمعۂ سابعہ اعتراضات متفرقہ کہتے ہیں جب مولد شریف پڑھتے ہیں الخ۔ **اقول** چوکی منبر فی اصلہ غرض صحیح کے واسطے جائز ہے، معترض یہ کہتا ہے کہ یہ مجلس مولود میں اگرچہ قلیل آدمی ہوں کہ حاجت بلند مکان پر ہونے قاری مولود کی نہ ہو جب بھی اہتمام سے چوکی منبر کی تدبیر ہوتی ہے اور اسی واسطے مثل لوازم ضروریہ مجلس کے ہو گیا ہے، اور اگر قرآن کسی حافظ قاری سے سنیں تو باوجود کثرت کے بھی اس کا انتظام نہیں ہوتا جیسا اور انتظام کا حال ہے کہ اس مجلس کیواسطے سب طرح کا اہتمام لباس، فرش تعطر[1] سب کچھ قصداً ضروری ہوتا ہے خلاف قرآن کے، پس اس وجہ سے معترض کہتا ہے کہ بوجہ اس اہتمام کے اس مجلس میں اور عدم اہتمام کے قرآن میں ایہام تفضل مولود کا قرآن پر ہوتا ہے بلکہ عوام کا اعتقاد ہی یہ ہو گیا ہے اور یہ مکروہ اور بدعت ہے، پس مؤلف کا جواب دیکھو کہ کیا خوب کہتا ہے کہ آواز پہنچانے کیواسطے اور دیکھنے دکھانے کیواسطے اوپر بیٹھتے ہیں۔ سبحان اللہ معترض تو تصریح کرتا ہے کہ اگر ایسی حالت ہو کہ بدون چوکی کے بھی آواز پہونچے اور ترائی[2] متحقق ہو جب بھی اہتمام اس کا ضرور ہوتا ہے، اور دوسرے عوام کا ضروری جاننا اور ایسے اہتمامات سے مولود کا افضل قرآن سے اعتقاد کرنا موجود ہے مگر مؤلف کچھ نہیں سمجھتا اور کہدیا کہ رفع صوت اور ترائی کیواسطے ہے۔ اور کراہت التزام و فساد عقیدۂ عوام کا نہ جواب نہ فہم اور خود جو سمجھے اس کے بھی آئین غائین محض اعتراض کا اقرار اور مس بلا وضو کرنے سے اپنا عقیدہ افضلیت قرآن کا لکھدیا حالانکہ معترض اس معاملہ کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے پس دیکھو کہ جواب کو سوال سے کچھ علاقہ نہیں عجب جواب ہے سو یہ تو تحقیق جواب تھا ماشاء اللہ الزامی تو یہ کیا کہنا، اگر وعظ میں ایسا ہی حال ہو جاوے تو معترض اس کو کب جائز کہتا ہے اس کے نزدیک یہ وعظ موصوف اور ایسی حالت کی چوکی منبر بھی مکروہ اور بدعت ہے یہ الزام جب ہو کہ معترض اسکی تصویب[3] کرتا ہو۔

---

[1] عطر و خوشبو [2] آواز کی بلندی [3] درست قرار دینا ۔

اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش بچھاویں نہ خوشبو لگادیں، نہ کچھ سامان کریں مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے۔ **جواب** عیدین کی نماز کیلئے جو فرض نہیں ہے نہانا، کپڑے عمدہ بدلنا خوشبو لگانا طرح طرح کے تکلفات ہوتے ہیں۔ پانچوں وقت کی نماز جو فرض قطعی ہے اس کے لئے کچھ بھی نہیں سوائے وضو اور استنجا کے، وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ برس دن میں دو بار یہ ایک ایک دن میں پانچ بار، عید کی طرح سے سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھا دیا ماجعل اللہ فی دینکم من حرج پس یہی سمجھ لو قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے، مولد شریف ایک آدمی برس دن میں ایک دوبار یعنی کبھی کبھی کرتا ہے اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہوسکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہوسکتی۔

خوشبو و دیگر سامان مولد پر مانعین کا اعتراض

قولہ اعتراض، جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش الخ

اقول تقریر سوال تو پہلے اعتراض میں ہو چکی کہ غرض سائل کی وجہ اہتمام سے ایہام تفضیل بلکہ خود تفضیل عوام کے نزدیک مولود کی قرآن پر ہے مگر مؤلف کا جواب عجب قابل غور کے ہے، سنو کہ عیدین میں بحکم شارع علیہ السلام کے احسن[1] لباس اور غسل اور تطییب وغیرہ بوجہ عید السلام ہونے کے مستحب ہے کہ یہ لوازم سرور[2] سے ہے اور طبع بھی ایسی حالت میں مائل لباس و ہیئت کے ہوتی ہے اور صلوٰۃ خمسہ میں عید نہیں لہٰذا وہاں حکم استحباب احسن لباس کا نہ ہوا پس دونوں میں فرق ظاہر ہے اور یہ امر کہ عیدین بعد سال کے ہیں اور صلوات پانچ بار اس میں حرج ہے یہ بھی درست ہے مگر قرآن اور مولود دونوں ذکر ایک حال میں ہے بایں وجہ کہ ذکر میں نظافت[3] و تطییب مستحب ہے اور جملہ صلوات اور اذکار اس میں مشترک ہیں۔ اور لباس احسن نہ مولود میں مستحب ماموراور نہ قرآن وغیرہ میں اور جو ہے تو سب جگہ برابر، پس مثل عید کے مولود میں سامان ہو اور قرآن اور صلوات و اذکار میں نہ ہو۔

عیدین کے احکام پر مولود کو قیاس نہیں کر سکتے

یہ وجہ اعتراض کی تھی نہ تو مولود میں عید ہے اور نہ خصوصاً حکم شارع کا ہے پس وجہ تخصیص کی مکروہ ہوئی اور یہی وجہ عوام کے فساد عقیدہ کی ہوگئی، اور یہ فرق مؤلف کا کہ مولود سال میں

---

۱ عمدہ لباس ۲ خوشی کے لوازم ۳ پاکی۔

ایک دو دفعہ ہوتا ہے، اول تو قرآن کا مجمع بھی کبھی سال میں ہی ہوتا ہے نہ کہ ہر روز جسکی وجہ سے عوام کو شبہ ہو اور معترض کی غرض ایسے مجمع کی قرآن کی ہی ہے، دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص سال میں دو بار مولود کراتا ہے تو مجموع جماعت مولودیوں کی تو دو دفعہ اگر کریں تو ہر روز ہی ہو جاتا ہے آج کسی کے، کل کسی کے علیٰ ہٰذا سال کے سال ہر روز ہوتا رہتا ہے پس اس مجمع کے واسطے تو ہر روز بھی لباس و ہیئت میں حرج نہ ہو اور قرآن کیواسطے سال بھر میں ایکبار بھی حرج ہے۔ غرض یہ عذر محض غلط ہے اور بہرحال تسطہر تطییب[1] سب جگہ برابر اور قرآن میں احق ہے سو اسمیں نہ ہو اور مولود میں لازم ہو گیا اور مجمع کا قرآن تو گاہ گاہ اور مولود بمجموع ناس کا اکثر بھر قرآن میں نہ ہو اور مولود میں ہو، یہ اعتراض تھا، مؤلف نے ایک سفسطہ جواب دیا کہ عیدین اور صلوٰۃ خمسہ[2] پر قیاس کیا حالانکہ وہاں فارق موجود ہے بخلاف یہاں کے، پس اس علم و فہم کو دیکھنا چاہئے، اور جو علت جمع کی قائم کی ہے وہ بھی بیجا اور دھوکا ہے کیونکہ مولود ایک شخص کا مراد لیا اور قرآن ہر روز پڑھنا ٹھیرالیا حالانکہ معترض کی مراد مجموعۂ ناس کی مجالس کی ہے کہ ہر روز دوسرے روز واقع ہوتی رہتی ہے اور مجمع کا قرآن جو کبھی ہو جاتا ہے، پس غور کرنا چاہئے کہ کیسا عجیب جواب مؤلف دیتا ہے۔

الغرض ان توجیہات[3] رکیکہ[4] نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ عموماً عوام کے قلب میں قرآن شریف کی عظمت نہ رہی اور مولود کو قرآن اور صلوٰۃ سے بھی افضل جان گئے، اور کیا تصور عوام کا ہے۔ جب نام کے مولوی ایسا اہتمام کریں کہ جو کچھ مولود کیواسطے ہر روز سہل ہے قرآن شریف اور صلوٰۃ کے واسطے برس دن میں بھی آسان نہ ہو اسی واسطے شارع نے سب کچھ انتظام فرمائے تھے اب نام کے مولویوں نے اس کو توڑا اور مشاقہ امر شارع کی اور خلق کو خوار کیا۔

اعتراض حضرت کا نام سنکر کھڑے ہو جاویں اور اللہ تعالیٰ کے نام پر کھڑے نہیں ہوتے حضرت کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دیدی۔ **جواب** یہ کمال کم سمجھی ہے اول تو یہ کہ حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے ہیں اس میں مناسب یہ ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہیں کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے اور آنے والے کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا مستحب ہے پس چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو کچھ بادشاہ یا امیر کی عین قدوم میں تعظیم دیجاتی ہے وہ آپ کے ذکر و قدوم

---

[1] خوشبو لگانا [2] پنج وقتہ نمازیں [3] کسی لفظ میں معنی ظاہری کے علاوہ کسی معنی پر محمول کرنا [4] کمزور

وجودی میں دیجاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی نسبت تو ایسے قدوم کا ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی شان مقدس یہ ہے کہ لم یلد ولم یولد۔ پھر قیاس مع الفارق کا اعتراض کیسی نادانی ہے اور خداوند کریم کی شان ہمارے سب کے نزدیک رسول اللہ سے بڑی ہے وہ خود ہمارے افعال سے دیکھ لو کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہر روز نماز فرض و واجب و نوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں ہر روز، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے صرف اس قدر کہ ذکر ولادت شریف پر تعظیماً لظہور التعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب خیال کرو کہ تعظیم رسولِ خدا کی زیادہ کہاں ہوئی؟

ترک قیام کے دلائل پر مؤلف کی زبان درازی

قولہ اعتراض، حضرت کا نام سنکر کھڑے ہوجاویں الخ

اقول معترض مخالفت یہ کہتا ہے کہ قیام تعظیم ذکر اللہ میں بھی مستحب ہے جیسا کہ ذکر فخر عالم میں۔ پس خصوصاً ذکر ولادت فخر عالم میں تو کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تعظیم اور ذکر اللہ کی احق ہے یہاں قیام کبھی نہ ہو اور ذکر ولادت فخر عالم دائماً ہو اس میں ترجیح ہے تعظیم فخر عالم کو حق تعالیٰ کی تعظیم پر۔ اس کا جواب مؤلف نے دیا مگر کمالِ علم و فہم ظاہر کیا، اول کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم میں ہر جگہ تو ہم کھڑے نہیں ہوتے فقط ذکرِ ولادت پر کھڑے ہوتے ہیں پس اس قول مؤلف کو دیکھو کہ یہ تخصیص تو خود بدعت ہے اور یہ اعتراض تخصیص کا بھی یہاں ہے اس واسطے کہ مؤلف استحباب قیام کو مطلق ذکر اللہ میں قبول کر چکا ہے اور مناقب و مفاخر فخر عالم میں بھی ذکر کر چکا ہے، پھر منشاء اعتراض تو یہی ہے کہ تخصیص بعض ذکر کی کیوں اپنی رائے سے کی گئی چنانچہ چند دفعہ لکھا گیا پس تعظیم اللہ میں قیام کا ایسا ترک کہ کہیں بھی اور کبھی نہ کیا جاوے اور ذکر ولادت میں خاصۃً التزام کہ گاہے ترک نہ ہو اور بقولِ مؤلف تکمیل تعظیم کے واسطے ضروری ہو اور حق تعالیٰ کی تکمیل تعظیم کی حاجت نہ ہو یہ تقصیر شانِ تعظیم حق تعالیٰ کی ظاہر ہے، بہرحال اس تخصیص سے اور اس تاکید سے یہ قیام بدعتِ ضلالہ ہو گیا چنانچہ نظائر[1] تقید مطلق کی پہلے چند بار لکھی گئیں تو یہ فقرہ جواب مؤلف کا کس قدر بے معنی ہوا اور خلاف عقل و شرع کے ٹھیرا۔ گویا اعتراض کو ہی جواب میں ذکر کر آیا، پھر مؤلف وجہ تخصیص کی لکھتا ہے کہ مناسبت یہ ہے کہ اس میں معنی قدوم کے ہیں پس اس مناسبت کو دیکھو کیسی چرتو[2] زبیانی ہے، اول

[1] نظیر کی جمع، مثال [2] کمزور، غلط۔

تو ولادت قدوم نہیں بلکہ بمعنی قدوم ہے پس اصل قدوم کے ذکر میں تو قیام ہرگز کبھی نہیں ہوتا حالانکہ
تعظیم قدوم میں قیام کو خود مستحب لکھتا ہے اور جو اس کے معنی میں ہے اس کے ذکر میں ایسا التزام
قیام کا ہوا کہ مثل واجب کے ہوگیا، دوسرے یہ کہ تعظیم قیام کی قدوم محکی[۱] کے واسطے ہوتی ہے اور
حکایت کو حکم محکی کا کہیں شرع میں نہیں دیا گیا یہ قاعدہ شرع میں جدید مؤلف نے خلاف امر شارع
کے وضع کیا ہے از رو ہی تعیین مطلق اور تعدی[۲] حکم اللہ پھر بھی رہی اور جو حکایت کو ذکر محکی کا کہتا
ہے تو ذکر ذکر سب یکساں ہیں سب میں استحباب قیام کا ہے اور ذکر اللہ احق ہے، وہی ترجیح[۳]
اور تخصیص پھر لازم آئی، پھر مؤلف کہتا ہے کہ حق تعالیٰ قدوم وجودی سے پاک لم یلد[۴] ولم یولد ہے
سو وہاں یہ تعظیم کیونکر ہو سکے، پس اس فقرہ کو مؤلف کے دیکھو کہ تعظیم قیام کو خصر کرتا ہے ولادت
کے قدوم میں تو گویا جو ولادت سے قدوم میں آئے اس وقت اس کے واسطے تو قیام ہو یا اس
کی حکایت میں ہو ورنہ نہیں، اول تو یہ خود اپنی تحریر کے خلاف کہتا ہے کہ مطلق ذکر اللہ اور ذکر فخر عالم
میں تعظیم قیام مستحب لکھ آیا ہے، دوسرے پھر وہی تعیین بالرائے اور تقیید مطلق ہوئی اور زیادت
تعظیم فخر عالم کی حق تعالیٰ پر لازم آئی کیونکہ یہ فرد تعظیم فخر عالم میں تو ایک فرد خاص پر پائی جاتی
ہے لزوماً اور حق تعالیٰ کے واسطے کہیں بھی کبھی نہیں ہوتی وہی محذور پھر لازم آیا اور پھر اپنی تعظیم
کو جتلاتا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں سو یہ بھی کم فہمی ہے۔ معترض کب کہتا ہے کہ فخر عالم
کو من کل الوجوہ اعلیٰ حق تعالیٰ سے بنا دیا ہے وہ تو اس تعظیم کی وجہ سے کہہ رہا ہے کہ اس تعظیم
خاص میں فوقیت دیتے ہیں، غرض مؤلف صاحب کے فہم کے قربان ان کے اتباع کے کوئی بھی بات
سیدھی نہیں بولتے۔ اصل اعتراض کا جواب کچھ نہیں اس کا اعتراف اور دوسرا اعتراض ذمہ پر
رکھ لیا اور پہلے لکھے کا خیال نہیں اور اس کے مخالف قاعدہ گھڑ لیا۔

اعتراض مطبع ہاشمی میں جو چند فتوے ممانعت مولود شریف کے چوبیس صفحہ پر چھپے
ہیں اس کے صفحہ ۱۳ میں ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے "یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام
کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت
ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیئے اب ہر روز کونسی ولادت

۱ جس کی حکایت بیان کی جائے ۲ حکم الٰہی سے تجاوز کرنا ۳ راجح قرار دینا ۴ نہ جنتا ہے نہ جنا گیا۔

مکرر ہوتی ہے الیٰ ان قال اس امر کی شرح میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرض ٹھیرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں حرام ہے لہٰذا اس وجہ سے قیام حرام ہوا، ہٰذا کلامہٗ

قولہ اعتراض، مطبع ہاشمی میں الخ۔ | جواز قیام کی کوئی وجہ مولود میں نہیں پائی جاتی

اقول اس فتویٰ کی نقل اول نورِ چہارم میں کی گئی ہے، سائل نے اس قیامِ مخصوص کو پوچھا تھا، مجیب نے اس کے جواب میں سب شقوقِ قیام کو لکھ کر ایک ایک شق کا حکم شرعی لکھ دیا مگر یہ کہ مطلق ذکر فخر عالم میں قیام مندوب ہے بلا قید تخصیص، یہ نہیں لکھا کہ سوالِ سائل میں استفسار نہ تھا پس اس ایک شق کا یہ جواب لکھا ہے کہ اگر قدوم روح مبارک کی وجہ سے یہ قیام ہے کہ وہ ظہور بمعنی قدوم کے ہے اور قدوم پر تعظیم مندوب ہے تو یہاں اس وقت قدوم نہیں بلکہ ذکر قدوم معنوی کا ہے کیونکہ ولادت مکرر نہیں ہوتی ایک دفعہ ہو چکی اور اب اگر ذہن میں ولادت فرض کر کے قیام کرتے ہیں تو اس کی کوئی نظیر شرع میں نہیں کہ فرضی امر کے ساتھ معاملہ اصلی شئی کا کیا جاوے تو مؤلف کہتا ہے کہ۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الحمد للہ آپ کی زبان سے اتنا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت شریفہ کے ہونا چاہئے، خیر اس قدر آپ کا تسلیم کر لینا بھی بس ہے۔

ع عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔

قولہ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الخ۔ **اقول** مؤلف کو فہم مطالب سے تو بون بعید ہی ہے، کہتا ہے کہ الحمد للہ آپ کے منہ سے یہ بات تو نکلی، یہ فقرہ مؤلف کا محض نادانی ہے کیونکہ یہ اس وقت لائق تھا کہ اول یہ ثابت کر دیتا کہ قیام تعظیم قادم کو مجیب منع کرتے ہیں اور ہرگاہ کہ یہ امر ثابت نہیں تو پھر یہ کلمہ تعجب کا مؤلف کے فہمِ متعجب کا ثمرہ ہے، مؤلف مقر ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا بوجہ قید کے ہوتا ہے پس یہ قول مجیب کا، الحاصل قیام وقت ذکر ولادت کے الخ خود دلالت کرتا ہے کہ یہ قیام مخصوص بوجہ خصوصیت کے موردِ تقسیم احکام کا ہے قیامِ مطلق اس سے خارج ہے

---

[a] دریافت [1] تشریف آوری [2] اختلاف [3] آنے والا

پس اپنے مسلم قاعدہ کے خلاف کہنا کس قدر تعجب اور دیانت سے دور ہے، مع ہذا صریح اس فتوی میں مذکور ہے کہ یہ بات کہ خود جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کوئی کھڑا ہوا خارج بحث ہے الخ مگر مؤلف کے چشم حق بین کہاں ہے کہ دیکھے، پس ہر گاہ کہ مجیب کا یہ مذہب ہے کہ جس مقام میں قیام تعظیم شرعاً ثابت ہے وہاں مندوب ہے اور جہاں کوئی وجہ منع کی ہے ممنوع، اور قادم کے واسطے بشرط عدم مانع کے، اور ذکر اللہ تعالیٰ اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے مندوب مگر تخصیص مطلق کی بدون نص کے بدعت ہے تو پھر گنجائش اعتراض کی مؤلف کو کہاں ہے بلکہ یہ محض عناد[1] ہے۔

> بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا کہ ہر روز کونسی ولادت مکرر ہوتی ہے، نعوذ باللہ منہا یہ بڑی بیباکی ہے اور اس کے بعد جو خرافات فرضی اور کنہیا کا سانگ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں وہ تو نہایت درجہ کی بے ادبی اور گستاخی ہے یہ خیال نہ کیا کہ یہ کس عالی جناب کا ذکر ہے، آدمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہوشیار ہو کر الفاظ سوچ کر منھ سے نکالے، ع شدار کہ رہ بروم تیغ است قدم را لیکن خیر جب آپ زبان پر لائے

قولہ بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا الخ **اقول** مؤلف کو فہم مطلب سے تو کہیں کام نہیں ہوتا بے سوچے جو چاہا کہدیا نہ شرم نہ اندیشۂ آخرت، بھلا مؤلف جو ایسا سر[2] بھلا کر تعجب کرتا ہے اور گستاخی کا بہتان لگاتا ہے وہ کونسی گستاخی ہے، مجیب نے یہ کہا کہ یہ قیام مخصوص اگر چہ بوجہ تشریف آوری روح پاک عالم غیب سے عالم شہادت میں ہے تو یہ قیام وقت ولادت شریفہ کے ہوتا، اب جو اہل بدعت کرتے ہیں تو کیا اس وقت ولادت مکررہ ہوتی ہے، پس یہ فقرہ استفہام انکاری کا ہے کہ ولادت مکررہ نہیں اس میں کونسی گستاخی ہے یہ امر صحیح اور درست ہے پھر مجیب نے کہا پس یہ ہر روز اعادۂ ولادت الخ یعنی ہر گاہ کہ تعظیم تو ولادت کی ہے اور یہاں ولادت کہیں موجود نہیں تو اہل بدعت گستاخ اعادۂ ولادت فرضاً کرتے ہیں، یہ معنی کہ معدوم ماضی کو موجود فرض کرلیا اور فرضی موجود کو حقیقی تصور کرلیا جیسا ہنود کرتے ہیں پس ایسا کام کرنا سخت گستاخی اور زبون حرکت ہے معاذ اللہ، تو

---

[1] سرکشی [2] بری۔

شانِ فخرِ عالم میں کس نے گستاخی کی ، مجیب نے ہرگز نہیں کی وہ اس فرضی ولادت کو گستاخی کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں تو گستاخی کرنے والے مولودی ہیں نہ کہ مجیب ، اور جو اس ذکر پر قیام کو تشبیہ دینا گستاخی ہے بزعم مؤلف کے تو بھی بیجا ہے کیونکہ اس وجہ مخصوصہ پر تو قیام مشابہ فعلِ ہنود کے ہی ہے کہ وقت ولادت کنھیا کے ہنود بھی ولادت فرضی کر کے ایسی تعظیم کرتے ہیں گویا اب پیدا ہوا ہے سو یہ قیام خود ممنوع ہے تو اس فعل منع کو تشبیہ دینا کسطرح گستاخی ہوئی مؤلف کو فہم نہیں معذور ہے ۔

تو جواب اس کا دینا ضروری ہوا ، اے حضرت جس چیز کا ذکر آدمی بیدار دلی سے کرتا ہے اس کا تصور بالضرور ہوتا ہے ، اس وقت وہ نظیریں لکھتا ہوں ، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہؓ نے بعد مدت اس حال کو ایک موقع میں روایت کیا تو فرماتی ہیں " کانی انظر الیٰ وبیض الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " یعنی گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۔ نہ یہ حدیث صحیحین میں ہے اور ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے " کانی انظر الیٰ بریق ساقیہ " یعنی گویا میں دیکھ رہا ہوں چمک پنڈلیوں نورانی کی یہ حدیث جامع ترمذی کی باب الاذان میں ہے ، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جنکو محبت ہوتی ہے انکو وقت ذکر محبوب کے وہی شان جمال محبوبی پیش نظر ہوتی ہے ، پس قول آپ کا کہ اب کونسی ہر روز ولادت ہوتی ہے ۔ اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ضرور ہوتا ہے اور اس وقت جو ظہور انوار و برکات وعجائب حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے اور وہ نقشہ جاہ وجلال اور حسن وجمال کا تو ہر بار گفتگوئے تازہ سے دل میں تازہ ہوتا ہے ۔ اور آپ فرما چکے کہ قیام کرنا وقت وقوع ولادت کے ہونا چاہئے تو جب تذکرہ کرنے سے پھر وہی تعظیم محبان رسول کے قلب میں طاری وساری ہوگئی اور قیام کر دیا ، فرمائیے کونسی دلیل شرعی اس کے منع پر قائم ہے ۔

قولہٗ تو جواب اس کا دینا ضروری ہوا الخ۔ **اقول** مؤلف نے دو روایتیں نقل کیں دونوں میں تصور حلیہ فخر عالم کا ہے اور کانی کا لفظ مذکور ہے پس مؤلف ہوش کر کے سُن لے

کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گذشتہ امر کو ہدایت کرتا ہے تو وہ محکی عنہ ذہن میں پیش نظر ذہن کے ہوجاتا ہے، تو صحابہ جب حالات فخر عالم کے بیان کرتے تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ حلیہ ہوتا خواہ اور کوئی قصہ ہوتا اور اس کی یاد پر سرور یا رقت یا کوئی حال مناسب آتا تھا اور یہ اب بھی سب انسان میں بدیہی ہے اور احادیث میں بکثرت موجود ہے پس یہ امر تو دونوں روایت سے معلوم اور مسلم ہے مگر یہ تو دیکھو کہ اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی کا ہوا ہو یہ ان دونوں روایتوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا اگر کسی روایت میں یہ معاملہ ثابت ہوا ہو تو مؤلف اور اس کے مقتدا یاں نشان دیویں کہ ولادت کے ذکر میں یا گھر سے باہر تشریف لانے کے ذکر میں یا غزوات سے آنے کے ذکر میں کسی نے وقت اس ذکر کے قیام کیا ہو، یا مصافحہ کیا ہو، یا سلام علیک یا کچھ اور معاملہ محکی کا ذکر وحکایت سے کہیں ہوا ہو پس ان دونوں روایتوں میں فقط یہ مذکور ہونا گویا میری نظر میں ہے مؤلف کے مدعیٰ کو کیا مفید ہوا، اثبات تو اس بات کا کہ حکایت سے معاملہ محکی کا ہو مؤلف پر واجب ہے اور مجیب نے یہ انکار نہیں کیا کہ وقت حکایت کے محکی ذہن حاکی میں نہیں آتا تاکہ مؤلف ان دونوں روایت سے اس کا اثبات کرے بلکہ اس تصور کیساتھ معاملہ تعظیم محکی کا نہیں ہوتا یہ لکھتے ہیں سو یہ ان دونوں روایت سے ہرگز ثابت نہیں ہوا ذرا مؤلف ہوش کرے دو روایت مؤلف نے اپنی عادت کے موافق دھوکا دہی کو نقل کرکے اپنی عقل کے تیر چلانے لگا کہ بے شک محبوب کی شان پیش نظر ہوتی ہے مگر اس شان پیش نظر کے ساتھ شرع سے یہ ثابت کرنا واجب ہے کہ محبوب کا سا معاملہ اس کے ساتھ شرع میں ثابت ہو یا عقل میں درست ہو، اگر عاشق فریفتہ اور مجنون ہوجاوے وہ قاعدۂ شرع وعقل سے خارج ہے اس کا ذکر ہی نہیں پس مؤلف کا قول کہ اگر ولادت مکرر نہیں ذکر ولادت تو مکرر ہے کس قدر بے معنی ولغو ہے کیونکہ ذکر ولادت کے مکرر ہونے سے قیام کا ثبوت کس طرح ہوجاویگا، نہ مؤلف کی دو نظیر سے ثابت نہ کسی حدیث سے نہ عقل کا تقاضا کہ حکایت کو قائم مقام محکی کا کرکے محکی کا معاملہ کرے، اس ہی حکایت نے راہ بت پرستاں کا مارا ہے اور یہ صورت حاصلہ فی الذہن علم کو کہتے ہیں علم شئی کا خود شئی معلوم ہو کر معظم ومکرم خارجی اعضاء سے مثل معلوم خارجی کے ہونے لگے یہ درجہ تو مشرکوں سے بھی بڑھ گیا انہوں نے تو خارج میں ایک تصویر قائم مقام بھی کر دی تھی یہاں وہ بھی نہیں معاذ اللہ عن ہذا الفہم الردی۔ الحاصل

۱؎ مصنوع حکایت ۲؎ خوف و نرمی کی حالت ۳؎ جن کی پیروی کیجاوے ۴؎ وہ صورت جو ذہن میں حاصل ہو ۵؎ اس خراب عقل وسمجھ سے خدا کی پناہ۔

ذکر مبارک آپ کا لاریب موجب کمال سرور مومن کا ہے مگر اس ذکر کے وقت صورت حاصلہ فی الذہن سے معاملہ خود ذات مبارک کا معلوم ہونے لگے یہ ہرگز جائز نہیں ہاں کوئی عشق و وجد[1] میں کھڑا ہو جاوے یا لوٹ جاوے یا بے اختیاری میں کچھ کرے وہ اس بحث سے خارج ہے جیسا علامہ شبلی کا قصہ ہے اور کچھ امر ولادت پر ہی منحصر نہیں سب آپ کے حالات میں ہی ہم نے اہل وجد میں اسکو ملاحظہ کیا ہے اے مؤلف ذرا غور کرے کہ ان دو حدیث سے اور دلیل عقلی سے مدعا اس کا ہرگز نہیں نکلتا، اس قیام کا ثبوت شرع سے کہیں نہیں ہو دیگا، اگر ساری عمر سر ماریگا اس کا جواب کوئی نہیں ہوگا کہ صورتِ حاصلہ فی الذہن کے ساتھ معاملہ معلوم خارجی کا ہووے، ہوش کرے اور اس قیام کی کراہت پر دلیل شرعی تو خود بارہا دیگئی مگر مؤلف کے ذہن پر غشاوہ[2] ہے تعیین مطلق خود دلیل کراہت کی ہے اور تشابہ کفار دلیل کراہت کی ہے اور خلاف سلف کے ہونا دلیل کراہت کی اور کیا چاہتا ہے۔

اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا کہ اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے۔ اے حضرت ذکر ولادت شریف تو کوئی امر فرضی نہیں یہ تذکرہ تو امر حسّی موجود فی الخارج ہے، زبانوں پر اس کے الفاظ جاری، کانوں میں اس کی صورت طاری، دلوں میں اس کا ذوق ساری، پس اس وقت میں اگر اصل حقیقت کی طرح تعظیم دیجاوے اس کی نظیریں تو انشاء اللہ تعالیٰ شرع شریف میں مل جاویں گی۔

قولہ اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا اس امر کی الخ۔ **اقول** لاحول ولا قوۃ الا باللہ، مؤلف کس قدر کند ذہن آدمی ہے ہرگز نہیں سمجھتا، ارے مرد آدمی ولادت خارجی تو واقعی محکی[3] ہے اور ولادت کا تصور جو وقت ذکر ولادت کے ہوا وہ اس کی صورت ذہنی اور حکایت ذہنی ہے اور جو تذکرہ لسانی ہے وہ حکایت زبانی ہے پس ولادت حقیقی تو وہ ہے جو گذر چکی اور ولادت فرضیہ یہ ہے کہ اس وقت اس کی صورت ذہن میں لیکر یا حکایت زبانی کو قائم مقام اصلی کے کرتے ہیں اور اس تصور یا الفاظ کی حکایت کو ولادت فرض کرتے ہیں کہ گویا یہ وہی ہے پھر اس کے ساتھ تعظیم عین ولادت جیسی کرتے ہیں محکی کو فرضی نہیں کہا اور نہ حکایت کو فرضی کہا۔ بلکہ حکایت کو فرضی کہا ہے بایں معنی کہ مثل محکی کے حکایت کو بنادیں اور

[1] حال وسرور کی کیفیت [2] پردہ [3] موضوع حکایت۔

حکایت کو محکی فرض کریں اور معاملہ اصل کا اس کے ساتھ کریں ولادت اور ذکر ولادت میں فرق بدیہی ہے، مضاف اور مضاف الیہ دو ہوتے ہیں ایک نہیں ہوتا، پس ذکر ولادت خود ولادت نہیں لہذا مضاف الیہ کا معاملہ مضاف کے ساتھ شرع سے ثابت نہیں اور یہ بھی سفسطہ ہے کہ مضاف کو بمقام مضاف الیہ کے رکھ کر معاملہ مضاف الیہ کے کریں، ہنود کو یہی دھوکا ہوا ہے کہ ذکر ولادت کو عین ولادت جان کر معاملہ ولادت کا کرنے لگے یہ امر بدیہی ہے اگر عقل ہو تو مؤلف تمام مضاف و مضاف الیہ کو اور حکایت اور محکی کو ذہن میں لیکر عقل کو کام فرمادے اور سمجھے۔

ازانجملہ صوم یوم عاشوراء ہے، کہاں فرعون کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور اس کے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ روزہ چلا جاتا ہے حالانکہ حقیقتِ وقوعِ واقعہ غرقِ فرعون نجاتِ موسیٰ تو اسی دَور میں ہوئی تھی اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں پس جبکہ آپ قائل ہوئے کہ وقوعِ ولادت میں قیام ہونا چاہئے تو اگرچہ وہ حقیقت اب موجود نہیں لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بعد انقضائے اصل واقعہ کے نظیر صوم یوم عاشوراء سے ثابت ہوگیا

رمل حج وصوم عاشوراء وتصور شیخ سے حکایت کیساتھ محکی عنہ کا سا معاملہ کرنا ثابت نہیں

قولہ ازانجملہ یوم عاشوراء ہے الخ۔

اقول پہلے خوب محقق ہوچکا کہ فخر عالم علیہ السلام نے صوم عاشوراء بافتراض حق تعالیٰ اور حسب عادتِ قدیمہ کے رکھا تھا اور ہرگز باتباع یہود کے یا بوجہ شکر نجات حضرت موسیٰ کے نہیں رکھا اس تحقیق کا اعادہ نہیں کیا جاتا وہاں دیکھ لیویں ابن حجر نے اس صوم کو اعادۂ سرور کی اصل ٹھہرایا تھا کہ جیسا شکر نجات بتجدد[1] امثال ہر سال عود کرتا ہے شکر ولات بھی ہر سال اس تاریخ میں اگر عود[2] کرے تو اس کی مناسبت اسمیں ہے مگر فی الواقع یہ دونوں مغائر ہیں چنانچہ سب تحقیق ہوچکی مگر بہرحال مناسبت ظاہر میں تھی گو واقع میں فرق ہے لیکن مؤلف نے یہ غضب کردیئے کہ بالکل کوئی مناسبت ہی نہیں رکھی اور پھر اصل بنادیا یہ محض خیال فاسد ہی ہے اس واسطے کہ وہاں اعادۂ سرور ولادت کا مثل یوم ولادت میں تھا جیسا سرور عاشوراء مثل یوم نجات میں ہے، غرض ہر دو یوم تو مناسب ہیں اور یہاں

---

[1] حماقت [2] مثالوں کی تبدیلی کے ساتھ [3] واپس آئے۔

تو محض مؤلف کا امر فرضی ہی ہے۔ اور فرضی امر ٹھہرا کر جس کا کہیں خارج میں وجود نہیں معاملہ اس
کا کرنا ہے اور مجیب نے اس کو ہی رد کیا ہے کہ جس وقت چاہے ذہن میں تصور ولادت کا کر لیا اور زبان
سے حکایت اس ولادت کی کر دی اور اس تصور ذہنی یا الفاظ حکایت کی تعظیم مثل عین ولادت کے
کرنے لگے تو یہاں مؤلف کو واجب تھا کہ اپنے مدعاء کے اثبات میں ایسی نظیر دیتا کہ زبان سے حکایت
کر کے اس حکایت کے ساتھ تعظیم محکی[1] کی ہو یا ذہن میں تصور جما کر اس صورت ذہنیہ کی تعظیم قیام
خارجی سے کیجا دے تا کہ مدعیٰ اس کا ثابت ہوتا ورنہ اس نظیر سے اس کو کیا نفع ہے اب معلوم کر مؤلف
کے نزدیک ولادت حقیقیہ ماضیہ کے قائم مقام فقط تصور ذہنی ہے یا حکایت لفظ لسانی[2] ہے یا
دونوں ہیں جس کے واسطے قیام تعظیم ہوتا ہے، بہر حال اس فرضی تصور یا حکایتِ واقعہ کی تعظیم جو فرضاً
محکی ہوا ہے اس نظیر صوم عاشوراء سے کچھ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یوم عاشوراء بتجدد[3] امثال ہر سال عود کرتا
ہے گو غرق فرعون و نجات بنی اسرائیل عود نہ کریں سو تعظیم یہود اس یوم کی کرتے تھے نہ یہ کہ تصور غرق و
نجات کا کر کے عید کرتے ہوں یا ذکر غرق و نجات کا پڑھ کر عید مناتے ہوں بخلاف مؤلف کے کہ وہ محض تصور
اور الفاظ حکایت و ذکر کو مقام عین ولادت کی کرتا ہے اور تعظیم اس کی مثل تعظیم عین ولادت کے ہوتی ہے
دیکھو کہ یہ فعلِ یہود میں اور فعلِ مؤلف میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہود کے فعل کو تو کچھ مناسبت ہے بھی
کہ زمانہ زمانہ مماثل[4] ہے مگر مؤلف کے فعل میں کچھ بھی مناسبت نہیں محض مغایرت[5] ہے اور ہنود جیسا فرضی
معاملہ ہے اور خیال پرستی کا قصہ ہے معاذ اللہ کیا سوء فہم ہے کہ بدون سوچے سمجھے جو چاہے لکھ دیوے اور
شرم نہ کرے، شکر نجات حضرت موسیٰؑ کا دائمی تھا اور مثل یوم واقعہ کو شکر کے واسطے مقرر کر دینا عید بنانا تھا
ایسا ہی شکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا دائمی ہے اور اس کے یوم ولادت کو ٹھہرا دینا عید بنانا ہے، اس مناسبت
ابن حجر نے یوم عاشوراء کو نظیر سرور یوم ولادت لکھی تھی گو اصل میں یہ اصل بنانا بے اصل تھا کیونکہ صوم
فخر عالمؑ اس وجہ سے ہرگز نہیں تھا اور سرور و تعید کو آپ نے رد ہی کر دیا تھا لیکن صورت غرق فرعون و نجات
موسیٰؑ کو ذہن میں ٹھیرا کر یا ذکر غرق و نجات کا کر کے اور اصل واقعہ کے قائم مقام فرض کر کے تو عید نہیں
بنایا تھا جیسا کہ مؤلف بیاد حکایت واقعہ ولادت کے کھڑا ہونا لکھتا ہے یہ تو نہ ابن حجر کو سوجھی تھی
نہ یہود نے یہ فرضی کام کیا تھا مؤلف نے ذرا شرما کر اپنی اصلِ بے اصل کو خیال کرے کہ شرع محمدی میں تصور
ولادت و حکایتِ ولادت کو مقام عین ولادت کے قائم و فرض کر کے خیال و لفظ پرستی کرتا ہے حالانکہ

---

[1] موضوع حکایت [2] زبانی [3] مثالوں کی تبدیلی کے ساتھ [4] مشابہ [5] مخالفت

شرع میں یہ محض بے اصل امر ہے اور توبہ کرے۔

اور دوسری نظیر ایک اور بھی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست زار و نزار کر دیا ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا یہ کہا اور مقام حجر کی طرف کو مشرک لوگ ان کا تماشہ دیکھنے لگے تب حضرتؐ نے صحابہؓ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ رمل یعنی کود اور اچھل کر مونڈھے ہلا کر چلنا اس وقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا تھا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اس وقت بھی وہی قوت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ اس وقت کوئی مشرک وہاں نہ تھا قطعاً اور قائم رکھا اس وقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفتار تبحتر کو اور پھر قائم رکھا بعد آپ کے خلفاء راشدین نے پھر تابعین نے یہاں تک کہ ابتک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل کر وقت طواف کیجاتی ہے، اب دیکھئے یہ معاملہ حقیقت کا سا بعد منقضی ہو جانے اصل حقیقت کے کیا جاتا ہے الیٰ یومنا ہذا اور جاری رہیگا الیٰ یوم القیامہ حالانکہ اصل علت موجود نہیں یعنی اب حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جسکو اپنی طاقت اور بہادری اور جوانمردی کی چال دکھائے چنانچہ صاحب ہدایہ اس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں "ثم بقی الحکم بعد زوال السبب فی زمن النبی علیہ السلام وبعدہٗ" اور شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے "معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز ایں حکم باقی است" تو حضرت صاحب اصل حقیقت کا سا معاملہ بعد انقضائے حقیقت بھی کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں اور جس چیز کی نظیر پائی جاوے وہ موافق قاعدہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے بدعت نہیں ہوتی۔ الحاصل جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہئے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں، چنانچہ بعض روایات موالید میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی

آدمی کا تو وہاں گذر نہ تھا اور جس کا گذر تھا وہ حالتِ قیام میں تھا، تو اب بھی جب ذکر آوے تو وہی قیام امت میں جاری رہے تعظیماً تو ہرگز مخالف اصل شرعی کے نہیں ہو سکتا، اور تماشہ یہ کہ آپ یعنی حضرت معترض صوفی بھی ہیں۔

قولہ اور دوسری نظیر الخ۔ **اقول** رمل میں قوت دکھانا کفار کو تھا مگر دوسری علت کا ہونا کہاں سے ہوا کہ سوائے اس کے کوئی علت نہیں تھی، ایک شئی کی کئی کئی علل بھی ہوتی ہیں پس بعد فتح مکہ کے اگرچہ یہ علت مرتفع ہوئی مگر دیگر علل[1] کا رفع ہونا کیونکر معلوم ہوا پس اولاً یہ جزم کہ دوسری علت نہیں تھی صحیح نہیں بلکہ یہاں دوسری علت کا احتمال بلکہ قرینۂ وجود اس کا ہے جس کا ذکر اب آتا ہے، نہایت یہ کہ ایک علت کو شارع نے بیان کیا دوسری علت کو مجتہدین کے استنباط پر رکھا جیسا اکثر نصوص میں بیان علت نہیں فرمایا، اگر ہم تسلیم کریں کہ دوسری علت نہیں تھی تو حجۃ الوداع میں آپ کا رمل[2] کرنا اور کرانا یہ بھی علت ہے کہ باتباع آپ کے فعل کے ہوا اور آپ نے تقریر فرمائی پس یہ علت نہایت قوی ہے تو نص علتِ رمل کی موجود ہے، ہر چند اس میں بھی استخراج علت کا ممکن ہے مگر سلمنا[3] کہ یہ نص خلاف قیاس کے ہے کہ فقہاء کے فہم میں اس کی علت نہ آئی پس جو نص خلافِ قیاس ہوتی ہے وہ اصل کسی شئی کی نہیں ہوتی اور مقیس[4] علیہ نہیں بنائی جاتی تعدی حکم اس سے ناجائز ہے اور حکم اس کا مقصور بمحل نص ہی رہتا ہے پس اس رمل سے قیاس مؤلف کا محلِ نزاع میں باطل ہوا اور نظیر اس کی لکھنی لغو ہوئی اب دیکھو علی قاری شرح مناسک میں کیا لکھتے ہیں

لا یقال الاصل فی الحکم ان یزول بزوال العلۃ فانا نقول قد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشروعیۃ تذکرۃ النعمۃ الامن بعد الخوف یشکر علیہا فھذہ علۃ اخری والحکم قد یثبت بعلل متبادلۃ او انتفاء تشخص علۃ لایؤثر فی انتفاء نوع الحکم و لئن سلم فالحکم ھھنا مع عدم العلۃ فھو غیر معقول المعنی الخ۔ انتہی۔ اور قول صاحبِ ہدایہ کا جو نقل مؤلف نے کیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد زوال اس سبب کے جو اس وقت آپ نے اظہار فرمایا تھا نہ مطلق اسباب رمل کی کیونکہ اگر کوئی سبب نہیں تو فعل شارع کا تو خود علت حکم کی موجود ہے کہ اصل علت نص ہی ہوتی ہے مگر مؤلف کس کا فہم لاوے جو سمجھے پھر سنو کہ یہ نظیر

---

[1] ختم یہ علت کی جمع [2] سینہ تان کر چلنا [3] ہم نے تسلیم کیا [4] جس پر کسی شئی کو قیاس کیا جائے

بھی محض سفسطہ[1] ہے کیونکہ طواف کی مثل طواف ہے من کل الوجوہ طواف طواف سب ایک ہیں یہاں بھی اعادہ سبب کا موجود ہے کوئی فرضی امر نہیں، اعنی یہ نہیں کہ ذکر اظہار قوت کا ہو اور رمل کیا ہو یا تذکرہ صورت ذہنیہ واقعہ کی کرکے رمل کیا ہو، اصل معترض کا اعتراض اور رد کرنا تو فرض شئی کا ہے نہ کہ مثل شئی پر، یہاں اس نظیر میں نہ صورت علیہ فرضیہ پر عمل ہوا نہ حکایات لطیفہ پر ہوا جیسا ذکر ولادت پر ہوتا ہے اگر مؤلف کو ہوش نہ ہو تو کوئی کیا کرے نہ مؤلف مغز سخن کسی کو سمجھے نہ اپنے جواب کی کیفیت سے مطلع ہو، الحاصل دونوں نظیر میں مثل موجود ہے مگر مؤلف کے قیام ولادت میں کوئی مثل ولادت نہیں محض صورت ذہنیہ اور حکایت ہے کہ ان دونوں کو یا ایک کو عین ولادت فرض کرکے قیام اس کی تعظیم کا کرتا ہے پس فرق کس قدر ہویدا ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم: چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۔ پس ہر گاہ تموّہ[2] مؤلف کا معلوم ہو چکا تو صاف تحقیق ہو گیا کہ مؤلف خیال پرستی میں ہے اور یہ امر ہرگز نہ شرع میں ثابت اور نہ عقل میں جائز اور نہ ہرگز یہ وجہ قیام کی درست ہے اور نہ ہو سکتی ہے شرعاً فقط۔

اور آپ کے یہاں تصورِ شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے آپ کے بزرگوار فرماتے ہیں رالرکن الاعظم ربط لقلب بالشیخ علیٰ وصف المحبۃ والتعظیم وملاحظۃ صورتہ، انتہیٰ۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رسالۃ انتباہ میں لکھتے ہیں فینبغی ان تجعل صورۃ الشیخ علیٰ کتفک الایمن، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے بعد وفات والد اپنے کے تکمیل سلوک کی ہے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں مرشد کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں "اگر وقت دوری شیخ کسے استفاضہ خواہد طریق آں است کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گذارد و بہماں جا نشستہ صورت شخصے کہ از وے فیض می جوید بجمع ہمت و دفع خطرات ملاحظہ نماید الخ" اور امام ربانی جلد ثانی مکتوب کی مکتوب سی ام میں کثرت تصور شیخ کے لئے لکھتے ہیں "ایں قسم دولت سعادتمنداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند" اور حاجی امداد اللہ صاحب ضیاء القلوب مطبوعہ کے صـ۷ میں اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ "اگر در حالت ذکر خطرہ در آید بمشاہدہ جمال مرشد آں خطرہ را دفع سازند و باز بذکر مشغول شود"

[1] بیہودہ لغو[2] ہر اعتبار سے[3] فریب

اور مولوی اسحٰق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں اس بات کو تو ذکر دیا کہ پیر کو عالم الغیب جانے لیکن تصور بطور رابطہ قلبی کے ذکر کیا اور اس کو منع نہ فرمایا یہ صریح علامت جواز کی ہے۔ عبارت ان کی یہ ہے "واگر تصور صورت شیخ بطور رابطہ باشد پس معمول بعض مشائخ است" خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے مؤدب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مد نظر رکھتے ہیں اس سے دو فائدے پیدا ہوئے ایک یہ جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح و خیر حاصل ہوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو ہادی سبل اور مرشد کامل ہیں ان کا تصور غلبۂ محبت کیساتھ کیونکر نفع نہ دیگا، دوسرا فائدہ یہ کہ جب تعظیم مرشد حالتِ تصور میں بھی ہے تو یہ حقیقتِ کاملہ عدم موجودگی حقیقت میں کیا جاتا ہے، پس قائم ہوئی معترض پر یہ حجت ہماری از روئے طریقت اور قائم ہوئیں دو حجتیں صوم عاشوراء اور رمل کے ساتھ چلنا حالتِ طواف میں از روئے شریعت، اور وہ جو معترض نے شدتِ غیض قلبی سے اس بات کو محض حماقت اور حرام اور تشبہ کفار اور جہنم کھیا اور سانگ قرار دیا ہے اس کا جواب ہم کچھ نہیں دیتے ہاں یہ دعاء کرتے ہیں کہ خداوند کریم جاہلوں کی زبان کو ایسے کلمات گندہ اور الفاظ غلیظ سے آلودہ نہ کرے۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

قولہ اور آپ کے یہاں تصور شیخ الخ۔ **اقول** بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی اپنے دوست محبوب کا تصور کریگا تو اس صورت ذہنیہ کے ساتھ حب لازم ہوویگی اور دشمن کے تصور میں بغض لازم ہوویگا اور معظم کے ساتھ تعظیم، اسمیں کسی عاقل کو تامل نہیں، پس جب کوئی اپنے شیخ مربی[1] کا تصور مثلاً کریگا تو بالضرور محبت و عظمت اس صورت ذہنیہ کو لازم ہوویگی طبعاً پھر وہ اس صورتِ علیہ کو خواہ مواجہ میں خیال کرے یا ذہنی یہ حب و تعظیم اس کو لازم مگر یہ تعظیم قلبی یہاں مبحوث[2] نہیں کیونکہ حب و تعظیم فخر عالم علیہ السلام کی لازم قلب مؤمن کو ہے ہر دم و ہر لحظہ یہاں کلام افعال تعظیم کی جوارح سے اس صورت کیساتھ بجالانے میں ہے اور خاص قیام تعظیم اس میں کرنے میں سو یہ کسی اہل طریق نے نہیں لکھا اور نہ کسی کا معمول ہے کہ اس صورت کے ساتھ معاملہ متصور کا کرنا چاہیئے پس اس رابطہ کی حجت سے اگر مراد مؤلف کی یہ ہے کہ تعظیم تصور کی کرتے ہیں ولادت کی بھی تعظیم لازم آئی تو یہ محض خطاء ہے اس واسطے کہ ابھی بیان ہوا کہ متصور معظم[3] کے ساتھ تعظیم لازم

---

[1] تربیت کرنے والا [2] ظاہر [3] موضوع بحث [4] اعضائے ظاہری [5] جسکی تعظیم کی جائے۔

ہوتی ہے سو ولادت کے تصور کے ساتھ بھی تعظیم لازم ہوویگی مگر اس تعظیم قلبی سے تعظیم بجوارح و قیام تو نہیں لازم آتی جس کے اثبات میں مؤلف جگہ جگہ لکھ رہا ہے، ہاں جو منکر تعظیم حب قلبی تصور ولادت کا ہو اس پر یہ حجت ہوویگی سو ایسا کوئی مؤمن نہیں چنانچہ توجیہ اس کی بالا ہوئی یہاں تعظیم قیام و جوارح کا انکار ہے سو یہ نہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے ثابت اور نہ صوفیہ کا معمول اور نہ امر معقول محض ایک جہل قواعد شرع سے ہے۔ پس قول جمیل و انتباہ و سبیل الرشاد و مکتوبات و ضیاء القلوب و مائتہ مسائل سے جو کچھ مؤلف نے نقل کیا ہے محض بے سود و بے محل۔ نقل عبارات سے دو امر واضح ہوئے ایک یہ کہ جیسا تصور شیخ اور جملۂ محبوب میں محبت قلبی لازمی ہے، تصور فخر عالم اور آپ کے حالات میں بھی وہ حب و تعظیم لازم ہوتی ہے اور جیسا ان محبان کے تصور میں قیام وغیرہ امور جوارح کی تعظیم منقول نہیں فخر عالم کے تصور میں بھی نہیں ہونا چاہئے خصوصاً جہاں تشبہ کفار کا لازم آوے جیسا تصور ولادت میں، اور کسی کو نہ دیکھا سنا ہوگا کہ حالت عقل میں تصور زوجہ کے ساتھ بوس و کنار کرے یا تصور قدوم والدین میں قیام مثلاً دوسرے یہ کہ جیسا حب قلبی فخر عالم اور ان کے احوال کے موجب قوت ایمان ہے ایسا ہی امور غیر مشروعہ کو ایسی حالت ذکر و تصور میں بجالانا تشبہ کفار کے ساتھ باعث ہتک[1] حرمت آپکا ہے اور موجب نقصان ایمان فاعل، پس ہر دو حجت مؤلف کی منقلب اس پر سبب پشیمانی اسکی ہوگئی اور جو کچھ کلمات تشبیہ کے عدم فہم کی وجہ سے اس نے لکھے اس کا جواب لکھنا ضرور نہیں مگر اول لکھا گیا کہ جب صحابہ نے ایک امر مباح کیواسطے عرض کیا تھا کہ ہمارے واسطے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمادیں تو آپ نے یہ تشبیہ فرمائی تھی اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ کہ یہ کلمہ شرک کا تھا پس مباح کی طلب فعل میں آپ نے تشبیہ کلمۂ کفر کی فرمائی اور حدیث ماشاء اللہ و شئت میں ہر گز قائل کی نیت میں شرک نہ تھا معنی درست تھے مگر بظاہر جو موہم[2] لفظ شرک کو تھا تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ نداً تو یہ ہی معنی تھے کہ مجھ کو تو نے خدا کا شریک بنایا یعنی مشرکین جیسا کلمہ کہا کہ ظاہر میں شرک کی بو دیتا ہے اور حالت قیام کو صلوٰۃ مرض قدیم میں فرمایا ان کدتم انفاً لتفعلون فعل فارس و روم اور فارس و روم کا فعل حرام غیر مرضی ہی تو تھا کہ قیام صلوٰۃ مشروع کو بوجہ مشابہت کے تشبیہ حرام قیام سے فرمائی اب مؤلف

---

[1] اعضائے ظاہری [2] تشریف آوری [3] بے عزتی [4] وہم میں مبتلا کرنیوالا [5] کیا تم نے مجھے خدا کا شریک قرار دیدیا۔

ہر سہ نظیر میں دیکھ لیوے کہ بوجہ مشابہت کے فخر عالم نے افعال مباح و مشروع کو تشبیہ شرک و حرام سے دی ایسا ہی یہاں جیسے حالت ذکر فخر عالم میں جو مندوب تھا اس فعل قیام کو جو مشابہ ہنود کے تھا تشبیہ فعل ہنود سے کیا تھا تو کونسی وجہ اشکال کی آ گئی خود مؤلف کو تو مسجد کو مندر سے تشبیہ دینا جائز ہوا اور فخر عالم کا ہتک بقولہ "اگر اسباب تعظیم کے نہ ہونے میں قیام کی تعظیم بھی نہ ہو کیا حرج ہے" ایسے کلام گستاخ کا کرنا درست رکھا اور دوسروں پر یہ کم فہمی کے کلام، حق تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ مؤمن ہے گو ظلمات[1] بدعت میں معمور ہے۔

اعتراض کہتے ہیں کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شمار کیا جاتا ہے وہ خود قیام کو "بدعة لا اصل لہا" لکھتا ہے تو یہ قیام بدعت سیئہ ضلالت ہوا اور عبارت اس کی سیرت شامی میں یہ ہے جرت عادة کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وصفہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا القیام بدعة لا اصل لہا، **جواب** اس کا یہ ہے کہ اس عبارت سے جو یہ لوگ ضلالت اور سیئہ ہونا قیام کا نکالتے ہیں کمال بوالعجبی ہے اس لئے کہ بدعت ہونا اس کا تو مسلم کیونکہ رسول و صحابہ کے دور میں اس کا رواج نہ تھا لیکن اس وقت رائج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضلالة ہو تقسیم بدعت طرف حسنہ اور سیئہ کے، مجتہدین اور محدثین کے قول سے ثابت ہے، چنانچہ نور دوم کے لمعۂ ثانیہ میں ہم نقل کر چکے۔ اور سیرت حلبی میں ہے وقد قال ابن حجر الھیثمی الحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبہا وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذٰلک ای بدعة حسنة، انتہیٰ۔ اور یہ ابن حجر قائل جواز اس قیام مروجہ کے ہیں چنانچہ ان کے مولد کبیر کی عبارت جواز قیام میں عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے پس جبکہ یہ عمل مولد بہیئت مروجہ مع القیام بدعة حسنہ ٹھہرا بالاتفاق اس لئے کہ اشارہ لفظ کذٰلک کا طرف متفق علیٰ ندبہا کے بھی ہے جس طرح بدعة حسنہ کی طرف ہے کما لایخفی، تو استدلال مانعین اوپر بدعت سیئہ ہونے قیام کے جو سیرت شامی سے کرتے ہیں اس تقریر سے ساقط ہو گئی۔

قولہ اعتراض لکھتے ہیں کہ شامی الخ | مؤلف کا سیرت شامی سے قیام مولد ثابت کرنا بے اصل ہے

[1] بدعت کی تاریکی۔

اقول جس امر محدث کی قرون ثلٰثہ میں اصل نہ ہو صراحۃً و دلالۃً وہ بدعتِ ضلالہ ہے اور بحسب تقسیم بدعۃ کے وہ سیئہ ہی کہلاتی ہے چنانچہ اس کی تحقیق گذر چکی پس جب صاحبِ سیرتِ شامی نے لا اصل لہا کہا بدعۃِ ضلالہ اس کے نزدیک ہو گئی اور بدعۃ ضلالہ ہونا اس کا اس رسالہ سے بھی محقق ہو لیا اور توجیہات رکیکہ واہیہ مؤلف کا جواب اثباتِ قیام میں بھی لکھا گیا پس جب احادیث و اجماع سے ضلالہ ہونا ثابت ہو گیا اب ابن حجر ہیثمی یا کسی عالم کا قول معتبر نہیں اور خود مجلس مروجہ کا ممنوع ہونا بھی سابقاً محقق ہو لیا اور اقوال پہلے علماء اور اعمال کی توجیہ بھی کر دیگئی کہ حسن ظن اپنا ان کے ساتھ ہے مگر مؤلف کے نہ ماننے پر تنزل کا جواب دیا جاتا ہے پس حجج مؤلف بالکل بے سود لاطائل ہیں بدعت سیئہ ہونا اس کا مقرر ہے۔

اور اگر لفظ لا اصل لہا پر مانعین کو کچھ غرّہ ہے کہ اس نے لا اصل لہا جو لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں جہاں لفظِ لا اصل لہا آیا کرے وہاں بدعتِ سیئہ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے اس بات پر دو عبارتیں دلیل گذارتا ہوں، مجمع البحار کے خاتمہ جلد ثالث صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ نولکشوری میں ہے کہ صاحبِ مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو سونگھتے وقت درود پڑھنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہے ا ه[1]

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذٰلک وفحو[2] لا اصل لہا ومع ذٰلک فلا کراہۃ فی ذٰلک عندنا الخ۔ اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا اصل لہا ہونے کو یہ ضروری نہیں کہ وہ ناجائز ہوا کرے اور مولوی محمد اسحٰق مسائل اربعین کے مسئلہ چہاردہم میں کہ نوشہ کو بطریق سلامی کچھ دینا اور دلہن کو منھ دکھائی میں کچھ دینا کیسا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں، جواب "در شریعت محمدیؐ اصل ایں چیزہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں چیزہا کہ دادن سلامی و رونمائی ہست مباح باشد الخ" ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بدعت ہونے اور شریعت محمدی میں اصل نہ پائے جانے سے حرمت و کراہت لازم نہیں آتی، پس سیرت شامی میں بدعۃ لا اصل لہا کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہ ہوا اور جب کہ ٹوٹ گئی دلیل مانعین کی تو اب پیش کریں ہم۔

[1] کمزور۔ [2] غیر مفید۔

قولہٗ اور اگر لفظ لا اصل لہا الخ۔ اقول مؤلف کے ہوش وفہم کا قصور ہے ہوش کر کے سنئے کہ جہاں بدعت کے ساتھ لا اصل لہٗ ہوتا ہے وہاں بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے اور جو بغیر لفظ بدعت کے لا اصل لہٗ بولتے ہیں تو وہاں دوسرا احتمال بھی ہو سکتا ہے پس یہاں سیرۃ شامی میں بدعۃ لا اصل لہا کہا ہے پس یہ بالضرور سیئہ ہی ہے اور مجمع کی عبارت میں بدعت کا لفظ نہیں فقط لا اصل لہٗ ہے اور قرینہ ما بعد کا موجود ہے کہ اصل سے مراد حدیث واثر وصریح ہے نہ مطلق اصل کیونکہ کہتا ہے فلا کراھۃ فی ذٰلک عندنا فقد قال الھیثمی من ائمتنا الشافعیۃ واما الصلوٰۃ علی النبی عند التعجب من الشئ کما یقول الانسان حینئذٍ سبحان اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ ای لا یأتی بالنادر الا اللّٰہ تعالیٰ فلا کراھۃ فیہ، انتہیٰ۔ پس دیکھو کہ اصل صلوٰۃ کے وقت امر تعجب کے ہیثمی کے قول سے ثابت کرتا ہے تو قیاس اور قول فقیہ تو اصل موجود ہے جس پر قیاس ریحان کو کیا مگر حدیث واثر نہیں پس اصل سے مراد یہاں حدیث واثر ہے نہ یہ کہ کوئی دلیل صراحۃً ودلالۃً بھی نہیں لہٰذا لفظ لا اصل لہٗ کہ مطلق قرینہ سے ہو خصوصاً جب بدعت کا بھی ذکر ہو وہاں ضلالہ ہی مراد ہوتا ہے تو شامیہ میں بدعت سے مراد سیئہ ہی ہے، علیٰ ہٰذا اربعین مسائل میں اصل سے مراد نص صریح ہے ورنہ اصل کلی عطاء وہبہ کی نصوص میں موجود ہے "تہادوا تحابوا" الحدیث، وغیرہ اور یہاں بھی لفظ بدعت کا مذکور نہیں اور عاقل جانتا ہے کہ احسان وصلہ مندوب ہے پس لا اصل لہٗ کے معنی جو مؤلف سمجھا کس طرح درست ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس جزئیہ خاص میں نص صریح نہیں گو اصل کا وجود ہے پس ہر دو حجت[1] مؤلف کی محض کم فہمی تھی سو رد ہوئی اور شامی کا قول ضلالہ[2] ہونے پر نص[3] رہا۔

اب پیش کریں ہم وہ قرائن ودلائل کلام سیر شامی کے جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس نے یہ لفظ لکھے ہیں جرت عادۃ کثیر من المحبین اول تو لفظ اجرائے عادۃ ایک قسم کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا وبذٰلک جرت العادۃ الفاشیۃ وھی من احدی الحجج تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہؓ سے نہ ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر بعد کی عادت ہے تو بھی ایک طرح کی سند ہے۔

---

[1] دلیل [2] گمراہی [3] دلیل قطعی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن اور مسلمون سے صحابہ مراد رکھنا غیر مسموع ہے اس لئے کہ مخالف ہے دو فتاوی اور شرح ہدایہ وغیرہ کے جو بہت اکابر مفتیان دین نے اس روایت سے سند پکڑی ہے استحسان امور مروجہ مابعد پر جنکو علمائے دین نے مستحسن رکھا ہے، اور نیز مفتیان دین جابجا الفاظ فتویٰ میں لکھتے ہیں علیہ العمل وعلیہ المسلمون وبہ جری التعامل وھو المتوارث، امام غزالی رحمۃ اللہ قیام کی تحقیق میں جلد دوم احیاء العلوم میں لکھتے ہیں ولکن اذا لم یثبت فیہ نھی عام فلا نری بہ بأساً فی البلاد التی جرت العادۃ فیہ باکرام الداخل بالقیام ۔

قولہ اب پیش کریں ہم قرائن الخ۔ **اقول** عادت فاشیہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی قرن میں اس کا تعامل بلانکیر ہوا ہو سو قرون ثلٰثہ میں اگر یہ شیوع ہوا ہو تو دلیل شرعی ہے ورنہ نہیں چنانچہ تحقیق بدعت میں مذکور ہوا اور جو بعد قرون ثلٰثہ کے شیوع ہو تو شرط اس کی یہ ہے کہ کوئی عالم بھی اس کا خلاف نہ کرے اور کوئی حجت شرعیہ بھی اس کے خلاف نہ ہو پس ایسی عادت فاشیہ کے حجت ہونے کی دلیل عینی نے یہ حدیث ماراٰہ المسلمون حسناً الخ لکھی ہے سو یہ عادۃ فاشیہ اجماع ہے اور اجماع میں انفراد ایک کا بھی قاطع اجماع کا ہے پس مؤلف کی خوش فہمی قابل تحسین ہے کہ اول تو قیام مروج پر نص سے منع و نہی وارد ہے کہ تعیین مطلق نص کا کرنا ہے، اور تشبہ کفار کا حرام ہونا جو پہلے محقق ہو چکا دوسرے ہر ہر زمانہ میں علماء اس مجلس مروجہ اور قیام پر انکار کرتے رہے ہیں پس اس حالت میں عادت فاشیہ کہاں ہے جو مؤلف ناز کر کے ذکر کرتا ہے اور یہ روایت جنایات الاحرام کی ہے پس حیرت کے لفظ سے استدلال مؤلف کا باطل ہوا اور شرح حدیث ماراٰہ المسلمون کی پہلے لکھی گئی ہے جس سے یہ سب تقریر مؤلف کی لغو ہے کیونکہ اس حدیث میں ہر ہر قرن کا اجماع مراد ہے بشرطیکہ خلاف نص کے نہ ہو اور کوئی ایک بھی مخالف نہ ہو اور یہی معنی علیہ العمل وعلیہ المسلمون وجری التعامل وھو التوارث کے ہیں اگر فہم و علم ہو تو ظاہر ہے۔ اور احیاء العلوم میں خود بعد نفی نہی کے کہتا ہے اور بلاد کا جریان تعارف اعتبار کرتا ہے اس واسطے کہ اصل قیام تو درست ہی ہے شبہ تخصیص کا تعارف بلاد سے رفع کر دیا مگر فہم درکار ہے۔

۱؎ رواج ۲؎ عام

دوسرا قرینہ یہ کہ شامی نے عادت لکھی تو کثیر کی عادت لکھی اور گروہ کثیر اہلِ اسلام کا ایک عمل پر قائم ہوجانا یہ بھی ایک سند ہے، شامی شارح درمختار نے لکھا ہے والاعتماد علیٰ ما علیہ الجم الکثیر اور حدیث شریف میں ہے اتبعوا السواد الاعظم پس عمل سواد اعظم کا ہونا یہ بھی ایک دلیل استحباب کی ہے۔

قولہ دوسرا قرینہ الخ۔ **اقول** واضح ہوچکا کہ خلاف نص کے کثیر کیا تمام دنیا کا بھی تعارف معتبر نہیں، اور سوادِ اعظم سے مراد اہلِ سنت ہیں، اور جمِ غفیر کا جب قول معتمد ہوتا ہے کہ فریقین کے پاس کوئی دلیل نہیں محض رائے ہے تو اکثر کا قول معتبر جانتے ہیں اور نص کے ہوتے جو موافق نص کے ہے اگرچہ دو تین ہی ہوں لاکھوں کے مقابلے میں تو یہ دوسہ جم غفیر اور سواد اعظم ہوگا پہلے بھی اس کو واضح لکھا ہے۔

تیسرا قرینہ یہ کہ وہ کثیر جن کا عمل ہے وہ کون ہیں محبین اور یہ بات ظاہر ہے احادیثِ صحیحہ سے کہ اہلِ ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جن کو محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین پس جبکہ ایمان کامل انہیں کا ہوا جو اہلِ محبت ہیں اور اہلِ محبت کا عمل اس قیام پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے جو فعل ایسے مؤمنین کاملین کے گروہ کا ضلالۃ یا سیئہ قرار دیں۔

قولہ تیسرا قرینہ الخ۔ **اقول** اگرچہ کسی اور بدعت اور مذموم کو محبین[1] بھی کریں وہ بھی بدعت ہے اور جب شامی نے بدعت لا اصل لہا[2] کہدیا تو کس طرح جائز ہوگیا اور فعل محبین کا حجت ٹھہر گیا محبین سے خطا کا کوئی اگرام سرزد ہوتا ہے پس وہ خطا صواب نہیں بن جاتی، صحابہؓ سے لیکر آج تک یہ تعامل ہے مگر مؤلف کا یہ عقیدہ کہ محب سے خطا بھی بدعت نہیں ہوتی مردود ہے نصوص قطعیہ سے۔

چوتھا قرینہ یہ کہ شامی نے وجہ ان کے قیام کی لکھدی کہ کوئی غرض نفسانی یا ہوائے

[1] کثیر جماعت [2] پسند کرنیوالا [3] جس کی کوئی اصل نہیں۔

شیطانی کے لئے قیام نہیں کرتے بلکہ خاص واسطے تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور یہ بات سب اہلِ اسلام جانتے ہوں گے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شرع میں مطلوب ہے یا نہیں اور یہ کہ بہ نیتِ ادب کھڑا ہونا مفیدِ تعظیم ہے یا نہیں پھر جبکہ قیام انکا مبنی ہو تعظیم پر تو بالضرور مستحب اور مستحسن ہوگیا

قولہ چوتھا قرینہ الخ **اقول** تعظیم قابل اعتبار کے وہ ہے کہ موافق قاعدۂ شرعیہ کے ہو ورنہ مردود ہو دیگی اگرچہ حبِ فخر عالم میں کریں اس میں وجہ جواز کی حسب اجازت شرع کے کرنا ہے نہ غرض تعظیم وحب فخر عالم کا ہونا اور غرض نفسانی مرتفع ہونا حضرت معاذ صحابی رضی اللہ عنہ نے محض حب وتعظیم فخر عالم کی وجہ سے سجدہ آپکو کرنے کی اجازت چاہی، آپنے رد کردیا اور بہت دلائل اس کی احادیث میں موجود ہیں پس یہ قرینہ محض خطاء واضلال ہے ، باقی رہا قولہ کہ یہ بات سب اہل اسلام جانتے ہونگے الخ، تو یہ کلمہ محض عجب اندرونی کا ہے کہ تمام عالم کی طرف سے اس علم میں مؤلف کو تردد ہے خود آپ ہی عالم ہے اور آپ ہی محب ہے اور جواب قیام تعظیم کی جواز اور اس قیام کے خاص عدم جواز کا خوب محقق ہو چکا سو یہ قیاس مؤلف کا فاسد ہے کیا حاجت اعادۂ جواب کی ہے ؟

پانچواں قرینہ یہ کہ اگر محدث شامی کو منع کرنا قیام کا منظور ہوتا تو وہ اُس قسم کے الفاظ لکھتا جو منکرین قیام نے لکھے ہیں، جیسا جونپوری صاحب فرماتے ہیں مایفعل العوام عند ذکر وضع خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام لیس بشئ بل مکروہ اور دوسرے گجراتی صاحب لکھتے ہیں قد احدث بعض جہال المشائخ امورا کثیرۃ لا نجد لہا اصلا ولا اسما فی کتاب ولا سنۃ منہا القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس یہ مانعین جن کو اس فعل پر انکار ہے وہ تو قیام کرنے والوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ وغضب سے انکو عوام اور جہال وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

قولہ پانچواں قرینہ الخ **اقول** لفظ بدعۃ لا اصل لہا سے زیادہ بڑھکر کون سا کلمہ ہجو کا ہوگا کہ خود فخر عالم فرماتے ہیں کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اور شامی کا تعبیر اہل قیام کو بلفظ محبین یا بوجہ دعوی ان کے لئے ہے یا واقعی حسن ظن سے ان کو محب جانتا ہے اور خطاء سے

---

[1] گمراہ کرنا [2] لوٹانا [3] ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے۔

مبتلا اس فعل کو سمجھتا ہے سو یہ قرینہ محض سوءِ فہم ہے۔

الحاصل یہ قرائن خاص اسی ایک فقرہ کے قطع نظر قرائن عبارت ماقبل ومابعد شامی اور قطع نظر انتظام سیاق وسباق اس کی سے دلالت صریح کرتے ہیں کہ مراد محدث شامی کی یہ ہے کہ اصل اس قیام کی فعل صحابہ سے تو نہیں پائی گئی لیکن جماعت کثیر اہلِ اسلام کی کہ جو محبین ہیں وہ تعظیماً قیام کرتے ہیں پس یہ الفاظ توفی الحقیقت ترغیب دیتے ہیں اہلِ ایمان کو کہ جس کے دل میں محبت ہو اور تعظیم رسولؐ مدنظر ہو تو قیام کرے، مطلب سمجھنے کیلئے ایک تو مادۂ علمی درکار ہے دوسرے ہدایت من عند اللہ کہ قلبِ مؤمن میں القاء ہوتی ہے جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجئے ومن لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فمالہٗ من نور، اب دیکھئے اسی عبارتِ شامی کے لفظ لا اصل کو محدثینِ بیدار دل کس طرح شرح کرتے ہیں

قولہٗ الحاصل الخ۔ **اقول** یہ سب قرائن مؤلف کے معلوم ہوا کہ محض جہل تھا اور سوءِ فہم معنی کا اور بدعۃ لا اصل لہا کے معنی تمام اہلِ علم ودیانت کے نزدیک بدعت سیئہ کے ہوتے ہیں پس کلام علماء کے سمجھنے کو علم کا مادہ اور نقل کرنے کو دیانت کا ہونا ضروری ہے، جو دونوں سے عاری ہو وہ کیا کسی اہلِ علم کے کلام کو سمجھے گا اور جو خود خائن ہو وہ کیا کسی اہلِ دیانت کو متدین پہچانے گا مثل اپنے تصور کریگا اور مادۂ علمی وفہم مؤلف کا اس رسالہ سے جو کچھ ہے واضح ہو چکا اور خیانت مؤلف کی بھی نقل عبارت تذکیر الاخوان میں اور اخفاء روایت ردمحتار میں محقق ہو چکی اور جو کچھ مؤلف بدزبانی اور بے لگامی عمدۃ المحدثین خیر المعاصرین مولانا احمد علی سہارنپوری قدس سرہٗ کی شان میں کرتا ہے لاریب اس کا مورد مستوجب وہی ہے اور خود وہی ورطۂ ضلالت[1] وظلماتِ بدعۃ میں پڑا ہوا سب کو جاہل اور غیر متدین بتاتا ہے چنانچہ رسالہ اس کا شاہد ہے ومن کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضلُّ سبیلاً۔

علامہ نورالدین حلبی نے یہ عبارت شامی کی لکھ کر اس کے آگے لکھا ہے "ای لکن ہی بدعۃ حسنۃ لانہٗ لیس کل بدعۃ مذمومۃ" چنانچہ یہ عبارت سیرۃ حلبی مطبوعہ مصر کے ص ۱۱۴ میں موجود ہے اور علامہ

[1] خالی یہ گمراہی اور تاریکی کا نمونہ ہے بے دین۔

حلبی نے اپنے اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ میں نے سیرت الشمس کی کوئی عبارت لی ہے اس کے شروع میں لفظ آے لایا ہوں تو سیرت شامی کے لفظ بدعۃ لا اصل لہا کو جو ساتھ بدعۃ حسنۃ کے تفسیر کی ہے اس کو بھی حلبی لفظِ آے سے لایا ہے، کما مر۔ تو معلوم ہو گیا اتفاق ان دونوں محدثوں کا یعنی صاحب سیرت الشمس اور صاحب سیرت حلبی کا اس تفسیر پر، اور بعض رسائل میں اس عاجز نے دیکھا ہے کہ محدثِ شام کے خلف الصدق ابونصر عبدالوہاب نے بھی اپنے باپ کے کلام کو تفسیر ساتھ بدعۃ حسنہ کے کیا ہے اور ہرگز شک نہیں اس میں کہ عمل امت کا شرقاً وغرباً علی العموم بلاد اہلِ اسلام میں اس قیام کے استحسان پر ہے، اسی واسطے لکھا ہے علامہ شیخ عبداللہ سراج مفتی عرب نے رحمۃ اللہ علیہ اما القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قرأۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام اور شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً، درباب محفل مولد شریف مع القیام تحریر فرماتے ہیں وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس کلہم رواہ حسناً من زمان السلف الی الاٰن الخ۔

قولہ علامہ نورالدین حلبی نے یہ الخ **اقول** مؤلف بے دار دل کو اب تک خبر نہیں کہ یہ قول حلبی کا شرح ہے، یا رد پس اب بیدار مغزی کو کام میں لا کر سنئے کہ سیرت حلبی اپنی عادت کے موافق ای کا لفظ لایا سیرت شمس کی عبارت نقل کرنے کو اور سیرت شمس الکن کے لفظ سے استدراک کرتا ہے گویہ بدعۃ لا اصل لہا نہیں بلکہ بدعۃ حسنہ ہے بدعت ہونے کو قبول کیا اور لا اصل لہا پر تعاقب[1] کیا اور دلیل عدم[2] سیئہ کی بیان کر دی، مؤلف سمجھنے کا تو قصد ہی نہیں کرتا پس سیرت شمس اور حلبی دونوں اس قیام کو حسنہ کہتے ہیں اور شامی سیئہ کہتا ہے، یہ قول شرح کی مراد سے نہیں کیونکہ الکن کا لفظ شرح کیواسطے نہیں اور ای حرف تفسیر ہے مگر اصطلاح حلبی میں سیرت شمس کی عبارت کی نقل کا نشان ہے کہ وہ بمنزلہ تفسیر کے ہے واقع ہو جاتی ہے، پس اول جواب تو وہی ہے کہ شامی کا قول منصوص ہے، مخالفت کسی کی اس کو مضر نہیں، مخالفت نص کی خود رد کی جاتی ہے مگر تاویل حلبی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے، اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا۔ اور جواب اس توارث

---

[1] پیچھا کرنا [2] برا نہ ہونا۔

ائمہ کا و علماء عرب و مصر وغیرہما کا جو عبداللہ سراج اور عبدالرحمن بن عبداللہ سراج کے فتوے سے نقل کیا ہے چند بار پہلے گذرا، غرض مؤلف کو سوائے حرمان اور کوئی حاصل نہیں۔

اعتراض حضرتؐ کی حالت حیات میں صحابہ واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے پھر اب قیام کس طرح ہو؟ **جواب** واقعی قیام نہیں کرتے تھے، لیکن اس طرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتا دیکھتی اسی وقت سے کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ بیٹھا رہتا تخت پر اس وقت تک سب اس کے آگے بکمال تواضع کھڑے رہتے، ایسا قیام فی الواقع ممنوع شرعی ہے جبکہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور پسند کرے اس قیام کو، سو محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل میں منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ وہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو، یہاں تو یہ بات ہے کہ قاری مولد منبر پر کھڑا ہوا درود و سلام و اشعار نعت و مدائح پڑھ رہا ہے یہ خود فعل صحابہؓ سے ثابت ہے۔

قولہ اعتراض حضرتؐ کی حالت حیوٰۃ الخ۔ **اقول** مؤلف نے یہ فقرہ فتوئ مولوی احمد علی صاحب محدث سے کہ اس میں بطور ترقی کے مذکور تھا جدا کر کے مستقل اعتراض بنایا ہے، یہ خیانت ہے یا عدم فہم، اصل عبارت یہ ہے "وقیام عند ذکر ولادت ثبوت آں بزمان صحابہ و تابعین و تبع تابعین ائمہ ومجتہدین اصلاً نہ شدہ و در زمان حیاۃ آں سرورِ مخلوقات صحابہ برائے آنحضرتؐ قیام نمی کردند بوجہ آنکہ حضرت را خوش نمی آمد، بعد وفات آنحضرتؐ وجود قیام وقت ذکر ولادت در قرون ثلٰثہ ثابت نیست" الخ۔ پس اس عبارت میں یہ مضمون کہ صحابہؓ آپؐ کے واسطے قیام نہیں کرتے تھے بطور ترقی کے ہے کہ ذکر ولادۃ پر قیام کیا ہوتا خود آپ کے مقدم پر بھی نہیں ہوتا تھا مؤلف اپنی کارروائی سے یہ سمجھا کہ یہ قیام منع جانتے تھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، وہ قیام کہ بطور عجم کے ہے وہ تو حرام ہی ہو چکا تھا اور یہ قیام منقول از حدیث ترمذی قیام تعظیم کا ہے کہ خود حدیث میں صریح ہے کہ لم یقوموا اذا راٰوہ لما یعلمون من کراھتہ لذٰلک۔ کیا صحابہؓ ممنوع

---

[1] محرومی۔

قیام کو کرتے تھے ؟ معاذ اللہ، نہیں بلکہ اس قیام تعظیم کو حلال جانتے تھے اور بسبب خوشی حضرت کے ترک کرتے تھے کیونکہ وہاں ارضاء[1] خاطر محبوب کا منظور ہوتا نہ کہ اپنی ہوائے نفس کا اتباع جیسا کہ اب اس زمانہ میں ہے۔ الغرض حدیث ترمذی کا ترجمہ مؤلف نے بالکل غلط کیا، اب حدیث میں بھی مؤلف اپنے نفس کی رغبت سے تصرف کرنے لگا، اس کی شرح طیبی کرتا ہے قال الطیبی لعل الکراھۃ للمحبۃ والاتحاد موجب رفع التکلیف والحشمۃ یدل علیہ قولہ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ علیہ السلام، انتہیٰ۔ پس دیکھو کہ طیبی نے اس قیام کو تعظیم کا قیام لکھا ہے جو مباح و مندوب ہے اسی واسطے توجیہہ کرتا ہے، اور خود حدیث میں دلیل ہے بقولہ لم یکن شخص الخ وبقولہ اذا رأوہ کے لفظ میں مگر مؤلف محض اپنے جہل سے معنی حدیث کے غلط بناتا ہے اور وہ قائم رہنا تو خود حرام ہو چکا تھا اس کے کف[2] کیواسطے یہ اعتذار[3] عدم قیام کا کیا موقع کلام تھا فہم درکار ہے کیونکہ مقام مدح صحابہؓ میں یہ ذکر ہے کہ رضا فخر عالمؐ کیواسطے باوجود واجب ہونے یہ قیام مستحب بھی نہیں کرتے تھے اگر یہاں وہ قیام حرام ہوتا تو کیا مدح تھی کہ باوجود واجب ہونے کے بھی حرام کام نہیں کرتے تھے اس کو تو کوئی عاقل بھی نہیں قبول کریگا کیونکہ حرام کام تو ایذا[4] دہی آپؐ کی تھی اور اس کا ترک خود فرض تھا سو یہ کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ مقام مدح میں کہ صحابہؓ ایسے محب[5] تھے کہ رسول اللہ صلعم کے حرام کئے کام کو نہیں کرتے تھے، یہ کیا مدح ہے۔ الحاصل یہ قیام تعظیم جائز ہے اور اس کو فخر عالمؐ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے بوجہ بے تکلفی کے اور جہاں معلوم ہوتا تھا کہ آپ راضی ہیں تو کرتے بھی تھے جیسا حضرت فاطمہؓ نے کیا اور خود آپؐ نے ہی کیا، اور وہ جو کھڑا رہنا مثل اعاجم[6] کے ہے وہ حرام ہی ہے وہ کسی حال درست نہیں پس مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور غلط توجیہ حدیث کی کرتا ہے اور پھر وہ ایک اپنے فرضی معنی حدیث کے ٹھیرا کر جواب دیتا ہے کہ محفل میلاد میں تو قیام حرام نہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ محفل میلاد مؤلف میں وہ قیام ہے کہ قرون ثلثہ میں نہ تھا پیچھے حادث ہوا مؤلف خود قبول کرتا ہے اور بدعۃ حسنہ اس کو کہتا ہے اور یہ قیام محدث بسبب مشابہت ہنود کے اور تعیین مطلق کے محظور ہو گیا، اس کی تحقیق گوش گذار مؤلف کے پہلے ہو چکی ہے غور کر کے دیکھے، بھلا مولوی صاحب نے کب منع کیا کہ منبر پر کھڑے ہو کر مدح پڑھنی جائز نہیں اگر حاجت منبر کی ہو پڑھو، اور حدیث ترمذی میں کہاں یہ معنی ہیں جو مؤلف

---

[1] محبوب کی دلی رضامندی [2] روکنا [3] عذر بیان کرنا [4] تکلیف دینا [5] پسند کرنے والے [6] عجمی کی جمع۔

نے وضع کئے، مقصود شارع علیہ السلام کا حرام کرنا قیام اعاجم کا ہے اور اباحت قیام تعظیم کی مقام بے تکلفی میں اپنے واسطے پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ مندوب ہے، مؤلف اپنی کج فہمی سے کہیں سے کہیں جارہا ہے اب استدلال جواز قیام پر مؤلف کا دیکھو۔

صحیح بخاری میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کیواسطے منبر رکھتے تھے مسجد میں اور اس پر حسان کھڑے ہو کر فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرتے تھے پس محفل میلاد شریف میں بھی قاری مولد منبر پر کھڑا ہو کر فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا ہے، غرض کہ اس قیام میں اور ترمذی کی روایت کے قیام میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں بہت فرق ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہؓ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے نہ وقت مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نہ وقت تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بالکل غلط ہے اسکو ہم مسلم نہیں رکھتے حضرت حسان کا قیام وقت بیان فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بروایت بخاری ابھی بیان ہو چکا اور وقت تشریف آوری صلی اللہ علیہ وسلم بی بی فاطمہؓ کھڑی ہوتی تھیں اور نیز کھڑے ہوئے صحابہؓ واسطے آپؐ کے اور نیز کھڑے ہوئے آپؐ واسطے آنے حلیمہ سعدیہؓ کے اور نیز وقت آنے پدر رضاعی اپنے کے، یہ سات روایتیں دافع الاوہام میں بتوضیح وحوالۂ کتب مذکور ہیں۔

قولہ صحیح بخاری میں ہے کان الخ۔ اقول استدلال جواز قیام کو دیکھنا لازم ہے	حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر اشعار پڑھنے سے جواز قیام مولود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس قصہ میں خود فخر عالمؐ اور جملہ اصحاب قاعد ہوتے تھے اور ایک حسانؓ قائم اشعار پڑھتے تھے اور یہ قیام اور صعود[1] منبر کا اعلاءِ[2] صوت کیواسطے تھا نہ کہ تعظیم کے واسطے کہ خود فخر عالمؐ زمین پر ہوتے تھے اور حسان منبر پر چڑھے ہوتے تھے اگر تعظیم کا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر کس طرح ہوتے اور حسانؓ منبر پر کیونکر چڑھتے پس یہ قیام نہ تعظیم فخر عالمؐ کا تھا نہ تعظیم مدح

---

[1] چڑھنا [2] آواز کا بلند کرنا۔

فخر عالم کے واسطے تھا اور نہ قدوم فخر عالم کے واسطے تھا غرض جس قدر وجوہ قیام مولود میں ہیں سب کے خلاف تھا کیونکہ اگر تعظیم رسول اللہ صلعم کو ہوتا تو آپ زمین پر بیٹھے تھے حسان منبر پر کس واسطے چڑھتے اور سب صحابہ رضہ کس واسطے بیٹھے رہتے اور اگر قدوم کا ہوتا تو وہاں قدوم کسی وجہ سے نہیں تھا نہ حقیقی نہ معنوی اور جو تعظیم ذکر و مدح کو ہوتا تو سب صحابہ رضہ کیوں بیٹھتے۔ نہیں بلکہ فقط مثل خطیب کے اعلاء صوت کے واسطے تھا پس ایسے قیام سے قیام مولود کا اثبات یا قیام تعظیم کا جواز مؤلف جیسے عاقل ہی کا کام ہے کسی اہل علم سے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر مولود خواں[1] منبر پر کھڑے ہوکر سارا مولود پڑھے اور تمام سامعین بیٹھے رہیں تو یہ ہیئت اس حدیث سے جائز نکلتی ہے مگر اس قیام کا نہ کبھی کو انکار اور نہ یہ قیام قیام مؤلف کو کچھ مفید نہ اس سے خود قیام تعظیم ثابت ہو جس کو مؤلف عقلمند ثابت کر رہا ہے مگر فہم کی کوتاہی ہے آسمان ریسمان میں کچھ تمیز نہیں نہایت تعجب ہے اس فہم پر، مؤلف علماء کے جواب میں کتاب لکھتا ہے اور تعظیم قادم کو نہ مولوی صاحب نے منع لکھا اور نہ کوئی مانع بدعت منع کرے خود مؤلف اپنی کوتاہ فہمی سے سمجھ گیا پس حضرت فاطمہ رضہ کا قیام مسلم ہے مگر اس حدیث ترمذی کا اس میں ہرگز معارضہ[2] نہیں کیونکہ یہ امر مباح ہے کسی وقت اہتزاز طبع[3] کے وقت جائز رکھتے تھے، کسی وقت پسند نہیں کرتے تھے نہ بوجہ کراہت شرعی کے بلکہ وجہ کراہت طبعی کے اور یہی شان مباح کی بلکہ مندوب کی ہے۔ الغرض ایجاد اعتراض کا خود مؤلف کے ذہن کی خوبی تھی اور جواب بھی بکمال بلاہت[4] مؤلف کی ہے اور کیا کہا جاوے فہم حدیث اور مطابقت سوال جواب کی کبھی کسی نے ایسی نہ دیکھی سنی ہوگی اور کیوں نہ ہو مؤلف نے جن سے پڑھا ان پر ہی اعتراض اور انکی ہی خدمت میں گستاخی، حیاء کا نام نہیں پس مشتے نمونہ از خروارے جیسا اس انوار ساطعہ میں برعکس نام نہند زنگی[5] کافور ظلمات بعضہا فوق بعض مکنون[6] ہیں، ایسا ہی دافع الاوہام مخزن[7] شکوک و اوہام واقع ہو گی پس اس کے مطالعہ کی کس کو ہوس ہے، مؤلف ہی کو یہ علم نا مبارک مبارک رہے۔

اعتراض بانیانِ محفل میلاد شریف منکرینِ قیام پر ایسی ملامت کرتے ہیں جیسے تارکِ فرض و واجب پر۔ **جواب** جو لوگ قیام نہیں کرتے اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے

[1] مولود پڑھنے والا [2] مخالفت [3] طبیعت کی خوشی [4] بیوقوفی [5] زنگی کا نام اس کی بدصورتی کے برعکس کافور رکھتے ہیں [6] شدید تاریکی [6] پوشیدہ [7] شک و شبہات کا خزانہ۔

عقائد وہابیہ نجدیہ کے طور پر ہیں اور وہ قیام کو کفر و شرک اعتقاد کرتے ہیں پس اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک فاعلینِ قیام مشرک اور کافر ٹھہرتے ہیں اگر کسی کو اس بات پر غیظ آجاوے ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہو تو کچھ بعید نہیں، دوسری بات یہ کہ اس ایک حرکت سے اس کے دوسرے عقائدِ خبیثہ کا بھی خیال آجاتا ہے، تیسری یہ بات کہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ یہ سیکڑوں باتیں خوراک و پوشاک اور معاملات میں خلافِ صحابہ و خلاف قرون ثلثہ کرتے ہیں اور فقط قیام کرنے اور مولد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کہ قرون ثلثہ میں نہیں ہوئی کرتے ہیں اور باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں اس وجہ سے بھی محبینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے۔

بانیانِ مولود کے تارکینِ قیام پر مثل تارک فرائض کے ملامت کرنے کا حال

قولہ اعتراض، بانیان محفل الخ

اقول مؤلف نے اس اعتراض کو تو قبول کیا کہ مولودی منکرِ قیام پر مثل تارکِ فرض کے ملامت کرتے ہیں اور اس کا ہی نام مندوب کو واجب بنانا ہے جس کو شرع میں تغیر حکم اور بدعت کہتے ہیں پس اعتراض بدعت ہونے قیام کا تو ہو لیا مگر علت علامت کی کچھ تحقیق کرتا ہے سننا چاہئے کہتا ہے اکثر منکرِ قیام عقیدہ وہابیہ کا رکھتے ہیں اور قیام کو شرک اور قیام کرنے والوں کو مشرک جانتے ہیں۔

دوسرے ان کی حرکت سے ان کے دیگر عقائد کا خیال آجاتا ہے اس سے طبع بھڑک جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ بہت امور خلاف صحابہؓ کے کرتے ہیں اور ایک قیام و محفل مولود میں کلام کرتے ہیں یہ تین سبب غیظ کے ہیں پس مؤلف نے ملامت اور سب و شتم کو تو تارکِ قیام پر مسلم کیا مگر سبب اس کا یہ تین امر قرار دیا ہے اور غرض مؤلف کی یہ ہے کہ ہم قیام کو واجب جاننے کے سبب ملامت نہیں کرتے مگر یہ تین امر سبب و باعث ملامت کے ہوتے ہیں پس یہ تقریر مؤلف کی محض کذب ہے اس واسطے کہ اگر یہ امور باعث دست[1] و گریباں ہونے کے ہیں تو اہلِ بدعت سے اور فساق و فجار ظالموں سے اور رشوت خواروں سے تو جو اہل سنت کو کافر جانتے ہیں اور مخالفت حدود اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور خلق اللہ کو سخت اذیت دیتے ہیں ان سے کبھی مؤلف ناراض نہ ہوا بلکہ محبت سے ہر روز اور الفت سے ملتا رہا اور ہم پیالہ و نوالہ کبھی حمیت[2] دین اللہ

---

[1] لڑائی کا سبب [2] مدد۔

تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ آئی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو فرض عین ہر بشر پر ہے کبھی منہ سے نہ نکلا بلکہ مدح وثنا کرکر مورد اذا مدح الفاسق اھتز عرش الرحمٰن و غضب الرب کا ہوتا رہا اور انکم اذا مثلھم کا مصداق بنتا رہا، اگر یہ امر ونہی مثل ان معاصیؔ کے ہوتے تو کیا خصوصیت اس کی ہے بالفرض زیادہ مؤکد ہونیکا عقیدہ ہوگا اور نہیں تو یہ محض کذب ہے ہاں اگر دیگر اہل بدعت سے ان کے عقائد شرک تک پہونچے ہوئے ہیں اور فساق فجار سے بھی ایسا کرتا تو یہ عذر یہاں بھی معتبر ہوتا اور نہ محض جان چھڑانی اور دفع الوقتیؔ ہے کہ قابل اعتبار کے نہیں فی الحقیقت معاملہ اس مستحب کا مثل واجب کے ہے لہذا منکر اس مستحب کو مثل تارک واجب وفرض کے جانتے ہیں اگر مؤلف کو شاید یہ وجہ ہو تو دیگر ہم مشرب اس کے کا قطعاً یہی عقیدہ اور یہی معاملہ ہے اور محض انکار بدیہی امر کا ہے ۔

> ہاں اگر معلوم ہو جاوے کہ اس شخص کے سب عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی یہ بُرا نہیں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی آدمی زجر و توبیخ نہ کریگا ہاں البتہ یہ تو کہیں گے کہ آداب محفل کا مقتضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر ہوتا، چنانچہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے باب اسماع میں کہ یہ باب آداب حقوق صحبت کے خلاف ہے کہ کھڑا ہونے میں موافقت نہ کرے پس اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ غصہ آجانا تارکِ قیام پر اور سبب سے ہوتا ہے نہ کہ اس سبب سے کہ فاعلینِ قیام فرض و واجب جانتے ہیں قیام کو یہ تو بالاتفاق فتاویٰ میں مفتیانِ دین تصریح فرما چکے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا فرض واجب نہیں بلکہ مستحسن اور تعظیم و ادب کی بات ہے ۔

قولہٗ ہاں اگر معلوم ہو جاوے الخ۔ اقول مؤلف کی بیدار مغزی دیکھنے کے قابل ہے کہ جناب مولوی احمد علی صاحبؒ نے اپنے جواب میں یہ افادہ فرمایا تھا کہ "تارکش را بدتر از تارک جماعت دانند" اس میں مؤلف نے یہ اعتراض نکالا ہے، مگر چونکہ مؤلف قیام کے استحباب کا قائل ہوتا ہے گو معاملہ واجبات جیسا کرتا ہے تو سوچا کہ اگر تارک پر ملامت کا اقرار کروں گا تو بات خلاف دعویٰ ہو جائیگی تو تقریر اعتراض میں بجائے تارک کے منکر بنایا اور پھر نفس

لہ معصیت کی جمع ۔ گناہ ۲ہ وقت ٹالنا ۳ہ اس مجلس کے چھوڑنے والے کو تارک جماعت سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔

انکار مستحب کو بھی باعثِ لوم نہ جانا تو یہ عذرات کذب پیدا کئے تھے جو مذکور ہوئے آخر دروغ گو را حافظہ نباشد اس قول میں اپنی اصل پر آگیا کہ وہاں جو معلوم ہو جاوے کہ ہمارے عقیدہ کے موافق ہے اور پھر ترک قیام کرے تو توبیخ نہیں کرتے مگر موافقت کی فہمائش اور تعلیم ادب کرتے ہیں پھر جب اس میں بھی خدشہ نظر آیا تو آیت سے استدلال پیدا کیا کہ جس سے بادی الرائی میں تاکد بلکہ وجوب مفہوم ہو پس یہ تقریر مسلسل قابل تحسین مؤلف کے اور عجب ہے سو پہلے ان کی بناوٹ کذب کی تلمیع تو ظاہر ہو چکی کہ کوئی رفض و خروج مثل انکار قیام مولود کے نہیں، سب سے دوستی و مداہنت کے ساتھ معاملہ ہے مگر تارک قیام کے ساتھ زجر و توبیخ سے پیش آتے ہیں، اس کو سنو کہ مسجد میں لوگ نوافل پڑھیں اور ایک آدمی نہ پڑھے تو اس کو موافقت ادائے مستحب پر ادب نہیں سکھاتے تراویح کی ادا میں سب قائم ہو دیں ایک شخص قاعداً پڑھے محض کاہلی سے اسکو استحباب کا حکم نہیں ہوتا، علیٰ ہٰذا صدہا امور میں بلکہ مکروہات کے ارتکاب پر بھی حکم موافقت کا بترک مکروہات نہیں ہوتا مگر یہاں یہ حکم کرنا موافقت کا باداۓ مستحب اور ترک کرنا مخالفت کا بترک مستحب ایسی ضروری ہے کہ ضرور اس میں ادب کی تلقین ہوتی ہے یہی نفس کی چوری ہے کہ سب مستحبات میں سے اس پر زیادہ اصرار اور در پردہ وجوب کا معاملہ ہوتا ہے مگر مؤلف دانستہ دانستہ کہتا ہے تاکہ کوئی متنبہ اصل مدعا پر نہ ہو جائے۔ اور امام محمد غزالی کا قول باب سماع کا حجت مل گیا دیوانہ را ہوئے بس است۔ حالانکہ وہ ایک امر مباح میں موافقت طلب کرتے ہیں اور مؤلف امر مکروہ میں موافقت چاہتا ہے اور فتاویٰ میں قیام تعظیمی کو جائز لکھا ہے، معترض بھی انکار نہیں کرتا مگر یہ اس وقت جائز ہے کہ کوئی محظور شرعی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔ مگر بہر حال اس ادب و مستحب ہوتے قیام سے مؤلف کو خدشہ ہوا کہ اب عوام بے پروائی کر کے چھوڑ دیں گے تو انتظام بگڑا اور خواہش نفسانی کے خلاف ہو تو کہتا ہے۔

اور غور سے دیکھئے تو بعض اوقات میں یہ تارک قیام نص قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یٰایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل لکم انشزوا فانشزوا یعنی اے ایمان والو! جب تم کو کہا جاوے کہ کھل بیٹھو مجلسوں میں تو کھل بیٹھا کرو اور جب کہا جاوے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اب معلوم کرنا چاہئے

لہ سبب ملامت لہ ڈانٹ ڈپٹ لہ بظاہر رائے لہ لیپ پوت ہ فریب لہ دیوانے کیلئے ہُو کی آرزو کافی ہے

کہ جب قاری مولد نے پڑھا ہ اٹھو ذکر میلا د حضرت ہے اب ہ ۔ یا اس طرح پڑھا ع چاہیئے آداب سے کرنا قیام ۔ یا یہ کہ اس وقت کھڑے ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اٹھ کھڑا ہو اور اس نے نہ یہ کیا کہ کھڑا ہو جاتا نہ یہ کیا کہ اٹھ کے باہر نکل جاتا ، تو دیکھیئے وہ اس وقت میں مخالف امر خداوندی کا ہو گیا کیونکہ نزول اس آیت کا منشا یہی ہوا تھا کہ لوگوں کو وہ باتیں تعلیم کیجئے کہ آپسمیں محبت پیدا ہو بغض وعناد وحشت نہ ہو ، چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورۃ الصدر کے شروع میں لکھا ہے اعلم انہ تعالیٰ لما نہی عبادہ المؤمنین عما یکون سببًا للتباغض والتنافر امرھم الآن بما یصیر سببا لزیادۃ المحبۃ والمودۃ ۔ اب سب ارباب انصاف خیال فرماویں کہ اگر وہ شخص کھڑا ہو جاتا تو اتحاد ومؤانست باہمی کا سبب ہو جاتا اور کھڑا نہ ہونا بغض اور نفرت کا سبب ہو گیا تو یہ فعل اس کا کس قدر منشاء حکم خداوندی سے بعید جا ٹھہرا فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

قولہ اور غور سے دیکھئے الخ ۔ **اقول** جب غور سے دیکھا تو مؤلف کی چالاکی معلوم ہوئی کہ صیغۂ فانشزوا امر کا صیغہ ہے اور موجب اس کا وجوب ہوتا ہے تو اس آیت سے ایجاب قیام ثابت کرنا مدنظر ہے اور یہ خوب محقق ہو گیا کہ مؤلف کو ہرگز فہم نہیں ، اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تم کو حکم ہو کہ کھڑے ہو جاؤ تو سعۃ مکان کیواسطے یا خدمت فخر عالم سے چلے جاؤ یا جہاد وصلوٰۃ کی طرف چلو یا کسی امر ماموری طرف تو اجابہ کیا کرو ، تو اس میں امر مشترک یہ ہے کہ ماموری طرف اٹھا کرو جیسا مامور ایسا ہی اس کے واسطے قیام ونشوز[1] ، فرض کا فرض ، مندوب کا مندوب پس اگر یہ قیام مؤلف کا مندوب ہی ہوتا اور عروض وعوارض[2] سے مکروہ نہ ہوتا جب بھی وہی استحباب نکلتا تھا اور مؤلف کی مراد حاصل نہ ہوتی تھی چہ جائیکہ شرع سے اس قیام مخصوص کا بوجہ مخصوص بدعت ہونا اور کراہت ثابت ہو گیا پھر کس طرح یہ قیام اس آیت میں داخل رہ سکتا ہے اول اس کو مندوب ثابت کرنا تھا بعد اس کے یہ آیت پڑھنی تھی مگر مؤلف کا فہم معلوم لیکن ہاں یہ معنی ہیں کہ جس وقت یہ امر بدعت کیا جاوے تو تم وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ معصیت[3] کے مجمع سے اٹھ کر چلا جانا بھی مامور اس آیت سے ہے ۔ اب تفسیر کبیر کی عبارت جو مؤلف سمجھا ہے اس کی حقیقت سننے کے قابل ہے ، یہ عبارت " اعلم انہ تعالیٰ لما نہی الخ " جو مؤلف نقل کرتا ہے کبیر نے پہلے اس آیت سے ربط

---

[1] اٹھنا [2] عارض کی جمع [3] گناہ ۔

کیواسطے لکھی ہے کیونکہ پہلے آیت مناجات وسرگوشی کے احکام میں تھی یہاں سے اس پرحکم شروع ہوا یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا الآیۃ تو یہ کہتا ہے کہ سرگوشی کرنا جو پہلے مذکور ہوا موجب تھا تباغض [1] کا اس کی نہی فرما کر وہ امر ارشاد کیا کہ جس سے اتحاد ہو وہ یہ کہ ہر ایک دوسرے کیواسطے فسحت [2] کرے اور شریک خیر و راحت کا ہووے کہ موجب زیادۃ حب کا ہے، اور نشوز جو یہاں ہے ایک معنی پر توسع مجلس کیواسطے بھی مراد لیا گیا ہے تو وہ موجب حب کا ہے تو اس کو اس قیام پر حمل کرنا سوء فہم ہے کیونکہ یہ اگر مندوب ہوتا حسب زعم مؤلف کے تو اس میں کسی کی اعانت یا راحت مقصود نہیں ہر شخص اپنے عمل میں مشتغل ہے تو اس آیت سے اس کو کیا علاقہ ہے کوئی مجلس وعظ درس میں مربع [3] بیٹھے اور سب دو زانو بیٹھیں تو یہ ترک ادب موجب کسی کے ملال کا نہیں اور نہ باعث تکلیف کا پس یہ تفسیر محض خیال مؤلف کا ہے کیونکہ اس کے خیال میں وجوب قیام ہی ہے اور البتہ ترک واجب میں مخالفت ہوتی ہے پس دیکھو کہ مؤلف نے ناکام کام کیا کہ نہ تفسیر کبیر کی مراد سمجھا اور نہ قرآن کو مفسرین کے موافق تفسیر کیا اپنی رائے سے تفسیر کی اور پھر بھی مدعا حاصل نہ ہوا، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اعتراض قیام کرنیوالوں کو اگر اس بات کی تعظیم منظور ہوتی کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جاوے تو فقط وقت ولادت کے کیا خصوصیت تھی۔ چاہیئے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یا مجلس میں تشریف لائے یا حج یا جہاد کر کے پھر آئے ہر قدوم کا ذکر سُن کر کھڑے ہو جایا کرتے۔ **جواب** ان قدومات میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اسی جماعت کیواسطے ہوئی، دوسرے لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے برخلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے، یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا رحمت ہے تمام عالم پر جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائیگا اور جو چیز ثریٰ سے عرش تک ہے کل کیلئے آپ کا پیدا ہونا رحمت ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین پس اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے اس لئے قیام کرنا اس اعلیٰ درجہ کے قدوم میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قدوم کا احسان اسلام پر ظاہر فرمایا ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ

[1] بغض رکھنا [2] کشادگی [3] چار زانو۔

بعث فیھم رسولاً اور مسجد میں تشریف لانے کی بابت نہیں فرمایا منّ اللہ علی المؤمنین اذا خرج رسولاً من بیتہٖ الی المسجد یہ اس لئے کہ وہ تشریف آوری دولت خانہ سے مسجد تک مخصوص انہی چند صاحبوں کے حق میں تھی جو کہ قید احاطۂ مسجد میں تھی پس منت اس کی اللہ تعالیٰ کل آدمیوں پر کس طرح ظاہر فرماتا بخلاف پیدائش حضورؐ کے کہ وہ کل کیلئے اس لئے اس کی منت کل پر ظاہر فرمائی اس لئے کل کا دستور ٹھیر گیا کہ جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئیہ ہیں۔

قولہ اعتراض، قیام کرنیوالوں کو الخ | ذکر ولادت کی طرح ذکر معراج و حج وغیرہ پر قیام نہ آنے کا جواز بے اصل ہے

اقول خلاصہ جوابِ مؤلف کا یہ ہے کہ قدوم ولادت کا تمام عالم کیواسطے ہے اور دیگر قدومات خاص صحابہؓ کیواسطے تھے لہٰذا اس قدوم ولادت کو دیگر قدومات پر زیادہ شرف ہے اس واسطے ولادۃ پر رواج قیام کا ہوا مگر یہ جواب نہایت بے معنی ہے اول تو معترض کی غرض یہ ہے کہ آپ کے سب قدوم لائق تعظیم کے ہیں شریف و اشرف کا فرق نہیں، دیکھو کہ حضرت فاطمہؓ اور بعض صحابہؓ نے ان ہی قدومات[1] پر قیام کیا تھا اور قدوم ولادۃ میں وقوع قیام بظاہر ہوا ہی نہیں پس اگرچہ ولادۃ اعلیٰ ہی ہو تاہم دیگر قدومات لائق تعظیم کے ہیں اور نص سے قابلِ تعظیم ہونا انکا معلوم ہوا ہے پس جیسے قدوم ولادۃ کی تعظیم میں قیام ہے قدومات دیگر میں بھی چاہئے تو اس کا جواب مؤلف دیتا ہے کہ ولادۃ اعلیٰ ہے پس یہ کس قدر بے موقع جواب ہے کہ سوال کچھ، جواب کچھ، معترض کہتا ہے سب قدوم اعلیٰ اور ادنیٰ لائق تعظیم ہیں، مؤلف جواب دیتا ہے کہ قدوم ولادت اعلیٰ ہے، اب بولو کہ یہ مؤلف کا جواب ہے یا کچھ اور ہے، ہاں اگر یہ ثابت کرتا کہ سوائے ولادۃ کے دیگر قدوم لائق قیام تعظیم کے نہیں تو البتہ جواب تھا گو غلط ہے مگر جواب تھا۔ دوسرے یہ کہ آپکے ان مقدمات کی مخصوص بصحابہؓ ہونے سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ ہے کہ نفع زیارت و صحبت کا اس جماعت کو تھا تو ولادت کے قدوم کی بھی یہ دولت بایں وجہ صحابہؓ ہی کو تھی سو ولادت کی تعمیم کچھ نہ رہی اور اگر نفع بعثۃ کا کہ علم اور دین کی اصلاح ہی مراد ہے تو وہ آج تک چلا جاتا ہے کہ صحابہؓ نے آپ سے حاصل کر کے ہم تک پہنچایا ورنہ کیونکر آتا پس نہ معلوم کہ مؤلف نے کیا مراد رکھا ہے کیونکہ زیارت و صحبت تو ولادت و وجود کے باعث صحابہؓ

[1] تشریف آوری۔

کو ہی تھی مثل دیگر قدوما کے اور نفع مطلق دارین کا سوائے صحبت کے قیامت تک سب کو ہے سب
قدوما کا مثل وجود کے سو ایسی بے معنی توجیہ سے کیا نفع مؤلف کو ہے سوائے مضحکہ[1] ہونے کے
تیسرے یہ کہ مؤلف ان قدوما پر قیام تعظیم کو آپ ہی بڑے شدومد[2] سے ثابت کر کے اس کو مقیس[3] علیہ
قیام ذکر ولادت کا بنا چکا ہے اب اس کو ادنیٰ غیر قابلِ تعظیم ہونا لکھنے لگا تو گویا فعل صحابہؓ
سے جو قیام تعظیم ثابت ہوا وہ چنداں معتبر نہ تھا اس کا ذکر بھی قابل تعظیم قیام کے نہیں ولادت کا
ذکر جو مقیس[4] ہے وہ زیادہ قوی اور قابل تعظیم کے ہے اور قدوم شریف میں قیام لائق نہیں قدوم
اشرف میں لائق و احق ہے سو یہ بات رائے ناقص مؤلف کی خلاف نص کے ہے سو اس کو نص سے
ثابت کرنا واجب ہے ورنہ ہرگز قابلِ التفات نہیں، چوتھے جو کہ کلی جزئی جو مؤلف لکھتا ہے اگر باعتبار
نفع عام و خاص کے ہے تو دونوں کا نفع عام معلوم ہو چکا اور جو باعتبار مقصود کے ہے تو اصل[5]
مقصود رسالت کا یہ ہے کہ قدوما میں جن میں تلقین تعلیم دین کی فرماتے تھے اور وجود شرط و موقوف علیہ
رسالت کا ہے اور شرط و موقوف علیہ اصل مقصود نہیں ہوتا مقصود ہی اعلیٰ ہوتا ہے شرط سے۔
پانچویں مؤلف دلیل شرافت ولادۃ میں جو آیۃ وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین ذکر کرتا ہے
اور آیت لقد منّ اللہ علی المؤمنین ان دونوں آیت میں مبعوث کرنے اور رسول بنانے کا
احسان اور فضیلت ہے یہ دونوں امر منت کے بعد ولادت کے چالیس سال بعد ہوئے، فضلِ ولادۃ
میں آیات سے حجت لانا نہایت جہلِ لغت اور مراد حق تعالیٰ سے ہے اور مقصود رسالت و
بعثت سے وہی ثمرات و نتائج قدوقات جزئیہ کے ہیں اور وجود کی شرافت پر اس کی دلیل بواسطہ
ہے پس یہ استدلال اور یہ جواب محض بلاہت[6] ہے اور جو موقوف بعثت کا ہونے کی وجہ سے فضیلت
ہے تو جو موقوف علیہ اقرب[7] الی المقصود ہوتا ہے وہ اعلیٰ ہوتا ہے تو شرح صدر مثلاً اعلیٰ ولادت سے
ہونا چاہئے اور یہ نکتہ فہمی مؤلف کی کہ حق تعالیٰ نے آیت میں خروج عن البیت کو نہیں فرمایا، سبحان
اللہ کیا علم ہے یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ نے لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ خلق بھی تو نہیں فرمایا جس سے
ولادۃ کا فضل نکلتا بعثت تو نبوت کے معنی ہیں نہ کہ ولادت کے پس ان جزئیات کو اس واسطے
نہیں فرمایا کہ یہ سب افراد رسالت و بعثت کے اور آپ کا ہر ہر خروج و دخول حرکت و انقلاب سب
اثبات شریعت و احکامِ دین کرنا تھا لہٰذا عام جامع[8] کلمہ فرمایا سبحان اللہ مؤلف دعویٰ قرآن فہمی

---

[1] ہنسی [2] زور و شور [3] جس پر قیاس کیا جائے [4] جس کو قیاس کیا جائے [5] مدار [6] زبان سے ناواقفیت [7] بیوقوفی [8] مقصود سے قریب
[9] سب کو جمع کرنے والا۔

کا بھی لکھا ہے بایں علم و فہم ۔ الحاصل سب ذکر فخر عالم میں قیام مندوب تھا مگر مؤلف نے ذکر قدوم میں بوجہ مناسبت حصر کیا تھا اب ولادت میں خاص کر دیا اور سب پہلی تحریرات کو بھول گیا اور اپنے گھر بنائے کو ہدم کر دیا اور یہ کلمہ گستاخ اس کا کہ آپؐ کے گھر سے تشریف لانے اور غزوات سے سالم قدوم مبارک میں اور آپؐ کی تبلیغ وغیرہ میں سوائے صحابہؓ کے کسی کو کیا نفع ہوا ہے جو اس کو فحوائے[1] کلام سے نکلا صریح بے ادبی ظاہر اور مخالف نص قرآن شریف کی ہے، حق تعالیٰ تو اس کلمہ مطلقہ عامہ میں[2] اذ بعث فیہم رسولاً منہم ۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین تمام ذرہ ذرہ آپؐ کے افعال اقوال کو نعمت بتاتا ہے نعمۃ عامۃ الیٰ یوم القیامۃ ، اور مؤلف سوائے صحابہؓ کے سبکو محروم ٹھیراتا ہے سوائے نفع ولادت کے کہ سب منافع رسالت کے عموم اور ابدیت[3] سے انکار کرتا ہے گو نہیں سمجھتا اور لائق احسان کے نہیں جانتا معاذ اللہ ۔ ناظرین اس شوخ کلامی اور کوتاہ فہمی اور ناعاقبت اندیشی کو غور فرمائیں کہ اپنی بدعت تخصیص قیام کے جواز میں کیا کیا تکلیف دور از دین و دانش اختیار کر کے دین کو برباد کرتا ہے پس زیادہ کیا کہوں ۔

اعتراض قیام وقت ذکر ولادت نہایت الامر یہ ہے کہ اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آویگی مگر مباح کو سنت و واجب جاننے سے پھر بدعت و منکر ہو جاویگا ۔

جواب جو شخص کہ از روئے دلیل اس کی اباحت ثابت کریگا کہ یہ کس طرح عقل میں آوے کہ وہ خود مباح کہہ کر واجب جاننے لگے یہ تو کوئی ذی شعور مسلم نہ رکھیگا باقی رہی یہ بات کہ مبادا اور آدمیوں کو واجب ہونے کا دھوکہ لگے سو صورت اس کی یہ ہے کہ یہ معنی تو بدعت کے نہیں کہ کوئی شخص فعل مباح یا مستحب کرتا ہو اور دوسرا آدمی اس کو اپنے خیال میں واجب سمجھ جاوے تو اصل فاعل کے حق میں وہ امر بدعت ہو جاوے ہاں بعض فقہاء کے کلام سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل میں ڈرا کرتے تھے کہ ہم کس کس کو کہتے پھریں گے ، مبادا عوام لوگ اس کو فرض خیال کریں سو اس مسئلہ خاص میں یہ علت مفقود ہے کیونکہ علمائے عرب کے فتویٰ چھپ چکے ، تفسیر روح البیان اور سیرت حلبی چھپ چکی اور علماء فرنگی محل و علماء کلکتہ و الہ آباد و بمبئی وغیرہ بلاد عظیمہ عرب و عجم کے رسالے اور فتاویٰ چھپ چکے کتنے کتنی صدیاں گذر گئیں یہ اعلان کرتے

---

[1] ڈھادیا [2] مضمون [3] جبکہ بھیجا گیا ان میں رسول ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو مگر سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر ہمیشگی

ہوئے کہ یہ مجلس پاک اور قیام کرنا مستحسن ہے پس اس قدر اعلان اور اشتہار کرنے کے بعد وہ علۃ جاتی رہی اور اشتباہ کا محل نہ رہا تو اس قیام کی التزام دائمی میں جو صورت کراہت عند البعض الفقہاء متصور تھی وہ بھی نہ رہی اور بدعۃ ضلالۃ ہونا تو کسی طرح ثبوت ہی نہیں رکھتا اور اعتراض آئندہ میں بھی اس کا دفعیہ کریں گے۔

قولہ اعتراض، اگر نہایت | اگر امر مباح یا مستحب کی مداومت موہوم وجوب ہو تو ترک واجب ہے

عرق ریزی کوئی کرے الخ۔ **اقول** مراد معترض کی یہ ہے کہ قیام مطلقاً ذکر فخر عالم پر مندوب ہے اور تخصیص ذکر ولادت کی بدعت ہے، اور اگر کوئی محنت کر کے بالفرض اباحتِ تخصیص[1] اس قیام کی ثابت کر دیوے تو پھر بھی جب عوام اس کو واجب جاننے لگے تو ان کے حق میں بدعت ہوا اور خواص کو اس کا کرنا مکروہ ہوا کہ موجب افساد عقیدہ عوام کا ہے تو مؤلف کیا خوب سمجھا جواب دیتا ہے کہ اگر کوئی اباحت ثابت کریگا وہ واجب کس طرح جانے گا، سبحان اللہ معترض کب کہتا ہے کہ خود مستدل واجب جانے گا، معترض یہ کہتا ہے کہ ہر چند کوئی اس کی اباحت ثابت کرے مگر تاہم جو عوام اس کو اصرار دوام کے سبب واجب جان رہے ہیں ان کے حق میں بدعت ہی ہو دیگا اور مفید جواز کو نہ ہوگا مگر مؤلف عام فہم مطلب سے اوپر کو ہی اڑتے ہیں پس مؤلف کا یہ قول محض بے معنی ہے پس سنو کہ مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے اور جس دوام فعل خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو وہ امر خواص کو اعلان دوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے کیونکہ سبب مذموم کا مذموم ہے قال الحلبی فی وجہ کراھۃ صلوٰۃ الرغائب ومنھا ان العامۃ یعتقد ونہا سنۃ فیکون فعلہا سبباً للکذب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس ظاہر ہوگیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے مؤلف اس امر کو بعض علماء کی طرف نسبت کرتا ہے حالانکہ جملہ امت کا اتفاق اس پر ہے مگر مؤلف دبا دبا کہتا ہے، نہ اصل مراد معترض سے خبردار اور نہ قواعد دینیہ سے واقف نہ فہم سے علاقہ جو چاہا منہ سے نکال دیا۔ اور یہ قول مؤلف کا کہ عام علماء نے استحباب کو طبع کرا دیا ہے اس وجہ سے علتِ کراہت رفع ہوگئی یہ قول کس قدر دور از فہم ہے کیونکہ صلوٰۃِ رغائب کی کراہۃ اور بدعت ہونا علماء نے تحریر و تقریر سے تمام عالم میں اشتہار کیا مگر تس پر عوام جہلاء نے نہ

---

[1] تخصیص کا مباح ہونا نہ قابل مذمت۔

نہ چھوڑا اور کسی عالم نے نہ کہا کہ اب اشتہار عدم سنیت اس کا ہو چکا اب خواص کو مکروہ نہیں، دوسرے یہ کہ جب خواص زبان سے کہیں کہ مؤکد نہیں مگر عمل درآمد اس التزام سے کریں کہ ترک اس کا مثل سنت مؤکدہ کے زبوں جانیں تو عوام کو زبانی کہنا کیا نافع ہوگا اور تحریر فتاویٰ اور طبع اس کا عوام کو کیا مفید ہے کہ نہ پڑھ سکیں اور نہ سمجھیں اور نہ ان کو ان امور کا خیال اور نہ تحقیق کا فکر کہ رسالہ خرید کر پڑھیں سو یہ اشتہار طبع کس قدر عذر غیر معقول المعنیٰ[1] ہے۔ تعین سورہ کا مسئلہ ہی دیکھو کہ باوصف شہرت کے اور تحریر کتب کے اب بھی علماء اس کو مکروہ ہی کہہ رہے ہیں چنانچہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی اور سب دیگر مسائل پس ایسے حیر لوز عذرات سے مؤلف کو شرم نہیں آتی افسوس کہ خلاف کتب دینیہ کے کس طرح اس کا قلم ایسے کلام لایعنی پر چلتا ہے۔ الحاصل ہر روز فقہاء ایسی حالت میں تحریر اور اشتہار پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوام کو مکروہ ہی کہتے رہے ہیں بلکہ چاہیئے کہ گاہ گاہ ترک کر دیا کرے تاکہ عوام کو یہ خدشہ نہ ہو مگر مؤلف ہر روز جدید قاعدہ خلاف امت کے شرع میں نکالتا ہے کیونکہ شرع نے تو اس صورت کو مکروہ ٹھیرایا تھا اس واسطے کہ فعل علماء خواص کو ہر عام دیکھتا ہے پس اس کے دوام سے خود عوام واجب جان لیویں گے اور تحریر کا یہ حال ہے کہ لاکھوں میں ہزاروں پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہزاروں میں صدہا غافل بے پرواہ اور صدہا میں عدید آدمی فہمیدہ ہوتے ہیں، پس تحریر سے نفع نہیں ہوتا مگر مؤلف اس کو اپنی رائے سے نافع کہہ رہا ہے اور نفع قواعد فقہاء کا وہ سمجھے کہ فہم من اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہو ہر عامی کا کام نہیں کہ اپنی رائے سے قواعد فقہاء کو رد اور اپنی رائے ناقص سے ایجاد کیا کرے پس یہ قول مؤلف کا بالکل غلط خلاف عقل اور نقل کے ہے کہ اس طبع اور اشتہار سے علت کراہت مرتفع ہو گئی۔

اعتراض یہ لوگ اگر قیام کو مباح یا مستحسن جانتے ہیں تو واجب کی طرح دائمی بالالتزام کیوں کرتے ہیں حالانکہ امر مستحب اصرار کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ **جواب** التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں علی العموم بلکہ بعض صور خاصہ میں بعض فقہاء تحریر فرماتے ہیں وہ ہمارے محوائے کلام سمجھ لیجو تحقیق اصل مسئلہ قیام کی یہ ہے کہ۔

قولہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ قیام کو مباح الخ۔ **اقول** اول اس امر کو محفوظ رکھنا ضروری

[1] جس کے معنی معقول نہ ہو لا سے چند۔

ہے کہ مؤلف کو ہنوز دوام اور اصرار میں بھی تمیز نہیں سنو کہ دوام مستحب کا شرع میں محمود ہے بشرطیکہ اس کے ادا سے کوئی محظور[1] بلکہ شرعی لازم نہ آجاوے اور دوام عبارت ہے ہر روز کرنے سے اور اصرار کہتے ہیں کسی امر پر بندھ جانا اور اڑجانا ایسا کہ ترک کرنا اس کا دشوار ہو مثل ترک ضروریات کے پس اصرار مندوب کا شرع میں مذموم ہے بقولہ علیہ السلام ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ اور مصر علی المندوب گویا محرم رخصۃ کا ہوتا ہے اور اس کا ہی نام تعدی حدود اللہ تعالیٰ ہے اور مدیم چونکہ مصر نہیں ترک بھی کر سکتا ہے لہٰذا وہ محرم جانب مقابل کا نہیں پس اصرار مستحب کا مکروہ ہوا کہ تعدی حدود اللہ کی ہے اور ادامۃ مکروہ نہ ہوئی بشرطیکہ عوام کو مضر نہ ہو، اب سنو کہ معترض اصرار قیام کہتا ہے یہ معنی کہ مطلق قیام جو مستحب تھا اس پر ایک فرد میں ایسا التزام و اصرار کہ ترک اس کا مثل واجب ناگوار جانتے ہیں اور یہ تعدی حد اللہ تعالیٰ ہے نہ کرنی چاہیئے پس پہلے اعتراض میں تو بوجہ خرابی عقیدۂ عوام کے اعتراض تھا اور اس میں خود مرتکب کے اصرار کی وجہ سے اعتراض ہے اور دونوں میں فرق واضح ہے اس کا خیال ہے۔

قولہ جواب، التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں الخ۔ **اقول** جس امر مستحب میں التزام و اصرار پیدا ہو جاویگا وہ مکروہ ہو جاویگا البتہ دوام محض مکروہ نہیں بشرط عدم مانع، مگر چونکہ مؤلف کو دوام و اصرار میں تمیز نہیں تو کم فہمی سے خیر العمل ما دیم علیہ کو پیش نظر کر کے یہ لکھ رہا ہے حالانکہ اس کو اور اس کو بہت فرق ہے جیسا واضح ہوا پس قول اس کا کہ التزام علی العموم مکروہ نہیں محض غلط ہے یہ کم فہمی سے سرزد ہوا ہے حالانکہ روایت مجمع واستنبط منہ ان المندوب فینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ اور عبارت طیبی کی فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعل عزماً ولم یعمل بالرخصۃ قد اصاب منہ الشیطان من الاضلال دونوں عام ہیں کیونکہ ان میں اصرار ہے اور حدیث میں دوام پس نہ معارضہ نہ مخالفت پس اب قول مؤلف کا کہ اصرار علی العموم مکروہ نہیں غلط ہے اصرار مندوب کا علی العموم مکروہ ہے جیسا کہ مجمع اور طیبی سے ثابت ہو گیا اور دوام محمود ہے جب تک کہ دوام سے عوام کو مضرت نہ ہو اور قیام میں مولودیوں کو اصرار ہے جیسا کہ تحریر مؤلف سے خود معلوم ہوتا ہے۔

تعریف کیا ہوا [1] شرعی رکاوٹ۔

ہم اس کو مستحبات میں سمجھتے ہیں مذہب جمہور یہی ہے اور اسی پر عمل ہے تمام بلاد اسلامیہ میں، اور منکرین میں ایک ایسا فرقہ ہے کہ اس قیام کو حرام کہتے ہیں اور بعضے ان میں کے بدعۃ مطلقہ اور بعضے ان میں کے بدعۃ ضلالۃ اور بعضے انمیں کے شرک قرار دیتے ہیں۔

قولہ ہم اسکو مستحبات میں الخ۔ **اقول** مطلق ذکر اللہ و ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نفس قیام جائز ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر ہاں جب تخصیص مطلق یا تشبہ یا اصرار عارض ہو جاوے یا عقیدہ حضور روح فخر عالم کا بعلم استقلال ہو تو اس وقت اس کو مکروہ و بدعت و شرک کہتے ہیں ورنہ نفس قیام میں خلاف نہیں مؤلف کو تاہ فہمی سے جو چاہے سمجھ لیوے۔

پس اس صورت میں مجوزین قیام کبھی اگر ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں سما جاوے یہ بات کہ یہ قیام بلاشک ممنوع ہے کہ انہوں نے بھی ترک کر دیا تو اس صورت میں بدل جاویگا حکم شرعی اور ثابت کر چکے ہم دلائل شرعیہ سے اس کتاب میں اباحت و استحسان قیام پس جبکہ امر مباح و مستحسن کو لوگ شرک اور کفر یا حرام سمجھنے لگیں تو اس سے زیادہ تعدی حدود اللہ میں کیا ہوگی جس طرح مندوب کو واجب سمجھنے میں تغیر شرع ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں تبدیل احکام اللہ اور تغییر دین ہے بنائے علیہ مناسب سمجھا گیا کہ نہ ترک کیا کریں اس قیام کو واسطے مصلحت کے، ہاں اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ کسی کو اس کے استحباب میں کلام نہ ہوتا تو اس صورت میں التزام و اہتمام اس کا بقول ان بعضے فقہاء کے نہ کیا جاتا کیونکہ ایسا امر جو سب کے نزدیک محمود بالاتفاق ہو اور کوئی اس میں انکار نہ کرتا ہو بلکہ سب اسکو اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت اور التزام سے البتہ عوام کے دلوں میں شبہ وجوب یا فرضیت کا پڑ سکتا ہے وہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور سب بالاتفاق کمال تاکید و اہتمام سے کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض و واجب ہوگا، پس صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلاء سند میں لائے ہیں در حقیقت وہ ایسے ہی مندوب اور مستحب بالاتفاق کے حق میں ہے کہ المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ۔

قولہ پس اس صورت میں الخ **اقول** اس کلام سے واضح ہوا کہ مؤلف مصر علی القیام ہے کیونکہ ترکِ قیام میں جب وہ تعدی حد اللہ کا قائل ہے تو ترکِ قیام حرام ہوا اور قیام واجب ٹھہرا تاکہ تعدی نہ ہو پس اصرار علی القیام لاریب ثابت ہوا اور مستحب کا واجب ہونا محقق ہو گیا پس اصرار علی المستحب ہی ہوا کیونکہ قیام درجۂ استحباب سے تو نکلا ہی نہیں اور مستحب کو واجب کرنا بھی پایا گیا فقد کر فیما فرعنہ، پس مؤلف نے یہ اقرار اپنے سب مولویوں کے اوپر کر لیا۔ اور قول طیبی کا فقد اصاب منہ الشیطان اور قولہ تعالیٰ وَمَن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظٰلمون الآیۃ باقرار مؤلف ان پر صادق آگیا سبحان اللہ، مؤلف کے فہم پر ہزار آفریں۔ اب اس کج فہمی کی حقیقت سنو کہ معترض نے اعتراض بوجہ اصرار علی المستحب کے کیا تھا اس کا جواب مؤلف اپنی کج فہمی سے عوام کے تبدیلِ عقائد کا دینے لگا کہ اصل منشاء اعتراض کا کیا ہے یہ بولا کہ مجوزین[1] کے ترک میں عوام کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے کہ وہ اس مستحب کو مکروہ و ممنوع عقیدہ کر لیویں گے، سو دیکھو کہ اصرار مستحب جو اصل اعتراض تھا اس کا کچھ جواب وانکار نہیں دوسری بات فساد عقیدۂ عوام کا ہونے لگا اور اپنے اوپر اصرار کو اس ضرورت سے قبول کر لیا اور عوام کی حفاظت کیواسطے آپ عاصی[2] بن گیا دوسری خرابی یہ کہ اس سے پہلے اعتراض کے جواب میں مؤلف نے لکھا ہے کہ فتاوی علماء عرب و عجم بکثرت طبع ہو گئے ہیں کہ سب کو مستحب ہونا اس قیام کا روشن ہو گیا ہے تو اب التزام قیام میں خدشہ فساد عقیدہ عوام کا نہیں کہ علۃ کراہت کی رفع ہو گئی اور اس جواب میں کہتا ہے ان فتاوی کا اثر بالکل بھی دنیا میں نہیں ہوا وہ بالکل لغو[3] ہو گئے ناچار التزام سے استحباب ثابت کرنا پڑا ورنہ کراہت ہو جاتی ہے کیونکہ اگر فتاوی کثیرہ بزعم مؤلف عوام کو استحباب کا اثبات کر دیتے جیسا پہلے کہتا تھا تو اب کسی کے حرام و بدعت کہنے سے کیوں عوام بہکتے پھر کیا اندیشۂ عوام ہوتا وہ تو نہ التزام مجوزین سے خراب ہوتے نہ فتوی تحریم مانعین[4] سے بگڑتے پس اس کا وبال کیوں مؤلف کے ذمہ پڑتا کہ اصرار مستحب اور تعدی حد اللہ[5] اپنے سر پر رکھی گئی بزعم مؤلف، بہرحال یہ تہافتِ اقوال غور طلب ہے کہ وہاں تو فتاوی مغنی[6] بزعم مؤلف کہ دوامِ فعل سے عوام کو کچھ حرج نہیں تھا اور یہاں غیر کافی ہو گئی شاید ایک ساعۃ میں پرانی ہو کر قوت زائل ہو گئی اور وہاں باوجود فتاوی کے التزام کا مؤثر نہ ہونا مصرح[7] تھا اور یہاں بدون التزام کے صورت نجات کی ہی نہیں فتاوی میں اثر ہی نہیں رہا جو کچھ اثر ہے دوام میں ہی ہے

---

[1] جائز ماننے والے [2] گنہگار [3] بیکار [4] مانعین کا حرام قرار دینا [5] حد الٰہی سے تجاوز کرنا [6] بے پرواہ کر دینے والے [7] صراحت

مؤلف کو کچھ ہوش نہیں کہ کتاب میں کیا کیا قلم درج کر رہا ہے اپنے جہل مرکب کے نشہ میں سرشار ہے، تیسرے
یہ کہ مؤلف مستحبات کو واجب جاننا خود داخل تعدی حد اللہ کرتا ہے خواہ عوام کو یہ پیش آوے خواہ خواص کو
پس جس تعدی سے عوام کو بچایا ہے وہی تعدی اپنے اوپر لازم کرتا ہے چنانچہ اس کے کلام سے واضح
ہو لیا حالانکہ اگر اس قیام کو گاہ گاہ ترک کر دیتا تو عوام کا حرام جاننا بھی رفع ہو جاتا اور خود بھی گناہ
تعدی اور اصرار مستحب سے پاک رہتا کیونکہ اگر فعل مجوزین قیام کا عند العوام معتبر ہے تو گاہ گاہ کرنے
سے حلت کا ثبوت ہو جاتا اور جو ان کا فعل لغو ہے تو یہ التزام بھی کچھ نافع نہ ہوگا اور بزعم خود تعدی
حد اللہ عبث سر پر لی اور عوام کو فائدہ کچھ نہ ہوا، چوتھے یہ کہ اصرار کو تعدی ہر حال لازم ہے
اگرچہ مسئلہ مختلفہ ہو گیا ہو اس واسطے کہ جو فعل ایسا ہے کہ ایک فریق اس کو حلال مستحب اور دوسرا
حرام کہے، مثلاً زعفران سے ریش کو خضاب کرنا ابن عمرؓ مستحب کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ائمہ دیگر
حرام تو اب اگر کوئی بتقلید ابن عمرؓ ریش کو خضاب زعفران کا کرے مستحب جان کر اور اصرار کرے تو
بالضرور حسب رائے ابن عمرؓ کے مصر علی مستحب اور متعدی ہوا اور عوام کے افساد عقیدہ کا سامان کیا
کہ اپنے مستحب مذعوم کو عوام پر واجب کرتا ہے پس یہ قاعدہ مؤلف کا کس قدر غلط ہے کہ کوئی معنیٰ
اس کے نہیں کہ مستحب مختلف میں اصرار و تعدی درست ہے یہ کیسا جہل اور مخالفت شرع کی ہے
مع ہذا طرفہ ہے کہ مؤلف مانعین محفل مولود اور قیام کو اپنے کلام نافرجام میں اقل قلیل دو چار
آدمی غیر معتبر غیر معتمد القول کالعدم اور مجوزین کو سواد اعظم جم غفیر معتمد القول لکھ آیا ہے پس
ان کی منع کا اور تحریم کا کیا اعتبار رہے اور ان کے منع پر کس سبب سے یہاں التفات ہونے لگا کہ
بدون التزام مکروہ کے چارہ ہی نہ ملا اور پھر آخر جواب میں اول کے خلاف وہی لکھ دیا کہ اس
اشتہار فتاویٰ کے بعد فرضیت کا عقیدہ ہونا کسی کی عقل سلیم باور نہیں کرتی، پس بدحواسی
مؤلف کی قابل تماشا ہے اور خوبیٔ علم و فہم مؤلف کی کس قدر روشن ہوئی کہ باید و شاید اور
یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مستحب میں اصرار ہوگا وہ مؤلف کے نزدیک تعدی حد اللہ اور حرام ہے
اور جس فعل مستحب و التزام سے عوام کو مضرت ہو کہ مستحب کو واجب یا حرام جانیں وہ بھی
تعدی ہے اور حرام ہے اور پہلے جواب میں اس کراہت کا بعض علماء کے نزدیک مؤلف مقر تھا
اب حرمت کا خود اقرار کر لیا اور اول جواب میں بعض مستحب کے اصرار کو جائز کہتا تھا اور اب

---

[1] بیہودہ [2] لغو [3] غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہونے کے برابر [4] کثیر تعداد [5] حرام قرار دینا [6] یقین [7] حد الٰہی سے تجاوز کرنا۔

اس قاعدہ میں عموماً اصرارِ مستحب پر حرام ہونے کا حکم لگا دیا کیونکہ تعدی حد اللہ سب میں لازم ہے پس یہ مبلغِ علم مؤلف کا ہے اور اس پر دعویٰ فہامۃ العصر ہونے کا ہے سبحان اللہ، بہر حال ناظرین اس لیاقتِ علمی اور فصاحت بیانی کو غور کریں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کو کیا کیا گفت گوئیں ہیں، بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین قیام جا بجا فتاویٰ اقرار دستحباب قیام کے باب میں چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقلِ سلیم باور کریگی اس بات کو کہ اس کی فرضیت یا وجوبِ شرعی کا شائبہ کسی دل میں پیدا ہوگا، حاشا و کلاّ۔

قولہٗ برخلاف اس قیام کے الخ۔ اقول بعد اس تحقیقِ حقیق کے مؤلف نے کیا عجب نتیجہ نکالا ہے کہ دنیا میں کسی ذی عقل وادنیٰ اعقل والے سے بھی یہ نہیں ہوا ہوگا سنو مقدمات تو یہ تھے کہ قیام مختلف فیہ ہے اگر مجوزین بھی ترک کرنے لگیں اور التزام نہ کریں تو تعدی حکم اللہ کی عوام کے نزدیک ہو جاویگی لہذا التزام اس کا ضروری ہے اور یہی قاعدہ مقرر کیا کہ ایسے امر مختلف فیہ میں اصرار مضر نہیں بلکہ ضروری ہے اور خلاصہ یہ نکلا کہ عوام کو بسبب اشتہار فتاویٰ کے عقیدہ وجوب کا نہیں ہو سکتا اب غور کرنا چاہیئے کہ اعتراض تو اصرار کی کراہت کا تھا اور خلاصہ جواب یہ۔ اور مقدمات وہ تو مؤلف کے دماغ میں خلل ہے یا نہیں اور یہ جواب خاص عطر فکر صائب مؤلف کا ہے کہ جس پر نہایت ناز و نخرہ ہے۔

اعتراض بانیان محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا ہے یہ بدعت ہے۔ جواب بدعت کی تعریف اگلے علماء فرما چکے، مولوی اسحٰق صاحبؒ مائۃ مسائل میں نقل کر چکے ہم بطور خلاصہ لکھتے ہیں جو علماء بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں البدعۃ مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اسکی دو قسم کرتے ہیں ایک حسنہ اور ایک سیئہ، پس ان کے نزدیک محفل میلاد بدعتِ حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے، اور جو علماء تقسیم بدعت کے

قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں ما احدث علیٰ خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم، ان علماء کے نزدیک محفل میلاد خود سنت میں داخل ہے کیونکہ گو یہ محدث ہے لیکن محدث علیٰ خلاف الحق نہیں ہے کہ کوئی حکم قرآن یا حدیث و اجماع کا بدلتی اور تغیر دیتی ہو پس اصل حال تو یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو طائفہ کے نزدیک مستحسن ہے باقی جو بعض علماء کو انکار واقع ہوا ہے وہ نہیں پہنچے اس رمز دقیق کو۔ الحاصل بدعت کی تعریفیں سلف سے وہ ہیں جو بیان کی گئیں، اب تھوڑے دنوں سے یہ لوگ تقریر سیکھے ہیں کہ بدعت وہ ہے جو مطلق کو مقید کر دیں یا مقید کو مطلق کر دیں حالانکہ اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی حرمت مولد شریف کی ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ اعتراض، بانیان محفل میلاد نے مطلق الخ۔ **اقول** بدعت کی تعریف میں سب متفق ہیں تفاوت الفاظ کا ہے، پہلے تحقیق ہو چکا اور یہ بھی محقق ہو لیا کہ یہ محفل مروج ہر دو تعریف کے موافق بدعت ضلالہ ہے اگرچہ اصل ذکر فخر عالم کا بلا قیود مندوب ہے چونکہ بہت واضح بیان پہلے ہو چکا ہے لہذا اعادہ نہیں کیا جاتا مگر مؤلف کی سوء فہم کو دیکھنا ہے کہ مطلق کو مقید کرتا اور عکس اس کا کہتا ہے کہ حد بدعت میں داخل نہیں حالانکہ اس کے بدعت ہونے کے برابر سب قائل ہوتے چلے آئے ہیں اور سب کے نزدیک داخل حد بدعت کی ہے کیونکہ جس نے مطلق شرع کو مقید کیا تو یہ قید خلاف متلقی عن الشارع ہوئی اور احداث مخالف حکم شارع کے ہوا کہ عہد شارع میں نہ تھا دونوں حد دیکھو اس پر ظاہر صادق ہو رہے ہیں اس کا بھی پہلے بیان ہو لیا ہے پس یہ محفل مروج بسبب قیود کے داخل بدعت ہیں سب حدود کے موافق ہو گئی بداہۃً اس میں کوئی امر دقیق و خفی نہیں اگرچہ مؤلف کے فہم پر غطاء ہے کہ واضح مضامین کو بھی سمجھنے نہیں دیتا اور حالانکہ خود تقیید مطلق کو قابل زجر و توبیخ کہہ آیا ہے غور طلب ہے کہ مؤلف کہاں ہے۔

اس لئے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف میں کسی مطلق کو مقید نہیں کیا یعنی روایات میلاد و معجزات کا پڑھنا جس طرح ماہ ربیع الاول میں ہوتا ہے دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق مقید کہاں ہوا اور جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند

مقامات میں قیام کرتے ہیں چنانچہ وہ مواقع بیانِ تحقیق قیام میں کسی قدر لکھے گئے پس قیام کبھی مقید نہ ہوا کہ نہ ہو قیام کسی مکان اور کسی زمان اور کسی موقع میں مگر خاص مولد شریف میں اور اسی طرح تقسیم شیرینی یا کھانا کھلانا اور بھی تقریبات دین و دنیا میں ہوتا ہے مثل ختم قرآن تراویح و مجلس بسم اللہ و عقد نکاح وغیرہ اور منبر یا چوکی وعظ میں بھی بچھتی ہے اور فرش کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں اور پڑھنا قصائد و مناقب کا جیسا محفل مولد میں ہوتا ہے بعض غیر مجالس میں بھی ہوتا ہے اور بعض آدمی تنہا بھی شوقیہ پڑھتے ہیں، اب بیان فرماویں یہ صاحب کہ مقید کر دیا ہم نے کونسی مطلق شرعیہ کو اس طرح کہ نہ جائز سمجھتے ہوں ہم اس مطلق کو کسی وقت بلا قید ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ مجلس خیر میں جس قدر حسنات و امور خیر کی کثرت ہو اور جس قدر تعظیم و محبت کا ظہور ہو اسی قدر موجبِ خیر و برکت ہوگا سو تقییدِ مطلق اس کا نام نہیں ہے یہ بات ہر مرد سلیم الطبع پسند اور دل سے قبول کریگا۔

مروجہ مولود کے جواز سے شریعت کا حکم مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے

قولہ اس لئے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد الخ۔ **اقول** دعویٰ مؤلف کا سراسر غلط اور کور فہمی ہے اور ہنوز مؤلف معترض کے مطلب کو بھی نہیں سمجھا، ساری عمر گذار دی اور کچھ بھی خبر نہیں۔ معترض یہ کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا مطلق بلا کسی قید کے مندوب ہے اور کسی ہیئت اور قیود سے مقید کرنا اس کا اگرچہ وہ قیود امور مباحہ یا مندوبہ ہی ہوں مکروہ و بدعت ہے پس تقرر تاریخ اور فرشِ معمول اور شیرینیٔ مروج اور روشنی کثیر اور تداعی[1] و اہتمام وغیرہ اگر سب یا بعض جیسا مروج ہے ذکر مولود کے ساتھ ہو دیں گے تو وہ محفل بوجہ ان قیود کے اطلاق سے نکل کر بدعت ہو جاویگی اور جو امور غیر مشروعہ محفل میں ہو دیں گے مکروہ بن جاویں گی، پس معترض یہ نہیں کہتا کہ زمانہ اور شیرینی وغیرہ کو محفل میں مقید و حصر[2] کر دیا کہ انکا وجود کہیں نہیں رہا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ذکر کو ان قیود کے ساتھ مقید کیا کہ بدون ان قیود کے سب کے یا اکثر کے یہ ذکر ہوتا ہی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ان قیود کا ہونا ضروری ہو گیا ہے پس ذکر ولادت جو مطلق عن القیود تھا مقید بقیود کر دیا یہ ذکر بدون قیود کے ہوتا ہی نہیں گویا لازم غیر منفک[3] میں اگرچہ قیود دوسری جگہ بھی ہوں تو قیود کو مقید کرنا نہیں کہا مگر مؤلف نہیں سمجھتا اور قیام جو سب ذکر فخر عالم میں

---

[1] تکلف [2] منحصر [3] علیحدہ نہ ہونیوالا۔

مندوب تھا اس کو خاص ذکر ولادت میں حصر و مقید کیا کہ سوائے ذکر ولادت کے کہ محفل مخصوص میں ہو اور کسی ذکر پر نہیں ہوتا تو مطلق قیام ذکر فخر عالم بھی مقید ہوا مگر مؤلف کا فہم عالی ہے کچھ کا کچھ سمجھتا ہے، مؤلف کہتا ہے پس قیام بھی مقید نہ ہوا، سبحان اللہ خوب سمجھے، علیٰ ہٰذا طعام و منبر و شیرینی و فرش کو کس قدر الٹا سمجھ گیا ہے، پس یہ دعویٰ مؤلف کا محض غلط نکلا کہ ذکر مولود اور قیام مقید نہیں ہوا بلکہ مقید ہونا اس کا بدیہی ہے اور یہ فہم مؤلف کا کہ شیرینی اور فرش وغیرہ کو مقید کرتا ہے محض خطاء فاحش ایسے کلام کے فہم سے عاری، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اعتراض سلامی جوابی مثل روافض کے معین کرتے ہیں، جواب یہ بات تو ملک عرب میں بھی رائج ہے کہ جب مولد شریف میں کوئی روایت قاری مولد تمام کرنے کو ہوتا ہے اس وقت حاضرین مجتمع ہو کر درود پڑھتے ہیں اور وہ اکثر شعر ہوتا ہے حالانکہ اہل الحرمین روافض کے دشمن ہیں ممکن نہیں کہ وہ اعداءِ دین سے یہ بات اخذ کرتے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضرت سید العرب والعجم کے فعل سے استنباط کی ہے، صحیحین میں انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار خندق کھودتے اور مٹی نکالتے جاتے تھے اور زبان سے یہ پڑھتے تھے ؎ نحن الذین بایعوا محمداً ؛ علی الجهاد مابقینا ابداً ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے ؎ اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ ؛ فاغفر للانصار والمهاجرۃ ۔ کذا فی المشکوٰۃ فی باب البیان والشعر۔ پس یہ بات قابل طعن نہیں ہاں اگر قواعد موسیقی کے طور پر تغنی کرنے لگیں تو البتہ علماء دین میں مسئلہ مختلف فیہ ہے اور فقط اپنی آواز کا حسن ظاہر کرنے کو پڑھیں اور اخلاص حضور ہرگز دل میں نہ ہو تو بالاتفاق ممنوع ہوگا جیسے بعض قاری خوش الحان محض نمود داری کے لئے قرآن مجامع میں پڑھنے لگتے ہیں پس اس نیت سے پڑھنا منع ہے، امور خیر میں اخلاص ضروری ہے وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین۔

قولہ، اعتراض، سلامی الخ **اقول** بحث تشبہ میں ثابت ہو چکا کہ تشبہ[1] ممنوع کے واسطے ضرور نہیں کہ اس قوم سے ہی دیکھ کر اخذ کریں بلکہ عام ہے سو اگر کسی امر کو مسلمان کرتے ہیں بشرطیکہ وہ شعار بھی کفار و فساق کا ہو اور طبعی اور مؤکد شرعی نہ ہو تو بسبب تشبہ[2] حادث کے

---

[1] ایسی مشابہت جس سے منع کیا گیا ہو۔ [2] نیا پیدا شدہ تشبہ

ممنوع ہوجاتا ہے، دست چپ میں خاتم کا پہننا حدیث سے ثابت ہے پھر جب شعار روافض کا ہوگیا تو اب تمام فقہاء مکروہ لکھتے ہیں کیونکہ یہ سنتِ مؤکدہ نہ تھا، ایسا ہی بحق رسلک کا لفظ حدیث سے ثابت ہے اور بسبب شعار حادث معتزلہ کے فقہاء نے منع لکھ دیا مؤلف کو کاش خبر ہوتی، پس یہ سوال وجواب گو عرب میں ہے اور قصہ حدیث بھی لیا گیا ہے مگر تاہم اب بسبب تشبہ شعار مجلس روافض کے مکروہ ہوگیا ہے اور فعل فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اول تو مشابہ روافض کے نہیں تھا کیونکہ اس وقت روافض کہاں تھے، دوسرے روافض کی مجلس مرثیہ میں یہ ہوتا ہے مگر قطع نظر اس کے اب جو مجلس مولود میں تشبہ حادث ہوگیا گو یہ کہیں سے لے لیا ہو ممنوع ہوگیا ہے جیسا مسئلہ تختم اور لفظ بحق کا معلوم ہولیا۔

اعتراض مولوی محمد ہاشم صاحب میرٹھی فتویٰ ثانیہ مطبوعہ مطبع ہاشمی کے آخری صفحہ ۴۸ میں اپنی مہر لگا کر رقم فرماتے ہیں "لکھنا حضرت مجدد الف ثانی کا درباب مولد شریف کے اگر فرضاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں زندہ ہوتے اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں، نزدیک فقیر کے یہ ہے کہ ہرگز اس امر کو جائز نہ فرماتے بلکہ انکار فرماتے، انتہیٰ کلام المجدد" اس کے بعد مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں ثابت ہوا کہ یہ مجلسیں ایسی صورت پر بیشک بدعت ہیں اب مجھ کو کچھ شک وشبہ باقی نہ رہا۔ یہ خلاصہ کلام ہے مولوی محمد ہاشم صاحب کا۔

قولہ اعتراض، مولوی محمد ہاشم الخ۔ **اقول** مؤلف کی عادتِ مستمرہ ہے کہ دوسرے کلام کو ہرگز نہیں سمجھتا اور اپنے نزدیک اس کے کچھ معنی ٹھیرا کر زبان درازی شروع کردیتا ہے، حاصل مطلب مولوی محمد ہاشم صاحب کا سنو یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ مجھ کو تردد تھا کہ مجلس مروجہ مولود جائز ہے یا نہیں مگر اب ان فتاویٰ کے مطالعہ سے اور امام ابوالحسنؒ اور حضرت مجددؒ صاحب کی تحریر دیکھنے سے تردد رفع ہوگیا اور نامشروع ہونا معلوم ہوگیا اور پھر اس فتویٰ کی عبارت تو نقل نہ کی کہ خود موجود تھی مگر ترجمہ امام ابوالحسنؒ اور حضرت مجددؒ کی عبارت کا نقل کیا تو غرض مجیب کی تو اسی قدر تھی کہ ان بزرگوں کے افادات سے میرا شک رفع ہوگیا اور مولوی احمد علی صاحب کا یہ خلاصہ کلام تھا کہ اصل ذکر درست اور قیود مکروہ و بدعت تو نفس مولود کی ممانعت نہیں کرتے اور یہی حصر مجددؒ نے فرمایا بقولہ "در نفس قرآن خواندن بصوت

لہ بایاں ہاتھ ۲ے شیعہ ۳ے انگوٹھی پہننے کا مسئلہ۔

حسن و قصائد و نعت خواندن چہ مضائقہ است"۔ پس مجیب کو یہ محقق ہوگیا کہ اصل ذکر محمود ہے، مگر ضم قیود سے کراہت و بدعت قدر خطر قیود کے پیدا ہو جاتی ہے، اور حضرت مجددؒ کے نزدیک ایسی صورت میں مذموم ہونا محقق ہے چنانچہ فرماتے ہیں" اگر اندک تجویز کردند منجر بہ بسیار خواہد شد الخ" اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر پر کہ اصل ذکر مولود ہے اگر زیادہ ہوا تو مکروہ ہوگا، علیٰ ہذا قولہ" یقین فقیر آں ست کہ ہرگز تجویز ایں معنی نمی فرمودند" جس سے حضرت مجددؒ کے نزدیک ان امور زائد کا مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور یقین فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاں بھی اس کو ہرگز جائز نہ فرماتے پس اس مجموعہ سے اصل کا جواز اور قیود کا عدم جواز حضرت مجددؒ کے نزدیک محقق ہونا معلوم ہوگیا پس مجیب بتقلید حضرت مجددؒ کے اس کو قبول کرتے ہیں کہ اصل درست اور قیود ناجائز، چنانچہ مجیب خود کہتا ہے کہ یہ مجلس ایسی صورت پر جو تکلفات کئے جاتے ہیں الخ جس سے خوب بدیہی[1] ہے کہ مجلس ہیئت کذائیہ کو بدعت کہتے ہیں نہ کہ نفس مولود کو، مگر مؤلف خوش فہم کہتا ہے:

> **جواب** افسوس کرتا ہوں کہ یہ صاحب نہ سباق و سیاق پر نظر فرمادیں اور نہ شان الفاظ و مرجع ضمائر میں فکر لگا دیں، مجدد صاحبؒ اس مقام پر مکتوب ۲۷۳، جلد اول میں فرزندانِ خواجہ احرار کا ذکر اپنے خواجہ علیہ الرحمۃ کا حال بیان فرماتے ہیں، جس کا دل چاہے مکتوب مذکورہ نکال کر دیکھے غرضکہ وہ ان کی نسبت لکھتے ہیں" اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں آوان در دنیا زندہ بودند" اب خیال کیجئے کہ کجا ضمیر حضرت ایشاں کی راجع مذکورین بالا کی طرف اور کجا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ترجمہ فرمانا، کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں زندہ ہوتے، بھلا مجدد صاحبؒ حضرت ایشاں سے اگر مراد رسول خدا رکھتے تو ان کو یہ رشد و ہدایت نہ تھی نعوذ باللہ منہا کہ وہ حضرت کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے، حضرت ایشاں بلا درود لکھنا بھی صریح دلیل ہے کہ اس سے مراد آپ نہیں ہیں۔

قولہ جواب، افسوس کرتا ہوں الخ۔ **اقول** بیشک سخت افسوس ہے کہ مؤلف ایسے بدحواس کہ بدیہی امر کو بھی نہ سمجھے اور مطلب اصل سے اعراض اور زوائد امور پر زور و شور اور طعن کرنے کو موجود ہو جاوے، اچھا صاحب تسلیم کرلیا کہ مجیب نے مرجع آنحضرت میں غلطی کی مگر مطلب میں تو کوئی خطاء نہیں کی اور مقصود تو صاف ہے لیکن مؤلف کس منہ سے تخطئہ ناجائز کہتا ہے مؤلف تو اصل کو بھی نہیں

[1] واضح ۱۲

سمجھا نہ حضرت مجددؒ کا مطلب پوچھا نہ مولوی احمد علی صاحب کا نہ مجیب کا، کیونکہ مجیب نے تو یہی کہا ہے کہ مجلس مروجہ حضرت مجددؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور اس قدر یقین عدم جواز کا رکھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ حضرت ایشاںؐ اگر زندہ ہوتے تو حضرت ایشاںؐ بھی ناجائز ہی فرماتے، تو یہ حضرت مجددؒ کے کمال وثوق کی وجہ ہے کہ حضرت ایشاںؐ پر بھی اس حکم کا یقین رکھتے ہیں تو گویا عدم جواز کی ایسی دلیل واضح ہے کہ حضرت ایشاںؐ اس امر میں ایسا ہی فرماتے، پس مطلب تو خوب روشن ہے گو کسی کو نظر نہ آوے، اب رہا کہ حضرت ایشاں سے کس مراد ہے فخر عالم علیہ السلام یا خواجہ احرار یا خواجہ محمد باقی، اس سے کوئی غرض و مقصود متعلق نہیں اور اس پر ایسے زور و شور سے بحث محض فضول ہے، اچھا حضرت احرارؒ ہی سہی مگر حضرت مجددؒ کا مکروہ جاننا تو اس مجلس کا ثابت ہوگیا اور یہی مجیب کی غرض تھی، اور اگر فخر عالم علیہ السلام مراد ہوں جب بھی تو یہ قول حضرت مجددؒ کا ہی ہے اور ان کا ہی یقین ہے حدیث تو نہیں جاویگی اور اس کو کوئی حدیث ہونا نہیں مانتا جیسا اب خواجہ احرار اگر مراد ہیں حسب زعم مؤلف کے تو یہ خواجہ احرار کا قول نہ ہوگیا بلکہ محض قول حضرت مجددؒ کا اور حکم یقینی ان کا ہی ہے پس مطلب میں کچھ نقصان نہیں البتہ مؤلف یہ نہیں سمجھا اور اپنے زعم میں اگر کسی کی ذرا لفظی غلطی پر بھی مطلع ہوجاتا ہے تو کپڑوں میں نہیں سماتا اور گویا مؤلف کا علم و فہم الفاظ ہی میں حصر ہے، اول کتاب سے آخر تک دیکھو کہ کہیں بھی کوئی مطلب نہیں سمجھتا کوئی غلط مضامین ہی موضوع لۂ اس کتاب کا ہے اس پر خود کو تنبیہ نہیں اور مؤاخذاتِ لفظیہ سے ہم کو غرض نہیں ورنہ وہ بھی دکھلایا جاتا مگر چونکہ یہ دابؔ اہل علم کا نہیں لہٰذا اس پر التفات ہی نہیں، لیکن مؤلف کو کوئی دلیل محقق سے محقق ہوا کہ جناب فخر عالمؐ یہاں مراد نہیں اول مناؔم میں رضا فخر عالمؐ کا دیکھنا مذکور تھا اس کے بعد درمیان میں خواجہ احرار کا ذکر بطور اعتراض کے کیا اور پھر صاحبزادہ کا حال بیان کر کے فرماتے ہیں کہ خواب کا کچھ اعتبار نہیں اگر حضرت فخر عالم علیہ السلام زندہ ہوتے تو یقین تھا ہر گز جائز نہ فرماتے اگر یہ تقریر اس کی ہو تو مؤلف بتادے کہ کون حجت مانع اس کی ہے اور کیا دلیل قطعی اس کے خلاف کی ہے اور یہ دلیل کہ حضرت ایشاں پر درود نہیں لکھا اور اس کو مؤلف دلیل صریح کہتا ہے تو یہ مؤلف کی کمال کوتاہ فہمی پر دال ہے کیونکہ اس کتاب میں تلاش کر کے مؤلف دیکھے تو بہت جگہ آپؐ کے نام پاک پر درود مکتوب نہیں سو یہ کوتاہی کاتب کی ہے نہ کہ حضرت مجددؒ صاحب کی، مگر مؤلف کی ہر روز یہ عادت رہی کہ کاتب اور اہل مطبع اگرچہ کوئی کیسی غلطی کرے اس کو بری کر کے اصل مصنف تک پہنچا کرتا ہے پس

لہ یقین ٢ہ عادت ٣ہ خواب ۱۰

یہ دلیل کس قدر بے اصل ہے اگر مجیب یا کوئی کہدے کہ کاتب نے صلوٰۃ وسلام نہیں لکھا اصل کتاب میں تھا تو بس مؤلف کی ترکی تمام ہوئی، ہاں مؤلف کے پاس حضرت مجددؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکتوب ہوگا جو یہ جزم ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایسی چربوز دلیل پر اس قدر زور و شور، غرض ایسی ضعیف دلیل پر مؤلف کا ایسا اعتماد اور خواہ مخواہ اعتراض کس قدر عجیب بات ہے بس مطلب بھی درست ہے اور مرجع کی خطا بھی محقق نہیں مؤلف کا یہ غیظ و غضب محض نادانی ہے۔

اور پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی ہوگئی کہ وہ فرماتے ہیں یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی تجویز نمی فرمودند۔ اس لئے کہ دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے کہ پرائے دل کی کیا خبر ہے کچھ تعجب نہیں کہ وہ جائز فرماتے یہ ہرگز کوئی دلیل یقینی قابلِ اسناد نہیں ہے۔

قولہ پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی الخ۔ اقول دلیل قطعی تو آیت قرآن شریف کی باوصاف معلومہ اور حدیث متواتر اور اجماع قطعی ہی ہے، باقی سب آپ کی کتاب دلائل ظنیہ[1] سے بھری ہے بلکہ مؤلف تو اپنی وہمیات سے ہی اثبات اپنے مطلب کا کرتا چلا آرہا ہے، اور مراد مولوی محمد ہاشم کی تو یہ تھی کہ حضرت مجددؒ کے نزدیک یہ محقق ہے اور ایسا یقینی ہے کہ حضرت ایشاںؒ پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہی فرماتے اور واقع میں احتمال خلاف کا بھی ہے مگر حضرت مجددؒ کا یہ یقین تھا تو مجیب نے حضرت مجددؒ کے حکم سے اپنا رفعِ تردد لکھا ہے نہ کہ حضرت ایشاںؒ کے حکم سے، ذرا ہوش کرو مطلب سمجھو، پس یہ اعتراض مؤلف کا کہ دوسرا کہہ سکتا ہے کہ دوسرے آدمی کے دل کی کیا خبر ہے الخ کس قدر کم فہمی ہے کیونکہ یہ اعتراض حضرت مجدد پر کرے کہ تم نے کیوں ایسی بات دوسرے شخص پر کہدی اس میں مولوی محمد ہاشم پر کیا اعتراض ہے وہ تو حضرت مجدد کے علم یقین سے استدلال لائے ہیں نہ کہ حضرت احرار کے قول سے، ذرا ہوش کرو بھکومت، پس یہ حضرت مجدد کا قول دلالت قطعی رکھتا ہے کہ حضرت مجدد کے نزدیک یہ فعل ناجائز تھا اور یہی مراد مگر مؤلف کے فہم میں خلل ہے۔

اب یہ عاجز اصل مطلب حضرت مجددؒ کے اس مکتوب کا بیان کرتا ہے۔ اول تو یہ ہے کہ

[1] شیخی [2] جن کے بارے میں یقین نہ ہو محض ظن ہو۔

انہوں نے مولد شریف نام رکھا ہے اشعار پڑھنے کا خواہ وہ اشعار کسی طرح کے ہوں چنانچہ عبارت خاص ان کی یہ ہے "مولود کہ عبارت قصائد نعت و اشعار غیر نعت خواندن است" دیکھئے اول تو ہماری مجلسیں اسی عبارت سے بری ہو گئیں کیونکہ ہم روایات میلاد و معجزات و خصائص کا بیان کرتے ہیں اور جو اشعار پڑھتے ہیں نعت و حمد کے پڑھتے ہیں اور اشعار غیر سے ہم کو کچھ کام نہیں۔

مجدد صاحب کی عبارت سے جواز مولد ثابت نہیں

قولہ اب یہ عاجز اصل مطلب الخ۔

اقول یہ مؤلف کا کمال فہم عالی ہے کہیں بھی دنیا میں غزلیات و اشعار کا نام مولود خوانی نہیں ہے شرعاً یا لغۃً یا عرفاً، ایسی بادہوائی بات تو مؤلف کو ہی نصیب ہے، کہ نوشہ و سودا کی غزلیات کو مولود کہا جاوے استغفر اللہ خوب مطلب سمجھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں ذکر مولود اور قصائد مدح کے ہیں اور اشعار غیر مدح کے بھی طبع ابھانے کو ہوتے ہیں نہ یہ کہ خالص غزلیات کو مولود خوانی کہتے ہیں حاشا و کلا، واؤ بمعنی جمع کے ہے بمعنی اَو کے نہیں جیسا مؤلف سمجھا کہ اصل معنی حقیقی[1] کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی[2] معنی لیتا ہے، دوسرے مکتوب کی عبارت جو خود مؤلف نقل کرتا ہے اس زعم مؤلف کو رد کرتی ہے، فرماتے ہیں "در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و قصائد منقبت خواندن چہ مضائقہ است الخ" اب دیکھو کہ مولود میں قرآن و قصائد منقبت آپ ہی فرماتے ہیں اور اس کے ہی عدم جواز کا ارشاد ہے اگر کوئی محظور شرعی اس میں مضموم ہو جیسا نغمہ[3] تصفیق[4] و تحریف[5] و تبدل کلمات و حروف قرآن مثلاً۔ پس دیکھو مؤلف کی غفلت کو کہ خود ہی مولود کے معنی نقل کرتا ہے اور پھر آپ ہی اس کے خلاف کہہ رہا ہے اور اگر ہم مسلم رکھیں کہ اصطلاح حضرت مجددؒ کی میں مطلقاً اشعار خوانی کا نام مولود تھا تو بھی یہ ایک فرد مطلق مولود کی ہے جو کہ حضرت مجددؒ نے فرمائی ہے قرآن و قصائد مدح خواندن پس اگر اس میں بھی محظور شرعی ہو ویگا وہ بھی ممنوع ہوگی بارشاد حضرت مجددؒ کے وہو المراد پس مؤلف کی توجیہ کس قدر لغو ہو گئی اور مدعا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ثابت ہو گیا، بہر حال مجالس مروجہ ماننا ہر گز اس تقریر حضرت مجددؒ سے خارج نہیں ہو سکتی کیونکہ ذکر ولادت و اشعار مناقب[6] اس میں بھی ہیں اور محظورات شرعیہ بھی موجود ہیں حضور امارد و فساق مثلاً جیسا پہلے ذکر کیا گیا کچھ خصوصیت تصفیق و تحریف

---

[1] وہ معنی جس کیلئے لفظ وضع نہیں کیا گیا [2] تالی بجانا [3] ردو بدل [4] تعریف و مدح [5] نابالغ لڑکوں اور فاسقوں کی موجودگی

حروف قرآن کی تو نہیں بلکہ سب بناکیر کے قسم سے کراہت حاصل ہوجاتی ہے پس مؤلف کی مجالس حسب ارشاد حضرت مجدد کے جملہ بدعت ومنکر مگر مؤلف کو ہرگز فہم ہوش نہیں۔

ثانیاً یہ کہ مجدد صاحبؒ نے اس اشعار غیر نعت سے جو منع کیا ہے وہ اس لئے نہیں کہ اس میں قباحت شرعی ہے بلکہ اپنی طرز کے خلاف سمجھ کر منع فرمایا ہے اس لئے کہ ایسے اشعار پڑھنے سے طرز سماع پیدا ہوتا ہے اور سماع ان کے طریقہ میں درست نہیں چنانچہ اسی مکتوب میں منع کرنے کا سبب بیان فرماتے ہیں "مبالغۂ فقیر در منع بواسطہ مخالفت طریقت خود است، حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند کہ این کار می کنم ونہ انکار می کنم"۔

قولہ، ثانیاً یہ کہ مجدد صاحبؒ نے اول اشعار غیر نعت الخ۔ اقول یہ مسلم کہ اشعار غیر نعت کو خلاف طریقہ اپنے ہونے کی وجہ سے منع فرمایا مگر اشعار مناقب کا پڑھنا بھی ان کے طریقہ کے خلاف ہے خصوصاً جب اس میں کوئی محظور ہو تو ہر حال ممنوع ہے پس اس تقریر سے مؤلف کی کوئی غرض صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ کیا ہے اس واسطے کہ اشعار نعت یا غیر نعت کا نام مؤلف نے مولود فرض کیا اور جس مولود میں امر محظور ہوگا وہ ممنوع ہوجاویگا خواہ کوئی مولود ہو بوجہ امر محظور کے محظور ہوجاویگا جیساکہ خود حضرت مجددؒ کے ہی کلام سے ظاہر ہے، اور جسمیں کوئی محظور نہ ہوگا دونوں جائز ہوویں گے مگر خلاف طریقہ حضرت مجددؒ کے ہے کہ اشعار کی نسبت وجدیہ ہوتی ہے اور ان حضرات کی نسبت سکینہ ہے، پس یہ فقرہ اول ہی توجیہ کی تتمیم[1] ہے جسکو مؤلف ثانی امر ٹھیراتا ہے مگر بہرحال یہی مقصود مولوی محمد ہاشم کا ہے اگرچہ مؤلف خواہ مخواہ تطویل کر رہا ہے۔

اور واضح ہو کہ یہ منع فرمانا حضرت مجدد صاحب کا مبنی اس بات پر ہے کہ ان کے وقت میں کسی نے تالی بجا بجا کر اور قواعد موسیقی ونغمات کی رعایت سے مولد شریف پڑھا تھا چنانچہ جلد ثالث مکتوبات سے صاف سمجھا جاتا ہے، وہی حسام الدین احمد جن کو یہ مکتوب ۷۲ جلد اول میں واسطے منع کے لکھا ہے انہی حسام الدین احمد کو بار دویم جلد ثالث میں مکتوب ۷۲

[1] تکمیل

لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے: "در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوتِ حسن در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است، ممنوع تحریف و تغیرِ حرف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت بآں بطریق الحان بالتصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر بنہجے خوانند کہ تحریفے در کلمات قرآنی واقع نہ شود در قصائد خواندن شرائط مذکورہ مستحق نہ گردد وآں راہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است، الی آخرہ"

قولہ اور واضح ہو کہ یہ منع فرمانا الخ۔ **اقول** مؤلف خود مطلق اشعار خوانی کا نام مولود باصطلاح حضرت مجدد ٹھیرا چکا ہے، پس اب خود کہتا ہے کہ مولود میں اس وقت کسی نے تالی بجانا اور قواعدِ موسیقی سے پڑھنا جاری کیا تھا اس کو منع کیا سو اول تو غیر اشعار نعت کو خلاف طریقہ مجددیہ کے ہونے سے ممنوع[1] کہتا تھا اور ابھی مطلق مولود کو بوجہ محظور شرعی کے منع بتانے لگا تماشا ہے اور یہ جو مراد ہے کہ اشعار غیر نعت کی وہ وجہ تھی اور اشعار نعت کی یہ وجہ ہے تو یہ تفرقہ بھی غلط ہے کیوں کہ محظور شرعی سے تو سب اقسام ممنوع ہو جاتے ہیں مگر تاہم خلاصہ مطلب مؤلف کا دیکھو اگرچہ بیان مؤلف کا پریشان و حیران ہے کہ مطلق مولود کی وجہ کراہت کسی محظور کا اس میں مختلط[2] ہو جانا ہے یعنی گو گر اصل ذکر مباح ہے مگر اختلاط امر محظور سے ممنوع ہو جاتا ہے تو یہ مؤلف نے اس قدر تقریر طویل کر کے حاصل نکالا اور حالانکہ یہی مجیب[3] نے کہا تھا بعینہٖ چنانچہ ہر ادنیٰ عاقل پر بھی ظاہر ہے، اب مؤلف سے کوئی پوچھے کہ اعتراض مجیب کا تو خود قبول کرتا ہے اور اس کی ہی شرح و بسط[4] کرتا ہے تو نے جواب کیا دیا اور کیا رد کیا فقط ایک مرجع[5] حضرت ایشاں کا کہ وہ بھی محتمل[6] المعنی ہے اس میں تشکیک[7] ظاہر کر دی اور بس مگر کیا عجب العجاب ہے کہ مؤلف کو لکھنے ہی کا شوق ہے سمجھنے کا خیال بھی نہیں دعویٰ تو رد تقریر مجیب کا کیا اور دلیل دعویٰ میں خود مجیب کا مطلب ثابت کیا، سبحان اللہ کیا فہم عجیب ہے۔

اب سب اربابِ انصاف خیال فرمادیں کہ یہ تحریر مجدد صاحبؒ کی کس درجہ میں ہے جسکو مولوی محمد ہاشم صاحب حجتِ قطعی سمجھ کر مطمئن ہو گئے اب مجھ کو کچھ شک باقی نہ رہا ہرگز اس مجلس کا ہونا نہ چاہیے اے حضرت اگر آپ مجدد صاحب کے کہنے پر چلتے ہیں تو فقط اپنے طریقہ والوں کو منع کیجیے، دوسرے لوگوں

لہ ممنوع ۲ اختلاف ۳ حل جانا ۴ جواب دینے والا ۵ تفصیل ۶ دلیل ۷ دوسرے معنی کا احتمال ۸ شبہ

پر کیوں انکار فرماتے ہو، مجدد صاحب کی دلیل تو اس مکتوب میں مبنی اس پر ہے کہ نہ انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم، پورا مکتوب پڑھ کر دیکھو اگر لاتقربوا الصلوٰۃ پڑھا ہے تو وانتم سکاریٰ بھی پڑھو، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

قولہ اب سب ارباب انصاف الخ۔ **اقول** اب سب ارباب انصاف خیال فرماویں کہ مجدد صاحبؒ نے تو مطلق مولود کو بوجہ ضم امر غیر مشروع کے ممنوع شرعاً کہا ہے اور اشعار کو مطلقاً اپنے طریقہ کے خلاف کہا ہے اگرچہ شرعاً مباح ہوں اور مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور اپنی کج فہمی سے طعن مجیب پر کیا مگر مجیب کے مقصود کا اعتراف کرتا ہے اور حاصل مؤلف کا کچھ نہیں محض غیظ بے موقع ہے سارے مکتوب کو نہیں دیکھا نہ سمجھا خواہ مخواہ الجھتا ہے حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرماوے۔

اعتراض محفل مولد میں مرد و عورت جمع ہوتے ہیں۔ جواب مولوی حفیظ اللہ اور عبد الرب وغیرہ کے وعظ میں بھی بہت عورتیں جمع ہوتی ہیں اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس وعظ کو بھی حرام ٹھیرادو۔

اعتراض مانعین کے جواب میں مؤلف کی لغزشیں

قولہ اعتراض، محفل میلاد میں الخ۔

اقول حاصل اعتراض یہ ہے کہ جس مجمع میں مرد و عورت اور اَمرد جمع ہو دیں محل اندیشہ فتنہ کا ہے خواہ کہیں ہوں، شادی غمی ہو یا وعظ و مولود، کیونکہ ایسا مجمع خلاف شرع کے ہے، تو مؤلف جواب دیتا ہے کہ یہ امر مولوی عبد الرب اور مولوی حفیظ اللہ کے وعظ میں بھی ہوتا ہے، سبحان اللہ، اول تو مولوی عبد الرب و مولوی حفیظ اللہ کا فعل کونسا حجت شرعی ہے کہ اس کو دلیل جواز بنانا مؤلف کے نزدیک مقبول ہوا، مگر ہاں مؤلف تو ایسی ہی کج لکھتا رہتا ہے سو یہ خود مردود ہے، دوسرے معترضین نے یہ کب کہا ہے کہ ایسا مجمع وعظ میں درست ہے بلکہ ایسا مجمع اگر وہاں بھی ہوگا وہ بھی ممنوع ہوگا، پھر وعظ و مولود میں فرق بھی ہے مگر ہم کو اس کے بیان سے بحث نہیں۔ اور یہ جو جواب مؤلف نے الزامی دیا ہے تو معترض کب معترف جواز ایسے مجمع وعظ کا مولوی عبد الرب میں ہوا ہے جو اس کو جواب الزامی ایسا چیز توڑ دیا گیا، پھر آخر میں قول مؤلف کا کہ اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس وعظ کو بھی حرام ٹھیراؤ

سخت کم فہمی ہے، مجالس وعظ فی حدذاتہ حلال ومشروع ہے جیسا ذکر مولود مشروع ہے اور جیسا امرِ محظور[1] کے مختلط ہونے سے وہ مکروہ اور حرام ہوجاتا ہے، یہ مولود بھی ممنوع ہوجاتا ہے، یہ فقرہ کس قدر مہمل مؤلف نے لکھا ہے مجالس وعظ کون حرام کہتا ہے مگر خلطِ[2] ممنوع سے ممنوع ہوجاتا ہے، علیٰ ہذا مولود کا ہے مگر جو اس مؤلف کے بحال صواب نہیں رہے۔ جو کچھ سمجھے۔

اعتراض مولود شریف میں روایاتِ موضوعہ بے اصل پڑھتے ہیں۔ **جواب** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور دایہ حلیمہؓ کا دودھ پلانا، چالیسویں سال نبوت کا ہونا اور معجزات کا واقع ہونا اور آپؐ کا سید المرسلین ہونا یہ سب کچھ مولد شریف میں پڑھا جاتا ہے یہ سب صحیح ہے اگر شاید فضائل میں کوئی حدیث مطعون فیہ یا موضوع بھی بیان ہوگئی تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان لوگوں کو منع کرنا چاہیئے کہ ایسی روایت نہ پڑھیں اس میں ہم بھی تمہارے ساتھ ہوجاویں اور یہ بات انصاف سے بہت بعید ہے کہ اگر کسی ناواقف نے کوئی ایسی روایت پڑھ دی تو اس کو تم ذریعہ اپنے خیالِ خام کا ٹھیرا کر علی العموم سب محفل میلاد کو حرام کہنے لگو، ہم نے بہت سنا ہے کہ واعظین آج کل کی بہتیری روایتیں موضوع بیان کرجاتے ہیں ان کو تمیز بھی حاصل نہیں تو چاہیئے کہ بعض واعظوں کی جہالت سے علی العموم کل مجالسِ میلاد حرام ٹھیر جاویں۔

قولہ، اعتراض، مولود میں روایاتِ موضوعہ الخ۔ **اقول** درست ہے کہ روایتِ موضوع پڑھنے کا اعتراض اسی پر ہے جو ایسی روایت پڑھے، اگر مؤلف اس سے بری ہے تو خیر یہ ملامت مؤلف سے رفع ہوئی مگر دیگر امور غیر مشروعہ جو پہلے مذکور ہوچکے ہیں وہ تو مؤلف کی مجلس میں موجود ہیں، پس جیسا مؤلف نے اس کے ممنوع ہونے کا اقرار اور اُس سے اپنی براۃ[3] کی کیسی عمدہ بات ہو کہ دیگر امور سے بھی ایسا ہی براۃ حاصل کرے کہ اعتراض ان کی قبائح کا کرے تائب ہوجاوے، پھر اس کے ذکر میں اہلِ سنت بھی آیا کریں، خیر یہ تو مؤلف کی عادت سے معلوم ہے مگر یہ ثابت ہوگیا کہ مؤلف کے نزدیک بھی جس محفل میں روایات موضوعہ ہوویں گی وہ قابل منع کے ہے سو ایسا ہی سب منہی کی وجود سے ممنوع ہونا اس محفل کا ضروری باقرار مؤلف ہوگیا یہ علت مشترکہ پس جس محفل میں مدارات[4] فساق کی

---

[1] ممنوع [2] ممنوع کے شامل ہوجانے سے [3] چھٹکارا حاصل کرنا [4] خاطر داری

اور مداہنت[1] امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہو ویگی وہ بھی ممنوع ٹھیریگا سو مؤلف کی مجلس ہر روز ایسی ہی ہوتی ہے کیا اس مسئلہ سے مؤلف واقف ہے لہذا اس قدر سے تو توبہ کرے کہ یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ عوام بھی جانتے ہیں اور مؤلف تو بحر العلوم ہے باقی پھر دیکھی جاویگی، الغرض کوئی امر خیر و شر تو مخفی نہیں مگر مؤلف کو بڑا اندیشہ کساد[2] بازاری کا ہے کیا کیجئے کہ اس ضرورت[3] نے محظورات کو عند المؤلف مباح بنا رکھا ہے پس اتنے امور قیود سے ایک روایت موضوعہ کا بیان مؤلف کے یہاں نہیں تھا اس کا وہی انکار اور ممنوع ہونا بلا تامل اقرار کر لیا باقی اپنے عیوب کو کس طرح قبول کر لیتا غیرت کی بات ہے دیکھو کہ جو حرام اتفاقاً ہے اس کے تلبیس کا کیا جواب دیتا ہے۔

اعتراض بعضے امیر لباس ریشمین و زرین خلاف شرع پہن کر محفل مولد شریف میں آتے ہیں اور بعضے داڑھی منڈے بھی آتے ہیں۔ **جواب** یہ لوگ مجالس نکاح وغیرہ میں اور نیز عیدین کی نماز پڑھنے عیدگاہ میں بھی اسی طرز سے بالباس فاخرہ اور ریشہائے محلوقہ جاتے ہیں تو چاہئے کہ ان کے شریک ہو جانے سے مجالس نکاح اور مجامع عیدگاہ وغیرہ میں بھی محرمات شرعیہ ہیں اور دیندار وہاں نہ جایا کریں۔

قولہ اعتراض، بعضے امیر لباس ریشمین الخ۔ **اقول** دیکھو کہ یہ لباس باتفاق امت حرام ہے اور معترض نے یہ لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو کیوں بلاتے ہو اور ان سے مودت کا اظہار اور مدارات کرتے ہو اور امر و نہی جو فرض عین ہے کس واسطے ترک کرتے ہو تو چونکہ ان کا ہی سب جلوہ اور ان سے ہی رونق و شہرت ہے تو مثل جواب روایات موضوعہ کے یہ نہ لکھ دیا کہ یہ امور حرام وغیر مشروع ہیں اور ایسی محفل مولود جسمیں مدارات فساق و مداہنت فی الدین ہو جانا مکروہ ہے بلکہ توجیہ جواز کی شروع ہوئی کہ عیدین اور نکاح میں بھی یہ لوگ ہوتے ہیں تو مؤلف کی یہ مراد ہے کہ جیسا باوجود ان کے ہونے کے عید و نکاح میں جانا درست ہے اس مجمع مولود کو بھی محظور رکھنا چاہئے اور یہ جواب مؤلف کا سراسر خلاف حق کے ہے اور مطلق کج فہمی ہے کیونکہ معترض کب کہتا ہے کہ نکاح میں یا عیدگاہ میں یہ امر غیر مشروع ہے یا نہیں بلکہ یہ حالت صلوٰۃ خمسہ میں بھی حرام ہے اور کوئی اگر ایسے لباس سے صلوٰۃ خمسہ اور عیدین میں آدے

---

[1] مخالفت [2] بازاری نقصان [3]

اس کو بھی نہی عن المنکر کرنا فرض ہے اور جو قدرت نہ ہو تو ان کو ترک کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ یہ فرض اور واجب ہیں اور نکاح میں اگر ایسے امور ہوں تو وہاں شریک ہونا لاریب حرام ہے اگر انکو منع کریں اور نہ مانیں تو چلا آوے اور اسیوں کو طلب کر کے شریک کرنا حرام ہے بقولہٖ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یاکل طعامک الا تقی ولا تاکل الا طعام تقی (الحدیث) اور ایسے مجامع میں ضیافت بھی رد کرنی واجب ہے حالانکہ اجابت اس کی سنت ہے اور رد ضیافت میں وعید ہے ومن لم یجب فقد عصیٰ ابا القاسم (الحدیث) اور وہاں سے لوٹ آنا واجب ہے پہلے تحقیق ہو چکی پس محفل مولود بھی مندوب ہے اگر اسیوں کو بلا کر شریک کریگا بلانیوالا گنہگار ہے اور ان کی شرکت کے بعد انکو منع کرنا واجب ہے اگر مداہنت ہو تو وہاں بیٹھنا حرام ہے اس میں کیا تردد ہے، عجب ہے مؤلف سے کہ کیسا چربوز جواب دیا ہے، شرح منیہ میں جو زیر نظر مؤلف ہے لکھتا ہے و ان کان مع الجنازۃ فاتحۃ او صائحۃ تزجر وتمتع وان لم تنزجر لا یترک اتباع الجنازۃ، انتہیٰ ردمختار میں ہے ولا یترک اتباعھا لاجلہا لان السنۃ لا تترک بما اقترن بہ من البدعۃ ولا یرد الولیمۃ حیث تترک حضورھا لبدعۃ فیہا للفارق بانھم لو ترکوا المشی مع الجنازۃ لزم عدم انتظامہا ولا کذلک الولیمۃ، انتہیٰ۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے مگر نہی کرنا واجب ہے اگر نہ کریگا بیشک عاصی ہوگا پس یہ حال جواب عیدین کا ہے اور امر مستحب میں ترک کرنا اس کا ضروری ہے جیسا ضیافت کا حال پہلے مع روایات کے لکھا گیا مؤلف ہوش کر کے دیکھ لیوے پس یہ جواب خالص غلط ہے اور باطل اور خلاف نصوص اور روایات فقہ کے ہے اگر رسائل اردو مؤلف پڑھ لیتا تب بھی ایسا لغو جواب نہ دیتا۔

اعتراض اس محفل میں فروش نفیسہ اور گلدستہ ہائے عجیبہ ہوتے ہیں، **جواب** یہ کچھ ضروریات محفل سے تو نہیں کہ جس کو نہ میسر ہو وہ بھی اس کی بہم رسانی میں جانکاہی کرے ہاں جن آدمیوں کو یہ چیزیں میسر ہیں یا بسہولت دوست آشناؤں سے مستعار لے سکتا ہے تو وہ لوگ بھی ایسے سامان کر لیتے ہیں سو کوئی دلیل شرعی فروش نفیسہ اور گلدستوں کی حرمت یا کراہت پر نہیں قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہٖ کی تشریح تفسیر کبیر اور بیضاوی وغیرہ میں دیکھو۔

[1] امر ممنوع سے منع کرنا [2] یقیناً [3] مجمع کی جمع [4] قبول نہ کرنا [5] کمزور

قولہ اعتراض اس محفل میں فروش نفیسہ الخ۔ **اقول** اس کا جواب پہلے بھی ہو چکا ہے بساط و فروش اگر اباحت کے درجہ میں ہیں تو درست ہیں مگر جو تاکد[1] کی نوبت ہو جائے تو مکروہ ہو جاتی ہیں اور گلدستۂ عجیبہ کا حال بھی یہ ہی ہے کہ بتکلف بہم پہنچانا اور ایسے امر مباح کا اہتمام کرنا عوام کے نزدیک موجب تاکد کا ہو جاتا ہے کہ وعظ و دیگر مجامع خیر میں یہ نہیں ہوتا اور اس محفل میں ہر روز ہوتا ہے تو بالضرور ان کو سنت یا مستحب ہونے کا عقیدہ ہوتا ہے اس وجہ سے مکروہ ہیں اور یہ سب مولوی احمد علی صاحب مرحوم کے جواب میں مذکور ہے مگر مؤلف نے آنکھ فہم کی بند کر لی اور وجہ کراہت و تقیید کی نسیاً منسیا[2] کر کے اصل اباحت کا جواب دیگر یہاں جائز کر رہا ہے، مولوی صاحب مرحوم نے بھی تو ان کو مباح ہی کہا ہے مگر قید اس ذکر کا کرنا امور مباحہ کو مکروہ فرماتے ہیں مؤلف اس مطلب کو گویا سمجھا ہی نہیں چشم حق بین پر خطا اپنی ہوائے طبعی کا ڈالکر اصل اباحت کو حجت لاتا ہے ورنہ امر بدیہی تھا کچھ خنا[3] نہیں تھا اور کراہت تقیید مطلق کا خود مؤلف بھی مقر ہے مگر فہم سے اپنے مجبور ہے۔

اعتراض جب کسی کے گھر میں محفل میلاد شریف وقت شب کے ہوتی ہے اور سامعین جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی کی نماز میں دیر ہو گئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہو گئی تو کمالِ جہالت سے اس بات کو دلیل عام مذمت مولد شریف کی ٹھیراتے ہیں حالانکہ اگر یہی دلیل برائی کی ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز بیس و پچیس ہو جاوے اور اکثر ہو جاتی ہے اور نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں بعضوں کی نمازِ صبح قضا ہو جاتی ہے چاہیئے اس دلیل سے نکاح اور سحری بھی حرام ہو جاوے، ہر چند اعتراضات واہیہ ہمارے خیال کرنے کے قابل نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعضے صاحب علم بھی اپنی زبان مقالاتِ ردیّہ سے آلودہ کرتے ہیں اور بعضے نادان ان کو کمال درجہ کے حجج ساطعہ اور براہینِ قاطعہ سمجھتے ہیں اس لئے یہ چند الفاظ ان کے جواب میں لکھے گئے اور عطر و لوبان و پھولوں وغیرہ کا ذکر اور زیب و زینت محفل کا بیان اور چوکی یا منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اسناد یہ سب باتیں رسالہ دافع الاوہام میں ہیں طالبِ حق اس کی طرف رجوع کرے، اب ہم کو زیادہ گنجائش اس رسالہ میں نہیں وقت

[1] بار بار کرنا [2] فراموش، نہ ہونے کے برابر کر دینا [3]

شروع تحریر رسالہ ہذا یوں سمجھا گیا تھا کہ شاید دو تین جزو میں مکمل ہو جاویگی، لاکن کیا کیجئے ہر چند قلم کو روکا گیا پھر بھی اس قدر طویل ہو گیا اور اطناب کلام اس میں نہ فقط فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ اور بھی چند رسائلِ منکرین کے مغالطات و شبہات کا رد کرنا مد نظر ہوا، جو شخص اس رسالہ کو اور دافع الاوہام کو خوب جمیع شقوق اور قیود سے بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں جماوے گا امید خداوند کریم سے یہ ہے وہ دھوکا اور مغالطہ نہ کھاویگا اور منکرین کے رسائل پر غوائل کی تردید ان میں صراحۃً یا اشارۃً پاویگا، بناءً علیہ اب ضرور یہ سمجھا گیا کہ عنانِ سمند خامہ کو بادیۂ کوئی وادی طول تقریر سے جانبِ اختصار موڑ دیجئے، اور جو علماء ربانی اور عرفاء حقانی مجوزین محفل میلاد شریف ہوئے ان کا ذکر کیجئے۔

قولہٗ اعتراض، جب کسی کے گھر میں محفل میلاد وقت الخ۔ **اقول** بیشک خود مؤلف کے محافل میں جو قصبہ رامپور میں شب کو ہوتے ہیں تو اس صبح کی جماعت تو اکثر کی جاتی ہے اور بعض بعض کی نماز بھی قضاء ہو جاتی ہے اور جس امر مندوب سے ایسا ہو اس امر مندوب کا کرنا منع ہے، بخاری میں ہے وکان[1] یکرہ النوم قبلہا والحدیث بعد ھا، عسقلانی اس کی شرح میں کہتا ہے والسمر[2] بعد ھا قد یؤدی الی النوم عن الصبح او عن وقتہا المختار او عن قیام اللیل وکان عمر یضرب الناس علیٰ ذٰلک ویقول سمراً اول اللیل ونوماً آخرہ، انتہیٰ۔ دیکھو کہ خدشۂ فوت وقت مختار اور تہجد میں حدیث صحیح سے مسامرہ مکروہ ہوئی اور حضرت عمرؓ کا مارنا اس پر ثابت ہوا قال فی شرح المنیۃ ومنہا ان فی صلوۃ الرغائب مخالفۃ السنۃ فی تعجیل الفجر، انتہیٰ۔ ہر گاہ کہ ترک سنت اسفارہ سے یہ صلوٰۃ مکروہ ہوئی تو محفل مولود واجب کے ترک میں تو حرام ہونا چاہیئے، پس اس کو کمال جہالت کہنا مؤلف کا ایک کمال جہل مرکب مؤلف کا ہے کہ حدیث اور قول فقہاء کو اپنی رائے ناقص سے رد کرتا ہے اور پھر مؤلف نے وہی نظیر نکاح شادی کی لکھی اور بدانست خود نہایت تبحر کو کام فرمایا حالانکہ یہ محض جہل ہے، لاریب اگر اہتمام شادی و نکاح میں نماز با جماعت فوت ہو جاوے تو وہ حرام ہے اور

---

[1] اور یہ جانتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونا پہلے نماز عشاء سے اور کام کرنا بعد اس کے [2] یعنی اور قصہ گوئی بعد عشاء کے کبھی باعث ہوتی ہے نماز صبح کے فوت ہونے کا بوجہ سو جانے کے یا وقت بہتر سے لیٹ جانے کا یا نماز تہجد کے فوت کا۔ اور حضرت عمرؓ لوگوں کو مارتے تھے بوجہ قصہ گوئی کے اور یوں فرماتے تھے کہ کیا شروع رات میں قصہ گوئی میں مشغول ہوتے ہو اور آخر رات میں سوتے رہو گے۔

ایسا کام کرنا بھی حرام ہے اس کو کہاں شرع نے جائز کیا ہے مگر مؤلف بے خبر ہے، علیٰ ہذا اگر سحر کے کھانے کے سبب جماعت فوت ہو تو ایسے شخص کو سحور بھی حرام ہے، علی قاری شرح مناسک میں لکھتے ہیں ثم اعلم انه قبل یشترط ایضا ان یکون الجامع متمکنا من اداء للمکتوب علی الوجه المفروض فی الاوقات، قال الکرمانی لانه لایلیق بالحکمة ایجاب فرض علی وجه یفوته فرض آخر یہ لکھتے لکھتے آخر میں لکھتے ہیں ویؤیدہ الاول ایضا ما قال ابن الحاج المالکی لو ضیع صلوٰۃ واخرجها عن وقتها لاجل فریضة الحج لایجوز اجماعًا وقد قال علمائنا فی المکلف اذا علم انه بقوته صلوٰۃ واحدۃ واذا خرج الی الحج فقد الحج عنه، انتہی - اب مؤلف ذرا آنکھ کھول کر دیکھے کہ خدشہ فوت ایک صلوٰۃ میں حج بھی ساقط ہوتا ہے چہ جائیکہ سحور مستحب کا کھانا حلال ہو، نکاح کے سامانِ مباح کا کرنا جائز ہو یا مولود مستحب کی شرکت درست ہو چہ جائیکہ مولود بدعت کی لیس واضح ہو کہ ایک نماز کی فوت یا تاخیر سے یہ سب حرام ہو جاتا ہے، اب بھی اگر کسی کی چشم نابینا حق بین نہ ہو تو بس ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہٗ[1] کا مضمون ہے، اور بس اب ہر ناظر بانصاف دیکھے کہ کون جاہل ہے تارک فرض صلوٰۃ کا اور تارک واجب جماعت کا برائے مندوب مولود، اور مؤلف مجوز[2] اس معصیت کا یا مفتی تحریم محدث سہارنپوری قدس سرہٗ، ہر گاہ کہ فقہاء کے نزدیک فوت صلوٰۃ کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو تو سحور[3] کا کھانا اور مولود کی شرکت کس طرح حلال ہو وے گی سو یہ مذمت نفس مولود کی نہیں بلکہ ایسی شرکت کی ہے کہ جس کے عوارض کے سبب کراہت شرکت مولود ثابت ہوتی ہے، اور باقی جواب عطر ولوبان وغیرہ کا سب کچھ بفضلہ تعالیٰ لکھا گیا ہے کہ مؤلف اور اس کے معاونین اگر دین سے ہاتھ دھو کر جواب دیں تو ممکن ہے ورنہ اگر پابند قواعد دینیہ کے رہیں گے تو دلائل واضحہ سے اثباتِ حق ہو چکا ہے، وما علینا الا البلاغ، واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم -

لمعۂ ثامنہ نام ذکر کیا جاتا ہے ان علماء محدثین وفقہاء کا جنھوں نے عمل مولد شریف کو مستحب اور مستحسن فرمایا ہے: (۱) شیخ عمر ابن محمد الملاء الموصلی من الصالحین المشہورین، (۲) علامہ ابو الخطاب ابن وحید اندلسی جو دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے، ذکرہ الزرقانی

[1] یعنی جسکو اللہ گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا [2] جائز قرار دینے والا [3] سحر کی جمع

اور جس قدر علماء وصلحاء سلطان ابو سعید مظفر کی محفل میں آتے تھے ان کی اسماء نگاری کہاں تک کیجاوے جن کو جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے وحضر عنده فیه العلماء والصلحاء من غیر نکیر منہم فھولآء علماء متدینون وضوہ اقرہ ولم ینکروہ، (۳) علامہ ابو الطیب البستی نزیل قوص من اجلۃ العلماء المالکیہ، ذکرہ الزرقانی، (۴) ابو محمد عبد الرحمن ابن اسمٰعیل استاد امام نووی معروف بہ ابو شامہ، (۵) علامہ ابو الفرج بن جوزی محدث وفقیہ حنبلی، (۶) امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی معروف بابن طفر بک، (۷) امام القراء والمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری، (۸) حافظ عماد الدین ابن کثیر، (۹) علامہ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البکری (۱۰) علامہ ابو القاسم محمد بن عثمان اللولوی الدمشقی (۱۱) شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (۱۲) علامہ سلیمان برسوی امام جامع السلطان کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مولد شریف ان کا تالیف کیا ہوا پڑھا جاتا ہے مجالس اور مجامع میلاد رومیہ میں (۱۳) ابن الشیخ آقا شمس الدین، ذکرہ صاحب کشف الظنون (۱۴) المولی حسن البحری (۱۵) الشیخ محمد بن حمزہ العربی الواعظ (۱۶) الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی (۱۷) علامہ حافظ ابو الخیر السخاوی (۱۸) سید عفیف الدین الشیرازی (۱۹) ابو بکر الدنقلی (۲۰) برہان محمد ناصحی (۲۱) برہان ابو الصفا، ان کے مولد شریف کا نام ہے "فتح اللہ حسبی وکفی فی مولد المصطفٰی" (۲۲) الشمس الدمیاطی المعروف بابن السنباطی (۲۳) برہان یوسف الفاقوس، ان کا مولد شریف چار سو شعر سے زیادہ ہے (۲۴) حافظ زین الدین عراقی (۲۵) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی صاحب قاموس، ان کے مولد شریف کا نام ہے "النفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ" (۲۶) امام محقق ولی الدین ابو ذرعہ العراقی (۲۷) ابو عبد اللہ محمد بن النعمان (۲۸) جمال الدین العجمی الہمدانی (۲۹) یوسف الحجاز (۳۰) یوسف بن علی بن رزاق الشامی الاصل المصری المولد (۳۱) ابو بکر الحجاز (۳۲) منصور بشار (۳۳) ابو موسیٰ الترہونی وقیل زرہونی (۳۴) الشیخ عبد الرحمن بن عبد الملک المعروف بالمخلص (۳۵) ناصر الدین المبارک الشہیر بابن الطباخ (۳۶) امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر تسینی (۳۷) فاضل عبد اللہ بن شمس الدین الانصاری (۳۸) الشیخ الامام صدر الدین موہوب الجزری الشافعی (۳۹) علامہ ابن حجر عسقلانی (۴۰) شیخ جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ تاسعہ (۴۱) محمد بن علی الدمشقی مصنف سیرت شامی (۴۲) شیخ شہاب الدین قسطلانی

صاحب مواہب لدنیہ و شارح صحیح بخاری (۴۳) نورالدین علی حلبی شافعی مصنف سیرت حلبی (۴۴) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شارح مواہب وغیرہ کتب احادیث (۴۵) علی بن سلطان محمد ہروی معروف بملّا علی قاری، انہوں نے اپنے مولد شریف میں ثابت کیا ہے عمل مولد شریف تمام ملکوں مصر و شام و روم و اندلس و مغرب بلاد ہندوستان و مکہ مدینہ زادہما اللہ شرفاً، جمیع بلاد اسلامیہ پس درحقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے اور لکھا ہے اس میں علی قاری نے کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ کوئی مشائخ و علماء اس سے انکار نہیں کرتا اس میں شامل ہونے سے (۴۶) عبدالرحمٰن صفوری شافعی صاحب نزہۃ المجالس (۴۷) نورالدین ابوسعید بورانی، انہوں نے بھی کل ملکوں سے مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے، اور بادشاہ مصر کے حال میں لکھا ہے کہ "بادشاہ مصر سائبانے ساختہ بود کہ دوازدہ ہزار کس در سایۂ او می نشستند در غایت آراستگی از جہت آنکہ دریں شب و روز آں را برافرازند در غیر آں پیچیدہ باشد۔ (۴۸) سید امام جعفر برزنجی ان کا مولد شریف نثر عبارت مقفّی فصیح مشہور ہے دیار عرب میں بہت پڑھا جاتا ہے (۴۹) سید زین العابدین برزنجی، ان کا مولد شریف منظوم دیار عرب شریف میں رائج ہے (۵۰) شیخ احمد بن علامہ ابوالقاسم بخاری، ان کا نسب محمد بن اسمٰعیل بخاری تک پہونچتا ہے (۵۱) شیخ اسمٰعیل حقی آفندی مفسر واعظ مصنف تفسیر روح البیان (۵۲) احمد بن محمد قشاشی مدنی (۵۳) محمد بن عزب مدنی (۵۴) شیخ عبدالمالک کردی (۵۵) فاضل ابراہیم باجوری (۵۶) امیر محمد استاد ابراہیم باجوری (۵۷) شیخ سقاط استاذ الاستاذ باجوری (۵۸) شیخ عبدالباقی پدر و استاذ علامہ زرقانی (۵۹) شیخ محمد رملی (۶۰) علامہ احمد بن حجر مؤلف تحفۃ الاخیار بمولد المختار (۶۱) حافظ ابن رجب حنبلی (۶۲) ابی زکریا یحییٰ بن عائذ حافظ کبیر اندلسی (۶۳) سعید بن مسعود گازرونی، انہوں نے بہت ملکوں کے علماء و صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے (۶۴) مولانا زین الدین محمود نقشبندی (۶۵) حضرت مولانا جمال الدین میرک (۶۶) علامہ محمد رفاعی مدنی الساکن فی زرقاق البدور (۶۷) قاضی ابن خلکان شافعی (۶۸) شیخ محمد بن طاہر محدث مصنف مجمع البحار (۶۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۷۰) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں اپنا شریک ہونا محفل مولد شریف میں اور دیکھنا انوار کا اس میں بیان کرتے ہیں اور ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں سب

جگہ فرشتے انوار رحمت لاتے ہیں کما قال فتأملت تلك الانوار فوجدتها من قبل الملائكة المؤكلين بامثال هذه المشاهد بامثل هذه المجالس ورأيت يخالط انوار الملائكة انوار الرحمة، واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جمیع مفتیان فتوے انکاری کے مستند اور مقتدا اور من انتہی الیہ سنادہم ہیں پس فاتحہ طعام بھی ہم نے ان سے ثابت کردی اور اب مبحث مولد شریف کا اثبات بھی ہم نے انہی کے نام پر ختم کیا ہے اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس کا محل نزول ملائکہ اور مورد رحمت ہونا ثابت کردیا دکھئ رحمت۔

ایک قاعدہ کلیہ مفیدہ

قولہ لمعۂ ثامنہ، ذکر کیا جاتا ہے ان علماء الخ۔ **اقول** پہلے بندہ لکھ چکا ہے مانعین بدعت نفس مولود کو جائز کہتے ہیں اس میں ہرگز ان کو بحث نہیں، البتہ قیود زائدہ کی کراہت اور بدعت ہونے کے قائل اور مثبت ہیں اور یہ بات متفق علیہ تمام امت کی ہے کہ امر مشروع اگرچہ فرض ہو کسی غیر مشروع کے خلط و عروض[1] سے خواہ یہ غیر مشروع اصلی ہو یا عرضی غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے جیسا نماز فرض ارض مغصوبہ[2] میں مکروہ تحریمہ ہے اور تصویر کے سامنے اور آتش کے سامنے نماز مکروہ تحریمہ ہے اگرچہ نماز فرض عمدہ عبادت مفروضہ تھی مگر عروض ان امور غیر مشروعہ سے محروم ہوگئی اور پہلے یہ بھی عرض کر چکا ہے کہ قیود محفل مروجہ کی دو قسم کی ہیں بعض وہ امور ہیں کہ باصلہ مکروہ و حرام ہیں تو ان کی اس محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم[3] بحرمت و کراہت ہو جاویگی ہر حال اس کا عقد و شرکت دونوں ممنوع رہیں گے اور کوئی عذر تاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ بنص حرام و اسراف ہے اور لباس وزی حاضرین کا جو محرم شرعی ہے اور مداہنت فی الدین کہ نص سے حرمت اس کی محقق ہے اور قسم دوئم وہ امور ہیں کہ باصلہ مباح ہیں یا مندوب مگر بسبب عروض تاکد یا وجوب کے علماً یا عملاً ذہن خواص میں یا عوام میں ان کو کراہت عارض ہوگئی ہے حسب حکم شرع کے پس ان امور قسم ثانی کا وجود مجلس مولود میں اس وقت تک مباح و جائز ہے کہ اپنی حالت اصلیہ پر رہیں اور جس وقت اپنی حالت سے نکلی اور خواص یا عوام کے ذہن میں ان کی کیفیت انداز اباحت و ندب سے بڑھی اس وقت وہ بھی مکروہ ہو جاتے ہیں اور ان کے ہونے سے محفل مولود عقد اور شرکت میں مکروہ ہو جاتی ہے پس یہ قاعدہ شرعیہ سب اہل ایمان خوب محفوظ رکھیں کہ بہت کارآمد

---

[1] عارض ہونا [2] غصب کی ہوئی زمین [3] یعنی اس پر حرمت و کراہت کا حکم لگایا جائیگا۔

ہے اور یہ احقر بار بار اس کو بھی ظاہر کر چکا کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل ادلۂ شرعیہ سے اپنے مقصود پر کہ اثبات جواز قیود و ہیئت مروجہ کا ہے نہیں محض قول علماء کا اور تعامل ان کا پیش کر دیتا ہے اگرچہ ابتداء میں کوئی نص لکھتا ہے مگر چونکہ ان کے مدعا پر وہ دلیل نہیں ہو سکتی ناچار مضطر[1] ہو کر وہی تعامل علماء کا پیش کر دیتا ہے وہ نص محض تبرکاً اور دھوکہ دہی عوام کے واسطے ہے ورنہ ہرگز مثبت اس کے مدعیٰ کے نہیں ہوتی، چنانچہ ناظرین نے سارے رسالہ کو اس کے ملاحظہ کر لیا ہے پس معلوم ہوا کہ اسکے پاس کوئی دلیل اثبات جواز ہیئت مروجہ کذائیہ میں نہیں سوائے اس فقرہ کے کہ اکابر علماء کرتے رہے ہیں پس اب اس لمعۂ ثامنہ میں وہی اپنے مبلغ علم[2] اور دلیل معتمد وحجت مستند کو لکھتا ہے کہ جس کے سہارے پر یہ کتاب لکھنے کی اس نے ہمت کی تھی تو گویا اس کی ساری عمر کی تحصیل اور تمام ایام کی تحقیق کا یہ ثمرہ ونتیجہ ہے مگر یہ بھی اس کا محض خیال باطل اور سودائے لاحاصل ہے کیونکہ یہ دلیل بھی مثل ادلۂ اربعہ کے مؤلف کے مدعیٰ کا اثبات نہیں کرتی اور اس تعامل کو بھی اسکی مراد سے مطابقت وموافقت نہیں۔

علماء متقدمین کے مولود کرنے کی کیفیت

چنانچہ یہ احقر پہلے لکھ چکا ہے اب پھر ذرا بسط سے لکھتا ہوں کہ یہ علماء معدودین[3] کہ بعد وسبعین[4] یہاں مؤلف نے لکھے ہیں بعض تو ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے کتاب ذکر فخر عالم علیہ السلام کی لکھی اور اس کا مذاکرہ کیا پس اس تالیف وتذکیر سے سوائے اس بات کے کہ ذکر فخر عالم ؐ اور سیر آپ کی تالیف کرنا اور پڑھنا عمدہ عمل ہے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا سو اس کا کوئی بھی منکر نہیں اس سے عمل مولد کا کسی قسم کا جواز نہیں ظاہر ہوتا اور بعض وہ ہیں کہ انہوں نے عمل مولد کیا اور وہ عمل مولد جو سن چھ سو چار میں ایجاد ہوا اور آخر تک جاری رہا وہ ہے کہ جلال الدین سیوطی کے رسالہ حسن المقصد سے بندہ نقل کر چکا ہے کہ جمع ہو کر کچھ قرآن پڑھیں اور ذکر آپ کا کر کے کھانا کھا کر چلے جاویں اور اس سے زیادہ کچھ نہ ہو تو اس عمل میں ذکر مندوب[5] پر اجتماع یوم معین اور اطعام طعام[6] زائد ہوا ہے اور یہ دونوں امر باصلہ مباح ہیں چونکہ اس زمانہ میں یہ امور مؤکد عملی ہوئی تھی اور نہ عوام کو اس سے کوئی مضرت تھی بزعم ان علماء کے لہٰذا اس مجلس میں کراہت نہ تھی بلکہ مباح تھے اگرچہ بعض علماء کو اس میں اس امر کا خدشہ تھا انہوں نے اس کو مکروہ کہا تھا، چنانچہ بالا واضح ہو لیا پس چونکہ اس میں کوئی امر منکر نہیں تھا محض یہ دو امر مباح تھے کہ خواص وعوام میں علماً وعملاً اپنے درجہ سے نہیں خارج ہوئے تھے تو وہ محافل مباح رہی اور مولود انکار شرع کی نہ ہوئی اور اسی طرح

---

[1] مجبور [2] منتہائے علم [3] بے شمار [4] ستر [5] مستحب [6] کھانا کھلانا۔

عمل درآمد مجالس ابتداء ایجاد اس محفل سے آخر تک یہی وضع مباح رہی، اب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی محفل کی کیفیت سنو کہ جس کو مؤلف خاتم الاسماء بنا رہا ہے، فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں یہ عبارت بعینہا ان کی نقل کرتا ہوں وکنت[1] قبل ذلک بمکۃ المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم ولادتہ والناس یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویذکرون ارھاصاتہ التی ظہرت فی ولادتہ ومشاھدہ قبل بعثتہ فرأیت انوار استطعت دفعۃ واحدۃ لا اقول انی ادرکتہا ببصر الجسد ولا اقول ادرکتہا ببصر الروح واللہ اعلم کیف الامر بین ھذا وذلک فتأملت تلک الانوار فوجدتہا من قبل الملائکۃ المتوکلین بامثال ھذہ المشاھد وبامثال ھذہ المجالس ورأیت یخالط الانوار الملائکۃ انوار الرحمۃ، انتہیٰ بلفظہ۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ جو مولد النبیؐ میں اپنا ہونا فرماتے ہیں تو مولد النبی وہ مکان مکہ معظمہ میں ہے جس میں آپؐ کی ولادت ہوئی تھی وہاں ایک قبہ بنا رکھا ہے اس کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں لوگ جو جمع ہوئے یوم ولادت میں تو زیارت مکان کے واسطے جمع ہوئے اور وہاں جو صلوٰۃ وسلام اور ذکر آپؐ کی حالات کا تھا وہ نفس ذکر آپؐ کا تھا چنانچہ بالکل ظاہر و بدیہی ہے پس اس میں نہ اجتماع ابتدائی ہوا تھا نہ وہاں طعام و شیرینی کا ذکر ہے نہ وہاں فرش و بخور[2] کا نشان ہے نہ فسقہ فجرہ بلباس وزیِ مکروہ کا پتہ ہے، فقط وہاں جمع ناس کا ہونا اور آپؐ کے حالات کے ذکر اور صلوٰۃ کا ہونا مذکور ہے جس کو مؤلف مجلس مولود قرار دیتا ہے اور اپنی ہیئت کذائیہ پر دلیل لاتا ہے، ذرا انصاف درکار ہے کہ اس میں تو دوام مباح کے سیوطی کے عمل مولد میں منقول تھے وہ بھی نہیں نفس ذکر فخر عالم کا بیان ہے، اب دیکھو کہ یہ عمل مولد ابتداء سے شاہ ولی اللہ تک جو ثابت ہوا مؤلف کی محفل اور دعویٰ کو اس سے کیا مناسبت ہے کیونکہ اس وقت کی محافل[3] میں بار ہا مذکور ہو چکا کہ منکرات شرعیہ جو باصلہ مکروہ و حرام ہیں موجود ہوتے ہیں اور وہ امور

---

[1] مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ آنحضرت علیہ السلام کی ولادت کے دن وہاں لوگ درود پڑھتے تھے اور ذکر کرتے تھے ان کی کرامات و حالات کو جو وقت ولادت کے ظاہر ہوئے اور وقائع آپؐ کے جو پہلے مبعوث ہونے کے پیش آئے پس دیکھا میں نے انوار کو کہ یکایک بلند ہوئے اور میں یہ نہیں کہتا کہ آنکھ ظاہری سے میں نے انکو دریافت کیا اور نہ یہ کہوں کہ روحانی بینائی سے دیکھا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ یہ کیونکر تھا وہ امر درمیان ان کے اور انکے غور کیا میں نے ان انوار کی طرف پایا ایسے مواقع اور مجامع کے حاضر ہونے کے لئے مقرر ہیں اور میں نے دیکھا انوار ملائکہ انوار رحمت سے مختلط ہیں ۱۲۔ [2] اگر بتی وغیرہ [3] محفل کی جمع۔

کہ باصلہ مباح تھے اور اب وہ واجب علماً یا عملاً ہو گئے ہیں اور مکروہ و بدعت بن گئے ہیں ضرور موجود ہوتے ہیں، پس ان علماء سبعین سے جو کچھ مؤلف نے ثابت کیا یا نفس ذکر ہی یا مخلوط بامر کہ درجۂ اباحت میں ہی ہے اور مؤلف کے مولود میں خود مناکیر بھی موجود ہیں اور مباحات بھی مناکیر ہو گئے ہیں پس ان علماء کے قول و تعامل سے کس طرح اثبات ہیئت کذائیہ مروجہ کا ممکن ہے، کوئی عاقل بالغ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس امر کا مانعین انکار کرتے ہیں اس کا اس تعامل میں نام و نشان نہیں اور جس کا دعوے مؤلف کرتا ہے! اس کا یہاں پتہ بھی نہیں اور پھر حجت جواز کی بن جاوے لاحول ولاقوۃ الا باللہ، کیا غباوۃ و غفلت ہے اور کس قدر کوتاہ فہمی و جہل ہے پس صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ مؤلف کی اسم نویسی علماء کی محض مردم شماری و دھوکہ دہی عوام کی ہے ورنہ کوئی حجت اس کی اسمیں نہیں اس واسطے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا قصہ بیان ہولیا کہ جس پر مؤلف کو بہت شور تھا اور جلال الدین کی تحریر سے تمام حال مولد کا واضح ہولیا کہ جس پر مؤلف کو کمال اعتماد تھا کہ اس وقت سے لیکر برابر متعامل علماء معدودین کا رہا ہے اور واضح ہوگیا کہ یہ متعامل ہرگز مانعین خلاف رائے کے نہیں، اگر تھوڑا سا فہم ہو تو بدیہی ہے پس اب مؤلف کا یہ قول کہ شاہ ولی اللہؒ کی زبان سے اس محفل کو محل نزول ملائکہ ہونا ثابت کر دیا کس قدر لغو ہے کیونکہ نفس ذکر مولود کا نہ انکار ہے نہ اس کی نزاع ہے قیود میں کلام ہے سو اس کا یہاں نہ نام ہے نہ نشان ہے مگر مؤلف کو بالکل جہل ہے اور اس کا کوتاہ فہم ہونا ہر ناظر عاقل پر ظاہر و عیاں ہے۔

نقل مواہیر علماء عرب حضرت مولانا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقشبندیؒ اپنے رسالہ میں جو مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھا ہے علماء عرب کے مفتیان مذاہب اربعہ کا فتویٰ درباب قیام نقل فرماتے ہیں، علاوہ اس غایۃ المرام مطبوعہ کلاں کوٹھی میں بھی وہ فتویٰ عرب کا منقول ہے اس کو بطور تلخیص و ترک تطویل لکھتا ہوں (۷۱) قد اجمعت الامۃ المحمدیۃ

نقل مواہیر علماء عرب و ہند اصلاً مفید نہیں

قولہ نقل مواہیر علماء عرب الخ

اقول اوپر تو مؤلف نے شاہ ولی اللہؒ تک کے اقوال سے ثابت جواز مجلس مولود مروج کا چاہا تھا سو وہ تو اس کے مدعا کا مثبت ہرگز نہ ہوا جیسا کہ واضح ہولیا اب علماء عرب کے اقوال سے قیام کا

۱؎ ممنوعات ۲؎ عمل ۳؎ جن کا رواج ہو

من اهل السنۃ والجماعۃ علی استحسان القیام وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار الفرح والسرور والتعظیم قالہ بفمہ وامر عثمان حسن الدمیاطی الشافعی المقیم بالمسجد الحرام ۔
(۷۲) نعلم استحسنہ کثیرون کتبہ عبد اللہ بن محمد المیرغنی الحنفی من المکۃ المکرمۃ (۷۳) القیام عند ذکر ولادۃ عند ذکر ولادۃ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم استحسنہ کثیر من العلماء کتبہ حسین ابن ابراھیم مفتی المالکیہ بمکۃ المحمیۃ (۷۴) نعم القیام عند ذکر ولادۃ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء وھو حسن الفقیر ادیلہ محمد بن ابی بکر الرئیس مفتی الشافعیۃ بمکۃ المکرمۃ (۷۵) نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام قداۃ الدین والاسلام کتب الفقیر الی اللہ تعالیٰ ابن یحییٰ مفتی الحنابلۃ فی مکۃ المشرفۃ (۷۶) اما القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قراءۃ المولد الشریف تواترتہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام من غیر نکیر منکر ورد رادہ اللہ ولی التوفیق والہادی الی سواء الطریق ۔ حررہ خادم الشریعۃ والمنہاج عبد اللہ بن المرحوم عبد الرحمٰن سراج المنیر والمحدث بمسجد الحرام ۔

اثبات کرتا ہے اور یہ علماء مندرجہ معاصر جناب مولانا احمد علی صاحبؒ کے ہیں، نہ انکو مولانا ممدوح پر تقدم زمانی ہے اور نہ سبق علمی ھم[1] رجال ونحن رجال کا مضمون ہے اور نہ یہ وجہ حاصل کہ سوائے ایک مولانا احمد علی صاحبؒ کے سب کا اتفاق استحسان اس قیام پر بالخصوص ہو کیونکہ ہزار ہا علماء اس عصر کے محض منکر اس قیام کے ہیں اور یہ امر مخفی نہیں پس ان علماء مذکورہ کے اقوال کی حجۃ ہونے کی مؤلف کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وہ عرب ہیں اس واسطے مؤلف اس کو پیش کرتا ہے سو یہ باطل ہے جس کو حق تعالیٰ علم دیوے وہی عالم معتمد[2] ہے خواہ ہند وعجم میں ہو خواہ عرب میں، بخاری مسلم اور جملہ اصحاب کتب حدیث اور شرح وقایہ وہدایہ وکنز ودر مختار وغیرھا جملہ مؤلفین کتب فقہ کے عجم تھے اور اس آخر وقت میں اب مولوی رحمۃ اللہ صاحب تمام علماء مکہ پر فائق اور باقرار علماء مکہ اعلم[3] ہیں اور یا یہ وجہ کہ خود لکھتا ہے کہ سلطان نے انکو انتخاب کرکے مفتی بنایا تو یہ نہ کوئی شرعی حجت اعلمیۃ کی ہے اور نہ دلیل عقلی کیونکہ اکثر مشاہد[4] وموجود ہے کہ عمال وقضاۃ سلطانی

---

[1] وہ بھی آدمی اور ہم بھی آدمی ہیں [2] قابل اعتماد [3] بلند [4] بڑے عالم [5] مائل

واضح ہو کہ مکہ میں یہ عبداللہ سراج بڑے اکمل رجال تھے اس عاجز نے مخالف اور موافق مذہب والوں سب سے ان کی تعریف سنی ہے اور حضرت مولانا احمد سعید نقشبندیؒ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا عبداللہ سراج حنفی مفسر و محدثِ حرم شریف یگہ یکتائے عہد خویش بود و رائس رئیس فرقۂ محدثہ بزانوی ادب در درس اوشاں می نشست و اعتراف بجامعیت مولانا موصوف می نمود و فتوی باستحسان قیام نمودہ است و نزد راقم السطور موجود، الی آخرہ۔ **فائدہ** اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ جو ہم نے کلام ان علماء عرب کا نقل کیا ہے یہ وہ منتخب قابلین تھے جو سلطان عالیجاہ روم کی طرف سے مکہ معظمہ میں مفتی مقرر کئے ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور ان سے پہلے بھی قدیم الایام میں جو علماء و فضلاء عرب میں گذرے حکم دیتے رہے ہیں استحبابِ قیام کا، چنانچہ سید امام برزنجی عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں فرماتے ہیں وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو درایۃ افسوس ہے کہ جب سے اب تک کتنی صدیاں گذر چکیں اور مخبر صادقؐ کا سچا وعدہ ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد جو بدعت کو اکھاڑنے اور سنت کو قائم کرنے کیلئے پیدا ہوا کریگا کیا سبب کہ بلاد متبرکہ ہندوستان میں تو جب سے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت او ضلالت کا استیصال کرتا پس معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ یہ قیام جو خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے ہے اور علماء سب اس کو مستحسن کہتے رہے اور عبداللہ سراج مفتی مکہ معظمہ لکھتے ہیں کہ کسی نے اس پر رد اور انکار نہیں کیا بے شک و شبہ جائز بلکہ مستحسن ہے ہرگز ضلالت نہیں، مولوی قطب الدین خاں صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

ادنیٰ ادنیٰ علماء و عملاء ہوتے ہیں چنانچہ اب بھی یہ امر روم و عرب میں موجود ہے کہ مفتی و قاضی ہونے کو اعلمیت لازم نہیں سو یہ دلیل اعلمیت مؤلف کی یا جہل ہے حقیقۃ الحال اور قواعدِ شرع سے یا عوام کو دھوکہ دینا مراد ہے مع ہذا مولانا احمد علی صاحب تو اس قیام کی کراہت دلیلِ شرعی سے ثابت فرما رہے ہیں جسمیں مؤلف نے کیا کیا چکر کھائے اور کلام خارج از علم و فہم کر کے اس کے جواب کے درپے ہوا اور نا کام رہا اور تمام جوہر مخفی اپنا ظاہر کر کے مضحکہ بنا اور یہ علماء مؤلف کے یہ ہی لکھ رہے ہیں کہ استحسنہ کثیر من العلماء، یا قریب اس کے کوئی کہتا ہے کہ امت محمدیہ نے اجماع کیا ہے استحسان پر اور بدعت مستحب ہے کوئی اکثر کا استحسان کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ متوارث بلاد و نکیر ہے اور یہ فقط دعویٰ محض اور قول ہی قول ہے کیونکہ اس پر انکار کرنا علماء کا خود ثابت ہو چکا۔

مظاہر الحق مطبوعہ میرٹھ صفحہ عہ میں بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ سنیوں کا مذہب سچا ہے مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ بھی سنی ہیں، اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور رافضیوں کا اچھا ہوتا تو وہ مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہوتے، انتہیٰ کلامہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انکار قیام مولد شریف کا اچھا ہوتا تو اول علمائے عرب انکار کرتے کیونکہ پختہ اہل سنت والجماعت وہی ہیں۔

اب نقل کرتے ہیں ہم بطور اختصار دوسرا فتویٰ علماء عرب کا جسکو ۱۲۸۸ھ بارہ سو اٹھاسی ہجری میں مولوی عبدالرحیم صاحب ترکمانی مرتب کرا کر لائے تھے اور کتاب روضۃ النعیم کے آخر میں چھپا یا تھا، عبارات سوال یہ ہے: **سوال** ماقولکم رحمکم اللّٰہ فی ان ذکر مولد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والقیام عند ذکر الولادۃ خاصۃ مع تعین الیوم وتزئین المکان واستعمال الطیب وقرأۃ سورۃ من القرآن و اطعام الطعام للمسلمین ھل یجوز ویثاب فاعلہ ام لا، بیّنوا توجروا۔ **جواب علماء مکہ معظمہ تلخیصاً**: اعلم ان عمل المولد الشریف بھذہ الکیفیۃ المذکورۃ مستحسن ومستحب فالمنکر لھذا مبتدع لانکارہ علی شیٔ حسن عند اللّٰہ والمسلمین کما جاء فی حدیث ابن مسعودؓ قال ماراٰہ المسلمون حسنا فھو حسن والمراد من المسلمین الذین کملوا الاسلام کالعلماء العالمین وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس کلھم راٰوہ حسناً من زمان السلف الی الاٰن فصار الاجماع والامر الذی ثبت بالاجماع فھو حق لیس بضلال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یجتمع امتی

اور بدعت ہونے کا وہ بھی اقرار کر رہے ہیں پھر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے اور یہ کلیات نصوص سے تقیید اطلاق[1] خود ممنوع ہو چکی پھر کس کا اجماع معتبر ہو سکتا ہے اور کس کا استحسان قابل التفات کے بن سکتا ہے ہاں اگر نفس قیام کا استحسان ہو بلا تقیید اور بلا فساد عقیدۂ عوام تو خود مانعین[2] بھی نفس قیام کو منع نہیں کرتے تو یہ فتاویٰ ہرگز مخالف مانعین کے نہ ہوئے اور مؤلف کو کچھ مفید نہ ہو ویں گے۔ بہرحال ان اقوال سے علماء کے نزدیک موافق قاعدۂ شرعیہ کے کوئی کچھ بھی ثبوت نہیں مگر مؤلف کی ناواقفیت علم دینیہ سے یہ حرکات کراتی ہے اور وہی مآل کار[3] حجت ہوتی ہے کہ علماء نے یہ کہا اور کیا ہے اور یہ کوئی حجت فی الدین نہیں خصوصاً ہرگاہ کہ یہ تعامل نص کے مخالف ہو اور رد و انکار اس پر کسی عالم سے ثابت ہو جاوے چہ جائیکہ صدہا سے مدلل[4] رد ہو چکا ہو۔ اب یہ قول مؤلف کا کہ کتنی صدیاں گذر چکیں کسی مجدد عرب نے اس کو منع نہ کیا یہ بھی ایک کلام سخت

---

[1] مطلق کو مقید بنانا [2] معترضین [3] انجام کار [4] دلیل سے ثابت

علیٰ ضلالة فعلیٰ حاکم الشرع تعزیر منکرہ، واللہ اعلم ۔

عبدالرحمن سراج	احمد دحلان	حسن	عبدالرحمن جمال	حسن طیب	محمد شرقی	مفتی حنفی
مفتی شافعی	مفتی حنبلی	حنفی	حنفی	مفتی مالکی	سلیمان عیسیٰ	عبدالقادر خوکیر
ابراہیم الفتن	محمد جاراللہ	احمد الداغستانی	عبدالقادر شمس	عبدالرحمن آفندی	احمد ابوالخیر	عبدالقادر سنخینی
محمد سعید	عبدالمطلب	کمال احمد	محمد سعید الادیب	علی جودہ	سید عبداللہ کوشک	حسین عرب
ابراہیم نوموسی	احمد امین	شیخ فروش	عبدالرحمن عجمی	عبداللہ مشاط	عبداللہ قماشی	محمد بابا بصیل
محمد بسیونی	علی آلبسی	محمد صالح زواوی	عبداللہ زواری	محمد حبیب اللہ	احمد الخراوی	سلیمان عقبہ
سید شطی عمر	عبدالحمید الداغستانی	مصطفیٰ عفیفی	منصور	منشاوی	محمد راضی	

جواب علماء مدینہ منورہ تلخیصاً: اعلم ان ما یصنع من الولائم فی المولد الشریف وقرأتہ بحضرة المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادة الرسول الامین ورش ماء الورد والقیاد

کم فہمی مؤلف کی ہے ہر چند ظاہر ہے کہ مؤلف نہ مجدد کے معنی اور کیفیت سمجھا اور نہ تجدید کی حقیقت سے واقف ہوا فقط ترجمہ حدیث کا مظاہر حق سے یاد کرلیا ہے اور ہم کو بھی جواب دینے کیواسطے اس کی تقریر و تحقیق ضروری نہیں فقط اس قدر الزامی جواب کافی ہے کہ عید عاشوراء کو بخاری و مسلم کی حدیث صریح ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے رد کیا اور خالفوا الیہود[1] اس میں ارشاد فرمایا اور پھر کسی وقت میں عید عاشوراء مکہ میں حادث ہوئی اور کسی مجدد نے اس کو منع اور موقوف نہ کیا اب تک چلی آتی ہے اور سب علماء کے گھر میں ہوتی ہے نہ معلوم کہ مؤلف کے نزدیک کوئی مجدد ہی وہاں نہیں ہوا، یا یہ عید مسنون و مستحب ہے اور مؤلف اور اس کے سب مجددین و علماء مکہ کے نزدیک حلال ہے حالانکہ نص صریح اس کے منع کی موجود ہے۔ اور شیخ عبدالحق

[1] یہود کی مخالفت کرو

البخور وتزئین المکان وقرأۃ شئ من القرآن والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہار الفرج والسرور فلا شبہۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ فضیلۃ مستحسنۃ فلا ینکرہا الا مبتدع لا استماع بقولہ بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ واللہ اعلم وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم

محمد امین	جعفر حسینی البرزنجی	عبدالجبار	سید جمال الدین	ابراہیم بن خیار	سید یوسف	السید محمد علی
السید عبداللہ بن سید احمد	محمد ابن احمد رفاعی	عمر ابن علی	حریری علی	سید مصطفیٰ	سراج احمد	حسن ادیب
ابوالبرکات	عبدالقادر مشاط	سید سالم	احمد الحبشی	محمد نور سلیمانی	عبدالرحیم البرعی	محمد عثمان کروی
قاسم	عبدالعزیز ہاشم	یوسف روی	محسن	مبارک ابن سعد	حامد	محمد ہاشم ابن حسن
عبداللہ بن علی	عبدالرحمٰن صفوی					

جواب علماء جدہ تلخیصاً: اعلم ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہٰذہ الصورۃ المجموعۃ المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعاً لا ینکرہا الا مَن فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق وکیف یسوغ لہ ذٰلک مع قولہ تعالیٰ ومَن یعظم شعائرُاللہ فانہا من تقوی القلوب ۔ واللہ اعلم

علی ابن احمد باصبرین	عباس بن جعفر ابن صدیق	احمد فتاح	محمد سلیمان

محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں صواعق محرقہ سے نقل کرتے ہیں " وہم از بدع ناصبۃ منقضبہ باہل بیت از عید گرفتن آنروز باظہار فرح وسرور وزینت وخضاب واکتحال ولبس ثیاب الخ " خلاصہ یہ کہ احادیث واقوال معتمدین سے عید ہونا عاشوراء کا حرام ہو چکا پس اب یا مؤلف حدیث صریح کو اور اقوال علماء مقبولہ خود کو بالرائے رد کر کے تجدید مکہ کو قبول کرے تاکہ اس کا قیام مستحب ہے یا کچھ تاویل اس عید کی جریان کی باوجود مجددین کے کریگا وہ ہی اس قیام کی کر کے اور دل میں سمجھ کر تائب ہو جاوے بہرحال مؤلف کے فہم کا کال ہر ہر نکتہ میں واضح ہوتا ہے اور نواب قطب الدین خاں نے یہ لکھا ہے کہ قدیم صحابہؓ کے عہد سے وہاں حرمین میں سنی ہی رہے یہ دلیل اہلسنت کی اہل حق ہونے کی ہے نہ یہ کہ وہاں کوئی بدعت جاری نہیں ہوتی ، اب یہی مناکیر مروجہ حرمین کی

احمد عباس	محمد صالح	احمد عثمان	احمد بن عجلان	محمد صدفه	عبدالرحیم بن زیبوی

جواب علماء حدیدہ: قرأة المولد الشریف مع الاشیاء المذکورة جائزة بل مستحبة یثاب فاعلها فقد الّف ذلک العلماء وحثوا علی فعله وقالوا لا ینکرها الّا مبتدع فعلی حاکم الشریعة ان یعزره۔

علی شامی	محمد سالم عابش	علی بن عبداللہ	محمد ابراہیم حشیری	علی الطحان	محمد بن عبداللہ
الفقیر الی اللہ یحیٰی بن مکرم	محمد بن داؤد بن عبدالرحمٰن	علی بن ابراہیم الزبیدی	علی بن محمد حباب	احمد بن محمد ابن الجلیل	عبدالرحمٰن بن علی حضرمی

واضح ہو کہ یہ چاروں جواب یعنی علماء مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً نیز علماء جدہ وحدیدہ اسی ایک سوال کے جواب میں ہیں جمیع قیود قیام تزئین و مکان وغیرہ کی مذکور ہیں پس علماء عرب ابقاہم اللہ وسلمہم اسی ہیئت کذائی کے منکر کو بالاتفاق تعزیر کا حکم دیتے ہیں۔ اب نقل کی جاتی ہیں مہریں ہندوستان کے علماء مستندین کے جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے **ازانجملہ علماء فرنگی محل** کہ ۱۲۷۹ھ سنہ یکہزار دوصد وہفتا دو نہ ہجری میں محمد مصطفیٰ خانصاحب کے مطبع مصطفائی میں فتویٰ ان کا مطبوع ہوا تھا جس کو اس کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مولد شریف کی تعیین خاص ماہ ربیع الاول کے ساتھ فرض اور واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت علماء و محدثین نے مستحب اور مستحسن فرمایا ہے اور یہ بات کہ جو چیز قرون ثلثہ میں نہ ہوئی وہ بدعت سیئہ ہے صحیح نہیں اور جبکہ آیت کریمہ وتعزروہ وتوقروہ سے تعظیم

مؤلف پر مخفی نہیں اور رفض بھی اب ایک مدت سے مکہ اور مدینہ میں موجود ہے اگر مؤلف کو یقین نہیں تو تحقیق کر لیوے پس یہ خوبیٔ فہم مؤلف کی ہے کہ مطلب کو غور نہیں کرتا پس قیام تو خود بعد چھ سو سال کے حادث ہوا ہے اور عید عاشورا بھی بعد قرون کثیرہ کے حادث ہوئی پس ایسے تعامل سے حجت لانا اہل علم کا کام نہیں اور یہ دلیل لائق شان علم کے نہیں بلکہ عوام کا قول ہے، اور فتویٰ بارہ سو اٹھاسی کا جو مؤلف نقل کرتا ہے اس کے جواب کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ اجماع کے معنی اور حدیث ما راٰه المسلمون کی مراد پہلے واضح ہو چکی ہے اب اس فتویٰ سے علم علماء عرب کا ہر اہل علم پر واضح ہو جاویگا اور قول ان کا مخالف نص کے ہرگز معتمد اور ملتفت نہیں ہو سکتا ہے اور ان کے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوئی کھڑا ہونا محفل میلاد میں وقت ذکر ولادت شریف جو منجملہ افراد تعظیم ہے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ یہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں۔ (۱) حررہ ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب عفی عنہ (۲) محمد سعد اللہ عفی عنہ (۳) محمد لطف اللہ عفی عنہ حمادہ (۴) ابوالاحبار محمد المدعو بالنعیم (۵) ابوالحسن محمد صالح (۶) محمد عبد الوحید

ابوالبقا محمد عبد الحکیم ۱۲۳۰	حفیظ اللہ ۱۲۲۲	نعیم اللہ ۱۲۳۷	محمد علی ۱۲۶۲	محمد عبد الحلیم ۱۲۶۶

از انجملہ علماء دھلی و بریلی و رامپور افغانان، واضح ہو کہ محفل مولد شریف اور قیام کے جواز میں ایک کتاب غایۃ المرام مطبع علوی کلاں کوٹھی میں واقع سنہ یکہزار و دو صد و ہفتاد و یک مطبوع ہوئی تھی اس میں علماء و فضلاء دہلی و بریلی و رام پور وغیرہ چند مقامات کے علماء متندین کے فتوی جمع کر کے چھاپے تھے اور چونکہ سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی بھی استحباب محفل میلاد شریف کا اعتقاد رکھتا تھا اور رئیس مسلمان اسلام کے تجمل اور احتشام کا سبب ہوتا ہے رئیس المسلمین اور زین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علماء دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے ان کی مہر بھی استحسان محفل مولد شریف پر کرائی گئی، جس کو ہر عالم فاضل کی تحریر حرفاً حرفاً بالتفصیل دیکھنی منظور ہووے اصل کتاب بہم پہنچا کر ملاحظہ کرے اس میں محفل مولد شریف کو مع جمیع تعینات مروجہ مثل قیام و تقسیم شیرینی وغیرہ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے ایک سو بائیس ۱۲۲ صفحہ کی کتاب ہے اس کے صفحات متفرقہ پر جو مہریں اور دستخط مزین ہیں ان سب کو مجتمع ایک جگہ نقل کرتا ہوں۔

سرسٹھ ۶۷ علماء کے دستخط اور مہریں ہیں ہر عالم کا نام ایک شکل مربع میں مندرج کرتا ہوں

کے قیود مذکورہ کو درجہ اباحت میں اگر کوئی دعوی کر لیوے تو پھر مؤلف کو کوئی جواب نہیں گو بظاہر الفاظ فتاوی کے ان قیود کی تاکید کو تقاضا کرتے ہیں اور خلاف نص کے ہو کر مردود بن جاتے ہیں اور یہی جواب فتاوی ہندیہ کا ہے کہ منجملہ مفتیوں مؤلف کے بہادر شاہ اور حکیم احسان اللہ خاں اور حکیم امام الدین خاں بھی ہیں اور دیگر اشخاص خواہ مخواہ تصریح نام کی حاجت نہیں اور جس قدر یہ اس چند گونہ زیادہ علم و عمل اور عدد میں مانعین موجود ہیں مگر ہم کو بعد دلائل اربعہ کے کیا حاجت مردم شماری کی ہے یہ طریقہ مؤلف کا تو خود دلیل عجز کی اثبات حجت

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی
ابوظفر سراج الدین سنہ ہجری

حکیم احسان اللہ خانصاحب وزیر
عبدہ احسن اللہ

مفتی صاحب صدر الصدور دہلی
محمد ... الدحال

مدرس اول مدرسہ دہلی
سید محمد
یا حافظ

عالم فاضل کہ بلفظ حکیم در دہلی معروف بود
محمد امام الدین خان

قاضی احمد الدین خانصاحب
احمد الدین خان

قاضی محمد علی صاحب
حب محمد علی
در دل و جاں بداں

حضرت شاہ احمد سعید مجددی
ہو
احمدے
فقیر احمد سعید

ہو
احمد
محمد عمرے

خلف حضرت احمد سعید صاحب
محمد مظہر

فاضل جامع علوم مولوی کریم اللہ صاحب
شفیع خلق محمد کریم

مولوی فرید الدین صاحب واعظ جامع دہلی۔
دین محمدی
در فرید آمدہ

دستخط مولانا حیدر علی صاحب
مصنف منتہی الکلام

دستخط مولوی
داور بخش صاحب

دستخط مولوی
حسن الزماں محمد
علی عنہ

محمد عزیز الدین

تفضل حسین
سید

سید یعقوب
علی رضوی

محمد رضا علی
خاں

محمد اللہ
کے مخصوص ہیں

احمد حسین

میر محمود علی

غلام حسین

محمد عبد الواحد

محمد لطف
علی خاں

درِ شہرِ علم محمد علی

جمال الدین
محمد کمال

المولے
طالب
وزیر

عمدۃ العلماء شرع
متین مفتی مولوی
محمد شرف الدین

یا حافظ

کرم نبی

واللہ یؤید
بنصرہ من یشاء

عبد الکریم

عبد اللہ
ولد محمد رفیع اللہ

فخر العلماء
محمد عبد الجامع خاں

ابن اللہ جمیل
ویحب الجمال

محمد عبد العلی

علی حسین

محمد لطف اللہ

نور النبی

محمد عبد اللہ

علی الدین

آل نبی

شرعیہ سے ہے اور پھر آخر میں مؤلف مانعین کو جمیع المیسر خود بخود دل کی تسلی کو کہہ رہا ہے شرم کی آنکھ نہ ہو تو چاہے جو کہے، اور سوادِ اعظم کے معنی پہلے محقق ہو چکے اور جو ناری شاذ ہے وہ بھی معلوم ہو لیا، اب ایک قول پر اکتفا کر کے ختم رسالہ کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ ما اٰتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا۔
حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں اتباع طریقۂ مرضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض فرماتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ ضلالۃ (الحدیث)۔

مقصود علی	حسین حافظ شریف	شداز ظہور حسن علم و عدل اد اشہرت	سبط محمد گل باغ جاوید	احمد نظام الدین	محمد علی خادم العلماء
وزیر علی	مولانا محبوب علی شاہ علی خلف سید	اندۂ تاج محمد عالم علی	محمد سلامۃ اللہ	دستخط فضل رسول بدایونی	سید بشیر علی امروہی
مولوی داد بخش	حسن الزماں	محمد فضل حق	رفیع اللہ	محمد جلال الدین	فضل حسن
محمد عبد الحق	محمد حیات	محمد خلیل الرحمن	وحید الدین	محمد حیات ولد مولوی سید احمد	

اہل سنت والجماعۃ خیال فرماویں کہ ان دونوں فتویٰ متاخرہ میں ہندوستان کے کیسے کیسے علماء جلیل القدر مثل مفتی سعد اللہ صاحب و مولانا تراب علی و مولانا سید محمد مدرس اعلیٰ و مولانا فضل حق و مولانا محمد حیات و مولانا حیدر علی مصنف منتہی الکلام و مولانا سلامت اللہ و مفتی صدر الدین خان صاحب و مفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب استحسان محفل مولد شریف پر فرما رہے ہیں اس وقت میں ایسے عالم کہاں ان میں سے ایک ایک عالم کو دو دو سو کے مقابل سمجھو اور ہم نے اس وقت کے علماء کی مہریں نہیں کرائیں علماء سلف کی نقل مؤلف پر اکتفاء کیا اب یہ خیال کرنا چاہئے کہ اس لمعۂ ثامنہ میں ہم نے جس قدر علماء عاملین اور فضلاء کاملین کے نام ذکر کئے اگرچہ یہ جمیع اقالیم مشرقی و مغربی و جنوبی و شمالی کے تمام علماء و فقہاء کے نام نہیں اگر ان سب کو جمع کیجئے تو اللہ اکبر ایک دفتر بنتا ہے، کما قال ؎ گر اں جملۂ سعدی ملا کند ؛ مگر دفترے دیگر انشا کند ۔ یہ تو چند مقامات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین کا ایک جمہور کبیر اور جم غفیر ہے، پس بموجب فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کا

وعن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوباً واعمقھا علماً واقلھا تکلفاً اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم

اتباع اہل سنت کولازم ہے، فرمایا آپؐ نے اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار، اسکی تحقیق لمعۂ اولیٰ نورِ چہارم میں محدثین سے ہم نقل کرچکے ہیں وہاں دیکھو معنی یہ ہیں کہ پیروی کرو بڑی جماعت کی جو بچھڑا ان سے وہ پڑیگا آگ میں، یعنی جب اختلاف واقع ہو علماء میں توجس طرف اکثر مسلمین ہوں اس پر عمل کرو، یہ توحدیث ہے۔ اب فقہ کا مسئلہ سنو علامہ شامی نے جلد ثانی شرح درمختار باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے فان المانعین جمع یسیر والمجوزین جم غفیر والاعتماد علیٰ ما علیہ الجم الکثیر اور نیز جلد اول رسم المفتی میں لکھا ہے فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین، اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں، چنانچہ مصباح التراویح مطبوعہ مطبع ضیائی کے صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں "اتفاق اکابر وتسلیم اوشاں یا جم غفیر از وشاں نیز دلیلے است، الیٰ آخرہ" اور مولوی اسمٰعیل صاحب تذکیر الاخوان کی فصل سادس میں کتاب وسنت واجماع وقیاس مجتہدین کا ذکر کرکے اس کے بعد لکھتے ہیں" پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا مگر ہاں اکثر دیندار متقی پرہیزگار اس مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے، انتہیٰ" اب دیکھئے اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگرچہ سارا جہان متفق ہو کر نہ مانے مگر اکثر دیندار متفق اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے پس اس مسئلہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب اور نیز مولوی محمد قاسم صاحب تابع فقہاء اور محدثین کے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہ میں متفق ہوجانا اکثر علماء دین کا ایک جانب میں دلیل حقیقت کی ہے یہ مسئلہ خاص ان کی زبان سے ہم نے سنوادیا اب اگر موقعۂ استحسان مولد شریف میں یہ صاحب یا ان کے تابعین اس دلیل سے باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر کچھ داروغہ ہوکر موکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل وزبان کو امرِ حق کی طرف جبراً پھیر دیں خود حضرت ہادی انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے مسنف ۔۔۔ اور دوسری جگہ فرمایا انک لا تہدی من احببت ہمارا ذمہ توضیح امرِ حق تھا وہ کرچکے جس لفظ کی قید مولوی اسمٰعیل صاحب نے لگائی ہے یعنی دیندار متقی پرہیزگاروں سے جواز محفل مولد شریف ثابت کرچکے مثل امام

من اخلاقہم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم (الحدیث) پس یہ دونوں حدیث تمسک سنت نبویہ اور التزام واستنان طریقہ صحابہؓ کو واجب کررہے ہیں لہذا ہر امر عبادت میں واجب ہے کہ طریقہ وسنت صحابہؓ کو ہر مسلم عاقل اپنا امام بنادے اور اس کے موافق عمل کرے اور خلاف قول وفعل ان کے

ابو شامہ و ابوالخیر سخاوی و ابن جزری و سیوطی و قسطلانی وغیرہم جن کے نام لمعۃ تامنہ میں ہم نے لکھے ہیں اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ ان مجوزین محفل مولد شریف میں وہ علماء بھی ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں، پس خوب تحقیق کو پہونچا چکے ہم یہ بات کہ مولد شریف کرنا جم غفیر سے ثابت ہے اور یہ مضمون حدیث اور فقہ سے اور ان کے علماء مستندین سے ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہے وہ معتمد اور ماخوذ بہ اور معتمد علیہ لازم الاتباع ہے جب دونوں مقدمہ صحیح ثابت ہو چکے تو یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ مولد شریف کرنا معتبر ماخوذ بہ معتمد علیہ لازم الاتباع ہے، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات: یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں تو سمیع و علیم ہے سنتا ہے جمیع اقوال کو اور جانتا ہے دلوں کے احوال کو، نہیں لکھی میں نے یہ کتاب مگر اس لئے کہ افراط و تفریط جانبین سے دور ہو ہر فریق اپنے غلو و تعصب سے نفور ہو، اگر حضرات مانعین پر بباعث تکفیر تفسیق اہل ایمان چند تنبیہات ہیں تو طرف ثانی کو بھی اصلاح نیت و تصحیح اعمال کے لئے ہدایات بیّنات ہیں۔ اور مبنی کیا میں نے اپنے جمیع مسائل و دلائل کو ان علماء مقبولین کی دلائل و اقوال پر کہ وہ دنیا میں کالبدر المنیر مشہور ہیں اور کتابیں ان کی ان ملکوں میں جابجا موجود اور حوالہ دے چکا ہوں میں ہر ایک مسئلہ میں تصانیف سلف صالحین کا پس میرا جو قول ہے وہ

قول کسی عالم کا اور توارث اور استحسان کسی کا ہرگز قابل التفات و اعتبار فی الدین کے نہیں مؤلف نے لاطائل تطویل کی اور کوئی نفع اس کو اس سے حاصل نہیں ہوتا کما لایخفی علیٰ من وفق للفہم والسداد واللہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد والحمد للہ علیٰ آلہ ونوالہ کہ براہن رابع تمام ہوئی وتمت کلمۃ ربك صدقاً وعدلاً[1] اور اطفاء انوار باطلہ انوار ساطعہ کا کما ینبغی حاصل ہوا ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون پس بعد اس براہین قاطعہ کے بھی اگر

---

[1] اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی سچائی اور انصاف میں ۱۲

فی الحقیقت ان ہی مقبولین کا قول ہے، یا اللہ ان مقبولین کے توسل سے قبول کیجیو مجھ سے یہ کتاب
اور کیجیو اس کو فریقین کے لئے فصل الخطاب، یا اللہ اس کتاب کی ہر دلیل مظہر الحق اور شک میں پڑے
ہوؤں کو دافع الاوہام ہو، یہ کتاب تسکین بخشی براہین حقانی سے راحت قلوب مستہام ہو، یا اللہ میری
کل رسائل مغفرت کی وسائل ہوں اور یہ انوارِ ساطعہ اندھیری گور کا چراغ ہو میری قبر بہار جنت کا باغ
ہوئے ناظرینِ انوارِ ساطعہ کہو تم میری اس دعا، آمین یارب العالمین آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
خیر خلقہ محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔ فقط تمام شد

تمّت

مؤلف اور اس کے مشرب بدعت کو تنبیہ نہ ہو تو من یضللہ فلا ھادی لہٗ کا مورد ہے، اور اب بھی
اگر ظلمات ضلالۃ بدعۃ پر تبصرہ نہ ہو تو ومن لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فما لہٗ من نور کا مصداق ہے[1]
نجانا اللہ تعالیٰ، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت
الوھاب۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ، وصلی اللہ علیٰ
سیدنا ومولانا محمد ھادی الامۃ وکاشف الغمۃ الذی ترکنا علیٰ مثل البیضاء لیلھا ونھارھا
سواء وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ سراج الامۃ ومصابیح الظلمۃ صلوٰۃ دائمۃ کما یحب ربنا
ویرضی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

تمّت

---

[1] اور جس کو اللہ تعالیٰ روشنی نہ دے اس کو کوئی روشنی نہیں مل سکتی ۔ ۱۲

کتابت: ابوالحسنات سادر القاسمی ۱۹۹۹ء

تقریظ کتاب براہین قاطعہ چکیدہ قلم فیض رقم جناب قدوۃ المحققین زبدۃ الفقہاء والمحدثین عمدۃ الصلحاء والکاملین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مد فیوضہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً۔ اما بعد، احقر الناس خادم الطلبہ بندۂ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ نے اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا، الحق کہ بندہ کے نزدیک یہ ردّ اور جواب کافی اور الزام وحجت وافی ہے اور فی الواقع یہ براہین قاطعہ اپنے مصنف کی وسعت نورِ علم دینیہ وفسحتِ ذکاء وفہم وحسن تقریر وبہاء تحریر پر دلیل واضح اور اقوال مخالف کے باحسن البیان فاضح ہے۔ لہذا یہ احقر الناس اس کتاب کو ملقب بالدلائل الواضحہ علیٰ کراہۃ المروج من المولود والفاتحہ کرتا ہے، حق تعالیٰ اس کے مؤلف کے علم وفہم میں برکت اور اس کی خیرات ومبرّات میں عموماً اور اس تالیف نفیس میں خصوصاً کرامت قبولیت عطا فرماوے اور اس کو موجبِ ندامت وتوبہ اہلِ بدعت کا اور سبب استقامت اور تثبّت متبعینِ سنت کا بنا کر مقبولِ مقبولین ومعمولِ عاملین فرماوے، آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید الکائنات وآلہ وصحبہ اہل الدرجات عدد ما یحب ویرضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

تاریخ طبع اول کتاب براہینِ قاطعہ از جناب قامع البدعۃ محی السنۃ مولوی **محمد حسین** صاحب فقیر گنگوہ ضلع سہارنپور

چوں اختطاف برق براہین حق رسید	شد باعث ذہاب با نوارِ ساطعہ
تاریخ او سب بے سر طغیان وگفت گو	بدعات قطع کرد براہین قاطعہ

تاریخ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ

تمام شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقل خط فیض نبط حضرت سیدنا و مرشدنا جناب حاج شاہ امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکہ معظمہ سلمہ اللہ تعالےٰ۔

التماس مشتہر

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ امسال جو بعض حجاج مکہ معظمہ سے بعد فراغ حج بیت اللہ و زیارت روضۂ اطہر جناب سرور عالم فخر بنی آدم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، و زیارت حضرت حجۃ الاصفیاء تاج الاولیاء زبدۃ المقربین عمدۃ الواصلین شمس الحقیقۃ والعرفان بدر الطریقۃ والاحسان حجۃ اللہ تعالےٰ البالغہ برہان الملۃ المستقیمۃ مرجع عالم منبع الفیض الاتم بحر الحقائق والاسرار مصدر العلوم والانوار صاحب المقامات العلیہ ذو الافضال والدرجات الرفیعہ الصدیق الاعظم والقطب الافخم وسیدنا الحاج شاہ امداد اللہ الفاروقی الچشتی المہاجر فی المکۃ المعظمۃ لازالت شموس فیوضہ بازغۃ و بدور مکارمہ طالعۃ ہندوستان کو واپس آئے تو ایک نقل نامہ والا حضرت موصوف الصدر سلمہٗ کی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ساتھ لائے کہ جس کی تحریر کی وجہ حضرت سلمہٗ کو پیش آئی کہ ایک مولوی نذیر احمد خاں نامی ساکن رامپور فی الحال مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات نے ایک خط طویل جسمیں چند اعتراضات براہین قاطعہ پر کئے ہیں روانہ خدمت عالیہ حضرت حاجی صاحب سلمہٗ کیا، اس خط میں علاوہ اعتراضات کے تکفیر علماء ربانیین کی نوبت پہنچائی چنانچہ ان اعتراضات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاویگا۔

الحاصل اس نامۂ والا حضرت موصوف سلمہٗ کو دیکھ کر اور اس کے مضامین سے بقدر استعداد واقف ہو کر یہ خیال میں آیا کہ چونکہ اس تحریر میں حضرت سلمہٗ نے افراط و تفریط سے اغماض فرما کر طریق وسط کو جو خیر امت کی علامت ہے اختیار فرمایا اور اصلاح خلق اور رفع اختلافات کو مد نظر رکھا اور حق گوئی میں پرواہِ مطاعن طاعنین نہیں فرمائی علاوہ ازیں بیان بھی ایسا مدلل اور قوی ہے کہ باوجود اختصار کے مطالب مرقومہ بوجہ احسن منا[illegible] میں صاف صاف الفاظ میں مسائل متنازعہ کو ایسی طرح بیان فرمایا

کہ کسی کو گنجائش چون وچرا نہ رہی، عقل و نقل و شریعۃ و حقیقۃ کو باہم ایسا ربط دیا کہ کسی کو سوائے تسلیم مجالِ گفتگو نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس خطِ حضرت حاجی صاحب سلمہٗ کو طبع کرا دیا جاوے کہ اس تحریر سراپا ہدایت کو اہل انصاف علی الخصوص معتقدین و مریدین حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب موصوف سلمہٗ دیکھ کر اختلاف باہمی سے کنارہ کریں اور تحریرات طرفین کے لئے یہ خط محاکمہ ہو جاوے اور نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضرت سیدی و مرشدی جناب حاجی صاحب عم فیضہٗ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ جو خاص خلیفہ[۱] حضرت سلمہٗ کے ہیں ان مسائل میں متفق ہیں کسی قسم کی مخالفت[۲] باہم نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور

---

[۱] چنانچہ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب سلمہٗ ضیاء القلوب کے صفحہ ۶ میں ارقام فرماتے ہیں "نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ او شاں بجائے و من بمقام او شاں شدم و صحبت او شاں را غنیمت داند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمت بابرکت ایشاں فیضیاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر او شاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہد ماند اللہ تعالیٰ در عمر شاں برکت دہد و از تمامی نعماء عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداند و بمراتبات عالیہ رساند و از نور ہدایت ایشاں عالم را منور گرداند و تا قیامت فیض او شاں جاری دارد بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد، انتہیٰ بلفظہٖ" احقر کاتب الحروف کہتا ہے کہ خدائے پاک نے حضرت حاجی صاحب سلمہٗ کی دعا ان حضرات کے بارہ قبول فرمائی چنانکہ انکے نور ہدایت سے عالم کو منور فرمایا اور نیز جناب حاجی صاحب سلمہٗ نے بار بار یہ فرمایا کہ جو کچھ ضیاء القلوب میں ان حضرات کی شان میں کلمات لکھے گئے ہیں وہ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے بلکہ بامر حق جلّ و علا و الہام غیبی لکھے گئے وکفیٰ بہ فضلاً و الحمد للہ تعالیٰ۔

پس حضرت مولانا رشید احمد صاحب پر طعن کرنا بعینہٖ حضرت حاجی صاحب سلمہٗ پر طعن ہے، مخالفین اپنا انجام سوچیں اور تائب ہوں، وما علینا الا البلاغ۔

[۲] کیونکہ جو کچھ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب نے مسائل متنازعہ کی نسبت اس خط میں تحریر فرمایا ہے بعینہٖ وہی مسلک حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کا ہے۔ ۱۲

ہوگیا اور اس تحریر بابرکت کے دیکھنے سے حلم واخلاق حضرت سلمہ کا سب پر عیاں ہوجاویگا کہ وجود یکہ سائل یعنی مولوی نذیر احمد خاں اپنے خط میں بہت کچھ سبّ وشتم وتکفیر وتذلیل کو کام میں لائے ہیں لیکن حضرت سلمہ نے کوئی امر خلاف آداب علماء تحریر نہیں فرمایا اور نہ ان کی سبّ وشتم کا جواب ترکی بترکی دیا بلکہ نفس مطلب سے بحث فرمائی اور اصلاح باہمی مدنظر رکھی، علاوہ ازیں چونکہ حضرت عم فیضہم نے وقت تحریر جواب یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مولوی عبد السمیع کو بھی ان ہی مسائل میں شبہ ہے ایک نقل اس کی ان کے پاس بھی جانا مناسب ہے اس لئے طبع کرانے میں یہ بھی نفع سمجھا گیا کہ مولوی عبد السمیع یا جس کسی صاحب[۱] کو ان مسائل میں اشتباہ ہو اس جواب حضرت حاجی صاحب سلمہ سے اپنی تسکین کر لے،

---

[۱] چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب پنجابی مدرس مدرسہ کانپور وغیرہ کو بھی اس مسئلہ میں اشتباہ واقع ہوا اور مفسرین ومتکلمین کے کلام میں لفظ محال وممتنع دیکھ کر قدرت باری کی نفی کردی حالانکہ وہی حضرات دوسری جگہ خلاف وعدہ کو داخل قدرت فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ حضرات وقوع کذب کو محال لکھتے ہیں اور ان کی مراد محال وممتنع سے محال بالغیر وممتنع بالغیر ہے ورنہ خدائے پاک قادر علی الاطلاق کو خلاف وعدہ وعید وخلاف مقدرات کے کرنے سے مجبور کہنا پڑیگا وہو باطل بالاجماع۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً زید جس کی تقدیر میں عالم ہونا اور عمرو جس کے مقدر میں جاہل ہونا لکھا گیا یا ایک شخص کیلئے جنت کا وعدہ ہو اور دوسرے کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہو سو اگر اس تقدیر یا وعدہ وعید کا خلاف ہوگا تو لوح محفوظ میں یا وحی میں خلاف واقع ہونا ثابت ہوگا اور یہی کذب ہے مگر اس عدم وقوع سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلاف تعالیٰ کو خلاف کرنے پر بھی قدرت نہ رہی ورنہ زید عالم کا جاہل کرنا اور عمرو جاہل کا عالم بنانا اور جنتی کا دوزخ میں لیجانا اور اس کا عکس قدرت خدائے پاک سے خارج ماننا پڑیگا بلکہ یہ لازم آئیگا کہ تمام کائنات کیلئے جو کچھ ایکبار مقدر کردیا گیا اس کے خلاف سے خداتعالیٰ عاجز ہے معاذاللہ۔ مولوی احمد حسن صاحب بلا تدبر وتفقہ رسالہ لکھنے کو تو موجود ہوگئے پر یہ نہ سمجھے کہ اس مسئلہ کے انکار اور اہل حق کی تفضیل سے بالکل خداتعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے اور عقیدۂ اہل سنت بلکہ اہل اسلام کے خلاف پر عوام کو جمانا ہے لفظ کذب سے گھبرا کر کمال وقدرت جناب باری کی نفی کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا کوئی شخص خنزیر وغیرہ وارذل مخلوقات دیکھ کر یا افعال واعمال سیئہ وشرور انسانی کو لحاظ فرما کر خداتعالیٰ کو ان چیزوں کے خالق کہنے سے انکار کرے اور خداتعالیٰ کی تنزیہ اس میں سمجھے اور یہ کہنے لگے کہ خداتعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ایسے برے افعال اور بدترین مخلوقات کو پیدا فرمادے سو جیسا اس شخص کا یہ کہنا اہل حق کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کے نقص سے

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اور چونکہ اس تحریر کی اشاعت سے صرف اصلاح طرفین و رفع فتنہ و خلاف باہمی مقصود ہے نہ اظہار نفسانیت و عناد پس اگر کسی صاحب کو اس تحریر کی حقیقت میں شبہ ہو تو حضرت سیدی و مولائی جناب حاجی صاحب سلمہ سے بذریعہ تحریر تصدیق کرے اور مولوی نذیر احمد خاں صاحب مکتوب الیہ کے پاس بھی یہ تحریر موجود ہے امید ہے کہ وہ بھی بے کم و کاست اظہار واقعی فرمائیں گے اور اصل تحریر کو نہ چھپائیں گے اور نیز جناب مولوی حاجی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی جو قریب ایک سال سے حرمین شریفین میں تھے وقت تحریر صحیفہ بھی حضرت حاجی صاحب سلمہ کی خدمت میں حاضر تھے اس امر کے شاہد ہیں اور نقلِ اصل خط حضرت موصوف کی اپنے پاس بھی رکھتے ہیں اور چونکہ کاتب حروف کی غرض اشاعت سے صرف اصلاح و تسکینِ فتن ہے اس لئے مصداق حدیث الدال علی الخیر کفاعلہ امیدِ اجر رکھتا ہے اور بصد عجز و زاری جناب باری جل و علا میں ملتجی ہے کہ اس تحریر حضرت والا سلمہ کی باعث رفع فتنہ و نزاع باہمی فرمائے اور نیز ناظرین حق بین اور انصاف پرست کی خدمتِ والا میں ملتمس ہے کہ اس تحریر کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور کاتب کی اس اشاعت کو کسی اور غرض پر محمول فرما کر مطعون و ملام نہ فرمائیں نقل سوالاتِ سائل میں سائل کے نفس مطلب کو بوجہ اختصار لکھتا ہوں، سب و شتم و تکفیر و تضلیل جو اصل خطِ سائل میں مندرج ہے وہ بوجہ تطویل درج تحریر ہذا نہیں کیا، اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے، جواب حضرت سلمہ بجنسہ نقل ہوگا۔

خلاصۂ اعتراض

پہلا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الٰہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہو سکتا ہے۔ یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط ہیں۔ اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہو گئے۔

دوسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت میں مثل جملہ مخلوقات

(گذشتہ صفحہ کا) خدائے پاک تک نقص نہیں پہنچتا اور اس کی تنزیہ میں کچھ فرق نہیں آتا ایسے ہی قضیہ کاذبہ خلاف واقع کے پیدا کرنے سے خدائے پاک میں کیوں نقص آئیگا جو بدیں وجہ قادر مطلق کی قدرت کا انکار کیا جاوے۔

کے کہہ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کی برابر کردیا اور ہامان وفرعون بھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر ہوگئے یہ بات کفر کی ہے۔

تیسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں مجلس میلاد کو بدعۃ ضلالہ کہا اور فاتحہ اور محفلِ میلاد کرنے والوں کو ہنود اور روافض لکھا۔

چوتھا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین شریفین پر ترجیح دی۔

پانچواں اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں لکھا ہے کہ جو ایک وتر نہ پڑھے اس کے ایمان کا کیا ٹھکانا ہے۔ پس اعتراض امام صاحبؒ وصاحبینؒ وغیرہ تک جو تین وتر کے قائل ہیں پہنچتا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے ایمان کا بھی ٹھکانا نہ ہو، نعوذ باللہ۔

چھٹا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ صاف لکھدیا ہے کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیہ والشافعیہ میں بلا ضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرے۔

نقل خط حضرت حاجی صاحب سلّمہٗ

نحمد اللہ العلیم القدیر الدیان الذی کشف بمحض فضلہ علیٰ من اصطفیٰ من عبادہٖ حقائق العلوم والبیان ونصلی ونسلم علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ لاسیّما علیٰ اشرف الرسل والانبیاء سیدنا محمدن المصطفیٰ وآلہٖ وصحبہ النجباء الاتقیاء اما بعد: فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ بخدمت مولوی نذیر احمد خاں صاحب بعد سلام تحیہ اسلام آنکہ آپ کا خط آیا مضمون سے مطلع ہوا ہر چند کہ بعض وجوہ سے عزم تحریر جواب نہ تھا مگر بغرض اصلاح اور توضیح براہین قاطعہ بالاختصار لکھا جاتا ہے شاید اللہ تعالیٰ نفع پہونچائے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

جواب اوّل:۔ واضح ہو کہ امکانِ کذب کے جو معنی آپ سمجھے ہیں وہ بالاتفاق مردود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوعِ کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلافِ نص صریح ہے ومن اصدق من اللہ حدیثاً۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد وغیرہما آیات کے وہ ذات پاک مقدس ہے شائبۂ نقص وکذب وغیرہ سے، رہا خلاف علماء کا جو دربارہ وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے در اصل کذب[1] نہیں صورتِ کذب ہے اس کی تحقیق میں طول ہے۔ الحاصل امکانِ کذب سے

---

[1] کیونکہ فساق مؤمنین کے لئے مثلاً جو کچھ وعید وتہدید آیات واحادیث میں فرمائی گئی ہیں وہ عموماً — (آئندہ صفحہ پر)

مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف پر بھی قادر ہے اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو امکان کو وقوع لازم نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ممکن[۱] بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہوا ہو چنانچہ اہل عقل سے مخفی نہیں، پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام صوفیاء کرام و علماء عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے پس جو شبہات[۲] آپ

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) وہ عموماً باعتبار استحقاق عذاب و سزائے نفس اعمال بلا تخصیص مقرر فرمائے گئے ہیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ہم ان میں سے جس کو چاہیں بلا تعذیب بخشدیں پس اس وعید کا خلاف کذب نہیں چنانچہ بعض اہل عصیان مؤمنین کا بلا تعذیب جنت میں جانا اور خدا تعالیٰ کا ان کو محض اپنی رحمت سے بخشدینا احادیث میں مصرح ہے البتہ کفار کے لئے دوزخ میں جانا وعید قطعی ہے اس کا خلاف کذب ہے اس لئے کفار جنت میں نہ جاویں گے مگر کفار کا جنت میں داخل کرنا قدرت خداوندی میں داخل ہے یہی معنی امکان کذب کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کذب پر قادر ہے پر وقوع اس کا نہ ہوگا۔ (صفحہ ھذا)

[۱] جیسے رسول خدا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اصل میں ممکن ہے یعنی خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آپ کا مثل پیدا کردے کیونکہ قاعدۂ مسلمہ ہے کہ المثل ممکنٌ، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہیں واجب نہیں، مخلوق ہیں خالق نہیں تو آپ کا نظیر بھی ممکن افعیینا بالخلق الاول مگر چونکہ وعدۂ الٰہی ہو چکا کہ کمالات نبوت و رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس لئے وقوع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محال ہو گیا ہے محال بالغیر۔ علیٰ ہذا زید مثلاً جس کی تقدیر میں عالم ہونا لکھا گیا اس کا جاہل ہونا بالذات ممکن یعنی خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے پس چونکہ خدا تعالیٰ کا لکھا ہوا بدلتا نہیں اس لئے زید کا جاہل ہونا محال بالغیر ہو گیا، اسی طرح غیر متناہی مثالیں اس کی موجود ہیں ۱۲۔

[۲] معترض کے شبہات کی بناء وقوع کذب پر تھی کیونکہ قرآن شریف میں مثلاً احتمال کذب اسی وقت ہے کہ کذب کے وقوع کا کوئی قائل ہو ہرگاہ وقوع کذب باری تعالیٰ محال ہو یا استحالہ کسی وجہ سے ہو احتمال کذب کلام اللہ بھی غلط اور نیز واضح ہو کہ ہرگاہ جناب حاجی صاحب مدظلہ نے جمیع محققین اہل اسلام و صوفیہ کرام کا مذہب امکان کذب بمعنی دخولہ تحت القدرۃ تحریر فرمایا تو اب منکرین اپنا انجام سوچیں کہ وہ کس گروہ میں داخل ہیں؟ ۱۲

نے وقوع کذب پر متفرع کئے تھے وہ مندفع ہو گئے کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں یہ مسئلہ دقیق ہے عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں[۱] اس کی حقیقت کے ادراک سے اکثر ابناء زماں قاصر ہیں آیات و احادیث کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے ایک ایک مثال قرآن و حدیث سے لکھی جاتی ہے ایک جگہ ارشاد جناب باری ہے قل[۲] ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذاباً الآیۃ۔ اور دوسری جگہ فرمایا وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم الآیۃ۔ آیۃ ثانیہ میں نفی وقوع عذاب کا وعدہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا خلاف ہو تو کذب[۳] لازم آئے مگر آیت اولیٰ سے اس کا تحت قدرت باری تعالیٰ داخل ہونا معلوم ہوا پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرۃ باری تعالیٰ جلّ علاہ ہے کیوں نہ ہو وھو[۴] علیٰ کل شئی قدیر احادیث کو دیکھیے کہ عشرہ مبشرہ

---

[۱] مگر جب دیکھا کہ اس زمانہ کے معمولی مغالطات کے بھروسہ قدرتِ خداوندی کی نفی کرنے لگے اور اہلِ حق کی تکفیر و تذلیل پر آمادہ ہوئے تو بضرورت اظہار اس مسئلہ کا کرنا پڑا ۱۲۔ [۲] اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے تمہارے اوپر عذاب بھیجنے پر اور آیۃ ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں عذاب نہ آئیگا پس اس وعدہ کی وجہ سے دنیا میں بے شک عذاب نہ آئیگا مگر آیتِ اولیٰ سے اس کا قدرت الٰہی میں داخل ہونا معلوم ہوا وھو المدعیٰ ۱۲ منہ۔ بدلالت حرف و عقل ثابت ہے کہ خلاف وعدہ کے قدرت میں داخل ہونے سے کذب کا داخل قدرت ہونا لازم آتا ہے بلکہ احادیث میں مصرح ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف وعدہ عہد کو کذب سے تعبیر کیا، چنانچہ قصۂ ابوہریرہؓ میں جوان کو شیطان لعین کے ساتھ غلہ صدقہ میں پیش آیا اور شیطان نے یہ عہد کیا کہ میں پھر نہ آؤں گا مگر چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شیطان پھر آئیگا اور اپنا وعدہ اور عہد پورا نہ کریگا اس لئے اس کو کاذب فرمایا، لفظ کذب جو حدیث میں موجود ہے شاید دعویٰ ہے یعنی شیطان تجھ سے جھوٹ بول گیا پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ وعدہ کا خلاف کرنا تو داخل قدرت جناب باری ہے پر کذب داخل قدرت نہیں محض سفسطہ عقلی ہے۔

[۳] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی محدثات و ممکنات خواہ برے ہوں یا اچھے سب اس کی قدرت میں ذات و صفات خداوندی جو ازلی ابدی ہیں ان میں حدوث ممکن نہیں اس لئے وہ اس سے خارج ہیں ۱۲

[۴] کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس کے لئے قطعاً جنت کا وعدہ فرمایا اس کو دوزخ میں ڈال دے اور دوزخی قطعی کو جنت میں داخل کرے اگرچہ اس کے عدل و کرم سے ایسا نہ ہوگا پر اس کی قدرت و جلال کے سامنے چون و چرا کی مجال نہیں،

وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر ۱۲ ۔

مثلاً بالیقین جنتی بارشاد نبویؐ جو حقیقۃً وحیِ الٰہی جلّ وعلا ہے ہو چکی مگر چونکہ صحابہ کرامؓ جانتے تھے کہ خدا ئے پاک مجبور نہیں ہے اس لئے نظر بقدرۃ وجلال کبریائی ڈرتے ہی رہے بلکہ خود سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات جن کی شان میں لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبك وما تأخر[1] ہے، فرماتے رہے واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم[2] او کما قال واللہ تعالیٰ یحق الحق وھو یھدی السبیل۔

جواب ثانی:۔ علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشریت میں شریک و مثل ہونا جملہ بشر کے بنص قرآنی ثابت ہے اس کا انکار نص کا انکار ہے مگر ایک وصف میں مثل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمیع اوصاف میں مثل ہوا کریں سو برابری کا دعویٰ کوئی نہیں[3] کرتا خود براہینِ قاطعہ میں آیۃ انما انا بشر مثلکم

---

[1] تاکہ بخشے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ اگلے پچھلے ۱۲

[2] قسم اللہ تعالیٰ کی نہیں جانتا ہوں میں حالانکہ میں رسول خدا کا ہوں کہ کیا کیا جاویگا ساتھ میرے اور نہ یہ کہ کیا معاملہ ہوگا ساتھ تمہارے، ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا نظر بقدرۃ وجلال کبریائی ہے ورنہ آپؐ کو وعدۂ الٰہی پر پورا وثوق تھا ۱۲۔

[3] معترض کا یہ کہنا کہ ہامان و فرعون کی برابر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کہدیا نہایت درجہ کی بلادت اور گستاخی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات تو اور انبیاءؑ کو بھی عطا نہیں ہوئے اور کوئی نبی کمالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں چہ جائیکہ فرعون و ہامان مگر یہ خوش فہمی معترض کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور مخلوق کہدینے سے فرعون و ہامان کی برابری ثابت کردی، کیا معترض کے نزدیک جملہ انبیاء علیہم السلام اور امتی اور مؤمنین و کفار یکساں ہیں معاذ اللہ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاءؑ معترض کے نزدیک مخلوق و بشر ہونے سے خارج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و نیز دیگر انبیاءؑ کا کمال تو عبدیت ہی میں ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔

لقد سبقت کلمتنا بعبادنا المرسلین ۱۲۔

کی شرح کے بعد صاف لکھدیا ہے کہ جملہ "یوحی الی" سے علوِ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور امتیاز معلوم ہو گئے، شاید آپ نے براہین قاطعہ کی اگلی عبارت کو بنظرِ انصاف نہیں دیکھا اس لئے تکفیرِ علماء و صلحاء پر مبادرت کرکے اپنا خیال نہ کیا، یہ طعن تو در پردہ خود سرورِ کائنات بلکہ خالقِ موجودات تک پہنچتا ہے کیونکہ انما انا بشر مثلکم کے اظہار و بیان کا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب باری تعالیٰ جل و علا کی طرف سے ہوا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جواب ثالث:- اسی طرح صاحب براہین قاطعہ نے نفس ذکرِ میلاد کو بدعتِ ضلالہ نہیں کہا قیوداتِ زائدہ محرمہ مکروہہ کو کہا ہے۔ اور نہ نفس ذکر و قیام کرنیوالوں کو ہنود و روافض لکھا بلکہ عقیدۂ باطلہ پر حکم حرمت مشابہت روافض و ہنود کا لگایا ہے، چنانچہ خود فتویٰ جناب مولوی احمد علی صاحب مرحوم اور مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ[1] میں یہ امر مصرح موجود ہے کہ نفس ذکرِ میلاد کو وے باعث حسنات و برکات لکھتے ہیں اور براہین قاطعہ میں مکرر اس کو ظاہر کیا ہے، انصاف شرط ہے۔

جواب رابع:- ایسے براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین پر ترجیح نہیں دی ہے جو موجبِ استبعاد ہو بلکہ اس کتاب میں صاف لکھدیا ہے کہ دیوبند کو مثل بازار کے جو شر البلاد ہے سمجھو اور حرمین کو مثل مسجد کے جو خیر البلاد ہے، مگر فتویٰ میں اعتبار علم ربانی متقی کا ہے گو وہ کسی جگہ کا ہو، بنظرِ تحقیق اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

جواب خامس:- ایسے ہی ایک وتر کی بحث میں جو آپ نے لکھا ہے کہ صاحبِ براہین کا اعتراض امام صاحب و صاحبین علیہم الرحمۃ تک پہنچتا ہے یہ تو محض تعصب یا سفاہت ہے، صاحب براہین اس شخص کو رد کرتے ہیں جو عموماً ایک وتر پڑھنے والوں پر طعن کرے کیونکہ ایک وتر پڑھنے والے بعض صحابہؓ و ائمہؒ بھی ہیں، حضرت امام صاحبؒ و صاحبینؒ نے کب ایک وتر پڑھنے والوں پر طعن کیا ہے اور وے

---

[1] حضرت حاجی صاحب سلمہٗ نے جیسا اس تحریر میں قیودات زائدہ سے منع فرمایا ایسا ہی زبانی بھی بارہا قیودات زائدہ سے منع فرمایا اور نیز حضرت سلمہٗ کی دیگر تحریرات سے ممانعت عیاں ہے پس اس صورت میں اگر حضرت سلمہٗ نے کسی کو اجازت میلاد شریف کی دی تو اس کو نفس ذکرِ میلاد شریف پر محمول کرنا چاہئے ۱۲

کب منع کرسکتے ہیں کہ اس طرف بھی صحابہؓ کبار و ائمہؒ اخیار رہیں، صاحب انوار ساطعہ نے چونکہ بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کو مطعون کیا تھا حالانکہ ان میں صحابہؓ و ائمہؒ ہیں اس کو تنبیہ کیا ہے اور اس گستاخی سے روکا ہے۔

جواب سادس :۔ صاحب براہین نے یہ نہیں لکھا کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیہ والشافعیہ میں بلاضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرنا درست ہے، اسمیں یہ مضمون کسی جگہ نہیں شاید آپ کو نقل قول امام ابن ہمام سے جو درباره تراویح لکھا ہے یہ شبہ پیدا ہوا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں، اول تو امام بن ہمامؒ حنفی ہیں شافعی نہیں، پھر صاحب براہین نے اس پر عمل ہونا نہیں لکھا اور نہ اس کو ترجیح دی، فقط

واللہ الموفق والهادی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

لہ پس معترض کا یہ کہنا کہ براہین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ایمان کا بھی کیا ٹھکانا نہایت حمق وشقاوت ہے کیونکہ ان حضرات نے ایک وتر پڑھنے والوں صحابہؓ وائمہؒ کو کبھی طعن نہیں کیا اور نہ کلمات تحقیر ان حضراتؒ کی شان میں لکھے، مؤلف انوار ساطعہ نے بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کی نسبت کلمات ناشائستہ لکھے اس لئے اس کو گستاخی سے روکا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ تحقیر احادیث وتحقیر سلف میں ایمان کا ٹھکانا نہیں۔ اگر مؤلف انوار ساطعہ کہے کہ میری مراد حضراتؓ صحابہؓ وائمہؒ قائلین وتر واحد پر اعتراض کرنا نہیں تو یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے، کیونکہ اس کتاب میں بالتعمیم ایک وتر پڑھنے والوں پر اعتراض کیا ہے حکم شرع پر ظاہر ہے، اور پھر سلف ہوں یا خلف جس امر میں وہ متبع حدیث نبویؐ ہیں اس فعل پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی تحقیر زیبا۔ اعتراض جس پر ہے کسی احادیث یا اتباع ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ چاہئے کہ فرق باطلہ واہل ہویٰ جن عقائد و اعمال میں اہل حق کے موافق ہیں ان عقائد و اعمال پر بھی اعتراض کیا جائے پھر جب ایک وتر کے قائلین بھی صحابہؓ واہل سنت ہیں تو اس فعل پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے فقط۔

تمام شد

کتابت : ابوالحسنات قاسمی دیوبند